

فتاویٰ حکیمانہ



جلالہ آباد

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلی
و دیگر مفتیان کرام دارالعلوم حقانیہ

بکراتی و مستم

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب پٹنہ
مہتمم جامعہ حقانیہ

ترتیب

مفتی محنت الدین حقانی

ناشر

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کورہ خشک

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَآلِهِ لُتَبَذَ إِلَى الْوُجْهِ الَّذِي لَا يَرْجِعُ عَنْهُ الْأَمْرُ فَتَعْلَمُونَ (الأنعام)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کوڑہ ضلع ہریانہ کے فضلاء کی تحریک پر

فتاویٰ حقانیہ

جلد ششم

نگرانی و اہتمام

مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

تفادیس

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ودیگر مفتیان کرام
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب: مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کوڑہ ضلع ہریانہ پاکستان

(جملہ حقوق و اشاعت و طباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب فتاویٰ حقانیہ (جلد ششم)

افادات شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ و دیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی و اہتمام شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصّص فی الفقہ والافتاء

ضخامت ۵۶۰ صفحات

تاریخ طبع ہفتم ۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۰ء

طابع مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

Mob:0300-4572899

ناشر جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد ششم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۰	بائع بیٹے کی غیر موجودگی میں {		کتاب البیوع
۳۱	اس کی جائیداد فروخت کرنا {		
۳۱	جائیداد کی خرید و فروخت پر کمیشن {		
۳۱	لینے کی شرعی حیثیت {		
۳۲	بیع کے نفاذ کا دار و مدار سرکاری {	۲۵	باب شرائط البیع و ارکانہ
۳۲	کاغذات میں اندراج پر موقوف نہیں {		
۳۲	حق مہر میں دی ہوئی زمین کا حق {	۲۵	خرید و فروخت میں طرفین کی رضامندی کا اعتبار
۳۲	فروخت بیوی بچی کو حاصل ہے {	۲۵	مکروہ کی بیع صحیح نہیں ہے
۳۳	درخت عقد بیع میں زمین کے تابع ہیں	۲۶	تابائع کی خرید و فروخت میں اذن عرفی کا اعتبار
۳۴	مسجد کی آمدن سے تجارت کرنا	۲۷	محسنوں کی خرید و فروخت
۳۴	رشتہ کی رقم سے مقبرہ کے لئے جگہ خریدنا	۲۷	ترخ کے تعین سے قبل مبیعہ میں تصرف کرنا
۳۵	سرایہ کی دوکان یا مکان پر پیشگی {	۲۸	مال مسروقہ کی خرید و فروخت کا حکم
۳۵	رقم لینے کی شرعی حیثیت {	۲۸	کوئی چیز خریدنے کے لئے پیشگی رقم دینا
۳۶	دوسرے کے سودے پر سودا کرنا	۲۹	مشری کو مبیعہ وصول کرنے پر مجبور رکھنا
۳۶	حرام مال سے خرید {	۳۰	تیلیفون کے ذریعے {
	وفروخت کرنا {		عقد بیع کا حکم {

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۰	کتے کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت	۳۷	حکومت کی طرف سے روزمرہ استعمال
۵۱	پرندوں کی خرید و فروخت کا حکم	۳۸	کی اشیاء کے نرخ مقرر کرنا
۵۱	خنزیر کی خرید و فروخت کا حکم	۳۸	ڈالڈا گھی کو دیسی کی قیمت پر فروخت کرنا
۵۲	مردار جانوروں کی کھال رنگنے کے	۳۹	زیادہ منافع کے لئے ذخیرہ اندوزی کرنا
۵۲	بعد فروخت کرنا	۳۹	پنشن کی خرید و فروخت کا شرعی حکم
۵۲	مردار جانور کی ہڈیاں فروخت کرنا	۴۰	بیع میں اجل بھول سے بیع فاسد ہوتی ہے
۵۳	گندگی کھانے والے جانوروں کی تجارت	۴۱	بغیر قیمت طے ہوئے بیع و شراء کا حکم
۵۳	ریکچہ کو قرح کر کے روغن نکال کر فروخت کرنا	۴۱	قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا ضروری ہے
۵۴	قبل الدباغ مردار جانور کی کھال فروخت کا حکم	۴۲	باب ما یجوز بیعہ وما لا یجوز
۵۴	جاندار اشیاء کے مجسموں کی خرید و فروخت		
۵۵	مرغیوں کو وزن کر کے فروخت کرنا	۴۲	شراب کی خرید و فروخت کا حکم
۵۵	آزاد عورت کی خرید و فروخت کا حکم	۴۲	شراب کی آمدنی کے عوض اشیاء فروخت کرنا
۵۶	خون جل کر داکھ ہو جائے تو اس کی تجارت کا حکم	۴۳	دارالحرب میں شراب فروخت کرنے کا حکم
۵۶	خون کی خرید و فروخت کے احکام	۴۳	شراب ملی ہوئی اشیاء کی خرید و فروخت
۵۷	انسانی اعضا کے خرید و فروخت	۴۴	الکحل ملی ادویات کی تجارت کی شرعی حیثیت
۵۷	کے شرعی حیثیت	۴۵	منشیات کی خرید و فروخت
۵۷	جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرنا	۴۵	تمباکو کی خرید و فروخت
۵۸	قبرستان کے درخت قبل القلع فروخت کرنا	۴۶	ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ کی خرید و فروخت
۵۹	خود روگھاس کی خرید و فروخت	۴۶	آلات موسیقی کی خرید و فروخت
۵۹	اپنے مملوکہ درخت سے شہد فروخت کرنا	۴۷	گمراہ کن کتابوں کی تجارت کرنا
۶۰	خرید کردہ درخت کو جڑ سے	۴۷	تعویذات کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت
۶۰	اکھاڑ کر فروخت کرنا	۴۸	اخبارات کی خرید و فروخت
۶۱	باغ کے بعض پھل ظاہر ہوں جبکہ بعض ظاہر نہ ہوں	۴۹	دوسرے ممالک سے مال خرید کر پہنچنے
	ایسی حالت میں باغ کو فروخت کا حکم		سے پہلے فروخت کرنا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۵	بت فروشی کا حکم	۶۲	پچنے تک شرط لگا کر کچی فصل خریدنا
۷۶	غصب شدہ املاک کی خرید و فروخت {	۶۳	قرعہ اندازی کے ذریعے خرید و فروخت کرنا
۷۶	کے شرعی حیثیت	۶۳	تجارتی لائسنس کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت
۷۷	بلٹیے پر زمین فروخت کرنا	۶۴	انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم
۷۷	باریک کپڑے کی تجارت کرنا	۶۵	غیر ملکی ویزا کی خرید و فروخت کا حکم
۷۸	نا جائز ملبوسات کی خرید و فروخت کا حکم	۶۶	انتخابات کے دوران ووٹ کی {
۷۸	غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد کی {	۶۶	خرید و فروخت کا مسئلہ
۷۸	فروخت کرنے کا حکم	۶۷	ٹریڈ مارک کی خرید و فروخت
۷۹	بلا اجازت کسی کی زمین فروخت کرنا	۶۸	بیع بذریعہ نیلام عام
۷۹	حق تعلی کی فروخت کا حکم	۶۹	سرکاری کاغذات میں جعل سازی سے خود کو {
۸۰	شرط لگا کر کوئی چیز فروخت کرنا	۶۹	مالک ظاہر کر کے کسی کی زمین فروخت کرنا
۸۰	کسی چیز پر قبضہ کر لینے کے بعد {	۶۹	حکومت کی اجازت کے بغیر غیر ملکی اشیاء {
۸۰	زائد قیمت پر فروخت کرنا	۷۰	کی استجارت کرنا
۸۱	زمین کے بغیر صرف پانی کو فروخت کرنا	۷۰	حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری {
۸۲	کسی گاڑی کی متوقع آمدنی فروخت کرنا	۷۱	درختوں کی خرید و فروخت کا حکم
۸۲	مقررہ نرخوں سے زیادہ {	۷۱	حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا
۸۲	قیمت پر مال فروخت کرنا	۷۲	غیر محفوظ سرکاری کاغذات کے ذریعے {
۸۳	بیع میں اجنبی کے فعل کی شرط لگانا	۷۲	جائیداد وغیرہ کی خرید و فروخت کی {
۸۳	ایجاب و قبول کے وقت مبیعہ کو مشتری {	۷۲	شرعی حیثیت
۸۳	کے حوالہ کرنے کے لئے چند دن کی {	۷۳	وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا
۸۳	مہلت کی شرط لگانا	۷۳	مسجد کا ضرورت سے زائد سامان فروخت کرنا
۸۴	نفع کی خاطر گاہک کو دوسری دکان {	۷۴	غیر موقوف قبرستان کی خرید و فروخت کرنا
۸۴	سے سودا لینے کے لئے قرض پر {	۷۴	وصول حق کے لیے غاصب کی جائیداد {
۸۴	رقم دینا	۷۴	فروخت کرنا جائز ہے

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۹۷	قربانی کیلئے خریدے گئے حاملہ جانور {	۸۵	عیب دار اشیاء کی خرید و فروخت
۹۷	کی واپسی کا حکم	۸۵	نقد رقم قرض دینے کی بجائے کوئی {
۹۷	بیع فسخ کرنے کی صورت میں {	۸۶	چیز مہنگی دینا
۹۸	بالغ پر جرمانہ لگانا	۸۷	آٹا پیسنے کی عوض اناج جمع کر کے فروخت کرنا
۹۸	وقت معین تک شے کی ادائیگی کا اختیار دینا	۸۷	مشترکہ زمین سے اپنا حصہ فروخت کرنا
۹۸	پیشمان ہونے پر رقم واپس کرنا لازم ہے	۸۸	مشترکہ طور پر خریدی ہوئی چیز {
۹۹	بیع میں بیعناہ ضبط کرنے کے {	۸۸	سے اپنا حصہ نکالنے کا طریقہ
۹۹	رواج کا شرعی حکم	۸۸	زیادہ منافع کی امید پر کسی چیز {
۹۹	کلوگرام کے حساب سے کوئی چیز خرید کر {	۸۹	کی فروخت میں تاخیر کرنا
۱۰۰	سیر کے حساب سے فروخت کرنا جائز ہے {	۸۹	بیع قطعی سے انحراف درست نہیں
۱۰۱	نا بالغ کی جائیداد جبکہ فروخت کرنا	۹۰	بالغ اور مشتری کا ایک بار تولنے پر اکتفا کرنا
۱۰۱	بالغ کا منفعت کی شرط لگانا باطل ہے	۹۱	مبیعہ میں شریک سے اس کا حصہ بذریعہ بولی خریدنا
۱۰۱	زناہ عامہ کے کاموں کے لئے بیع و شرا کا حکم	۹۱	قرض کو فروخت کرنا
۱۰۲	موصوبہ زمین کی خرید و فروخت کا حکم	۹۱	غیر مسلموں کی متروکہ اشیاء فروخت کرنا
۱۰۲	الکحل کی تجارت کا حکم	۹۲	ہم جنس موزونی اشیاء کو بلا وزن فروخت کرنا
۱۰۳	حیوانات کی ادھار بیع کا حکم	۹۲	گڑ کا معیار بہتر بنانے کیلئے رنگ کا استعمال کرنا
۱۰۳	خشک و تر کھجور میں تفاضل	۹۳	جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کرنا
۱۰۳	مختلف ممالک کی کرنسی کی تجارت کا حکم	۹۴	ضرورت سے زائد روٹیاں جمع کر کے فروخت کرنا
۱۰۵	قبل القبض کسی چیز کو فروخت کرنا	۹۴	کارینر کا بانی فروخت کرنا
۱۰۶	قسطوں کے اختتام سے قبل گاڑی کو {	۹۵	بیع فضولی کا حکم
۱۰۶	پہنچنے والے نقصان کا ذمہ دار کون ہے {	۹۵	جانوروں کی خون کی خرید و فروخت کا حکم
۱۰۶	قسط لیٹ ہونے کی وجہ سے {	۹۶	مشترکہ جائیداد اور اراضی کی {
۱۰۶	مبیعہ واپس نہیں ہو سکتا {	۹۶	بیع و شرا کا حکم
۱۰۷	گاہکوں کو مختلف قیمتوں پر سورا بیچنے کا حکم	۹۶	مشتری کا بالغ کو دھوکا دینا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۱۹	صحیح چیز میں ردی کی ملاوٹ { کر کے فروخت کرنا	۱۰۸	تجارت میں منافع کا تعین نہیں
۱۲۰	زبانی سودا بیع بالمعردوم کے حکم میں ہے	۱۰۸	بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر { اس کا مال فروخت کرنا
۱۲۱	مشتری کی مال منقول میں بیع کو فسخ کرنا	۱۰۹	بجلی کی خرید و فروخت کا حکم
۱۲۱	ادائیگی ثمن کے غیر متعین وقت کا حکم	۱۰۹	ڈرافٹ کی رسید کی بیع کا حکم
۱۲۲	مردار جانوروں کی ٹہیوں کی خرید و فروخت کا حکم	۱۱۰	زندہ مرغی کو تول کر فروخت کرنا
۱۲۲	واو چر کو فروخت کرنے کا حکم	۱۱۰	مرغیوں کی بیٹ کو بطور کھا د فروخت کرنا
۱۲۳	بیع قبل القبض کا حکم	۱۱۱	تصنیف یا طباعت کے حقوق فروخت کرنا
۱۲۳	مبیعہ کو دوبارہ بائع پر فروخت { کرنے کی شرط لگانا	۱۱۲	فارسی مرغیوں کی خرید و فروخت کا حکم
۱۲۳	سونے کے زیورات کی ادھار تجارت کا حکم	۱۱۳	کتیا کا دودھ پینے والے گائے کے { بچے کی خرید و فروخت کا حکم
۱۲۵	جعل سازی کے ذریعے دیرے فروخت کرنا	۱۱۳	بائع اول کا مشتری ثانی سے واپس خریدنا جائز ہے
۱۲۵	گندے انڈے فروخت کرنے کا حکم	۱۱۳	نایاب یقیموں کی جائیداد کی خرید و فروخت کا حکم
۱۲۶	باب فی الخيار	۱۱۵	زالہ باری سے متاثر ہونے والے { مچھلیوں کی خرید و فروخت کا حکم
۱۲۶	خیار رویت کا حکم	۱۱۵	مبیعہ میں زیادتی بائع کا حق ہے
۱۲۶	غبن فاحش کا مسئلہ	۱۱۶	تقاویر کی خرید و فروخت کا شرعی حکم
۱۲۷	جملہ عیوب سے برأت کا اعلان کر کے { کوئی چیز فروخت کرنا	۱۱۶	زقوم کا پھل کھانے اور اس { کی خرید و فروخت کا حکم
۱۲۸	بیع بالوفاء کا حکم	۱۱۷	اجرت قبل القبض کی خرید و فروخت کا حکم
۱۲۸	اطلاع علی العیب کا حکم	۱۱۸	گدھوں اور کتوں کے گوشت { کی خرید و فروخت کا حکم
۱۲۹	عدم رویت کی وجہ سے تبادلہ { زمین منسوخ کرنا	۱۱۸	شیر اور رچکھ کی چربی کی تجارت
		۱۱۹	فوج سے پہلے کھال کی خرید و فروخت کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۳۰	سیل ٹیکس قیمت خرید میں ملانے کا حکم	۱۳۰	عیب دار چیز کی خرید و فروخت
۱۳۰	ضلع ٹیکس، پل ٹیکس، محصول چونگی وغیرہ	۱۳۰	غیر ملکی ویزوں کی خرید و فروخت
۱۳۱	اخراجات اصل قیمت میں ملانا	۱۳۱	میں خیار عیب کا حکم
۱۳۱	تسطوں میں اشیاء کی خرید و فروخت		خیار رویت ناقابل انتقال حق ہے
۱۳۱	کی شرعی حیثیت		
۱۳۲	ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا		باب الملاقاة
۱۳۳	بیع مراحجہ میں دھوکہ سے لی گئی	۱۳۲	اقالہ میں طرفین کا رضا مند ہونا
۱۳۳	زائد رقم پر رجوع کا حکم	۱۳۲	اقالہ میں قیمت کم کرنے کی شرط لگانا
۱۳۴	مبیع کو زیادہ قیمت پر فروخت کرنا	۱۳۳	فروخت شدہ چیز کو کم قیمت پر واپس لینا
۱۳۴	بیع مراحجہ میں فیصدی کے ساتھ منافع کا تعین	۱۳۳	مبیعہ پسند نہ آنے پر واپس کرنا
۱۳۴	ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے	۱۳۴	اقالہ کی صورت میں رقم میں زیادتی جائز نہیں
۱۳۴	کی شرعی حیثیت	۱۳۵	نشن خرچ ہو جانے سے اقالہ کا حکم
۱۳۶	مولانا طاسین کا مضمون		باب المراجحة والتولية
۱۴۱	جواب از قاضی عبدالکریم	۱۳۶	بیع مراحجہ میں منافع کی مقدار متعین نہیں
۱۴۷	جواب از مفتی غلام الرحمن صاحب	۱۳۶	بیع مراحجہ میں شہ بخانت سے اجتناب ضروری ہے
۱۴۹	مقلد کی ذمہ داری	۱۳۷	بیع مراحجہ میں گز اور میٹر کے تعین کی ضرورت
۱۴۹	دلیل کے مطالبہ کی حیثیت	۱۳۸	آمدورفت کا خرچہ خریدی گئی
۱۷۰	زیر نظر مسئلہ میں قیمت زیادتی کا حقیقت		چیز کی اصل قیمت میں ملانا
۱۷۱	قرآن سے استدلال		کسی چیز کی قیمت خرید میں اضافی
۱۷۲	رسول اللہ کے ایک علمی واقعہ سے استدلال	۱۳۸	اخراجات ملانے کی ضرورت
۱۷۲	خیر القرون میں زیر بحث مسئلہ کا علمی ثبوت	۱۳۹	بیع مراحجہ میں خیانت کے باعث شرعی کا مبیعہ واپس کرنا
۱۷۶	مختلف اجنس اشیاء میں تفاضل		
۱۷۶	حقیقی و حکمی دونوں جائز ہے		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۹۵	کتاب الربوا	۱۷۷	نقد و نسبیہ کی قیمت میں تفاوت کا جواز { ائمہ کا اختلافی مسئلہ ہے
۱۹۵	سود کی حقیقت	۱۷۸	ایک غلط فہمی کا ازالہ
۱۹۶	سود سے بچنے کا حیلہ	۱۷۸	موصوف کے مقابلہ کا جائزہ
۱۹۷	سودی رقم کا مصرف	۱۸۰	پہلی وجہ کی کمزوری
۱۹۷	گڑ، گندم قرض پر دیکر واپسی کے { وقت زیادتی کی شرط لگانا سود ہے {	۱۸۲	دوسری وجہ کی کمزوری
۱۹۸	سود پر پر قرضہ دینا ناجائز ہے	۱۸۳	تیسری وجہ کی کمزوری
۱۹۸	دین موجد میں کمی کر کے معجل وصول کرنا حرام ہے		باب المسلم
۱۹۹	قرض دیکر نفع متعین کرنا ناجائز ہے	۱۸۵	بیع سلم کی حقیقت
۱۹۹	مساوی حقوق کے وقت قرض اندازی سود نہیں	۱۸۵	مالدار کے لئے بیع سلم کی اجازت
۲۰۰	مشتری کے ہاتھ مبیعہ نفع کی شرط { پر بچنے کا وعدہ سود نہیں {	۱۸۶	کرنسی نوٹوں میں بیع سلم کی اجازت ہے
۲۰۱	سودی رقم کے عوض سودی رقم دے { کر ذمہ فارغ کرنا {	۱۸۷	بیع سلم میں تمام قیمت کی وصول ضروری ہے
۲۰۱	شئی مرہونہ سے نفع کی شرط سود ہے	۱۸۸	جانوروں میں بیع سلم کا حکم
۲۰۲	اشترک قدر کی صورت میں { ادھار تبادلہ ناجائز ہے {	۱۸۸	مالکان رسائل و جرائد کا خریداروں سے پیشگی قیمت لینا {
۲۰۳	نفع کی شرط پر قرض رقم دینا سود ہے	۱۸۹	جوس کے کریٹوں میں بیع سلم کا حکم
۲۰۳	ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت { وصول کرنا سود نہیں ہے {	۱۹۰	مسلم قبہ ناپید ہو جائے تو ۹
۲۰۴	اشیاء ربویہ میں قرض کا معاملہ	۱۹۰	جانبین سے موزونی اشیاء میں بیع سلم جائز نہیں
۲۰۴	نقد رقم کو قسطوار کر کے زیادہ وصول کرنا	۱۹۱	چلغوزی میں بیع سلم کا حکم
		۱۹۲	افیون میں بیع سلم کا حکم
		۱۹۲	کپڑے میں بیع سلم { کا حکم {

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۱۷	فصل کے بدلے اناج دینا	۲۰۵	مضاربیت کا منافع سود نہیں
۲۱۸	سونا چاندی قرض کی صورت میں	۲۰۶	بینک ڈرافٹ کی شرعی حیثیت
۲۱۹	زیادہ قیمت پر فروخت کرنا	۲۰۷	ڈانچانہ میں جمع شدہ رقم پر منافع لینے کا حکم
۲۲۰	اسٹیٹ لائف کمپنی کی دجل و تبلیس	۲۰۸	بیع محافلہ ریوا میں داخل ہے
۲۲۱	بیمہ زندگی کی شرعی حیثیت	۲۰۸	پی، ایل، ایس غیر سودی کھاتہ کا حکم
۲۲۱	سود لینے دینے پر گواہ بننا اور حالت انظار میں سود دینے کا حکم	۲۰۸	انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم
۲۲۷	کتاب الرهن	۲۰۹	مروجہ کرنسی نوٹوں کے تبادلہ میں مساوات شرط ہے
۲۲۷	مرصونہ زمین کے اعراجات کی ذمہ داری کا حکم	۲۰۹	دارالحرب میں کسی غیر مسلم سے سود لینا منع ہے
۲۲۷	مرصونہ سے انتفاع کا حکم	۲۱۰	دارالاسلام میں کسی بھی غیر مسلم سے سود لینا جائز نہیں
۲۲۸	رخصت سبب ملک نہیں	۲۱۱	لاربا بین المسلم واکھری کی وضاحت
۲۲۹	مرتبہ کو بلا اجازت مالک مرہونہ	۲۱۱	پراویڈنٹ فنڈ اور سود کا مسئلہ
۲۲۹	سے انتفاع موجب ضمان ہے	۲۱۲	جی پی فنڈ کی رقم حصول سے قبل کسی
۲۲۹	مرہونہ کے اجارہ کا حکم	۲۱۲	کمپنی یا بینک کو سود پر دینے کا حکم
۲۳۰	مرہونہ میں مالک کا تصرف مرتبہ	۲۱۳	ملاحم کی اجازت سے اس کی تنخواہ سے
۲۳۰	کی اجازت پر موقوف ہے	۲۱۳	پراویڈنٹ فنڈ کی کٹوتی کا حکم
۲۳۱	مرہونہ زمین چھڑانے بغیر کسی	۲۱۳	گاڑی دلوانے کے عوض اصل رقم سے زائد
۲۳۱	دوسرے پر فروخت کرنا	۲۱۳	کا مطالبہ کرنا سود ہے
۲۳۳	مسلم کی مرہونہ زمین سے انتفاع	۲۱۳	انعامی اسکیموں کا حکم
۲۳۴	مرہونہ زمین کے محاصل راہن گرو واپس کرنا لازم ہے	۲۱۳	غیر ملکی کرنسی کو اضافی قیمت پر خریدنا
۲۳۷	کتاب الاجارۃ	۲۱۵	بینک کی تعمیر کے لیے زمین دینا
۲۳۷	جارہ میں عین مدت ضروری ہے	۲۱۵	پرانے کرنسی نوٹ نئے نوٹ کے
۲۳۸	طریقہ کیلئے نہ عین اجارہ پر دینا جائز ہے	۲۱۶	ساتھ کم قیمت پر تبدیل کرنا
		۲۱۶	زمین کا زمین سے تبادلہ جائز ہے
		۲۱۶	گندم اور مکئی کا تبادلہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۳۸	۱ جبر خاص اپنا کام دوسرے آدمی سے نہیں کر سکتا	۲۳۸	معروف اجرت پر اجارہ کا حکم
۲۳۹	۱ جبر خاص کا استحقاق	۲۳۹	مجہول الوقت کا عقد اجارہ
۲۴۰	ملازم کے لئے مفوضہ ڈیوٹی کے	۲۴۰	گاہڑیوں کے ٹائر کرایہ پر دینا
۲۴۱	علاوہ کوئی اور کام کرنا جائز نہیں	۲۴۱	اجارہ پر ملی ہوئی زمین میں ہونے والی درختوں کا حکم
۲۴۲	مال چوری ہونے کی صورت میں	۲۴۱	اجارہ کردہ چیز کی مرمت کا خرچہ
۲۴۳	۱ جبر خاص پر ضمان کا حکم	۲۴۲	مستاجر کے ذمہ لگانے کا حکم
۲۴۳	ٹیوب ویل کا پانی اجارہ پر دینے کا حکم	۲۴۲	تین ماہ سے قبل نوکری چھوڑی تو
۲۴۴	دینی مدارس کے لئے کمیشن پر	۲۴۳	تنخواہ نہیں ملیگی اجارہ فاسد ہے
۲۴۴	چندہ کرنا جائز نہیں	۲۴۳	اجارہ فاسد کی ایک اور صورت
۲۴۴	مدرسین دینی و عصری مدارس کے لئے	۲۴۴	حیوان کو نصف پر رکھنا
۲۴۵	چھٹیوں کی تنخواہ لینا جائز ہے	۲۴۴	مزدوری میں زمین دینا
۲۴۵	مسلمان کا کفار کے ساتھ نوکری کر نیکا حکم	۲۴۵	اجارہ میں زمیندار کو کاشت کی عام اجازت دینا
۲۴۶	ریڈیو کی مرمت پر اجرت لینے کا حکم	۲۴۵	اجارہ علی الاجارہ جائز ہے بشرطیکہ
۲۴۶	بیل کی گائے سے جفتی کرانے پر اجرت کا حکم	۲۴۵	اپنے مؤجر پر نہ ہو
۲۴۷	فوٹو گرافی پر اجرت لینا	۲۴۶	مستاجر یا مؤجر کی موت سے اجارہ کا ختم ہونا
۲۴۷	قلنگ وصول کرنا	۲۴۷	جعلی سند پر بھرتی ہونے والے
۲۴۸	بینک کی چوکیداری کرنا	۲۴۷	ملازم کی تنخواہ کا حکم
۲۴۸	بینک کی ملازمت کرنا	۲۴۷	امام مسجد میں اہلیت نہ ہو تو اسے
۲۴۹	خلاف شرع کام کرنے کی اجرت لینا	۲۴۷	معزول کیا جاسکتا ہے
۲۴۹	تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے	۲۴۸	امامت مسجد اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا حکم
۲۵۰	دلالی کی اجرت لینا جائز ہے	۲۴۹	نکاح خوانی پر اجرت لینے کا مسئلہ
۲۵۱	بڑتال کے دنوں کی تنخواہ لینا جائز ہے	۲۴۹	۱ جبر خاص کو ڈیوٹی کے اوقات میں
۲۵۱	مریض کی تشخیص کرنے پر	۲۴۹	کوئی دوسرا کام کرنا جائز نہیں
۲۵۱	ڈاکٹروں کی فیس کا حکم		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۶۲	کمیشن لینے کی شرعی حیثیت	۲۶۲	اجارہ پر لی ہوئی زمین میں {
۲۶۳	کام میں رکاوٹ پیدا ہونے کے {	۲۶۲	افیون کاشت کرنا
۲۶۳	خوف سے ٹھیکدار کا افسران بالا	۲۶۲	عذر کی صورت میں اجارہ فسخ کرنا
۲۶۳	کو رشوت دینا	۲۶۳	نااہلی اجارہ فسخ کرنے کے لئے عذر ہے
۲۶۳	امام مسجد کا حق امامت سے {	۲۶۳	اجارہ پر دی ہوئی چیز کی بیع موقوف ہے
۲۶۳	زیادہ چھٹیاں کرنا	۲۶۳	میوزک سنٹر کے لئے دکان {
۲۶۳	نماز جنازہ پڑھانے کی اجرت لینا	۲۶۵	کرایہ پر دینے کا حکم {
۲۶۵	گولڈن ہینڈ ٹیک کی شرعی حیثیت	۲۶۵	پچڑھی دیکر دکان یا مکان {
۲۶۶	نائی کو دوکان کرایہ پر دینا	۲۶۵	خالی کروانے کا حکم {
۲۶۶	اجارہ فاسدہ کے جواز کی صورت	۲۶۶	آفات کی وجہ سے اجرت ساقط ہوتی ہے
۲۶۸	بداخلاقی کی بنا پر مدرسے سے {	۲۶۶	جن شروط سے بیع فاسد ہوتی ہے {
۲۶۸	خارج کیے گئے مدرس کے لئے پورے {	۲۶۶	انتہی شروط سے عقد اجارہ بھی {
۲۶۹	سال کی تنخواہ کا حکم	۲۶۶	فاسد ہوتا ہے
۲۶۹	ایم تعطیل کی تنخواہ کا حکم	۲۶۶	گودام سے چوری ہونے والے مال {
۲۸۰	اخلاقی باہادری کا حکم	۲۶۶	میں چوکیدار پر ضمان نہیں {
۲۸۱	اجرت الدلال پر اشکال کا جواب	۲۶۸	کسی سفارتخانے سے ویزا کے نکلوانے {
۲۸۲	زمین اجارہ پر دینے کی ایک صورت	۲۶۸	پر رقم لینا جائز نہیں {
۲۸۵	کتاب الشفعة	۲۶۹	مسئلہ تغیر الطمان کا حکم
۲۸۵	شفعہ کے حقدار	۲۷۰	شامی کی ایک عبارت کی وضاحت
۲۸۵	تبادلہ میں حق شفیعہ کا اثبات	۲۷۱	اجارہ پر جانور پالنے کا طریقہ
۲۸۶	حق شفیعہ کو فروخت کرنا	۲۷۱	مشروط میعاد سے قبل دوکان خالی {
۲۸۶	قبل البیع مصاحمت سے حق شفیعہ {	۲۷۲	کرنے پر کل میعاد کے کرایہ کا حکم {
۲۸۶	ساقط نہیں ہوتا	۲۷۲	رشوت کے ذریعے حاصل کیے {
		۲۷۲	ہونے ٹھیکہ کی کمائی کا حکم {

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۰۱	زمین کا تبادلہ کرنے پر حق شفیع ثابت ہے	۲۸۷	متعدد شفعاؤں میں سے بعض کے اسقاط
۳۰۱	بحیثیت کرایہ دار کسی کا حق شفیع ثابت نہیں ہوتا	۲۸۸	دھوکہ دہی سے حق شفیع متاثر نہیں ہوتا
۳۰۲	رجسٹری یا انتقال نہ ہونے کی صورت میں شفیع کا حکم	۲۸۸	مشترکہ زمین کا کچھ حصہ خریدنے سے حق شفیع ساقط نہیں ہوتا
۳۰۲	مشتري کے مرنے سے شفیع کا حق شفیع باطل نہیں ہوتا	۲۸۹	وقف شدہ زمین پر کسی کو شفیع کا حق نہیں
۳۰۳	شفیع برابر ہو تو دونوں شفیع کا حق رکھتے ہیں	۲۸۹	خشک نالے سے حق شفیع ثابت نہیں ہوتا
۳۰۳	کسی کے حق شفیع کو ختم کرنے کیلئے اصل رقم و رائے لکھوانا	۲۹۰	تاخیر سے حق شفیع کا بطلان
۳۰۴	مسودہ قانون شفیع پر مجلس شوریٰ میں کی گئی تقریر	۲۹۱	غیر مسلم کو حق شفیع حاصل ہے
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۱	حمل کو بھی حق شفیع حاصل ہے
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۲	حق شفیع سن بلوغ تک موقوف ہوگا
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۳	بیع فاسد پر شفیع کرنا
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۳	شفیع کا ہبہ صحیح نہیں
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۴	بیع وفاء پر شفیع کا حکم
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۴	اموال منقولہ پر شفیع صحیح نہیں
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۵	قتل محمد کے عوض لی گئی زمین پر شفیع کرنا
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۶	حق مہر میں دی گئی زمین پر شفیع کا حکم
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۶	صلح میں دی گئی جائیداد پر شفیع کا حکم
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۷	طلب اشہاد کے وقت حدود اربعہ کا بیان کرنے کا حکم
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۸	طلب اشہاد میں تعداد شہداء کا حکم
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۹	حق شفیع میں شریک فی الشرب مقدم ہے
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۲۹۹	مہر مسمیٰ کے عوض میں ملنے والی زمین پر شفیع کا حکم
۳۰۴	مسودہ شفیع آرڈیننس اور دارالعلوم تحانیہ کی سفارش و ترمیم	۳۰۰	تحفہ کے عوض میں ملنے والی زمین پر شفیع کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۲۸	مشرکہ ندی سے انتفاع کا حکم	۳۲۸	مشرکہ دیوار کی تعمیر کے اخراجات کا حکم
۳۲۸	مزدور جو کچھ کھائے وہ اسی کی ملکیت خاص ہوتا ہے	۳۲۸	اقرار سے شرکت کا ثبوت
۳۲۸	اولاد اور باپ کی مشترکہ تجارت میں اولاد کا حصہ	۳۲۹	مشرکہ زمین میں کسی ایک شریک {
۳۲۵	کتاب المضاربة	۳۲۹	کا پھلدار درخت لگانا
۳۲۵	مضاربت کی حقیقت	۳۳۰	مشرکہ کتب شرکا کی اجازت کے بغیر {
۳۲۵	مضاربت میں منافع کی تعیین کرنا	۳۳۰	کسی کو عاریتہ دینا جائز نہیں {
۳۲۶	عقد مضاربت میں رأس المال {	۳۳۰	مشرکہ ٹیوب ویل کے پانی سے کسی {
۳۲۶	کا نقدی ہونا ضروری ہے {	۳۳۰	شریک کو روکنا جائز نہیں {
۳۲۷	مضارب کے نفقہ کا حکم	۳۳۱	مچھلی کا شکار کرنے میں شرکت کا حکم
۳۲۷	مضاربت میں خسارہ کی ذمہ داری کا مسئلہ	۳۳۲	مشرکہ اسٹورکٹیشن فروخت کرنے کا حکم
۳۲۸	مضاربت میں فریقین منافع {	۳۳۲	مشرکہ مال سے حج کرنے کا حکم
۳۲۸	کے مقدار کس بنتے ہیں {	۳۳۳	مشرکہ زمین میں چشمہ کے پانی سے {
۳۲۹	حکومتی جرمانہ رب المال پر {	۳۳۳	شریک کو منع کرنا جائز نہیں {
۳۲۹	آئے گا یا مضارب پر {	۳۳۴	اموال مشترکہ سے زکوٰۃ دینے کا حکم
۳۳۰	دکان کے اخراجات مضارب پر عائد کرنا	۳۳۵	اموال مشترکہ میں سے مہمان نوازی کا حکم
۳۳۰	مضاربت کے قواعد و ضوابط پر عرف کا اثر	۳۳۵	شریک کو شرکت ختم کرنیکا اختیار ہے
۳۳۱	حیوان کو مضاربت میں دینے کا حکم	۳۳۶	باپ اور بیٹے کی مشترکہ کمائی کا حکم
۳۳۱	مال مضاربت سے خریدی ہوئی {	۳۳۷	مشرکہ زمین میں بلا اجازت شریک کے باع لگانا
۳۳۱	بجری کے دودھ کا حکم {	۳۳۷	کسی کی گائے بطور شرکت پالنا
۳۳۲	مضارب کا معاہدہ کے خلاف کام کرنا	۳۳۸	مشرکہ زمین پر شرکا کی اجازت {
۳۳۳	مدرسے کا فنڈ چندہ دہندگان {	۳۳۸	کے بغیر مکان بنانا
۳۳۳	کی اجازت سے مضاربت پر دینا {	۳۳۹	مزدور کی کمائی اسکی ملک خاص ہوتی ہے
		۳۳۹	آمدن و اخراجات میں شریک {
		۳۳۹	بھائیوں کی کمائی کا حکم {

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۶۷	حوالہ کرنے کے بعد دیون سے قرض کے مطابق حکم	۳۵۳	مال کی موجودگی میں مضاربیت کو ختم کرنے کا حکم
۳۶۸	بجھول چیز کی ذمہ داری لینا	۳۵۴	مضاربیت میں وقت مقرر کرنا
۳۶۸	کفیل اور مکفول غنہ کے مابین ثمن میں اختلاف	۳۵۷	کتاب الوکالة والكفالة
۳۶۹	محتاج علیہ کی رضامندی کا حکم		
۳۷۳	کتاب الهبة	۳۵۷	نا بالغ کو وکیل بنانا
۳۷۳	ہبہ میں عرف کا اعتبار ہے	۳۵۷	وکالت میں علم ہونا ضروری ہے
۳۷۴	تعلیک بھی ہبہ کے مترادف ہے	۳۵۸	نکاح میں نا بالغ کی وکالت کا حکم
۳۷۴	نا قابل تقسیم اشیاء کے ہبہ کا حکم	۳۵۸	توکیل میں فروع مخالف کی رضامندی کا حکم
۳۷۵	نا قابل تقسیم اشیاء میں قبل از تقسیم ہبہ درست نہیں	۳۵۹	وکیل سے رقم ضائع ہونے کی صورت میں ذمہ دار کون ہوگا
۳۷۵	اجارہ پردی ہوئی زمین کا ہبہ کرنا	۳۶۰	وکیل پر ضمان کا حکم
۳۷۶	موسوبہ جائیداد کا سرکاری کاغذات میں انتقال کا حکم	۳۶۰	وکیل کا مٹی پر اقرار کرنا
۳۷۷	ہبہ عمری نا قابل رجوع ہے	۳۶۱	توکیل بالنکاح میں شہادت ضروری نہیں
۳۷۷	موت اور عوض کی وجہ سے حق رجوع	۳۶۲	مروجہ وکالت کو بطور پیشہ اختیار کرنا
۳۷۷	ساقط ہو جاتا ہے	۳۶۲	وکیل کا دوسرے کو وکیل بنانے کا حکم
۳۷۸	متعدد آدمیوں کا کسی ایک شخص کو کوئی چیز ہبہ کرنا	۳۶۲	گارنٹی سے کوئی چیز خریدنے یا بیچنے کا حکم
۳۷۸	ہبہ کے لئے ایجاب قبول پر تلفظ ضروری نہیں بلکہ قرآن ہی کافی ہے	۳۶۵	وکیل کا منصب وکالت کے خلاف کرنے کا حکم
۳۷۹	والدین کا اولاد کے مال کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے	۳۶۶	کتاب المحوالة
۳۸۰	شرط فاسد سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا	۳۶۶	محیل کو قرض کی ادائیگی کے لئے دی ہوئی مہلت کا محال علیہ میں اعتبار
		۳۶۶	حوالہ میں دائن کی رضامندی ضروری ہے

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۴۰۸	۴۰۸ احیاء موات میں رائج قول امام ابوحنیفہ کا ہے	۴۰۸	۴۰۸ احیاء موات میں رائج قول امام ابوحنیفہ کا ہے
۴۰۹	۴۰۹ جنگل کو آپس میں تقسیم کرنے سے	۴۰۹	۴۰۹ جنگل کو آپس میں تقسیم کرنے سے
۴۰۹	۴۰۹ لوگ اس کے مالک نہیں بن سکتے	۴۰۹	۴۰۹ لوگ اس کے مالک نہیں بن سکتے
۴۰۹	۴۰۹ بنجر زمین پر محض نشانات لگانے سے	۴۰۹	۴۰۹ بنجر زمین پر محض نشانات لگانے سے
۴۱۰	۴۱۰ ملکیت ثابت نہیں ہوتی	۴۱۰	۴۱۰ ملکیت ثابت نہیں ہوتی
۴۱۰	۴۱۰ غیر مملوکہ مشترکہ چراگاہ کی زمین	۴۱۰	۴۱۰ غیر مملوکہ مشترکہ چراگاہ کی زمین
۴۱۱	۴۱۱ آباد کرنے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی	۴۱۱	۴۱۱ آباد کرنے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی
۴۱۱	۴۱۱ بنجر زمین کو آپس میں تقسیم کر کے آباد کرنا	۴۱۱	۴۱۱ بنجر زمین کو آپس میں تقسیم کر کے آباد کرنا
۴۱۱	۴۱۱ احیاء موات کا حق ہر ایک کو حاصل ہے	۴۱۱	۴۱۱ احیاء موات کا حق ہر ایک کو حاصل ہے
۴۱۲	۴۱۲ غیر آباد زمین کو آباد کرنے والا بلا شرکت	۴۱۲	۴۱۲ غیر آباد زمین کو آباد کرنے والا بلا شرکت
۴۱۲	۴۱۲ غیر اس کا مالک ہوتا ہے	۴۱۲	۴۱۲ غیر اس کا مالک ہوتا ہے
۴۱۲	۴۱۲ مفاد عامہ سے خارج رقبہ کو آباد	۴۱۲	۴۱۲ مفاد عامہ سے خارج رقبہ کو آباد
۴۱۳	۴۱۳ کرنے والا مالک متصور ہوتا ہے	۴۱۳	۴۱۳ کرنے والا مالک متصور ہوتا ہے
۴۱۳	۴۱۳ غیر مسلم کے لئے احیاء موات کا حکم	۴۱۳	۴۱۳ غیر مسلم کے لئے احیاء موات کا حکم
۴۱۴	۴۱۴ موات کی تعریف	۴۱۴	۴۱۴ موات کی تعریف
۴۱۴	۴۱۴ صرف قبضہ سبب ملک نہیں	۴۱۴	۴۱۴ صرف قبضہ سبب ملک نہیں
۴۱۵	۴۱۵ لینر موجب ملک نہیں	۴۱۵	۴۱۵ لینر موجب ملک نہیں
۴۱۶	۴۱۶ سرکاری شاملات زمین پر	۴۱۶	۴۱۶ سرکاری شاملات زمین پر
۴۱۷	۴۱۷ کسی کے قبضہ سے احیاء کا حکم	۴۱۷	۴۱۷ کسی کے قبضہ سے احیاء کا حکم
۴۱۸	۴۱۸ ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر قبضہ کا حکم	۴۱۸	۴۱۸ ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر قبضہ کا حکم
۴۲۰	۴۲۰ گاؤں یا شہر کے قریب بنجر زمین آباد کرنا	۴۲۰	۴۲۰ گاؤں یا شہر کے قریب بنجر زمین آباد کرنا
۴۲۵	۴۲۵ تحدید ملکیت زمین کے	۴۲۵	۴۲۵ تحدید ملکیت زمین کے
۴۲۵	۴۲۵ دلائل کا ایک جائزہ	۴۲۵	۴۲۵ دلائل کا ایک جائزہ
۴۲۵	۴۲۵ انفرادی اور شخصی ملکیت	۴۲۵	۴۲۵ انفرادی اور شخصی ملکیت
۴۲۱	۴۲۱ کتاب الذبائح	۴۲۱	۴۲۱ کتاب الذبائح
۴۲۱	۴۲۱ ذبح کے لئے اشد کا نام لینا ہی کافی ہے	۴۲۱	۴۲۱ ذبح کے لئے اشد کا نام لینا ہی کافی ہے
۴۲۱	۴۲۱ معاون ذابح کے لئے تسمیہ کا حکم	۴۲۱	۴۲۱ معاون ذابح کے لئے تسمیہ کا حکم
۴۲۲	۴۲۲ ذبح فوق العقد کا حکم	۴۲۲	۴۲۲ ذبح فوق العقد کا حکم
۴۲۲	۴۲۲ کسی جانور کا حرکت کرنا یا خون نکلنا باعث حلت ہے	۴۲۲	۴۲۲ کسی جانور کا حرکت کرنا یا خون نکلنا باعث حلت ہے

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۴۲	بوقت ذبح جانور کا سرتن سے جدا کرنا مکروہ ہے	۲۴۲	بوجہ حادثہ سرکٹنے کے بعد جانور کا حکم
۲۴۳	دانت یا ناخن وغیرہ سے ذبیحہ کا حکم	۲۴۳	مشیئی ذبیحہ کا حکم
۲۴۴	خاص مواقع کے ذبح کا حکم	۲۴۴	اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم
۲۴۵	اہل تشیع کے ذبیحہ کا حکم	۲۴۵	گائے کے گوشت کی حلت کا حکم
۲۴۵	چوری کیے گئے جانور کے گوشت کا حکم	۲۴۶	خرگوش حلال جانور ہے
۲۴۶	کوڑے کی حلت و حرمت کا حکم	۲۴۶	جدہ کھانے کا حکم
۲۴۶	جدہ کھانے کا حکم	۲۴۶	موطو جانور کا شرعی حکم
۲۴۷	یورپ کے ذبح شدہ جانوروں کے گوشت کا حکم	۲۴۷	غیر فطری طریقہ کی پیداوار غیر ملکی گائے کا حکم
۲۴۷	بوقت ذبح عدا تسمیہ چھوڑنے کا حکم	۲۴۷	حلال جانور کے حرام اجزاء
۲۴۸	جانور کو گولی مار کر ذبح کرنا	۲۴۸	خنزیر کی حرمت میں فلسفہ
۲۴۸	کچھوا کھانے کا حکم	۲۴۸	درندوں کی حرمت کا فلسفہ
۲۴۹	درندوں کی حرمت کا فلسفہ		
۲۴۹	بوقت ذبح جانور کا سرتن سے جدا کرنا مکروہ ہے		
۲۴۹	بوجہ حادثہ سرکٹنے کے بعد جانور کا حکم		
۲۴۹	دانت یا ناخن وغیرہ سے ذبیحہ کا حکم		
۲۴۹	مشیئی ذبیحہ کا حکم		
۲۴۹	خاص مواقع کے ذبح کا حکم		
۲۴۹	اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم		
۲۴۹	اہل تشیع کے ذبیحہ کا حکم		
۲۴۹	گائے کے گوشت کی حلت کا حکم		
۲۴۹	چوری کیے گئے جانور کے گوشت کا حکم		
۲۴۹	کوڑے کی حلت و حرمت کا حکم		
۲۴۹	جدہ کھانے کا حکم		
۲۴۹	موطو جانور کا شرعی حکم		
۲۴۹	یورپ کے ذبح شدہ جانوروں کے گوشت کا حکم		
۲۴۹	غیر فطری طریقہ کی پیداوار غیر ملکی گائے کا حکم		
۲۴۹	بوقت ذبح عدا تسمیہ چھوڑنے کا حکم		
۲۴۹	جانور کو گولی مار کر ذبح کرنا		
۲۴۹	کچھوا کھانے کا حکم		
۲۴۹	درندوں کی حرمت کا فلسفہ		
۲۴۹	بوقت ذبح جانور کا سرتن سے جدا کرنا مکروہ ہے		
۲۴۹	بوجہ حادثہ سرکٹنے کے بعد جانور کا حکم		
۲۴۹	دانت یا ناخن وغیرہ سے ذبیحہ کا حکم		
۲۴۹	مشیئی ذبیحہ کا حکم		
۲۴۹	خاص مواقع کے ذبح کا حکم		
۲۴۹	اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم		
۲۴۹	اہل تشیع کے ذبیحہ کا حکم		
۲۴۹	گائے کے گوشت کی حلت کا حکم		
۲۴۹	چوری کیے گئے جانور کے گوشت کا حکم		
۲۴۹	کوڑے کی حلت و حرمت کا حکم		
۲۴۹	جدہ کھانے کا حکم		
۲۴۹	موطو جانور کا شرعی حکم		
۲۴۹	یورپ کے ذبح شدہ جانوروں کے گوشت کا حکم		
۲۴۹	غیر فطری طریقہ کی پیداوار غیر ملکی گائے کا حکم		
۲۴۹	بوقت ذبح عدا تسمیہ چھوڑنے کا حکم		
۲۴۹	جانور کو گولی مار کر ذبح کرنا		
۲۴۹	کچھوا کھانے کا حکم		
۲۴۹	درندوں کی حرمت کا فلسفہ		



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۴۸۶	مردہ بچے کے عقیقہ کا حکم	۴۸۲	بلہ عذر شرعی قربانی چھوڑ دینا
۴۸۶	بچے کا عقیقہ کس پر ہے	۴۸۲	قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا
۴۸۷	قربانی اور مسائل عید قربانی	۴۸۳	قربانی کے جانور سے انتفاع کا حکم
۴۸۷	قربانی اور قرآن	۴۸۴	قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ
۴۸۷	قربانی اور حدیث	۴۸۴	قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا
۴۸۸	شرائط وجوب قربانی	۴۸۵	میت کی طرف سے لگی قربانی کے گوشت کا حکم
۴۸۹	قربانی کے جانور	۴۸۵	نذر کی ہوئی قربانی کے گوشت کا حکم
۴۸۹	جانور کی عمر	۴۸۶	حرم قربانی کا رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنا
۴۸۹	قربانی کے اوقات	۴۸۶	صاحب نصاب کو حرم قربانی دینا جائز ہے
۴۹۰	گوشت اور کھال کا حکم	۴۸۷	قربانی کا گوشت اجرت میں دینا جائز نہیں
۴۹۱	تکبیرات تشریعی	۴۸۷	داغدار جانور کی قربانی کا حکم
۴۹۱	عید کی سنتیں	۴۸۸	نکیل والے جانور کی قربانی کا حکم
۴۹۱	نماز عید کی نیت	۴۸۸	سینگ کا ٹوٹ جانا مانع قربانی نہیں
۴۹۱	خطبہ	۴۸۹	حاملہ جانور کی قربانی کا حکم
۴۹۹	کتاب الوصیۃ	۴۸۹	خنثی شکل جانور کی قربانی کا مسئلہ
۴۹۹	وارث کے لئے وصیت کرنا باطل ہے	۴۹۰	خصی جانور کی قربانی کا حکم
۴۹۹	نام بالغ اولاد کی شادیاں کرانے کے لئے وصیت کا حکم	۴۸۰	قربانی کیلئے جانور خرید کر موٹا کرنا
۵۰۰	وصیت مملوکہ جائیداد میں نافذ ہے	۴۸۱	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربانی کا حکم
۵۰۱	کلی مال کے ثلث سے زائد میں وصیت معتبر نہیں	۴۸۱	قربانی کے جانور کے دانت دیکھنا
۵۰۱	میت کی قربانی وصیت سے مسجد پر خرچ کرنا	۴۸۲	عورت کے حق مہر پر قربانی کا حکم
		۴۸۲	گزشتہ سالوں کی قربانی کا حکم
		۴۸۳	قربانی کے بجائے قیمت
		۴۸۴	عقیقہ کی مشروعیت کا فلسفہ
		۴۸۶	عقیقہ کے لئے جانور متعین کرنے کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۲۲	اختلاف دین مانع ارث ہے	۵۰۲	وصیت کی وجہ سے وارث حق { میراث سے محروم نہیں ہوتا }
۵۲۲	خاوند اور بہن میں جائیداد کی تقسیم کا حکم	۵۰۳	وصیت صرف ثلث مال میں نافذ ہے
۵۲۳	بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث سے محرومی	۵۰۳	وصیت سے رجوع صحیح ہے
۵۲۳	حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاقہ { بھائی میراث سے محروم رہے گا }	۵۰۴	غیر مسلم کو وصیت کرنے کا حکم
۵۲۳	بیٹے - بیٹی میں میراث کی تقسیم اور { نواسی کا اس سے محروم ہونا }	۵۰۴	اثبات وصیت کے لئے شہادت ضروری ہے
۵۲۵	صرف والد ہی کا بیٹے کی تمام جائیداد کا وارث ہونا	۵۰۵	موصی لہ کا موصی سے پہلے وفات { پا جانے پر وصیت کا حکم
۵۲۵	ایمانی بھائی کی موجودگی میں علاقہ بہن { کی میراث سے محرومی }	۵۰۵	وصی کو معزول کرنا جائز ہے
۵۲۶	نافرمان بیٹے کا باپ کی میراث میں استحقاق	۵۰۶	وصیت کی ملکیت کے لئے قبول کرنا ضروری ہے
۵۲۶	وراثت کیلئے محض رشتہ دار ہونا کافی نہیں	۵۰۷	مہبم وصیت کا حکم
۵۲۷	نکاح فاسد سے پیدا ہونے والی { اولاد کا وراثت سے محروم ہونا }	۵۰۷	مجنون اور نابالغ کی وصیت کا حکم
۵۲۷	رواجی قبضہ کا اعتبار نہیں	۵۰۸	پوتے کیلئے وصیت کا حکم
۵۲۸	مجرم کا پھانسی گھاٹ میں ہونا { مرض الموت کے حکم میں نہیں }	۵۰۸	وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے
۵۲۹	طویل بیماری مرض الموت شمار ہوگی	۵۰۹	موصی بہ پر صرف قبضہ کرنا بھی کافی ہے
۵۲۹	شرعی بیت المال نہ ہونے کی { صورت میں میراث کا حکم }	۵۰۹	وصی کا موصی کے انتقال کے بعد وصیت کو رد کرنا
۵۳۰	حین حیات میں جائیداد کی تقسیم کا شرعی طریقہ	۵۱۰	بیٹے کی موجودگی میں بھائی کیلئے وصیت کرنا
۵۳۱	بذریعہ اعلان عاق نامہ بیٹے { کو میراث سے محروم کرنا }	۵۱۱	شیخ احمد کا طرف منسوب وصیت نامہ شرعی حیثیت
۵۳۲	کفار کے مال قید شخص کی میراث کا حکم	۵۱۵	وصیت نامہ کی تحریر وارث کے حق میں نافذ نہیں
			کتاب الفرائض
		۵۲۱	قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا
		۵۲۱	دارا کی موجودگی میں چچا کی میراث سے محرومی کی حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۴۵	بیوی کا کفن شوہر کے ذمہ ہے	۵۳۲	شیعہ سنی کے مابین میراث کا حکم
۵۴۵	اپنا حصہ میراث کسی دوسرے حصہ دار {	۵۳۳	مرتد کسی مسلمان کی میراث کا مقدار نہیں
۵۴۵	پر فروخت کرنا	۵۳۳	مرتد عورت کے ترکہ کا حکم
۵۴۶	چار بیویوں کا خاوند کے ترکہ میں حصہ شرعی	۵۳۴	ہیچڑے کی میراث کا حکم
۵۴۷	پہلے شوہر کا میراث میں حصہ نہیں ہے	۵۳۴	مرنے والے کا قرضہ نکل آنے پر تقسیم {
۵۴۷	بھتیجیوں کی موجودگی میں بھتیجیاں {	۵۳۴	ترکہ کا لعدم ہو جاتی ہے
۵۴۷	میراث سے محروم ہوں گی {	۵۳۶	رضاعت موجب میراث رشتہ نہیں
۵۴۸	نکاح ثانی کرنے سے عورت کا حصہ میراث ختم نہیں ہوتا	۵۳۶	متبنی کو میراث دینے کا حکم
۵۴۹	اولاد کی موجودگی میں والدین کا {	۵۳۷	سوتیلے باپ میراث سے محروم ہے
۵۴۹	حصہ شرعی متاثر نہیں ہوتا {	۵۳۷	سوتیلے بیٹے کی میراث کا حکم
۵۴۹	حکومت کی طرف سے ملنے والی {	۵۳۸	دو بیویوں کی اولاد میں میراث کی تقسیم کا حکم
۵۴۹	امدادی رقم میں میراث کا حکم {	۵۳۸	مہر میں شوہر کا حصہ ارث
۵۵۰	باپ کی زندگی میں میراث کا دعویٰ کرنا	۵۳۹	کسی وارث کو وراثت سے محروم کرنا
۵۵۱	منافع بھی ترکہ میں شامل ہے	۵۳۹	بیٹیوں کو میراث سے محروم کرنا گناہ ہے
۵۵۱	قبر کے لئے جگہ کی قیمت میت {	۵۴۰	ولد الزنا اور ولد الملا عنہ کی میراث کا حکم
۵۵۱	کے ترکہ سے دی جائے گی {	۵۴۱	دور رشتہ والے کی میراث کا حکم
۵۵۲	قبر کھودنے والوں کی مزدوری کا حکم	۵۴۱	پنشن کی رقم میں میراث کا حکم
۵۵۲	شوہر بیوی کے مال میں حصہ میراث سے محروم نہیں ہوتا	۵۴۲	میت کی مملوکہ اشیاء میں ارث جاری ہونے کا حکم
۵۵۳	بہن کے مال میں بہن اور بھائی کا حصہ	۵۴۲	مفقود و الخیر کے ترکہ کی تقسیم کا حکم
۵۵۴	ظالم باپ کا بیٹے کے ترکہ میں حصہ میراث کا حکم	۵۴۳	عصبہ کی موجودگی میں ترکہ {
۵۵۵	نافرمان بیوی کا شوہر کی {	۵۴۳	میں نواسیوں کے حصہ کا حکم {
۵۵۵	میراث میں حصہ کا حکم {	۵۴۴	اعیانی بھائی کی موجودگی میں علاقائی بھائی {
۵۵۵	حربی ذبی کا وارث نہیں ہو سکتا	۵۴۴	کا میراث سے محروم ہونا {
۵۵۶	بہن کا اپنے بھائی کے ترکہ میں میراث کا حکم	۵۴۴	میراث میں مطلقہ کے حصہ کا حکم



يا أيها الذين آمنوا لا
 تأكلوا أموالكم بينكم
 بالباطل إلا أن تكون
 تجارة عن تراضٍ منكم

باب شرائط البيع و اركانه

(بيع کے شرائط و ارکان وغیرہ)

سوال :- آجکل مروجہ طریقہ ناپ تول میں متفاوت آلات

استعمال ہوتے ہیں، پکڑے کے دوکاندار عموماً میٹر پر پکڑا خرید کر گنہ پر بیچتے ہیں جو میٹر سے کم ہوتا ہے، اسی طرح عام دوکاندار ہتھکڑی سے دو تلو تول لے کر ہوتا ہے (چیز خرید کر کلوگرام دو جو کہ ۸۵ تولہ ہوتا ہے) سے فروخت کرتے ہیں، بائع اور مشتری دونوں اس طریقہ ناپ تول سے آگاہ ہونے کے باوجود باہمی رضامندی سے معاملہ طے کر لیتے ہیں، کیا ناپ تول کا یہ طریقہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مشتری سے ناپ تول کی حقیقت کو مخفی رکھنا دھوکہ دہی کے زمرے میں آتا ہے جو کہ ناجائز ہے لیکن جہاں کہیں بائع اور مشتری دونوں کی باہمی رضامندی سے معاملہ طے ہو جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال الله تبارك وتعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَاْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (سورة النساء آیت ۲۹) ۱۷

سوال :- ایک شخص نے اپنے ایک رشتہ دار کو قتل کر دیا تو اس کے رشتہ داروں نے اس سے ایک ٹریکٹر خریدا جبکہ بائع اس عقد پر بالکل راضی نہیں، تو کیا شرعاً یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مطہرہ نے خرید و فروخت میں بائع اور مشتری کی رضامندی اور

۱۷ قال العلامة الكاساني: اذا وجدت الاجازة من المالك في الانتهاك وبين وجود الرضا في التجارة عند العقد او بعده فيجب العمل باطلاقها۔ (بدائع الصنائع ج ۵ کتاب البيوع، فصل: وما الذي يرجع الى، ومثله في تبیین الحقائق ج ۲ ص ۳ کتاب البيوع۔)

طیب نفس کو ضروری قرار دیا ہے، لہذا اگر کسی عقد میں بائع کی رضا منفقود ہو اور جبر و اکراہ سے بائع کو مجبور کر کے بیع کی گئی ہو تو یہ بیع صحیح نہیں۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: ومنها الرضا..... فلا يصح بيع المكره اذا باع مكرها وسلم مكرها لعدم الرضا۔ وبدائع الصنائع ج ۵ ص ۵۷۱ كتاب البيوع، فصل واما شرائط الصحة فانواع (۱) لہ

سوال :- دیہاتوں میں بعض اوقات نابالغ کی خرید و فروخت میں اذن عرفی کا اعتبار چھوٹے بچے اور بچیاں دوکان میں بیٹھ کر کھانے پینے کی اشیاء فروخت کرتے ہیں، گاہک کو پتہ نہیں چلتا کہ بچوں کا والد یا سرپرست اس پر راضی ہے یا نہیں؟ جبکہ بچوں کا باپ اس خرید و فروخت پر انہیں منع نہیں کرتا، تو کیا اس طرح بچوں سے اشیاء کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونچے اور بچیاں نفع اور نقصان کی تمیز کر سکتے ہوں تو باپ کے اذن و اجازت سے ان کی بیع و شراء شرعاً نافذ ہوگی اور اذن صراحۃً اور دلالتاً دونوں طرح درست ہے، پس بچوں کے والدین کی خاموشی اور خرید و فروخت سے انہیں منع نہ کرنا بھی اذن اور اجازت میں داخل ہے لہذا ان سے خرید و فروخت مرنص ہے۔

لما قال العلامة المرفینانی: ثم الاذن كما يثبت بالصریح يثبت بالدلالة كما اذا رأى عبداً يبيع ويشترى فسكت يصير ما ذوّناً عندنا۔ (المهدایۃ ج ۳ ص ۳۶۱ کتاب الماذون) لہ

لہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الا لا تظلموا الا لیحل مال امرئ الذی طیب نفس منه۔ (مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۵۱ کتاب البيوع، باب الغصب والغارۃ) ومثله فی رد المحتار ج ۲ ص ۵۱۱ کتاب البيوع، مطلب فی بیع المکرہ والموقوف۔

لہ قال فی الہندیۃ: اذا اذن لصبي یعقل البیع والشراء يجوز یرید بہ انه یعقل معنی البیع والشراء بان عرف ان البیع سالب للملک والشراء جالب عرف الغبن الیسیر من الفاحش لا نفس العبارة کذا فی الصغری۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۸۱۱، الباب الثانی عشر فی الصبی او المعتوہ.... الخ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۸۱۱ کتاب الماذون۔

سوال :- ایک آدمی کا دماغی توازن درست نہیں (دیوانہ
مجنون کی خرید و فروخت) ہے، آیا انہ روئے شریعت اس آدمی کا بیع و شراء

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مطہرہ نے بیع و شراء کی صحت اور انعقاد کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ عقل کی درستگی کو بھی ضروری اور اہم شرط قرار دیا ہے؛ چونکہ دیوانہ اور مجنون شخص اچھے برے اور نفع و نقصان کی تمیز پر قادر نہیں ہوتا اس لیے مجنون اور دیوانے کی بیع منعقد نہ ہوگی۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: وأما شرائطها فتبطل إذا كان يفتقر إلى العقل فلا تثبت ولاية العبد ومنها أن يكون عاقلًا فلا تثبت ولاية المجنون - (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۵۳ کتاب البيوع - فصل: وأما شرائطها فأنواع - الخ)

سوال :- ہمارے علاقے میں زمیندار کسی بھی وقت جا کر نرخ طے کر لیتے ہیں، آیا تجارت کا یہ طریقہ کار درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر کارخانہ والے مال وصول کر کے بطور امانت اپنے پاس رکھیں یا باقاعدہ طور پر نرخ طے کر کے اور رقم کی ادائیگی کی تاریخ طے کر کے اس کو استعمال میں لائیں تو اس میں حرج و مضائقہ نہیں، لیکن اگر نرخ طے کرنے سے قبل ہی کارخانہ والے اس کپاس کو اپنے استعمال میں لائیں اور استعمال کے بعد نرخ مقرر کیا جائے تو یہ معاملہ (بیع) فاسد ہے، کپاس کے استعمال سے قبل نرخ مقرر کرنا لازمی ہے۔

لما قال العلامة الكاساني: ومنها أن يكون المبيع معلومًا وثمنه معلومًا علمًا يمنع من المنازعة - (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۵۶ کتاب البيوع - فصل: وأما شرائط الصفة فأنواع - الخ)

لما قال العلامة ابن عابد: فشرائط العاقد اثنان العقل والعدد فلا يتعقد بيع مجنون وصبي لا يعقل - (رد المحتار ج ۴ ص ۵۰ کتاب البيوع - مطلب: شرائط البيوع أنواع أربعة)

وَمَثَلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۳ ص ۲ کتاب البيوع، الباب الاول في تعريف البيع... الخ - ۲ قال في الهنديّة: ومنها أن يكون المبيع معلومًا والثمن معلومًا علمًا يمنع من المنازعة -

والفتاوى الهنديّة ج ۳ ص ۳ کتاب البيوع، الباب الاول في تعريف البيع، وَمَثَلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۵ ص ۵۰ کتاب البيوع - مطلب: شرائط البيوع أنواع أربعة -

مال مسروقہ کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- ایک شخص نے کسی سے کچھ مال خریدا سودا کر لینے اور خریدنے کے بعد اسے معلوم ہوا

کہ یہ مال چوری کا ہے، تو اب اس خریدے ہوئے مال کا کیا حکم ہے؟

الجواب: شریعت مقدسہ میں اس بات کی تصریح فرمادی گئی ہے کہ چوری کا مال اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہے، جس چیز کے متعلق قرائن سے غالب گمان ہو کہ یہ چوری کی ہے تو اس کے خریدنے سے گریز کیا جائے، لیکن اگر غلط فہمی سے خرید لی جائے اور بعد میں حقیقت واضح ہو تو وہ چیز اس کے اصل مالک کو واپس کی جائے، اور مشتری کو بائع سے اپنی رقم کے مطالبے کا حق حاصل ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: لو ظہر غیر حلال ای مسروقاً او مفسوباً يرجع علیہ المشتري۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۱۰۶ کتاب البیوع - ۱۰۶)

کوئی چیز خریدنے کے لیے پیشگی رقم دینا | سوال: جناب مفتی صاحب! میں ایک کارڈیلر ہوں اور کاروں کا کاروبار کرتا ہوں

پہلے گاہک سے رقم وصول کر لیتا ہوں بعد میں نئی کار کمپنی سے لے کر گاہک کے حوالے کرتا ہوں، اگر گاہک کو پسند آجائے تو خرید لیتا ہے ورنہ اپنی رقم واپس لے لیتا ہے اور بیع ختم ہو جاتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح معاملہ طے کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: متاخرین فقہاء نے صورت مذکورہ کے جواز پر تصریح کی ہے کیونکہ بیع کی نیت سے پیشگی رقم دینا بیع نہیں بلکہ بیع کا وعدہ ہے جبکہ حقیقی بیع مبیعہ وصول کرنے کے بعد متحقق ہوتی ہے، لہذا بیع تعاظمی کی وجہ سے بیع منعقد ہو کر صحیح ہو جاتی ہے اور مشتری کو خیار رؤیت کا حق حاصل رہے گا اس لیے کسی چیز کے خریدنے کے لیے پیشگی رقم دینا

۱۰ قال ملك العلماء الكاساني رحمه الله: ولو باع السارق المسروق من انسان او ملكه منه بوجه من الوجوه فان كان قائماً فلصاحبه ان يأخذه لانه عين ملكه وللمساخوذه منه ان يرجع بالضمان على السارق۔

ر بدائع والصنائع ج ۵ ص ۵۸ کتاب البیوع

ومثله، فی البحر الرائق ج ۶ ص ۶۸ کتاب البیوع، یا بخیار العیب۔

جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ولواعطاء الدراہم وجعل یاخذ منه کلّ
یوم خمسة امناء ولم یقل فی الابتداء اشتريت منك یجوز و هذا حلال وان
كان نیتہ وقت الشراء لانه بمجرد النية لا ینعقد وانما ینعقد البیع الان
بالتعاطی والان المبیع معلوم ینعقد البیع صحیحاً۔ رد المحتار ج ۵۱۶ مطلب البیع بالتعاطی (۱) لہ
مشتري کو بیعہ وصول کرنے پر مجبور کرنا | سوال: میں نے ایک شخص سے ایک ٹوکے کا
شرط لگا کر کچھ درخت فروخت کئے
ہیں لیکن اب وہ مجھے تنگ کرنے کی غرض سے نہ تو درخت کاٹتا ہے اور نہ ہی سودا واپس کرتا ہے
ایسی صورت میں از روئے شریعت مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب:- باقاعدہ بیع منعقد ہو کر ثمن (قیمت) دیدینے کے بعد مشتری کو بیعہ وصول
کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اسی بناء پر صورت مذکورہ میں بائع کے مطالبہ پر مشتری کو درخت
کاٹنے یا دونوں کی رضامندی سے بیع فسخ کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر مشتری اس
کے باوجود کسی بات کو تسلیم نہ کرے تو بائع قاضی یا اہل حل و عقد کے ذریعے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔
لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی: ویقال للبائع اقلعها وسلم المبیع وكذا اذا كان فیہا زرع
لان ملك المشتري مشغول بملك البائع فكان عليه تفريغه وتسليمه كما اذا كان فیہ
متاع۔ (الهدایة ج ۳ ص ۳۱ کتاب البیوع، فصل: ومن باع داراً۔ الخ) لہ

لہ قال العلامة سلیم رستم باذ: ویعزم البیع بالتعاطی..... وصورتہ ان یتفق علی الثمن ثم
یاخذ المشتري المتاع ویذهب برضا صاحبه من غیر ان یرفع الثمن وان یرفع المشتري الثمن
للبائع ویذهب بدون قبض المبیع فان البیع لازم علی الصحیح۔

شرح المجلة للعلامة سلیم رستم باذ تحت المادة ۱۷۵ ص ۷۹

وَمِثْلُهُ فِي تَرْجُحِ الْمَجْلَةِ لِلْعَلَامَةِ خَالِدِ الْاِتَّاسِي، تَحْتَ الْمَادَّةِ ۱۷۵ ج ۱ ص ۲۶۔

لہ قال العلامة الحصفی: ویؤمر البائع بقطعها وتسليم المبیع عند وجوب تسليمهما فلم ینقد الثمن
لم یؤمر به خاتمة۔ وقال العلامة ابن عابدین: تحت قوله: عند وجوب تسليمهما (۱) تسليم الارض
والشجر وذلك عند نقد المشتري الثمن فلم ینقد الثمن لم یؤمر به۔ رد المحتار ج ۵ ص ۵۵۲ مطلب فی
بیع الثمر والزرع والشجر مقصوداً۔ وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۳ کتاب البیوع۔

ٹیلیفون کے ذریعے عقد بیع کا حکم | سوال :- عصر حاضر میں عام طور پر تاجر حضرات دُور دراز کے شہروں اور بیرون ممالک سے ٹیلیفون

کے ذریعے مال منگوانے ہیں، تو کیا خرید و فروخت کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟
الجواب :- شریعت مقدسہ نے خرید و فروخت کے دوران ایجاب و قبول کے لیے اتحاد مجلس کو ضروری قرار دیا ہے لیکن اتحاد عام ہے خواہ حقیقی ہو یا حکمی، حقیقی تو ظاہر ہے اور حکمی کی صورت یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایجاب ہو جائے اور شتری کو کسی مناسب طریقے سے (بذریعہ خط یا پیغام رساں کی معرفت) اطلاع دی جائے۔ موجودہ دور میں فقہانے انسانی ضروریات اور حوائج (ٹیلیفون) کے ذریعے کیے گئے بیع و شراء اور طلاق وغیرہ کو بھی اسی زمرہ میں شمار کیا ہے، لہذا ٹیلیفون کے ذریعے اگر کسی چیز کے بارے میں باقاعدہ ایجاب و قبول ہو جائے تو یہ بیع شرعاً نافذ العمل ہوگی۔

ما قال الشيخ محمد كامل ابن مصطفى الطرابلسي : سئل بعد صلوة الجمعة حضر خبر الشام في التلغراف لبعض الثغور بانه ثبت في الشام روية هلال فاجاب ان السلاطين المسلمين وضعوا التلغراف لتبليغ الاخبار من البلاد القريبة والبعيدة في مدة يسيرة جداً او اقاموا لاعماله اشخاصاً مسلمين وانفقوا على ذلك اموالاً جسيمة واستغنوا به عن السعاة وارسال المكاتب غالباً فصارت قانوناً في ذلك يخاطب به السلاطين بعضهم لبعضهم في مهمات الامور وتبعهم الناس على ذلك - (فتاوى الكاملية ص ۲۸۵ مطلب هل يثبت رمضان بالتلغراف) لـ

بالغ بیٹے کی غیر موجودگی میں اس کی جائیداد فروخت کرنا | سوال :- ایک شخص کا بالغ بیٹا ہے اور وہ کسی دور جگہ میں رہتا ہے، اس کی غیر موجودگی میں اور اجازت کے بغیر والد اس کی جائیداد فروخت کر دے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

لـ قال الدكتور الوهبة الزحيلي : البيع بالمراسلة او بواسطة رسول يصح اتفاقاً ويكون مجلس التعاقد هو مجلس بلوغ الرسالة من العاقد الاقل الى العاقد الثاني -

والفقه الاسلامي وادلته ج ۲ ص ۵۰۳ ثانياً البيوع بسبب الضيعة

الجواب: شریعت مقدسہ نے ہر انسان کو اپنی ملکیت میں خود مختار قرار دیا ہے جبکہ کسی دوسرے کی ملکیت میں تصرف اصل مالک کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ لہذا جب بالغ بیٹا حاضر نہ ہو تو والد کی طرف سے اس کی فروخت کردہ جائیداد بیع فقہولی کے زمرہ میں آکر بیع کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

لما قال علاؤ الدین الحصفی رحمہ اللہ: یبیع الاب عرض ابنته الکبیر الغائب لا الحاضر اجماعاً لا عقاراً۔ (الدر المختار علی ص ۳۳۰ المختار ج ۳ ص ۶۳۳ مطلب فی نفقة قرابة غیر الولاد من الرحم المعمر) لہ

سوال: ایک آدمی جائیداد کی خرید و فروخت پر کمیشن لینے کی شرعی حیثیت

فروخت کا با اعتماد ادارہ کے نام سے ایک دفتر کھول رکھا ہے جہاں وہ زمین کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے اور اس پر وہ جانبین (یعنی خریدنے اور فروخت کرنے والے) سے دو فیصد کمیشن لیتا ہے، تو کیا اس طرح پر جانبین سے کمیشن لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے ایک ہر شخص کو بائع اور مشتری دونوں کی جانب سے وکالت کی ذمہ داری اپنانے کی اجازت نہیں دی ہے لیکن جانبین کی طرف سے دلال بن سکتا ہے۔ وکیل اور دلال میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وکیل کو بیعہ میں جائز تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے، جبکہ دلال کی ذمہ داری مال خریدنے کی طرف ترغیب دلانا ہوتی ہے، اور بیعہ میں کسی قسم کے تصرف کا اس کو حق حاصل نہیں ہوتا۔ لہذا صورت مشولہ میں یہ شخص چونکہ دلال کی حیثیت سے کام کرتا ہے اس لیے اس کو جانبین سے مناسب کمیشن لینا شرعاً ممنوع نہیں ہے، تاہم ایسے ادارے کو پہلے سے مناسب کمیشن کی وضاحت کر دینا ضروری ہے تاکہ بعد میں جھگڑے اور کبیرہ خاطر کی کا سبب نہ بنے۔

لہ قال العلامة عبد العلی البرجندی: یجوز للاب ان یبیع عروض ولدا الغائب ابناً کان او بنتاً وتصرف فی ثمنه اذا کان من جنس نفقة ولا یجوز ان یبیع عقاره لذاتک۔

(البرجندی ج ۲ ص ۱۹ کتاب البیوع۔)

وَمِثْلُهُ فِي آدَابِ الْأَوْصِيَاءِ عَلَى هَامِشِ جَامِعِ الْفُصُولِ ج ۲ ص ۱۲۳ فصل في الأباقة والكتابة والعقار الخ

لہا قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فتجب الدلالة على البائع او المشتري
عليهما بحسب العرف - (رد المحتار ج ۴ ص ۴۶ کتاب البیوع) ۱۷

بیع کے نفاذ کا دار و مدار سرکاری کاغذات میں اندراج پر موقوف نہیں | سوال : ایک شخص نے کچھ

زمین خریدی لیکن لا پرواہی سے حکومتی کاغذات میں اندراج درجی اور انتقال کیے بغیر بطور برکت
اُسی آدمی کے حوالہ کر دی جس سے خریدی تھی، اب کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ آدمی اس زمین پر
قابض ہو گیا ہے کہ یہ زمین سرکاری کاغذات میں میری ملکیت ہے، تو کیا مشتری بغیر سرکاری کاغذات
میں اندراج کے اس زمین کا مالک ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت نے بیع کے نفاذ کو سرکاری کاغذات میں اندراج پر موقوف نہیں
رکھا ہے بلکہ نفاذ بیع کے لیے جانبین کی رضامندی اور ایجاب و قبول کو ضروری قرار دیا ہے،
لہذا سرکاری کاغذات میں اندراج نہ ہونے کے باوجود مذکورہ زمین کے جملہ حقوق مشتری کو
حاصل ہوں گے اور اس پر بائع کا قبضہ غصب اور ظلم شمار ہو کر ناجائز اور حرام ہوگا۔

لما قال في مجلة الاحکام : البیع ینعقد بايجاب وقبول -

(مجلة الاحکام، المادة ۱۶۷، الفصل الاول فيما يتعلق بکن البیع) ۱۸

حق مہر میں دی ہوئی زمین کا حق فروخت بھی زوجہ ہی کو حاصل ہے | سوال : ایک شخص

وقت اپنی منکوحہ کو حق مہر میں کچھ زمین دیدی، اب یہ شخص حق مہر میں دی ہوئی زمین کو بلا اجازت
زوجہ کے فروخت کرنا چاہتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر روئے شرع خاوند کو

۱۷ قال المفتی محمد شفیع : اگر بائع یعنی مالک کی اجازت سے خود دلال مال کو فروخت کرے تو اس کی اجرت اولاً دلالی بائع کے ذمے ہے اور اگر بعض کو
کرنے والا ہے اور معاملہ کرنے والا ہے فروخت کرنے والا خود بائع ہے تو عرف اور رواج کا اعتبار ہوگا، رواج کے موافق جس کے ذمے دلالی ہوگی
اسے لینا جائز ہوگا۔ (امداد المفتیین الشہیر بفتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۸۲۵ کتاب الجارۃ) - ومثله فی تالیقات رشیدیہ ص ۴۱۸ کتاب الجارۃ۔

۱۸ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : اما القول قال لايجاب والقبول وهما ركنه ظاهرة
ان الضمير لايجاب والقبول - (رد المحتار ج ۴ ص ۵۰ کتاب البیوع)

ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۸ کتاب البیع -

یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: مختصر میں دی ہوئی زمین کے تمام تر مالکانہ حقوق بیوی کو حاصل ہو جاتے ہیں، بیوی کی اجازت سے بغیر شوہر کو تصرف کا حق نہیں ہے۔ صورت مسئلہ میں چونکہ اس زمین میں شوہر کو ملکیت یا ولایت کا حق حاصل نہیں لہذا بلا اجازت نہ وہ بیوی کے بیع نافذ العمل نہ ہوگی۔

وفی الہندیۃ: واما شرائط النفاذ فنوعان الملائک والولاية والثانی ان لا یكون فی المبیع حق لغير البائع۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۳ کتاب البیوع، الباب الاقل فی تعریف البیوع..... الخ) لہ

درخت عقد بیع میں زمین کے تابع ہیں | سوال :- ایک شخص نے کسی سے ایک

پرواقع درختوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بعد میں دونوں کے درمیان ان درختوں پر اختلاف پیدا ہو گیا، تو کیا یہ درخت از روئے شرع بائع کا حق ہے یا مشتری کا؟

الجواب: زمین کے فروخت کرتے وقت اس میں مذکورہ اشیاء مثلاً درخت یا آبادی وغیرہ خود بخود عقد بیع میں شامل ہوں گے پس اس بناء پر صورت مسئلہ میں درخت بھی مشتری کا حق ہیں، البتہ اگر ان مذکورہ اشیاء کو عقد بیع کے وقت مستثنیٰ کر کے عقد کیا جائے تو اس وقت یہ اشیاء عقد میں شامل نہیں ہوں گی۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: ویدخل البناؤ والشجر فی بیع الارض بلا ذکر لکونہ متصلاً بہا للقرار فیدخل تبعاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۹ کتاب البیوع، فصل: یدخل البناؤ والمفاہیج فی بیع الدار) لہ

قال العلامة الکاسانی: ومنها وهو شرط انعقاد البیوع للبائع ان یكون مملوکاً للبائع عند البیوع فان لم یکن لا ینعقد۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲ کتاب البیوع، فصل: واما الذی یرجع الی المعقود علیہ۔ الخ) ومثله فی فتح القدیر ج ۵ ص ۲۵ کتاب البیوع

قال علی بن ابی بکر الرغینانی: ومن باع ارضاً دخل ما فیہا من النحل والشجر وان لم یسمہ لانه متصل بها للقرار فاشبه البناء۔ (الهدایۃ ج ۳ ص ۲۰ کتاب البیوع)

ومثله فی فتح القدیر ج ۵ ص ۲۸ کتاب البیوع،

مسجد کی آمدنی سے تجارت کرنا | سوال :- ایک مسجد کی آمدنی اور فنڈ فی الحال مسجد کی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسجد کی آمدنی اور فنڈ دراصل مسجد کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ہوتی ہے لیکن اگر فنڈ مسجد کی ضروریات اور استعمال سے زائد ہو تو اس رقم کو کسی قابل نفع تجارت میں لگا کر اس سے حاصل ہونے والے منافع کو مسجد کے فنڈ میں جمع کرنا ہوگا، اس طریقہ سے مسجد کی رقم سے تجارت کرنا جائز ہے بشرطیکہ چندہ دہندگان کی طرف سے اس تجارت کی اجازت ہو۔
لما قال فی الہندیۃ : متولی المسجد اذا اشتراى بمال المسجد حانوتاً او داراً ثمر باعها جازاً اذا كانت له ولا یة الشراء - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۲۱) ابواب الخامس فی ولا یة الوقف وتصرف القیم) لہ

رشوت کی رقم سے مقبرہ (قبرستان) کے لیے جگہ خریدنا | سوال :- رشوت کے ذریعہ کے لیے جگہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- حصول مال کے لیے جائز طریقہ اور مخاطب کی رضا کو شریعت مقدسہ نے ضروری قرار دیا ہے، رشوت چونکہ ناجائز ذرائع سے حاصل کی جاتی ہے، لہذا اس کو اصل مالک یا ورثاء کو واپس کرنا ضروری ہے، رشوت کا مال چونکہ اصل مالک کی ملک سے نہیں نکلتا، اس بناء پر رشوت کی رقم سے مقبرہ (قبرستان) کے لیے جگہ خریدنا اور اس میں مسلمان میتوں کو دفنانا جائز نہیں، لہذا ایسے مال کے ورثاء یا اصل مالکوں کی موجودگی میں بغیر ان کی رضامندی کے اس رقم کو رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنے سے ذمہ داری فارغ

لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ : متولی المسجد اذا اشتراى بمال المسجد حانوتاً او داراً ثمر باعها جازاً اذا كانت له ولا یة الشراء وفي التجنیس فی الفتاویٰ قال الامام حسام الدین ہذا هو المختار وفي الخانیۃ هو الصحیح -

(التاثر خانیۃ ج ۵ ص ۸۶۲ کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد و قیم المسجد) -
وَمِثْلُهُ فِي السَّرَاجِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْخَانِيَةِ ج ۳ ص ۱۲۲ کتاب الوقف -

نہیں ہوگی۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري : لومات رجل وكسبه من ثمن البازق والظلم
واخذ الرشوة تعود الوارثة ولا يأخذون منه شيئاً وهو الاول لهم ويردونه
على اربابه ان عرفوهم ولا يتصدق لان سبيل الكسب الخبيث التصديق اذا
تعذر الرد - (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۰ فصل في البيع) لہ

کرایہ کی دوکان یا مکان پر پیشگی رقم
(پگڑی) لینے کی شرعی حیثیت
سوال :- بعض علاقوں میں دوکان یا مکان کرایہ
پر لیتے وقت پیشگی رقم دینا ضروری ہوتا ہے اور یہ
رقم کرایہ کے علاوہ ہوتا ہے جو کہ عرف میں پگڑی
کہلاتی ہے، کیا یہ رقم لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بسا اوقات ایک آدمی اپنا مکان یا دوکان ایک طویل مدت کے لیے کرایہ
پر دیتا ہے اور کرایہ دار سے کرایہ کے علاوہ کچھ رقم یکمشت بھی وصول کرتا ہے جو پگڑی کہلاتی ہے
کرایہ دار یکمشت رقم دے کر اس بات کا حق دار ہو جاتا ہے کہ ایک طویل مدت یا تاحیات
کرایہ داری کو جاری رکھے، بعض حالات میں وہ اپنا یہ حق کسی دوسرے کرایہ دار کو منتقل کر کے
اُس سے یہ رقم لے سکتا ہے، اور اگر اصلی مالک دوکان یا مکان واپس لینا چاہے تو اسے
یہ رقم واپس کرنا ہوگی۔

اس مروجہ پگڑی کے بارے میں علماء کرام نے عدم جواز کا قول فرمایا ہے، کیونکہ یہ نہ تو
نزول عن الحق ہے اور نہ اجرت معلوم ہے بلکہ یہ حق مجرد کی فروخت ہے جو کہ ناجائز ہے اور
پیشگی کی رقم رشوت ہے جو کہ نص قطعاً کی رو سے حرام ہے، لہذا مروجہ پگڑی کی رسم شرع
کے خلاف ہے۔

البتہ اس یکمشت رقم کو ایک متعینہ مدت کی پیشگی قرار دیا جائے اور متعینہ مدت تک

لہ قال العلامة ابن عايد بن رحمه الله : في البرازية اخذ مورثه رشوة او ظمآن
علم ذلك بعينه لا يحل له اخذه والاقله اخذه حكماً اما في الديانة فيصدق به بنية
ارضاء الخصماء - (رد المحتار ج ۵ ص ۹۹ مطلب في من ورت ما لا حراماً -

ومثله في غمر عيون البصائر شرح الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۵۴ کتاب الکراہیۃ۔

کر ابیر بھی ختم ہونے پر جائز ہے کیونکہ یہ اجارہ میں شمار ہوگا اور اجارہ کے تمام احکام اس پر جاری ہو کر اس قسم کی رقم کا لینا جائز ہے اور مروجہ رسم پکڑی ناجائز ہے۔

قال الدكتور وهبة الزحيلي: الحق المجرد أو المحض هو الذي لا يترك أثراً بالتنازل عنه صلحاً أو إبراءً فلا يجوز الاعتياض عنه لحق الولاية على النفس والمال وحق الشفعة - (الفقه الاسلامي وادلته ج ۲ ص ۲۱۱ الحقوق المجردة وغير المجردة -) ۱۰

سوال :- ایک آدمی کی کسی سے گھر خریدنے کے دوسرے کے سودے پر سودا کرنا

بارے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ اسی دوران ایک تیسرے آدمی نے مداخلت کر کے زیادہ قیمت پر وہ مکان خرید لیا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- بائع اور مشتری کی بات چیت کے دوران کسی اور کے لیے درمیان میں اگر قیمت بڑھانا مناسب نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے تاہم باقاعدہ ایجاب و قبول کی صورت میں بیع تمام اور صحیح ہے اگرچہ ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما ورد في الحديث: عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يبيع الرجل على بيع أخيه ولا يخطب على خطبة أخيه إلا أن ياذن له وإيضاً: عن أبي هريرة أن نبى عليه السلام نهى أن يستام على سوم أخيه - (الصحيح للمسلم ج ۲ ص ۲۱۱ باب: تحريم بيع الرجل على بيع أخيه وسومه على سومه) ۱۰

سوال :- رشوت، سود، بھوا اور دیگر حرام طریقوں سے حاصل کی ہوئی رقم سے خرید و فروخت کرنا

کرتا جائز ہے یا نہیں؟

۱۰ قال العلامة الحصكفي رحمه الله: لا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة لحق الشفعة - (الدر المختار على صمد مراد المختار ج ۲ ص ۵۱۹ کتاب البيوع)

۱۰ قال العلامة علي بن أبي بكر المرغيناني: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النجش وعن السوم على سوم غيره - (الهداية ج ۳ ص ۶۹ فصل فيما يكره)

وَمَثَلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۶ ص ۹۹ فصل فيما يكره -

الجواب:- رشوت، سود، جوا اور دیگر حرام ذرائع سے حاصل شدہ رقم کا ذاتی ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اس سے فراغت ذمہ کے لیے ضروری ہے کہ اگر اصل مالک زندہ ہوں تو ان کو واپس کر کے ذمہ فارغ کرے ورنہ فقراء اور محتاجوں پر اصل مالکان کی طرف سے صدقہ کر دے۔ اس بناء پر علم کے باوجود ان شیاء کے عوض خرید و فروخت سے اجتناب ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: والحاصل ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والافان علم عين الحرام لا يحل له ويتصلق به بنية صاحبه وان كان مالا مختلطاً مجتمعا من الحرام ولا يعلم اربابه ولا شئ منه بعينه حل له حكماً والاحسن ديانة التنزه عنه۔
(مر دا المختار ج ۵/ ۹۹ مطلب ق من ورث مالا حراماً)

حکومت کی طرف سے روزمرہ استعمال کی اشیاء کے نرخ مقرر کرنا | سوال: کیا اوقاف کسی چیز کی قیمت میں

روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے جبکہ حکومت ایک حد مقرر کر کے زائد قیمت وصول کرنے پر پابندی لگا دیتی ہے، کیا حکومت کے لیے اس قسم کی پابندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- شریعت کی رو سے کسی چیز کی خرید و فروخت بائع اور مشتری کی آپس میں رضامندی پر موقوف ہے خواہ وہ قیمت زیادہ ہو یا کم، بعض اشیاء کی کوالتی میں تفاوت کی وجہ سے ان کے نرخوں میں بھی تفاوت آجاتا ہے، اسلئے حکومت کو شرعاً یہ حق نہیں کہ کسی چیز کے نرخ متعین کر کے پابندی لگائے کیونکہ اس قسم کی پابندیوں سے عوام پر تکلیف کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن بعض حالات میں یہی لوگ اشیاء ضروریہ کی قیمتوں میں بے تحاشا اضافہ کر کے عوام کو پریشان کرتے ہیں اور لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور لوگوں کو

لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: لومات رجل وكسبه من ثمن الباق والظلم واخذ الرشوة تعود الوهانة ولا يأخذون منه شيئاً وهو الاولى لهم ويردونه على اربابه ان عرفوهم ولا يتصدق به لان سبيل الكسب الخبيث التصديق اذا تعدى الرد۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۸۱ فصل في البيع كتاب الكراهية)

وَمِثْلُهُ فِي الْأَشْيَاءِ وَالنَّظَائِرِ ج ۲ ص ۵۷ كتاب الكراهية۔

کم قیمت اشیاء مجبوراً منگے داموں خریدنا پڑتی ہیں جس سے ملک کی معیشت متاثر ہو سکتی ہے۔
تو اس صورت حال میں حکومت معاشیات اور اقتصادیات کے ماہرین سمجھدار لوگوں اور تاجروں
کے مشورے سے اشیاء ضروریہ کی قیمتوں کا تعین کر کے زائد قیمت وصول کرنے پر پابندی لگا
سکتی ہے تاکہ عوام الناس پریشان نہ ہوں اور ملک کا سرمایہ دار طبقہ غریب لوگوں کی مجبوریوں
ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔

قال العلامة القموتاشی رحمہ اللہ : ولا یسعر حاکم الا اذا تعدی الارباب عن
القيمة تعدیاً فاحشاً بمشورة اهل الراي۔ (توضیح: اعلیٰ صدر المختار ج ۶ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع ۱۷۱)

ڈالڈا گھی کو دیسی گھی کی قیمت پر فروخت کرنا | سوال :- اگر ڈالڈا گھی میں اس طرح صفائی
پیدا کر دی جائے کہ وہ بالکل دیسی گھی کی طرح
نظر آتا ہو تو کیا اس کو دیسی گھی کی قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اصل میں دیسی اور
ڈالڈا گھی کی قیمتوں میں کافی فرق ہوتا ہے؟

الجواب :- بالتح اور شتری کی باہمی رضامندی سے ایسے گھی کو دیسی گھی کی قیمت پر فرو
کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر ڈالڈا گھی کو دھوکہ اور فریب سے دیسی گھی ظاہر کر کے فروخت
کیا جائے تو یہ تدویر اور تبلیغ کے مترادف ہو کر ناجائز رہے گا۔

لما جاء في الحديث : عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه قال : نهى
رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحصاة وعن بيع القرر۔
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب البیوع باب بطلان الحصاة الخ)

۱۔ قال العلامة عبد الله بن محمود الموصلي، ولا ينبغي للسلطان ان يسعر على الناس لما بينا
قال الا ان يتعدى ارباب الطعام تعدياً فاحشاً في القيمة فلا بأس بذلك بمشورة اهل
الخبرة به لأن فيه صيانة حقوق المسلمين عن الضياع۔ (الاختيار لتعليل المختار
ج ۲ ص ۱۶۱ کتاب الکراہیۃ، فصل فی الاحتکار)

۲۔ وفي الهندية : رجل اراد ان يبيع السلعة المعيبة وهو يعلم يجب ان يبينها۔

(فتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۲۱۱ الباعثون فی البیاع المکروہۃ والدباح الفاسد)

وَمِثْلُهُ فِي رد المختار ج ۵ ص ۱۰۱ مطلب احکام نقصان البیوع فاسداً۔

زیادہ منافع کیلئے ذخیرہ اندوزی کرنا | سوال :- گانوں یا تھہر کی ضرورت کے باوجود ایک شخص غلہ خرید کر ذخیرہ کر لیتا ہے تاکہ مناسب

وقت پر فروخت کر کے زیادہ منافع حاصل کیا جاسکے، تو کیا اس کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- تنگی اور عسرت کے دنوں میں غلہ خرید کر مصنوعی گرانی پیدا کرنے کے لیے ذخیرہ کرنا احتکار ہے جو شرعاً حرام ہے، تاہم اگر عوام الناس کی ضروریات کھلی منڈی میں آسانی سے پوری ہوتی ہوں تو پھر کسی چیز کو زیادہ منافع کی خاطر مؤخر کرنا جائز ہے۔

ماوردی الحدیث: عن عمرو بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجالب موزوق والمحتکر ملعون۔ (ابن ماجہ ط ۵۱ باب المحکر)۔

پنشن کی خرید و فروخت کا شرعی حکم | سوال :- آج کل ملازمت کے اختتام (ریٹائرمنٹ) پر سرکاری ملازمین کو حکومت کی طرف سے پنشن کے

نام پر کچھ وظیفہ دیا جاتا ہے، اس وظیفے کا کچھ حقہ دوران ملازمت ملازم کی تنخواہ سے کاٹا جاتا ہے اور کچھ گورنمنٹ اپنی طرف سے ملاتی ہے، اس طرح یہ وظیفہ ریٹائر ہونے والے کو حکومت سے رفتہ رفتہ ملتا رہتا ہے، تو اگر اس وظیفہ کو فروخت کر کے یکمشت نقد رقم لے لی جائے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ وظیفہ درحقیقت دوران ملازمت محنت اور خدمت کے صلہ میں بطور اعزاز و اکرام کے ملازمت سے ریٹائر ہونے والے کو حکومت کی طرف سے دیا جاتا ہے جس میں بعض حصہ عطاء سلطانی اور بعض اپنی محنت کا حصہ ہوتا ہے، اس کی فروخت کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو گورنمنٹ کے ہتھ فروخت کرنا ہے اور ایک اس کے علاوہ کسی دوسرے کے ہتھ فروخت کرنا ہے، تو حکومت کے علاوہ کسی اور پر فروخت کرنا چند خرابیوں کی وجہ سے مشروع نہیں کیونکہ اس میں اس رقم کو فروخت کیا جاتا ہے جو کہ ابھی اس کے قبضے میں آئی ہی نہیں اسلئے

لہ قال العلامة برہان الدین المرغینانی: ويكره الاحتكاك في اقوات الادميين
 والبهاثم اذا كان ذلك في بلد لغير الاحتكار باهله وكذلك التلقی فاما اذا كان لا
 لغير فلا بأس به۔ (الهدایة ج ۲ من کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع)
 ومثله فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۹ کتاب الاستحسان۔

غیر مقدور تسلیم ہونے کی بناء پر جائز نہیں، اسی لیے فقہاء کی عبارات اور احادیث نبوی میں اس قسم کی بیع سے منع کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں منہجین کا آپس میں بیع کی وجہ سے دست بدست اور مثل بمثل ہونا ضروری ہے، جو کہ یہاں مفقود ہے۔ لہذا ان نقصانات اور خرابیوں کی وجہ سے اس (پیشن) کی بیع جائز نہیں۔ جہاں تک گورنمنٹ پر فروخت کرنا ہے تو یہ درحقیقت بیع نہیں بلکہ عطاء و مٹو جل کو معجل بنانا ہے اور وہ اس طرح کہ حکومت نے جو وظیفہ قسط وار حیثیت سے مقرر کیا تھا اب اس زیادہ وظیفہ کو نسبتاً کر کے یکمشت لیا جا رہا ہے۔ یعنی پہلی صورت میں تا جیل تھی اور اس میں یکبارگی حاصل کرنا ہے جس میں شرعی طور پر کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وبيع الدين لا يجوز ولو باعه من المديون او وhibه جاز - (الاشباه والنظائر ج ۴ ص ۱۲۰ - القول في الدين) ۱۰

بیع میں اجل مجہول سے بیع فاسد ہو جاتی ہے | سوال :- ایک شخص نے کسی کے ساتھ معاملہ طے کیا کہ مجھ سے کچھ رقم لے لے اور اس کے بدلے آئندہ گندم کے موسم میں جو نرخ ہوگا اس کے مطابق مجھے گندم دے دینا، تو کیا یہ معاملہ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی بھی معاملہ میں بوقت کا تعین کرنا ضروری ہے، وقت کا تعین کیے بغیر معاملہ طے کرنا مفقوی الی النزاع ہوتا ہے اس لیے شرعاً ایسے معاملات فاسد قرار دیئے جاتے ہیں۔ مذکورہ معاملہ بھی اسی قسم کا ہے، خواہ اسے بیع مطلق قرار دیا جائے یا بیع سلم، البتہ اگر یہ معاملہ قرض کا ہو تو پھر شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة ظفر احمد عثمانیؒ: وقد اجمعوا على فساد السلم الى اجل مجهول ففساد البيع كذلك اول كما مر - (اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۱۵۸ ابواب البيع - دليل فساد البيع الى اجل مجهول) ۲۰

۱۰ قال العلامة الكاساني رحمه الله: واما بيع هذه ايون من غير من عليه والشرابها من غير من عليه فينظران اضاف البيع والمشرع الى الدين لم يجر - اه (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۸۵ کتاب البيوع، فصل واما شرائط الصحة فانواع) ۲۱ قال العلامة ابن عابدینؒ: رجل باع شيئاً بيعاً جائزاً واخرج الثمن الى الحصاد او الدين قال مفيد البيع في قول ابن خيفة - (رد المحتار ج ۲ ص ۲۶ کتاب البيوع) وَمَثَلُهُ فِي شَرْحِ لَوْ قَايَةِ ج ۳ کتاب البيوع -

بغیر قیمت طے کی ہوئی بیع و ثراء کا حکم | سوال :- ایک شخص نے بغیر قیمت طے کئے

مکئی کی کچھ گڈیاں کسی پر فروخت کر دیں اور یہ کہا کہ ان کا ساڑھے عام گڈی سے زیادہ ہے، لیکن چار مہینے کے بعد خریدار نے لینے سے انکار کر دیا، شریعت کی رو سے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- بیع و ثراء کرتے وقت قیمت مقرر کرنا ضروری ہے، قیمت کا تعین کئے بغیر معاملہ فاسد ہو جاتا ہے لہذا مذکورہ معاملہ بھی اسی نوعیت کا ہے اس لیے یہ بیع فاسد ہے، دونوں کو چاہیے کہ اس معاملے کو دوبارہ طے کریں۔

کما فی السنن الکبریٰ مع الجوہر النقی ج ۶ ص ۲۲ تحت لایجوز السلف
حتیٰ یکون بثمن معلوم الخ

قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا ضروری ہے | سوال :- ایک آدمی اپنے جملہ مال کو یکمشت

فروخت کرنا چاہتا ہے جبکہ دوسرا آدمی وہ مال ادھار لینے کا خواہشمند ہے اور مشتری بائع سے بات بھی کر جاتا ہے مگر بائع اس پر راضی نہیں، تو کیا اس سے بیع تام ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- بیع کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ مشتری بائع کے ایجاب کے مطابق جواب دے یعنی بائع جتنا مال فروخت کرنا چاہتا ہو اتنے مال کے مطابق جواب دے، اگر مشتری بائع کے ایجاب سے زیادہ یا کم لینا چاہتا ہو تو وہ بائع کی رضامندی پر موقوف ہے، اگر وہ اجازت دے تو ٹھیک ورنہ بیع تام نہیں ہوگی۔

لما فی مجلۃ الاحکام : اذا اوجب احد العاقدین بیع شیء بشیء یلزم لصحة العقد
قبول العاقد الاخر علی الوجه المطابق للايجاب وليس له تبعض الثمن او الثمن وتفریقهما۔
(شرح المجلۃ الاحکام لستم باز ص ۸۱ المادة ۷۷ الفصل الثانی فی بیان لزوم موافقة القبول والايجاب)

لہ قال ابن الہمام رحمہ اللہ : لقولہ علیہ السلام فی کیل معلوم ووزن معلوم

الی اجل اخرہ ۔ رفتح القدیر ج ۶ ص ۲۶۲ باب السلم ۔

ومثله فی الہدایۃ ج ۳ ص ۵۸ کتاب البیوع ۔

باب مايجوز بيعه وما لا يجوز

(جائز اور ناجائز بیع کے مسائل و احکام)

شراب کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- اسلام میں شراب کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اسلام میں شراب نبی قطعی ناجائز اور حرام ہے۔ بلکہ اس عمل کو شیطان عمل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ قال الله تبارک وتعالیٰ: اِنَّمَّا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْزٌ مِّمَّنْ عَمِلَ الشَّيْطَانُ۔ (سورة المائدہ آیت ۹) اس لیے شراب کی خرید و فروخت حرام بلکہ بیع باطل ہے، لہذا مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

وفي الهندية: فالباطل ما لم يكن محله مالا متقوماً كما لو اشترى خمراً او خنزيراً او صيئداً محرماً... الخ۔ (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۱۲۱) کتاب البيوع، الباب الحادی عشر فی احکام البیع (غیر الجائز) لہ

شراب کی آمدنی کے عوض اشیاء فروخت کرنا | سوال :- ایک شخص جو کپڑے کا کاروبار کرتا ہے، اگر اس کو کسی کاہک کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ شراب کی آمدنی کے عوض کپڑا خرید رہا ہے تو اس کاہک پر کپڑا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسلمان کے لیے شراب فروشی کو ذریعہ آمدن بنانا حرام اور ناجائز ہے اور نہ ہی اس آمدنی کے عوض دیگر اشیاء فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ شراب کی فروخت کے عوض آیا ہوا مال ہالی غیر ہے مسلمان اس کا مالک نہیں بن سکتا۔

لَمَّا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ: الْوَحْيَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ السَّهْمَدَانِي عَنْ أَبِي عَامِرٍ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ

لَقِيَ الْعَلَامَةَ طَاهِرَ بْنَ عَبْدِ الرَّشِيدِ بَخَارِيٍّ: الْبَاطِلُ مَا لَا يَجُوزُ بِحَالٍ وَلَهُ صُورٌ مِنْهَا بَيْعُ الدَّمِ وَالْخَمْرِ وَالْخَنَازِيرِ۔ (خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۳۹) کتاب البيوع، الفصل الرابع في البيع الفاسد و احكامه
وَمِثْلُهُ فِي السَّهْمَدَانِي ج ۳ ص ۵۳ کتاب البيوع باب البيع الفاسد۔

كان يهدي للنبي صلى الله عليه وسلم رواية من خمرة... فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم
يا ابا عامر ان الله تعالى قد حرم الخمر فلا حاجة لنا في خمرك قال خذها فبيعها فاستع
بثمنها على حاجتك فقال يا ابا عامر ان الله تعالى قد حرم شربها وبيعها واكل ثمنها
المسند للإمام الاعظم ص ۳۴۳ باب ربيعة ان ثمن حمر

دارالحرب میں شراب فروخت کرنے کا حکم | سوال :- دارالحرب میں کمان سے بے
انفار پر شراب فروشی جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- دارالحرب میں غیر مسلموں کا مال بلا غدر و دھوکہ ان کی خوشی سے جس طرح بھی لیا
جائے اس میں کوئی حرج نہیں لہذا ان کا مال مباح ہو کر عقود فاسدہ سے حاصل کرنا اور شراب
کے عوض لینا جائز رہے گا تاہم نصوص کی اطلاق کو دیکھ کر عقود فاسدہ اور شراب فروشی
سے اجتناب افضل ہے۔

لما قال ابن نجيم المصر رحمه الله :- ولا بين الحربي والمسلم ثمة اى لا ريب بينهما في
دارالحرب عندهما خلافا لابي يوسف وفي البناية وكذا اذا باع خمر او خنزيرا او ميتة
او فامرهم واخذ المال كل ذلك يحل له - (البحر الرائق ج ۶ ص ۱۳۵ باب الربا ص ۲)

شراب ملی ہوئی اشیاء کی خرید و فروخت | سوال :- شراب ملی ہوئی اشیاء مثلاً ادویات
وغیرہ کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- اسلام میں شراب چونکہ حرام اور نجس ہے اس لیے اس سے کسی قسم کا فائدہ لینا
جائز نہیں جس چیز میں شراب شامل ہو جائے وہ چیز حرام اور ناپاک ہو جاتی ہے اگرچہ قلیل مقدار میں کیوں

لے قال مرغینانی رحمه الله :- واذا باع المسلم خمر او اخذ ثمنها وعليه دين فانه يكو لصاحب الدين
ان ياخذ منه وان كان البائع نصلي نيا لا بأس به - (الهداية ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب الکراهية)
ومثله في بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الاستحسان -

لے وفي الهنديّة :- دخل مسلم اذ في دارالحرب بامان او غيره وعقد مع الحربي عقد الربوا...
او باع منهم خمر او خنزيرا او ميتة او دما بما في ذلك كله جائز عند الطرفين -
(الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۲۲۸ الفصل السادس في دارالحرب)

ومثله في الدر المختار على صمد ردا المختار ج ۵ ص ۱۸۶ باب الربو -

نہ ہو، اس بنا پر جن ادویات اور دیگر اشیاء میں یقیناً یا ظن غالب سے معلوم ہو کہ ان میں شراب کی آمیزش ہے اور علاج کسی متبادل دوائی سے ممکن ہو تو ان کی خرید و فروخت اور استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما ورد فی الحدیث : فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : يا ابا عامر ان الله تعالى قد حرم الخمر فلا حاجة لنا في حمرات قال خذها فبيعها فاستعن بثمنها على حاجتك فقال يا ابا عامر ان الله تعالى قد حرم شربها وبيعها واكل ثمنها۔ (المسند للامام اعظم ص ۳۴۳ کتاب البیوع) ۱۰

سوال :- الکحل ملی ہوئی ادویات کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر ادویات میں ملایا گیا الکحل انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے کشید کیا گیا ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس دوا کا استعمال ضرورتاً جائز ہے گا بشرطیکہ حدِ سر تک نہ پہنچا ہو، اور علاج کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے شیخینؒ کے مسلک پر عمل کرنا مرض ہوگا، تاہم اگر الکحل انگور یا کھجور سے حاصل کیا گیا ہو تو ان دواؤں کا استعمال شدید ضرورت اور اضطرار کے علاوہ جائز نہیں۔ البتہ اگر یہ معلوم ہو کہ الکحل دواؤں میں ملانے کے بعد اس کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہوتی ہے تو ایسی صورت میں اس کی حقیقت ختم ہو کر ان ادویات کا استعمال بالاتفاق جائز ہوگا، لیکن یہ مسئلہ ماہرینِ فنِ طب کی مدد سے ہی حل ہو سکتا ہے۔

لسا قال العلامة المفتی تقی عثمانی :- وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التي

عمت بها البلوى اليوم فانها تستعمل في كثير من الادوية والعطور والمركبات الاخرى فانه ان اتخذت من العنب او التمر فلا سبيل الى حلقها او طهارتها وان اتخذت من غيرهما فلا فيها سهل على مذهب ابی حنیفہؒ ولا يحرر استعمالها المتداوى او لا لغرض مباح اخر ما لم يبلغ حد الاسكار لانها انما تستعمل مركبة مع المواد الاخرى ولا يحكم بنجاستها اخذ بقوله ابی حنیفہؒ وان معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الادوية والعطور غير حلال اتخذت من العنب او التمر انما

تتخذ من الجبوب والقشور والبترول وغيره۔ (تکملة فتح الملهم ص ۴۰۸ کتاب الاسترہ) ۴۴/۶

۱۰ قال محمد بن الحسن الشيباني : محمد بن يعقوب عن ابی حنیفہ رحمہ الله قال الخمر حرام قليلها وكثيرها۔ (الجامع الصغير ص ۳۹۸ کتاب الاشربة)۔

منشیات کی خرید و فروخت | سوال : افیون، چرس، بھنگ اور ہیروئن وغیرہ کی تجارت کا شریعت مقدسہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- افیون، چرس، بھنگ اور ہیروئن نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ہیں لہذا حرام شے کی قیمت اور گناہ پر اعانت کی وجہ سے ان کی خرید و فروخت سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ ان اشیاء سے انسان کی دینی اور دنیوی بربادی لازم آتی ہے۔

لما قال علاؤ الدین الحصفی رحمہ اللہ : وصحہ بیع غیر المحترما امر ومفادہ صحتہ بیع الحشیشة والافیون قلت وقد سئل عن بیع الحشیشة هل يجوز فکتب کلا يجوز فیعمل علی انه مرادہ بعدم الجواز عدم الحل قالہ المصنف۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۶ ص ۲۵۴ کتاب الاشریۃ) ۱۔

تبہاکو کی خرید و فروخت | سوال :- جناب مفتی صاحب ! تبہاکو کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :- تبہاکو کا استعمال از روئے شرع ممنوع نہیں لہذا استعمال کے متھیں ہونے کی بناء پر اس کی خرید و فروخت میں بھی کوئی قباحت نہیں جبکہ آج کل تبہاکو فروشی ایک بہت بڑا ذریعہ معاش بن گیا ہے، غربت اور تنگی کے اس دور میں اس کا کاروبار کرنے میں کوئی شرعی جرم نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : وبالجملۃ ان تثبت فی ہذا الدخان اضرارٌ صرف خالٍ من المنافع فیجوز الاقتاد بتحریمہ ان لم یثبت انتفاعہ فالاصل حله مع ان فی الاقتاد بحلہ دفع الحرج عن المسلمین فان اکثرہم مبتلون بتناولہ مع ان تحلیلہ یسر من تحریمہ وما خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن امیہ لا یختار الیسر۔ (فتاویٰ ہامیہ ج ۲ ص ۲۶۶ مسائل وفوائد شریعہ) ۲۔

لہ قال العلامة الحدادیؒ : ولا یجوز اکل البنج والحشیشة والافیون وذلك کلمۃ حرام۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج ۲ ص ۲۴ کتاب الاشریۃ)۔

وَمِثْلُہُ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص ۲۰۵ کتاب الاشریۃ۔

لے قال العلامة ابوالحسنات عبدالحی لکھنویؒ : فی رسالۃ رفع الالتیاک فی حکم تعاطی بشجرۃ التباک

اما بیعہا وشرائہا فیحوز لامکان الانتفاع بہا۔ (مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۱۲۰ کتاب البیع) ۳۔

وَمِثْلُہُ فی رد المحتار ج ۶ ص ۲۵۹ کتاب الاشریۃ۔

ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کی خرید و فروخت | سوال: تلاوت قرآن مجید، دینی پروگرام اور خبریں وغیرہ سننے کی غرض سے ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ

خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کا استعمال جائز امور میں ممکن ہے اس لیے ان کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں، تاہم یہ چیزیں کسی ایسے شخص کو دینا جس سے کسی خیر کی توقع نہ ہو بلکہ محض بے دینی کے امور میں استعمال کا یقین ہو تو تعاون علی المعصیت کے شبہ سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: قلت وافاد کلاھم ان ما قامت المعصیۃ بعینہ یکرہ بیعہ تحریماً والا فتنزیہاً (قولہم) وعبادتہ وعرف بہذا انه لا یکرہ بیع ما لم تقم المعصیۃ بہ کیع الجاریۃ المغنیۃ بہ والکبش النطوح۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۲۶۸ باب البغاة۔ الخ)

آلات موسیقی کی خرید و فروخت | سوال: باجا، ستار اور دیگر آلات موسیقی کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: موسیقی چونکہ اسلام میں ناجائز اور حرام ہے، اس لیے وہ آلات جو محض موسیقی کے لیے استعمال ہوتے ہوں اور بغیر کسی تغیر و تبدیلی کے ان سے موسیقی کا کام لیا جاتا ہو آلات معاصی ہونے کی وجہ سے ان کی خرید و فروخت جائز نہیں ہوگی کیونکہ اس میں اعانت علی المعصیت ہونے کی وجہ سے جواز کی گنجائش نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ویکرہ تحویلاً بایع السلاح من اهل الفتنۃ لانه اعانتۃ علی المعصیۃ۔۔۔ قلت وافاد کلاھم ان ما قامت المعصیۃ بعینہ یکرہ بیعہ تحریماً والا فتنزیہاً نہرو نظیرہ کراہۃ بیع المعازف لان المعصیۃ تقابہا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب السیر) لہ قال العلامة ابن نجیم: ان ما قامت المعصیۃ بعینہ یکرہ بیعہ وما لا فلا ولذا قال انه لا یکرہ بیع الجاریۃ المغنیۃ والکبش النطوح۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۳ باب البغاة)

وَمِثْلُهُ فِي تَنْقِيحِ الْحَامِدِيَةِ ج ۲ ص ۱۵۳ کتاب الاجارۃ۔

لہ قال العلامة ابن نجیم: نظیرہ بیع المزامیر یکرہ ہنا ان ما قامت المعصیۃ بعینہ یکرہ بیعہ والا فلا۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۳ بتغییر السیر۔ آخر کتاب البغاة)

وَمِثْلُهُ فِي تَنْقِيحِ الْفَتَاوَى الْحَامِدِيَةِ ج ۲ ص ۱۵۳ کتاب الاجارۃ۔

گمراہ کن کتابوں کی تجارت کرنا | سوال :- آجکل بعض لوگ بے دینی، فحش گوئی، فرضی ناول،

اور سوانح پر مشتمل کتابوں کی تجارت کرتے ہیں، کیا یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- شریعت مقدسہ نے مسلمانوں کو شرک و بدعت، فحش ناول اور لادینیت پھیلا
 والی کتابوں کے مطالعہ سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ دین سے دوری اور گمراہی کا سبب بنتی ہیں، لہذا
 ایسی کتابوں کے مطالعہ اور تجارت سے اجتناب ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ یہی تاجر لادینیت کا آلہ کار
 اور معاون بن جاویں تاہم راسخ العلم علماء کے یہ جواب دہی کی نیت سے ایسی کتابوں کے مطالعہ
 کی گنجائش ہے تاکہ لوگوں کو ان کے مطالعہ سے منع کریں۔

لما قال العلامة محمود آلوسی: واستدل بعضهم على القول بان لهو الحديث
 الكتب التي اشترىها النضر بن الحارث على حرمة مطالعة التواريخ الفرس القديمة
 وسما ع ما فيها وقرأته وفيه بحث ولا يخفى ان فيها من الكذب ما فيها فاشتغال
 بها لغير غرض ديني حوض في الباطل - (روح المعاني ج ۷، ص ۷۹ سورة المائدة) ۱۷

تعویذات کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت | سوال :- بعض لوگ تعویذات کی خرید و فروخت

کا دھندہ اپٹائے ہوئے ہوتے ہیں اور
 لوگوں سے تعویذات کے پیسے وصول کرتے ہیں، کیا تعویذات کے عوض پیسے لینا شرعاً جائز
 ہے یا نہیں؟

الجواب :- تعویذ چونکہ علاج و معالجہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اس بنا پر جائز
 معاملات میں مشروع تعویذ کے عوض پیسے لینا اور دینا دونوں جائز ہیں۔ تاہم تعویذ فروشی کو
 اپنا فریضہ معاش بنانا مناسب نہیں۔

لما اخرج الامام محمد بن اسماعيل البخاري: عن ابى سعيد الخدري ان ناساً من اصحاب
 النبي صلى الله عليه وسلم اتوا علي حى من احياء العرب فلم يقروهم فبينما هم اذا لدغ
 له قال العلامة عالم بن العلامة الانصاري: اذا اصاب المسلمون الغنائم وكان فيها اصابوا مصنف
 فيه شئ من كتب اليهود والنصارى.... فانه لا ينبغى للامام ان يقسم ذلك في غنائم المسلمين
 مخافة ان يقع في سهم رجل من المسلمين.... وبيعه من المشركين مكروه -

(الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۳۱۳ کتاب السیر مسائل قسمه الغنائم)

سید اولئک هل معکم دواءٌ اوراق فقالوا نعم انکم لا تقررن ولا تفعل حتی تجعلوا لنا جعلاً
فجعلوا لهم قطعاً من الشاة فجعلوا یقر بام القرآن ویجمع بزاقه یتفل فیها فأتوا بالشاة
فقالوا لا نأخذہ حتی تسأل النبی علیہ السلام فسألوه فضحك وقال ما ادراک انہا
رقیة خذوها واضربوا لی بسهم۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵) باب الرقی بفاتحة الكتاب
ویذكر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہ

اتخبارات کی خرید و فروخت | سوال :- اخبارات میں اکثر تصاویر ہوتی ہیں نیز ایسی
باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا

تعلق بھی نہیں ہوتا، کیا ایسے اخبارات کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- اخبارات کی خرید و فروخت کا بنیادی مقصد ملکی اور غیر ملکی حالات و واقعات
سے آگاہی حاصل کرنا ہوتا ہے، باقی رہا تصاویر کا مسئلہ تو اس کا گناہ بنانے والے پر ہر حال
میں رہے گا۔ البتہ اگر اخبارات و رسائل وغیرہ شائع کرنے کا مقصد صرف فحاشی اور عریانی کو
فروغ دینا ہو اور اس سے معاشرہ کے افراد کی عادات اور اخلاق متاثر ہوتے ہوں تو ایسی
صورت میں ان کی خرید و فروخت سے اجتناب ضروری ہوگا۔

لما قال علی بن سلطان القاری رحمۃ اللہ : قال اصحابنا وغيرهم من العلماء
تصویر مصورة الحيوان حرام شدید التحريم..... واما اتخاذ المصور
بحيوان فان كان معلقاً علی حائط سواء كان له ظل ام لا او ثوباً
ملبوساً او حمامة او نحو ذلك فهو حرام واما الوسادة ونحوها مما

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : ولا بأس بالمعاوضات اذا كتب فيها
القرآن..... اختلف في الاستشفاء بالقرآن بان يقول على المريض او الممدوغ
الفاتحة او يكتب في ورق ويلق عليه او طست ويفسل ويسقى وعن النبی
عليہ السلام انه كان يعود نفسه قال رضى الله عنه وعلى الجواز
عمل الناس اليوم وبه وردت الآثار۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۴ فصل فی اللبس)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمُسْلِمِ لِلْإِمَامِ النَّوَوِيِّ ج ۲ ص ۲۲۲ باب جواز اخذ الاجرة على الرقية۔

یمتھن فلیس بحرام۔ (المرقاة شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۲۶۶ باب التصاوید) ملہ

دوسرے ممالک سے مال خرید کر پہنچنے سے پہلے فروخت کرنا | سوال:۔ آجکل بڑے بڑے کاروباری لوگ

دوسرے ممالک سے مال منگو کر پہنچنے سے قبل ہی فروخت کر دیتے ہیں کیونکہ وہ مشتری کے نام پر خریدا ہوا مال تجارت مشتری کی ملک تصور کرتے ہیں، لہذا قبل القبض ان اشیاء کی فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: باقاعدہ طور پر قبضہ سے قبل مال فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں لیکن آجکل بڑے بڑے کاروباری لوگ دوسرے ممالک سے جو اشیاء منگواتے ہیں تو ان کے پہنچنے میں کافی وقت لگ جاتا ہے جس میں بازار کی مندی کا اندیشہ ہوتا ہے اور گاہک کم ہونے کا بھی خطرہ رہتا ہے، لہذا ایسے مال کو فروخت کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:-

(۱) مال منگوانے والا گاہک کے ساتھ بیع کرنے کی بجائے بیع کا وعدہ کر لے کہ مال پہنچتے ہی آپ کے ہاتھوں اتنے داموں کے عوض فروخت کر دیں گا لہذا مال پہنچنے پر بیع درست ہوگی، البتہ اس صورت میں خلاف ورزی اگرچہ وعدہ خلافی ضرور ہے لیکن جہان بین میں سے کسی ایک کے انکار کی صورت میں دوسرے کو بیع پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کسی کو یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنالیا جائے جو مال پہنچانے کا کاروبار کرتی ہو، اور مال پہنچانے کا کرایہ چونکہ خریدار پر ہوتا ہے اس لیے اس خریدار کے اذن اور اجازت سے بائع جس کو بھی حوالہ کر دے وہ مشتری کی ملک اور قبضہ تصور ہوگا، اگرچہ خریدار اور مشتری اس شخص یا مال بردار کمپنی کا تعین بھی نہ کرے، اس بنا پر جب بھی مال اس شخص یا مال بردار کمپنی کی تحویل میں آجائے تو یہ خریدار اور مشتری کی ملک تصور ہو کر بیع

قال العلامة فخرالدين الشهير بقاضى خان: واذا سأل الرجل غيره الاخبار المحدثه في البلد قال بعضهم يكره الاخبار والاستخبار وقال بعضهم لا يكره الا استخبار ويكره الاخبار والصحيح انه لا بأس بالاخبار ايضاً ليكون عالماً بالمصالح۔ (غانية على هامش الهندية ج ۳ ص ۲۲۵) ومثله في الصحيح البخارى ج ۱ ص ۲۸۳ باب كم يجوز الخيار۔

جائز ہے گی۔

مندرجہ بالا دو صورتوں کے علاوہ قبل القبض مال فروخت کرنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: رجل اشترى عبداً ولم يقبضه فامر به ان يهبه من فلان ففعل البائع ذلك ودفعه الى الموهوب له جازت الهبة و صار المشتري قابضاً وكذا الوامر بالبائع ان يواجره فلاناً معيناً او غير معين ففعل جاز وصار المستاجر قابضاً للمشتري اولا ثم يصير قابضاً لنفسه والا جوا الذي ياخذ البائع من المستاجر عصبه من الثمن ان كان من جنسه۔ (البحر الرائق ج ۶ باب المراجعة والتولية) ۱۱
گتے کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت | سوال: گتے کی خرید و فروخت از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جائز قاندرے اور نفع کے لیے گتے کی خرید و فروخت کی اجازت دی ہے مثلاً شکار یا چوکیداری یا فصل وغیرہ کی حفاظت کی خاطر گتے خریدنا اور فروخت کرنا شرعاً مخصص ہے۔

لما قال التبی صلی اللہ علیہ وسلم: ابو حنیفة عن الہیثم عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثمن کلب القیید۔
 (المسند للإمام الاعظم ج ۳ باب الرخصة فی ثمن کلب القیید) ۱۲

۱۱ لما قال فی الہندیۃ: اذا قال المشتري للبائع البعث الى ابني واستاجر البائع رجلاً یحمله الى ابنه فهذا ليس قبضاً والاجر على البائع الا ان يقول استاجر علی من یحمله فقبض الاجير یكون قبض المشتري ان صدقه انه استاجر ودفع اليه وان انكر استئجاره والدفع اليه فما لقول قوله كذا فی التاتاریخانیۃ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۹۱ الباب الرابع فی حبس البیوع بالثمن)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۵ ص ۱۲۹ مطلب في تصرف البائع في البیوع قبل القبض۔

۱۲ لما قال علی بن ابی یکر المرغینانیؒ: یجوز بیع الکلب..... ولأنه ینتفع به حرّاً واصطیاداً

فكان مالاً فیجوز بیعه۔ (المصاہیۃ ج ۳ ص ۱۳۱ مسائل منشورہ، کتاب البیوع)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۲ باب المتفرقات، کتاب البیوع۔

پرندوں کی خرید و فروخت کا حکم | سوال: بعض لوگ پرندوں کو پکڑ کر فروخت کرتے ہیں، مثلاً چیل، باز، تیترا اور بٹیر وغیرہ پرندوں کو پکڑ کر خوب نفع کھاتے ہیں، تو کیا از روئے شریعت یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے پرندوں کے شکار اور پکڑنے کو جائز قرار دیا ہے اور ان کی خرید و فروخت کی بھی اجازت دی ہے، اس معاملہ میں فریقین کی رضامندی سے جو بھی قیمت متعین کی جائے شرعاً مخصص ہوگی تاہم آپس میں لڑنے کے لیے خرید و فروخت سے اجتناب کیا جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وصح بيع الكلب..... وكذا الطيور اى الجوارح والفهد والبارى يقبلان التعليم فيجوز بيعها على كل حال -

رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۰ باب المتفرقات، کتاب البیوع ص ۱۷

خنزیر کی خرید و فروخت کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! کیا اسلام میں خنزیر کے خرید و فروخت کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: اسلام نے چونکہ خنزیر کو نجس العین اور حرام قرار دیا ہے اور خنزیر سے ہر قسم کے انتفاع اور اس کی خرید و فروخت کو بھی ناجائز اور حرام قرار دیا ہے، اس لیے کسی مسلمان کیلئے اسلامی نقطہ نظر سے خنزیر کو ذریعہ آمدن بنانا قطعاً زیبا نہیں، یہی وجہ ہے کہ شرعاً خنزیر حرام عقید میں شواء بیعہ ہو یا ثمن ہو تو عقد باطل ہے لہذا خنزیر کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ تاہم جب اسلامی ملک میں ذمی رہائش پذیر ہوں تو ان کو آپس میں اس کی خرید و فروخت کی گنجائش موجود ہے۔

لما قال العلامة مرغینانی: اذا كان احد العوضين او كلاهما محرماً فالبيع فاسد كما لبيع بالميتة

والدم والخمر والخنزير۔ (الهدایۃ ج ۳ ص ۵۳ باب البیع الفاسد) ص ۱۷

لما قال فی الہندیۃ، وكذا بيع السور وسباع الوحش والطيور جائز عندنا معلماً كان او لم يكن

كذا في الفتاوى قاضیخان۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۱۴ الفصل الرابع فی بیع الحيوانات)

وَمِثْلُهُ فِي الْبُرْجَنْدِي ج ۳ ص ۱۱۴ کتاب البیوع۔

۲ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید: ولو باع الخمس والخنزير كان باطلاً باعها من مسلم

او مسلم۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۱۴ کتاب البیوع باب الرابع فی البیع الفاسد واحکامہ)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَةِ ج ۲ ص ۱۱۴ کتاب البیوع باب الحادی عشر فی احکام البیع الغير الجائز۔

مردار جانور کی کھال رنگنے کے بعد فروخت کرنا | سوال: مرے ہوئے غیر مذبح جانور کی کھال نکال کر باقاعدہ طور پر رنگنے

کے بعد فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے غیر مذبح جانور سے انتفاع ممنوع قرار دیا ہے لیکن اس کی کھال کو باقاعدہ رنگنے یا خشک کرنے کے بعد فروخت کرنا جائز قرار دیا ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن عبد اللہ بن عباسؓ أخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نشاة فقال هلا استمتعتم باہا بہا قالوا انہا میتة قال انما حترم اکلہا۔

رواہ البخاری ج ۱ ص ۲۹۶ باب جلود المیتة قبل ان تدبغ لہ

مردار جانور کی ہڈیاں فروخت کرنا | سوال: مردار جانور جس کے کھاتے شریعت نے منع فرمایا ہے، تو کیا ان کی ہڈیوں کو جمع کر کے

فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں جبکہ اس جانور کو باقاعدہ طور پر ذبح نہیں کیا گیا ہو؟

الجواب: خنزیر کے علاوہ دیگر مردار جانوروں کی کھال رنگنے سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں لیکن ہڈی بال اور اُون کی خرید و فروخت شرعاً مخصص ہے کیونکہ کسی جانور کی موت کی وجہ سے اس کی یہ اشیاء ناپاک نہیں ہوتیں۔ لہذا اگر جانور باقاعدہ مذبح نہ بھی ہو تو اس کے ہڈی بال اور اُون کی فروخت جائز اور مخصص ہے۔

لما قال المرغینانی: ولا بأس ببيع عظام المیتة وعصبها وصوفها وقرنها وشعرها وبرھا والانتفاع بذلک کلہ لانھا طاهر لا یعلھا الموت بعدا الحیاة۔ (الہدایة ج ۳ ص ۵۸ باب البیع الفاسد) لہ

لہ قال العلامة الزلیعی: وجلد المیتة قبل ان تدبغ یعنی لا یجوز بیعہ وبعده بیاع وینتفع بہ۔۔۔۔۔ یعنی بعد الدباغ یجوز بیعہ۔ (تبیین الحقائق ج ۴ ص ۵۸ باب البیع الفاسد)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۳ ص ۵۵ کتاب البیوع، باب البیع الفاسد۔

لہ قال العلامة الزلیعی: وجلد المیتة قبل الدباغ وبعده بیاع وینتفع بہ کعظم المیتة وعصبها وصوفها وقرنها وبرھا یعنی بعد الدباغ یجوز بیعہ کما یجوز بیع عظم المیتة۔

(تبیین الحقائق ج ۴ ص ۵۸ باب البیع الفاسد)

وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۲ ص ۱۳۳ کتاب البیع فصل فی البیع الباطل۔

گندگی کھانے والے جانوروں کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- بعض جانور مثلاً مرغی اور بکری وغیرہ گندگی اور

بدبودار اشیاء کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ اگر ایسی اشیاء کھانے کی وجہ سے ان سے بدبو محسوس ہوتی ہو تو ایسی حالت میں ان کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر مذکورہ جانور گندگی کھانے کی وجہ سے بدبودار ہو گئے ہوں تو ایسی صورت میں ان کا کھانا اور خرید و فروخت مکروہ ہے تاہم اگر ان کو گندگی کھانے سے روک لیا جائے اور بدبو زائل ہونے تک بند رکھا جائے تو پھر ان کے کھانے اور خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں۔
لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: الجلالة التي تأكل العذرة كره لحمها وتحبس الجلالة حتى يذهب نتن لحمها وفي المنتقى الجلالة المكروهة التي اذا قربت وجدت منها رائحة فلا توكل ولا يشرب لبنها ولا يعمل عليها وتلك حالها ويكره بيعها وهبتها وتلك حالها - (رد المحتار ج ۶ ص ۳۴ کتاب الخطر والا باحة)

سوال :- کچھ کو ذبح کر کے روغن نکال کر فروخت کرنا

کرنے کے بعد اس کے گوشت روغن اور تیل نکالا جاتا ہے تاکہ جانوروں کو کھلا کر ان کی قوت بڑھائی جاسکے، تو کیا اس طریقہ سے روغن نکال کر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- باقاعدہ ذبح شرعی سے حرام جانور کا گوشت اور کھال وغیرہ پاک ہو جاتے ہیں، اس بناء پر اس کے گوشت وغیرہ سے روغن یا تیل نکال کر انسانوں کی خوراک کے علاوہ مویشیوں اور دیگر ضروریات کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، پس خرید و فروخت بھی جائز ہے

لما قال في الهندية: وأما حكمها فطهارة المذبح وحل أكله من المأكول

لما قال ابن نجيم: ولا تؤكل الجلالة ولا يشرب لبنها لانه عليه السلام نهى عن أكلها وشرب لبنها والجلالة التي تعتاد أكل الجيف ولا تخلط فيكون لحمها متناً ولو حبست حتى يزيل النتن حلت - (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۲ فصل في الأكل والشرب)

ومثله في الهندية ج ۶ ص ۳۰۸ الفصل الثاني عشر في الأجارات والمزارعات -

وطهارة غير لما كول للانتفاع لا بجهة الاكل كذا في محيط السرخسي .

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۸۲ کتاب المعاملة . الباب الثاني في المتفرقات) له

قبل الدباغ مردار جانور کی کھال کی فروخت کا حکم | سوال :- بعض علاقوں میں مردار جانوروں کی کھال اتار کر رنگتے

سے قبل ہی فروخت کر دی جاتی ہے، کیا ایسی کھال کا استعمال و فروخت جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- مردار جانور کے اجزاء سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا شرعاً ممنوع ہے، لہذا اس کی کھال اتار کر دباغت (رنگتے) سے قبل فروخت کرنا ناجائز اور حرام ہے، تاہم کھال کو باقاعدہ دباغت کے بعد استعمال کرنے اور فروخت کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی: ولا یبع جلود المیتة قبل ان تدبغ لانه غیر منتفع به ولا بأس ببيعها والانتفاع بها بعد الدباغ . (الهدایہ ج ۳ ص ۵۸ باب البیع الفاسد) له

جاندار اشیاء کے مجسموں کی خرید و فروخت | سوال :- اگر کھلونوں کو مٹرغ، بطخ، کبوتر اور دیگر جانوروں اور پرندوں کی شکل پر بنایا جائے تو کیا ایسے کھلونوں کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بلا ضرورت تصویر کشی از روئے شرع ممنوع عمل ہے اس لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جانوروں اور پرندوں کی اشکال والے کھلونوں کی خرید و فروخت سے اجتناب کرے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک موقع پر اس سے منع کرتے ہوئے یوں فرمایا :-
لما ورد فی الحدیث: فقال ابن عباس لا احد ثانی الا ما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم

لما قال محمد بن عثمان بن علی الزلیعی: تجاز ببيعها ولحوا السباع وشعوها وجلودها بعد الزكاة كجلود الميتة بعد الدباغ حتى يجوز بيعها والانتفاع بها في غير الاكل لطهارته بالزكاة.

(تبیین الحقائق ج ۴ ص ۵۸ باب البیع الفاسد)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۴ ص ۲۲۲ کتاب الاضحية -

لما قال ابن نجيم رحمه الله: (وجلد الميتة قبل الدبغ) ای لم یجز ببيعہ لانه غیر

منتفع به - (البحر الرائق ج ۶ ص ۸۱ کتاب البیوع، باب البیع الفاسد)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْنَدِيَةِ ج ۳ ص ۱۵ کتاب البیوع، الفصل الخامس في بيع المحرأ الصيد... الخ

يقول سمعته يقول من صور صورة فان الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس نافع فيها ابداً فربا الرجل ربوة شديدة واصفر وجهه فقال ويحك ان ابیت الا ان تصنع فعليك بهذا الشجر كل شيء ليس فيه روح -

صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۶ باب بیع التصاویر التي ليس فيها روح وما يكره من ذلك له
سوال :- زنده مرغیوں کو تول کر وزن کر کے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جاندار اشیاء عددی متفاوت ہونے کی وجہ سے وزن یا پیمانے کے ذریعے فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ سانس لینے کی وجہ سے ان کے وزن میں گھٹنے بڑھنے کا احتمال ہوتا ہے جو کہ مفقہی الی المنازعہ ہے، البتہ دور حاضر میں لوگ اس معمولی گھٹنے بڑھنے کو کوئی وقعت نہیں دیتے تو نزاع نہ ہونے کی صورت میں ایسی بیع جائز ہونی چاہیے کیونکہ فی زمانہ عادات اس پر مبنی ہیں جبکہ آیام ماضیہ میں عادت کی وجہ سے ایسی بیع کے عدم جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔

لما قال المرغینانی: لان الحيوان لا يوزن عادة ولا يمكن معرفة ثقله بالوزن لان يخفف نفسه مرة ويثقل اخرى - (المهداية ج ۳ ص ۸۲ کتاب البیوع - باب الوزن) ۱۷

سوال :- بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ بہن یا بیٹی کی شادی کے وقت والد یا سرپرست مہر کے نام سے بہت سی رقم وصول کر کے خود استعمال کرتے ہیں جبکہ اس میں سے تھوڑا بہت جہیز میں بھی لگاتے ہیں، کیا اس طریقہ سے لیے ہوئے مال کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ مہر میں مبالغہ بہتر نہیں بلکہ

۱۷ قال العلامة المحقق: اذا ثبت كراهية كسبها التحتم ثبت كراهية بيعها وضعها لما فيه من الاثم على ما يجوز وكل ما ادى الى ما لا يجوز ولا يجوز - (رد المحتار علی رد المحتار ج ۶ ص ۳۶ فصل فی البیس)

وَمِثْلُهُ فِي عَمْدَةِ الْقَادِي ج ۲ ص ۳۸۱ باب بیع التصاویر الخ

۱۸ قال ابن الهمام: وانما قلنا ان الحيوان ليس بموزن لانه لا يوزن عادة فليس فيه احد المقدرين الشرعيين الوزن او الكيل - (فتح القدير ج ۶ ص ۱۶۴ باب الربا - کتاب البیوع)

وَمِثْلُهُ فِي الْعَنَاءَةِ عَلَى هَامِشِ فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۶ ص ۱۶۴ باب الربا -

متوسط درجہ کا ہونا چاہیے اور مہر جس کے حق میں رکھا جائے تو وہ اسی کا حق ہوگا اس کی اجازت کے بغیر کسی اور کو اس کے استعمال کا حق نہیں۔ اور بعض علاقوں کا مذکورہ رواج آزاد عورت کی خرید و فروخت کے مترادف ہے جبکہ ظاہری طور پر اسے مہر کا نام دیا جاتا ہے لہذا یہ ناجائز و حرام ہے۔
 لما قال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ: وبطل بیع مالیس بمال کا لدم والمیتة والحرة
 (تنویر البصار علی صدد المختار ج ۵ ص ۵۷۵ باب البیع الفاسد)۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل خون کے جل کر رکھ ہو جانے پر اسکی تجارت کا حکم

اکثر بڑے شہروں بلکہ بعض دیہاتوں میں بھی جانوروں کے خون کی تجارت عام ہے کہ مذبح خانوں سے خون جمع کر کے جلا لیا جاتا ہے اور اس کی رکھ کو فارمی مرغیوں کی خوراک تیار کرنے والی فیکٹریوں پر فروخت کر دیا جاتا ہے کیا اس طرح جانوروں کے خون کی تجارت کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- کسی جانور کا خون اگرچہ مال متقوم نہیں کہ اس کو فروخت کیا جائے لیکن ایسا وقت عرف کی وجہ سے ضرورت کے تحت ایک غیر مال بھی مال بن جاتا ہے اور فقہاء اسلام نے اس کی بیع کو جائز قرار دیا ہے مثلاً گوبر وغیرہ۔ تو صورت مسئلہ کے مطابق آجکل جانوروں کے خون سے چونکہ فارمی مرغیوں کی خوراک بنتی ہے اور ضرورت کے تحت عموماً اس کا کاروبار ہوتا ہے اسلئے بناء بر عرف اس کو مال سمجھا جائے گا۔ اور مذکورہ صورت میں تو وہ خون خون ہی نہیں رہتا بلکہ جل کر رکھ بن جاتا ہے اس لیے جلے ہوئے خون کی تجارت بلا شک و شبہ جائز ہے۔

لما قال العلامة ظفر حمد العثانی: یہ بیوپار جائز ہے۔۔۔۔۔ ان اقوال کا مقتضایہ ہے کہ اگر کسی وقت خون کی قیمت بھی عرفاً ہو جائے تو اسکی بیع و شراء صحیح ہے اور خون کی رکھ تو پاک ہے اس کی بیع صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (اردالا احکام جلد ۳ ص ۳۵۵، ۳۵۶ کتاب البیوع)

سوال :- خون کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- خون چونکہ مال متقوم نہیں اسلئے شرعاً اس کے

لہ قال علی بن ابی بکر المرغینانی: اذا كان احد العوضین او كلاهما محرراً فالبیع سہو و کذا اذا كان غیر مملوک کا محر۔ (الہدایۃ ج ۳ ص ۵۳ کتاب البیوع، باب البیع الفاسد)
 ومثله فی مجلۃ الاحکام المادة من ۲ الفصل الثانی فیما یجوز بیعہ وما لا یجوز (

خرید و فروخت جائز نہیں، تاہم اگر کسی مریض کے لیے شدید ضرورت کے وقت بلا قیمت خون نہ ملتا ہو تو قیمت دے کر اس کے لیے خون خریدنا تدوی بالمحرم کی وجہ سے منہص ہوگا لیکن خون لینے والے کیلئے قیمت لینا جائز نہیں تاکہ خون متاع بازار نہ بن جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: بطل بیع مالیس بمال ای لیس بمال فی سائر الادیات کا لدم - (رد المحتار ج ۵ ص ۵) مطلب بیع الموقوف من قسم الصحیح (۱) لہ

انسانی اعضاء کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت | سوال: بعض حالات میں کسی مریض کو آنکھ، گردہ یا اور کسی انسانی عضو کے

ضرورت ہوتی ہے، تو کیا ان اعضاء کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ انسان کو مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ نے مکرم اور شرف پیدا فرمایا ہے، اسی تکریم اور شرافت کے پیش نظر انسانی اعضاء کی خرید و فروخت جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں انسانی اعضاء متاع بازار بن کر ان کی عظمت متاثر ہو کر اہانت لازم آئے گی، تاہم بامرجبویٰ منہص ہو سکتا ہے۔

لما قال العلامة کمال الدین ابن الہمام: والانتفاع به لان الآدمی مکرم غیر مبتذل فلا يجوز ان یکون شی من اجزائه مهانا ومبتذلا وفي بیعه اهانة له وكذا فی امتهانه بالانتفاع - (فتح القدیر ج ۶ ص ۶۳۰ باب البیع الفاسد) لہ

جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرنا | سوال: جنگل سے لکڑیوں کو کاٹ کر فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جنگل اگر کسی قوم، قبیلے یا حکومت کی یا قاعدہ مملوک اور ملکیت نہ ہو تو اس سے لکڑیاں وغیرہ جمع کر کے فروخت کرنا شرعاً جائز ہے لیکن اگر جنگل کسی کی ملکیت ہو تو چونکہ اس میں

لہ قال العلامة ابن نجیم المصری: لم یجز بیع المیتة والدم لانعدام المالیة التي هی رکن

البیع - (البحر الرائق ج ۶ ص ۶) باب البیع الفاسد

ومثله فی تبیین الحقائق ج ۴ ص ۴۲۲ باب البیع الفاسد -

لہ قال العلامة الکاسانی: والآدمی بجميع اجزائه محتوم مکرم و لیس من الکرامة والاحترام

ابتدالہ یا بیع والشرار - (البدائع والصنائع ج ۵ ص ۱۲۵) کتاب البیوع، فصل واما الذی یراد الی المقصود... الخ

ومثله فی رد المحتار ج ۶ ص ۳۷۲ فصل فی النظر والمس - کتاب المخطر والاباحة -

دیگر شرکاء کی حق تلفی کا اندیشہ ہے لہذا ان کی رضامندی کے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عايدین: والخطب فی ملک رجل ليس لاحد ان يختطبه بغير اذنه وان كان غير ملك فلا بأس به ولا يضر نسبة الى قرية او جماعة او جماعة ما لم يعلم ان ذلك ملك لهم وكذلك الذريرة والكبريت والتمار في المروج والاودية۔

(مراد المختار ج ۴ ص ۲۴۲ فصل الشرب)۔

قبرستان کے درخت کا ٹخنے قبل فروخت کرنا | سوال :- قبرستان کے درختوں کو کاٹنے سے قبل فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قبرستان کی زمین اگر باضابطہ طور پر وقف کی گئی ہو تو اس زمین کے درخت ذاتی استعمال میں نہیں لائے جاسکتے البتہ ان درختوں میں سے غیر پھلدار درخت قبل القلع فروخت کرنا جائز ہے اور پھلدار درختوں کو قبل القلع فروخت کرنا جائز نہیں اور ان درختوں کو فروخت کر کے حاصل ہونے والی رقم کو قبرستان کی ضروریات میں خرچ کیا جائے گا، کسی شخص کو یہ رقم خود اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا اختیار نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلامة الانصاری رحمہ اللہ: وفي الجامع وفي فتاوى ابن الفضل سئل عن اشجار موقوفة مع الارض ايجوز بيعها قال لا يجوز قبل القلع كبيع الارض وبعد القلع يجوز۔ وقال ايضا الاشجار الموقوفة اذا كانت غير مثمرة يجوز بيعها قبل القلع لانها هي الفلة بعينها والمثمرة لم يجر بيعها الا بعد القلع

لما قال العلامة سليم رستم بازرحه الله: الاشجار التي تنبت بلا عرس في الجبال الباحة غير المملوكة (يعذف يسير) والقبر والزمينغ والفيروج صا لشجر فمن اخذ من هذه الاشياء ضمن والخطب في ملك من اجل ليس لاحد ان يختطبه بغير اذنه وان كان في غير ملك ولا بأس به ولا يضر نسبته الى قرية او جماعة ما لم يعلم ان ذلك ملك لهم۔

{ شرح المجلد تحت المادة ج ۲ ص ۱۲۳ }
{ الفصل الاول في الاشياء المباحة - }

ومثله في الجامع القصولين ج ۲ ص ۲۶۶، ۲۶۷، الفصل الخامس والثلاثون فيما يمنع عنه البيع

کبناء الوقف والباب لا يجوز بيعه قبل الدفع - (التاتارخانية ج ۵ ص ۸۴۵ کتاب الوقف ، مسائل وقف الاشجار) ۱۷

سوال :- اگر کسی کی مملوکہ زمین میں خود روگھاس
خود روگھاس کی خرید و فروخت کرنا ہو تو اس کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- خود روگھاس چاہے مملوکہ زمین میں کیوں نہ ہو کاٹنے سے قبل اس کی خرید و فروخت جائز نہیں، تاہم اگر خود روگھاس کے لگانے اور حفاظت کرنے میں مالک زمین کی محنت بھی شامل ہو مثلاً اس کے ارد گرد خندق یا کانٹے دار تار وغیرہ سے حفاظت کرے اور اس کو پانی وغیرہ دے تو اس محنت کی وجہ سے مالک زمین کے لیے اس خود روگھاس کی خرید و فروخت جائز ہوگی۔ بشرطیکہ اس گھاس کو کاٹ کر فروخت کی جائے۔

لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : عن رجل من مهاجرین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال عزوت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثاً سمعہ یقول المسلمین شرکاء فی ثلاث الماء والکلأ والتار - (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۶) ۱۸

سوال :- اگر کسی شخص کی اپنی مملوکہ زمین
اپنے مملوکہ درخت سے شہر فروخت کرنا میں درخت ہوا اور اس میں شہر کی

۱۷ قال العلامة ابن عابدین، وفي الزانية وقال الفضلي وبيع الاشجار الموقوفة مع الارض لا يجوز قبل القلع كيبيع الارض. وقال ايضا اذا لم تكن مثمرة يجوز بيعها قبل القلع. ايضا لانه غلتها والمثمرة لا تباع الا بعد القلع كيبيع البناء الوقف بحر -

(تنقيح الفتاوى حامدية ج ۱ ص ۱۱۱ في مطلب بيع الاشجار الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۱۱ ابواب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم -

۱۸ قال في الهنديّة: ولا يجوز بيع الكلاء وابعارته وان كان في ارض مملوكة غيران لصاحبان يمنع الدخول في ارضه هذا اذا نبت بنفسه فاما اذا كان سقى الارض واعد لها للانباقبت ففي الذخير والمحيطة والنوازل يجوز بيعه لانه ملكه وهو مختار الشهيد -

(الفتاوى الهنديّة ج ۳ ص ۱۰۹ الفصل الثاني في بيع الثمار وانزال الكروم والاوراق الخ)

وَمِثْلُهُ فِي الْيَحْر الرُّق ج ۶ ص ۱۱۱ باب ابيع الفاسد -

مکھیاں شہد بنالیں تو اس شہد کی فروخت کا اختیار اس مالک زمین کو ہوگا یا ہر شخص اس کو کاٹ کر فروخت کر سکتا ہے؟

الجواب ۱۔ اپنی مملوکہ زمین میں شہد کی فروخت اور دیگر مالکانہ تصرفات کا حق صرف زمین کے مالک کو حاصل ہے، کیونکہ شہد درخت کے تابع ہو کر درخت کے حکم میں ہے۔ اس بناء پر چونکہ درخت میں تصرف کا حق صرف مالک زمین کو حاصل ہے اس لیے شہد پر اختیار بھی اسی کو حاصل ہوگا لہذا کسی دوسرے شخص کو اس کی فروخت وغیرہ کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔

لما قال علی بن ابی یکر المرغینانی: بخلاف ما اذا غسل النخل فی ارضه لانه عد من انزاله فیملكه تبعاً لارضه كالشجر التایت فیه والتواب المجتمع فی ارضه بجریان الماء۔
(الهدایة ج ۳ ص ۱۶۷ مسائل منشورة۔ کتاب البیوع) ۱۰

خرید کردہ درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیے کا حکم | سوال: ایک شخص نے کسی چند درخت خریدے، کاٹتے وقت دونوں میں کچھ

تیز گفتگو ہوئی کہ درختوں کو کہاں سے کاٹا جائے، مالک زمین اوپر سے کاٹنے پر مصر ہے جبکہ مشتری جڑ سے اکھاڑنا چاہتا ہے، کیا از روئے شریعت اس میں کوئی عدم مقرر ہے یا نہیں؟
الجواب ۲۔ بیع و شراء کے وقت اگر درختوں کا سودا بلا کسی شرط کے ہوا ہو تو مشتری کیلئے درختوں کا جڑ سے اکھاڑنا جائز ہے، لیکن اگر سودا طے کرتے وقت سطح زمین سے کاٹنے کی شرط لگائی گئی ہو تو سطح زمین سے ہی کاٹنا ہوگا، اور اگر جڑ سے اکھاڑنے کی صورت میں قریبی کنوئیں یا دیوار وغیرہ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو پھر جڑ سے اکھاڑنے کی بجائے سطح زمین سے کاٹنا ہوگا۔

لما قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وفيها اذا اشترى شجرة للقلع فانه يور بقلعها بعروقها وليس له حفر الارض الى انتهاء العروق بل بقلعها على العادة الا ان شرط

۱۰ قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: بخلاف معسل النخل فی ارضه حیث یملكه وان لم تکت ارضه معدة لذلك من انزال الارض حتی یملكه تبعاً لها كالاشجار التایتة۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۸۸ باب المتفرقات۔ کتاب البیوع) ۲
وَمِثْلُهُ فی رد المحتار ج ۵ ص ۳۵ کتاب البیوع۔

للبيع القلع على وجه الارض او يكون في القلع من الاصل مضرّة على البائع كما اذا كانت بقرب حائط او بئر لانه يقطعها على وجه الارض - (البحر الرائق ج ۵ کتاب البيع، فصل يدخل البناد والمفاتيح في بيع الدار) لے

سوال :- بعض لوگ باغ کے صرف بعض باغ کے بعض پھل ظاہر ہوں جبکہ بعض ظاہر نہ ہوں ایسی حالت میں باغ کی فروخت کا حکم

جواب :- پتہ نہیں چلتا کہ پھل کی مقدار کیا ہوگی یا مستقبل میں اس کی کیفیت کیا ہو سکتی ہے، اسی حالت میں اگر باغ فروخت کیا جائے تو شرعی نقطہ نظر سے اس کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ ایسی حالت میں درخت میں ایسے پھل بھی ہو سکتے ہیں جن کا ابھی وجود نہیں ہوتا ہے؟

الجواب :- شرعی نقطہ نظر سے کسی چیز کی فروخت کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ بیع عقد کے وقت موجود ہو تاکہ بائع مشتری کو سپرد کر کے اپنی ذمہ داری فارغ کرے۔ صورت مذکورہ میں جو پھل ظاہر ہو خواہ انسان کے کھانے کی صلاحیت رکھتا ہو یا حیوانات کی، اس کی خرید و فروخت جائز ہے، لیکن اگر باغ فروخت کرتے وقت پھل ظاہر نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ پھل ابھی بالکل ظاہر نہ ہو تو یہ عقد بیع معدوم ہو کر ناجائز ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض پھل ظاہر ہو لیکن روز بروز باغ میں مزید پھل ظاہر ہوتا رہتا ہو، ایسی حالت میں اگر مالک موجودہ پھل فروخت کرے لیکن جو پھل ابھی ظاہر نہیں ہوئے تو ظاہر المذہب کی رو سے اس کی بیع فاسد رہے گی۔

لیکن عموم بلوی اور ضرورت کو دیکھ کر علماء کرام نے بواز کافتویٰ دیا ہے، اور جو پھل ابھی پیدا ہو رہے ہوں تو اس کے لیے باغ کے اجارہ کے عوض مشتری کے لیے

قال العلامة ابن عابدین: اشترى شجرة للقلع يوم يقلعها بعروقتها وليس له حق الاض الى انتمها العروق بل يقلعها على العادة الا ان شرط البائع القطع على وجه الارض او يكون في القلع من الاصل مضرّة للبائع ككونها بقرب حائط او بئر فيقطعها على وجه الارض -

(رد المحتار ج ۲ م ۵ مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً)

ومثله في الهندية ج ۳ م ۳ کتاب البيوع، الفصل الثاني -

بخاری حقہ مقرر کر کے بائع کو مثلاً ہزار واں حقہ دینے کے حیلہ کا سہارا لے کر معاملہ جائز ہے گا۔
 لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: والحيلة ان يأخذ الشجرة معاملة
 علی ان له جزء من الف جزء وفي الزرع والحشيش يشتري الموجود ببعض الثمن ويستأجر
 الارض مدة معلومة يعلم فيها الادراك بباقي الثمن وفي الاشجار الموجود ويحل له البائع
 ما يوجد فان خاف ان يرجع يقول علی انی متی رجعت فی الاذن تكون ما دوننا فی الترك
 شمتی ملخصاً۔ الذر المختار مع مرآة المختار ج ۳ ص ۵۵۸ کتاب البیوع ۱۷

پکنے تک کی شرط لگا کر کچی فصل خریدنا | سوال: گندم یا جو کی کچی فصل پکنے تک چھوڑنے
 کی شرط سے خریدی جائے اور پکنے پر کاٹی چلے تو کیا
 یہ بیع شرعاً درست ہوگی یا نہیں؟ اور جواز کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟
 الجواب: گندم، جو یا دیگر فصلوں کو اس شرط سے خریدنا کہ پکنے پر کاٹوں گا تو یہ صورت
 ناجائز ہے، البتہ فقہاء نے جواز کی ایک صورت ذکر کی ہے کہ فصل کو مستقل طور پر قیمتاً خرید کر
 ایک خاص مدت کے لیے زمین چارہ پر لی جائے اور معینہ مدت کے اندر فصل کو کاٹ لیا جائے تو
 اس صورت میں مذکورہ بیع اور پکنے تک فصل کا باقی رکھنا صحیح ہوگا۔

لما قال طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: وان كان البيع بشرط الترك
 لا يجوز۔ (خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۲۹ کتاب البیوع۔ الفصل الثاني فيما يجوز بيعه... الخ) ۱۷

۱۷ قال العلامة ابن الهمام: وفي ثمار الاشجار يشتري الموجود ويحل له البائع ما يوجد فان خاف
 ان يرجع يفعل في الاذن في ترك الثمر على الشجر وهو ان يأذن المشتري على انه متى رجع من
 الاذن كان ما دوننا في الترك ياذن جديد فيجعله على مثل هذا الشرط۔
 (فتح القدير ج ۵ ص ۲۹۲ کتاب البیوع)

وَمَثَلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۳ ص ۲۹ کتاب البیوع۔ الفصل الثالث فيما يجوز بيعه... الخ۔
 ۱۸ قال طاهر بن عبد الرشید البخاری: ولو اراد ان يترك في الارض ويكون له الكولاية الشرعية فالحيلة ان يشتري
 الحشيش واشجار البطح ببعض الثمن وليستاجر الارض ببعض الثمن من صاحب الارض اياماً
 معلوماً۔ (خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۲۹ کتاب البیوع۔ الفصل الثاني فيما يجوز بيعه وما لا يجوز) ۱۷
 وَمَثَلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۳ ص ۳۳ کتاب البیوع۔ الفصل الثاني فيما يدخل في بيع الاراضي، الخ۔

قرعہ اندازی کے ذریعے خرید و فروخت کرنا | سوال :- ایک چیز کی قیمت ایک ہزار روپے ہے، بیس آدمیوں نے آپس میں

۵۰/۵۰ روپے جمع کر کے یہ فیصلہ کیا کہ قرعہ اندازی کر کے جس کے نام پر یہ چیز نکل آئے تو یہ اس کو دی جائے گی اور باقیماندہ افراد محروم رہ جائیں گے، کیا یہ طریقہ تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- شریعت مطہرہ میں خرید و فروخت کے جو اصول وضع کیے گئے ہیں ان کے فقدان کی وجہ سے ایسی بیع جائز نہیں، صورت مذکورہ میں ایک ممنوع امر یہ ہے کہ اگر نام نکل آئے تو اس کو بیعہ دیا جائے گا ورنہ نہیں جو کہ شرط فاسد ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ہر ایک ممبر اپنا نام نکلنے کا متمنی ہوتا ہے لیکن پتہ نہیں کہ نکلے یا نہیں تو گویا بیع علی خطر الوجود ہونے کی وجہ سے قمار لازم آتا ہے جو کہ بنص قرآنی ممنوع ہے اس بناء پر مذکورہ معاملہ شرط فاسد اور قمار کی وجہ سے جائز نہیں۔

لما قال الله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَذْلَامُ رَجَائٍ
 مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (سورة المائدة آیت ۹۰) لہ
تجارتی لائسنس (پرپٹ) کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت | سوال :- ایک شخص

کے پاس حکومت کی طرف سے جاری کردہ تحریری سٹیفکیٹ کی صورت میں ایک تجارتی لائسنس (پرپٹ) ہے تاکہ درآمد برآمد کے وقت کوئی اعتراض نہ کرے، اب وہ شخص اس اجازت نامہ کو فروخت کرنا چاہتا ہے، یہ لائسنس چونکہ کاغذ کی شکل میں ہوتا ہے تو کیا اس کی فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- عصر حاضر میں اکثر ممالک نے تاجروں پر لائسنس کے بغیر درآمد برآمد کی پابندی لگائی ہوئی ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ لائسنس ایک مادی چیز نہیں بلکہ دوسرے ممالک کو مال دینے یا لینے کا دوسرا نام ہے اور اس لائسنس کے حصول کیلئے چونکہ وقت، کوشش اور

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ما كان مبادلة مالٍ بمالٍ يفسد بالشرائط
 الفاسد ويبطل تعليقه - ايضاً لدخوله في التمليكات لانها اعم -

(مرآة المحتار ج ۵ ص ۲۴ ما يبطل بالشرط الفاسد ولا يصح تعليقه به)

ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص ۱۷۹ باب المتفرقات - كتاب البيوع -

مال صرف کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر حامل لائسنس کو تحریری سرٹیفکیٹ کے ذریعے قانونی پوزیشن حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ مختلف قسم کی سہولیات کا حقدار ہو جاتا ہے اور بغیر لائسنس کے مال درآمد کرنا قانوناً ناجرم ہوتا ہے اور اس کے مرتکب شخص کو سزا کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، اس لیے یہ لائسنس بڑا قیمتی ہوتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے کروڑوں روپے کی تجارت ممکن ہوتی ہے۔ تو اس طرح تجارتی لائسنس کے ساتھ اموال والا معاملہ کیا جاسکتا ہے چونکہ حامل لائسنس کو یہ حق اصالاً ثابت ہے تو اگر وہ عوض لے کر اپنے حق سے دستبردار ہو کر کسی دوسرے کے نام منتقل کر دے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مال کے بدلے اپنے وظائف اور حقوق سے دستبرداری شرعاً مخص ہے، البتہ اگر لائسنس کسی مخصوص فرد یا مخصوص کمپنی کا ہو جسکی کسی دوسرے فرد یا کمپنی کو انتقال کی بالکل قانوناً اجازت نہ ہو، تو چونکہ ایسے لائسنس کو کسی دوسرے کے نام منتقل کرنے کی صورت میں جھوٹ، دھوکہ اور فریب لازم آتا ہے لہذا یہ بیع ناجائز ہوگی۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : ولا يجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة
 كحق الشفعة وعلى هذا لا يجوز الاعتیاض عن الوظائف بالاقواف وفيها في آخر
 بحث تعارض العرف مع اللغة المذهب عدم اعتبار العرف الخاص لكن افتى كثير
 باعتباره وعليه فيفتي بجواز النزول عن الوظائف بمال - (الدر المختار ج ۱ ص ۵۱۹ کتاب البیوع) لہ
سوال :- آج کل حکومت نے انعامی بانڈز کے **انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم** نام سے ایک کاروبار شروع کیا ہوا ہے جو کہ مختلف
 مالیت کے بانڈز کی شکل میں ہے، طریقہ کار اس کا یہ ہوتا ہے کہ بانڈ حاصل کرنے کے ہر ماہ
 بعد قرعہ اندازی کی جاتی ہے، قرعہ اندازی میں جو نمبر نکلتے ہیں ان کے حاملین کو زیادہ رقم دیا جاتی

لہ قال العلامة خالد تاسی : اقول وعلى ما ذكره من جواز الاعتیاض عن الحقوق المجردة بمال ينبغي ان
 يجوز الاعتیاض عن التعلی وعن حق الشرب وعن حق المسيل بمال.... كما جاز النزول عن الوظائف و
 نحوها لا سيما اذا كان صاحب حق العلو فقيراً قد عجز عن اعادة علوه فلو لم يعجز ذلك لعل على
 الذي ذكره يتضرر فليتام وليجرد - (شرح مجلة الاحكام) - المادة ۱۲۱ الفصل الثاني في بيع ما يجوز وما لا يجوز
 ومثله في فقهي مقالات ج ۱ ص ۱۹۰ بيع حقوق المجردة -

ہے اور باقی تمام ممبران زیادہ رقم سے محروم ہو کر اپنی جمع شدہ رقم چھوڑنے یا واپس لینے کے مجاز ہوتے ہیں، تو کیا اس طرح انعامی بانڈز کی خرید و فروخت اور اس کے ذریعے حاصل شدہ رقم کو استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ کاروبار دو وجوہات کی بناء پر مشروع نہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس میں ربا پاٹی جاتی ہے اور اعانت علی الربوا بھی ہے کیونکہ حکومت ان ممبروں سے حاصل ہونے والی رقم کو اندرون ملک اور بیرون ملک مختلف قسم کے سودی معاملات میں استعمال کرتی ہے جو کہ حکومت کے ساتھ سودی معاملات میں تعاون ہے اور مختلف افراد سے جمع ہونے والی رقم کا فائدہ صرف مخصوص افراد حاصل کرتے اور باقیماندہ ممبران محروم ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ تمام ممبر اپنی اپنی رقم کے عوض میں زیادہ رقم کے متمنی ہوتے ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک کا حقہ علی خطر الوجود ہوتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انعام حاصل ہوتا ہے یا نہیں، لہذا یہ قمار کی صورت ہے۔

اس لیے ان وجوہات کی بناء پر مذکورہ کاروبار سود اور قمار کی وجہ سے ناجائز ہے اور چونکہ یہ دونوں نص قرآنی کی رو سے ناجائز اور حرام ہیں، لہذا یہ کاروبار اور اس کے ذریعے ملنے والی رقم کسی بھی مسلمان کا شایان شان نہیں۔

لما قال الله تبارك وتعالى: إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَلْأُنْصَابُ وَالْأَذْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ

عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ۔ (سورة المائدة آیت ۹۰) لہ

سوال: ایک شخص کو اس کے بھائی نے سعودی عرب کا غیر ملکی ویزا کی خرید و فروخت کا حکم دیا ہے، بعض وجوہات کی بناء پر وہ خود سعودی عرب

نہیں جاسکتا اور ویزہ کسی دوسرے شخص پر پچاس ہزار روپے کے عوض فروخت کرنا چاہتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس شخص کے لیے ویزا فروخت کر کے رقم حاصل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: موجودہ دور میں بیشتر ممالک اپنے ملک میں کسی غیر ملکی کو بغیر ویزا کے داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ایک قانونی جرم قرار دیا ہے، جبکہ ویزا بذات خود کوئی مادی چیز تو نہیں

لہ لما ورد في الحديث: عن جابر قال النبي صلى الله عليه وسلم أكل الربوا وموكله وكاتبه و

شاهديه وقال هم سواد۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۲ کتاب الربوا)

بلکہ کسی دوسرے ملک میں داخل ہونے اور وہاں ایک متعین وقت تک رہنے کا تحریری اجازت نامہ ہے جس کی رو سے حامل ویزا کو مناسب سہولیات بھی حاصل ہوتی ہیں جبکہ بغیر ویزہ کے داخلہ ممنوع ہوتا ہے، چونکہ کسی ملک کے ویزا کے حصول کے لیے کافی وقت اور مال لگایا جاتا ہے اور حامل ویزہ کو چونکہ وہاں داخلے اور رہنے کا حق اصالتاً حاصل ہو جاتا ہے لہذا اگر وہ اپنے حق اور وظیفہ سے دستبردار ہو کر ویزہ کسی دوسرے کے نام فروخت کرے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ مناسب عوض لے کر کسی کو اپنا حق اور وظیفہ چھوڑنا فقہاء نے مخص قرار دیا ہے لہذا ویزہ فروخت کر کے رقم حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة المحقق: لا يجوز الاعتياز عن الحقوق المجردة كحق شفعة وعلى هذا لا يجوز الاعتياز عن الوظائف بالاقواف وفيها في آخر بحث تعارض العرف مع اللغة المذهب
عدم اعتبار العرف الخاص لكن افتى كثير باعتباره وعليه فيفتي بجواز النزول عن الوظائف بمال۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۹ کتاب البيوع م ۱)

انتخابات کے دوران ووٹ کی خرید و فروخت کا مسئلہ | سوال :- بعض علاقوں میں انتخابات کے وقت لوگ امیدواروں سے بھاری رقم لے کر اپنا ووٹ اس کے حق میں استعمال کرتے ہیں، تو کیا ووٹ کے عوض رقم لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ووٹ جس کے حق میں استعمال کیا جاتا ہے وہ اس کے حق میں ملک و ملت کی خیر خواہی کی شہادت ہے، اور ووٹ ایک قسم کی سفارش ہے کہ امیدوار کے لیے متعلقہ عہدے کی سفارش کر رہا ہے، ووٹ ایک قسم کا مشورہ ہے کہ یہی امیدوار اس عہدے کا مستحق ہے، لہذا ووٹ کی مذکورہ بالا حیثیتوں سے یہ بات عیاں ہے کہ ووٹ مال متقوم نہیں، اور کسی بھی چیز کی

لے قال العلامة خالد تاسي: اقول وعلى ما ذكره من جواز الاعتياز عن الحقوق المجردة بمال ينبغي ان يجوز الاعتياز عن التعلی وعن حق الشرب وعن حق المسيل بمال... لما جاز النزول عن الوظائف ونحوها لا سيما اذا كان صاحب حق العلو فقيراً قد عجز عن اعادة علوه فلم يجز ذلك له على الوجه الذي ذكرناه يتضمّن فيتامل وليعرد۔ (شرح مجلة الاحكام) المادّة ۱۲۱ الفصل الثاني في بيع ما يجوز ماله يجوز ومثله في فقهي مقالات ج ۱ ص ۱۹ بيع حقوق المجردة۔

خرید و فروخت کے لیے اسی چیز کا مال متقوم ہونا ضروری ہے، لہذا ووٹ کے بدلے رقم حاصل کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں۔

لما قال الدكتور وهبة الزحيلي: اتفق الفقهاء على صحة البيع إذا كان المعقود عليه مالاً متقومًا معززًا موجودًا مقدورًا على تسليمه معلومًا للعاقدين لم يتعلق به حق الغير۔ (الفقه الاسلامي أدلة ج ۳ کتاب البيوع - ثالثاً - البيع المتولي بسبب المعقود) عليه الخ۔

سوال: بعض کمپنیوں اور اداروں کی اپنی تجارتی علامت ٹریڈ مارک کی خرید و فروخت ہوتی ہے جو کہ حکومت کی طرف سے رجسٹرڈ ہوتی ہے اور اُسے گاہک کو رغبت اور تیزی دلانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، کیا اس کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی کمپنی کی مصنوعات پر تجارتی علامت یا ٹریڈ مارک رغبت یا بے رغبتی کا سبب ہوتی ہے اس لیے تاجروں کی نظریں اس کی وقعت بڑھ جاتی ہے چونکہ موجودہ دور میں التباس اور دھوکہ بازی عام ہونے کی وجہ سے حکومتوں کی جانب سے ان ٹریڈ مارکوں کی رجسٹریشن ہونے لگی اور ایک تاجر کے لیے دوسرے تاجر کا ٹریڈ مارک کا استعمال قانونی طور پر مجرم قرار دیا گیا اس لیے تاجروں کی نظریں اس کی قیمت گو یا مادی بن گئی ہے اور تاجر اسے منگے داموں بیچتے اور خریدنے لگے ہیں اور ٹریڈ مارک کو تحریری سرٹیفکیٹ کی شکل دی گئی ہے۔ یہ تو ایک حق مجرد ہے لیکن اس کے حصول کے لیے چونکہ بے تحاشا مال صرف کیا جاتا ہے، گویا کہ وہ تاجر کے لیے ایک ثابت حق بن جاتی ہے جو کہ اس کے لیے اصالتاً ثابت ہے۔ تو فقہاء کی تصریحات کے مطابق عوض لے کر اپنا حق اور وظیفہ چھوڑنا مریض ہے، لہذا ٹریڈ مارک کی فروخت میں کوئی حرج نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ ٹریڈ مارک رجسٹرڈ ہو کیونکہ رجسٹریشن کے بغیر یہ علامت قابل قبول نہیں ہوتی۔ اور دوسرا یہ کہ عوام پر دھوکہ اور التباس نہ ہو کہ خود

قال العلامة الشيخ عبد الرحمن الجزائري، ومنها ان يكون المبيع مملوكاً للبائع حال البيع..... وان يكون مقدوراً على تسليمه فلا ينعقد بيع المخصوص..... ومنها ان يكون المبيع معلوماً والثمن معلوماً علماً يمنع من المنازعة في بيع المجهول جهالة تفضي الى المنازعة غير صحيح۔ (كتاب الفقه على مذهب الاربعة ج ۲ ص ۱۶۴ کتاب البيع الركن الثالث - المعقود عليه)۔

استعمال کرتا ہے اور اس سے بھی رقم حاصل کرے۔

لما قال العلامة المحصني: في الاشباه لا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة بحق الشفعة وعلى هذا لا يجوز الاعتياض عن الوظائف بالاوقاف وفيها في آخر بحث تعارض العرف مع اللغة المذهب عدم الاعتبار العرف الخاص لكن افتى كثير باعتباره وعليه فيفتي بمجواز النزول عن الوظائف بمال۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۱۸، ۵۱۹ کتاب البيوع) ۱۷

بيع بذر بع نيلام عام | سوال: آجکل بیع و شراء کا یہ طریقہ رائج ہے کہ کسی چیز کو مندی اور مارکیٹ میں رکھ کر لوگوں میں خریدنے کا اعلان ہوتا ہے، خریدار اپنا اپنا رخ لگا کر بیعہ خریدنے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں لیکن جو خریدار زیادہ قیمت بتائے تو وہ بیعہ اس کے حوالے کیا جاتا ہے، کیا خرید و فروخت کا یہ طریقہ اپنا ناجائز ہے یا نہیں؟
الجواب: کسی ایک خریدار سے باقاعدہ معاہدہ ہوئے بغیر یونہی متعدد خریداروں کی دے معلوم کر کے سب سے زیادہ قیمت دینے والے سے ایجاب و قبول کرنا جائز ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو بیع من یزید کہا جاتا ہے، خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے لیے چند اشیاء فروخت کرنے میں یہ طریقہ اپنایا تھا۔

لما جاء في الحديث: عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم باع حلساً وقد حا وقال من يشتري هذا الحلس والقدح فقال رجل اخذتهما بدرهم فقال النبي صلى الله عليه وسلم من يزد علي درهم فاعطاه رجل درهمين قباها منه۔

(تذمذی ج ۱ باب ما جاتی بیع من یزید۔ کتاب البيوع) ۱۸

۱۷ قال العلامة خالدا تاسی: اقول وعلى ما ذكره من جواز الاعتياض عن الحقوق المجردة بمال ينبغي ان يجوز الاعتياض عن النعل وعن حق الشرب وعن حق المسيل بمال.... كما جاز النزول عن الوظائف و متحو لا سيما اذا كان صاحب حق العلو فقيراً قد عجز عن اعادة علوه فلزم بيع ذلك له على نحو الذي ذكرناه يتصرف فليتنامل وليعرد۔ (شرح مجلة الاحكام۔ المادۃ ۱۲۱ الفصل الثاني في بيع ما يجوز وما لا يجوز۔ ومثله في فقهي مقالات ج ۱ ص ۱۹۔ بيع حقوق المجردة۔

۱۸ قال العلامة المسقيني، ولا بأس ببيع من يزد (.....) لانه بيع الفقراء والحاجة ماسة اليه۔ (الهداية ج ۳ ص ۲۹ کتاب البيوع۔ فصل فيما يكره)۔

ومثله في رد المحتار ج ۵ ص ۱۲ مطلب احكام نقصان المبيع فاسداً۔

سوال :- ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے شخص کے پاس بطور رہن رکھی تھی لیکن اُس نے سرکاری کاغذات میں دھوکہ اور جعل سازی سے

مالک ظاہر کر کے کسی کی زمین فروخت کرنا اس زمین کا انتقال اپنے نام پر کر لیا، سرکاری کاغذات میں رد و بدل کی وجہ سے اب یہ شخص اس زمین کو فروخت کرے تو کیا یہ بیع شرعاً جائز ہوگی؟

الجواب :- بشرط صدق وثبوت اگر یہ زمین کسی کے لیے تسلیم شدہ یا بذریعہ گواہ ثابت شدہ ہو تو کسی کے غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ سے اس زمین میں شرعاً اُس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس زمین کے تمام تر حقوق بمع حق فروخت اصل مالک کو حاصل ہیں، البتہ اس زمین کی فروخت موقوف علی شرط تسلیم ہوگی یعنی جب تک زمین مشتری کے حوالے نہیں کی گئی ہو تو بیع موقوف ہوگی۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: متها ان يكون مقدور التسليم عند العقد فان كان معجوزا التسليم عنده لا ينعقد - (البدائع والسنائع ج ۵ ص ۱۲۱ کتاب البیوع - فصل واما الذی یرجع الی المعقود علیہ) لہ

سوال :- وہ غیر ملکی اشیاء حکومت کی اجازت کے بغیر غیر ملکی اشیاء کی تجارت کرنا جن کی خرید و فروخت پر حکومت

کی طرف سے پابندی ہو اُس کے کاروبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :- جو اشیاء بیرون ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں اُن پر حکومت تاجروں سے ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی وغیرہ کے نام سے کچھ رقم وصول کرتی ہے، بسا اوقات ان ٹیکسوں میں قابل برداشت حد تک اضافہ کر دیا جاتا ہے، اگر یہ ٹیکس مناسب اور جائز انداز میں لیا جاتا ہو اور قومی خزانہ میں

لہ قال طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: واما بیع المصنوب فقد ذکر محمد انة موقوف ان اقر به الغاصب ثم البیع وان جحد و للمصنوب منه بیئہ فکذا لک وان لم یکن ولم یسلمہ حتی هلك ینقض البیع -

(خلاصۃ الفتاوی ج ۳ ص ۱۲۱ الباب الرابع فی بیع الفاسد واحکامہ)

ومثله فی الجامع الفصولین ج ۲ ص ۹ الفصل الثانی والثلاثون فی بیع الغصب۔

جمع ہو کر قومی مفاد میں استعمال کیا جاتا ہو تو پھر سامان تجارت چوری چھپے لانا مناسب نہیں کیونکہ حکومت وقت درآمد کردہ اشیاء پر ضروری ٹیکس لگانے کی مجاز ہے، البتہ اگر حکومت ان ٹیکسوں میں ناقابل برداشت اضافہ کر کے تاجروں کو تنگ کرتی ہو اور ٹیکس کے نام سے وصول کی گئی رقم قومی خزانہ کی بجائے ذاتی خواہشات اور ضروریات میں صرف کی جاتی ہو تو ایسی صورت میں مال لانے والا ٹیکس سے بچنے کی مناسب تدابیر اختیار کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ دروغگوئی، خیانت اور دھوکہ بازی سے بہر حال اجتناب ضروری ہے۔

قال القاضي ابو يعلى محمد بن الحسين القزويني: ان كان البلد تغراً يتأخض دار الحرب وكانت اموالهم اذا دخلت دار الاسلام معشورة من صلح استقر معهم اثبت في الديوان عقد صلحهم وقد ائتمنوا منهم من عشر او خمس او زيادة او نقصان منه وان كان يختلف باختلاف الزمان والاموال فصلت فيه وكان الديوان موضوعاً لخراج رسومه والاستفا وما يرفع اليه من مقادير الامتعة المحولة اليه - (الاحكام السلطانية ص ۲۲۶) لہ

حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری درختوں کی خرید و فروخت کا حکم سوال :- سرکاری ملازمین کے ذریعے سرکاری زمین پر اُگے ہوئے درختوں کی خرید و فروخت کا حکم کیا ہے ؟

الجواب :- حکومت کی طرف سے اگر ان ملازمین کو سرکاری درختوں کی فروخت کی اجازت ہو اور رقم حاصل کر کے قومی خزانہ میں پہنچتی ہو تو ملازمین کے لیے درختوں کو فروخت کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، البتہ اگر ملازم خیانت بددیانتی اور ماردھاڑ سے فروخت کرتے ہوں تو علم ہونے کے باوجود ان سے خریدنا ناجائز ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے، کیونکہ قومی ملکیت ہونے کی وجہ سے ان درختوں میں پوری قوم کا حصہ ہے۔

قال فخر الدين الزيلعي: والاصل ان متى عرفنا ما يأخذون منا اخذنا منهم مثله بذلك امر عمر رضي الله عنه وان لم نعرف اخذنا منهم العشر لقول عمر فان اعيانكم فاعشروا وان كان ياخذون الكل ناخذ منهم الجميع الا قدر ما يوصله الى ما منه في الصميم۔

(تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۸۵ باب العاشر)

ومثله في الجامع الصغير ص ۱۰۱ باب فيمن يمر على العاشر مال۔

لہا فی مجلۃ الاحکام :۔ لیس بلوکیل ان بیع بانقص مہا عینہ الموکل یعنی اذا کان
الموکل قد عین ثمنہا فلیس للوکیل ان یبیع بانقص من ذلک و اذا باع ینعقد البیع
موقوفاً علی اجازۃ موکلہ ہا وقال العلامة خالد اتاسی :۔ ثم لو خالف الوکیل بالبیع
وباع وسلم المبیع للمشتري ثم هلك في يد المشتري يكون الوکیل ضامناً لقيمتہ
لانہ بالخالفۃ صار غاصباً ھ - شرح المجلۃ لخالد اتاسی ۲/ ۲۸۵/ ۲۸۶ مادة ۱۲۹۵

حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا | سوال : بعض لوگ اندرون ملک مخصوص علاقوں
سے دیگر علاقوں تک کپڑا، برتن اور دیگر سامان
خفیہ طریقے سے لے جاتے ہیں جبکہ بعض اوقات حکومت کے کارندے ان کو پکڑ کر ان کا
سامان ضبط کر کے نیلام کر دیتے ہیں، کیا ان ضبط شدہ اشیاء کی خرید و فروخت شرعاً جائز
ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ شرعی نقطہ نظر سے یہ سامان اصل مالک کی ملک سے نہیں نکلتا ہے
کیونکہ حکومت کیلئے رعایا کے اموال ضبط کرنا مناسب نہیں لہذا ایسا سامان اصل مالک کے
ملک سے خارج نہ ہونے کی وجہ سے واجب الرد ہے، اس بناء پر ضبط شدہ مال کی خرید و
فروخت جائز نہیں اور حکومت کی اندرون ملک انتقال اشیاء پر پابندی لگانا جائز نہیں۔
لما قال العلامة ابن عابدین : و لیس للامام ان ینخرج شیئاً من ید احدی الا بحق ثابت
معروف - (رد المحتار ج ۳^۸ مطلب القول الذی الیدان الارض و ملکہ وان کانت خراجیۃ) ۷

لہ قال العلامة القاضی ابو یعلیٰ الحنبلی رحمہ اللہ : قاما اعشار الاموال المنتقلۃ فی
دار الاسلام من بلد الی بلد فمحرمۃ لا یبیعہا شرع ولا یسوغہا اجتہاد ولا
ھی من سیاسات العدل و قلما تكون الا فی البلاد الجاثوۃ و لذلك قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنة صاحب مکس -

والاحکام السلطانیۃ ص ۲۲۶ فصل فی وضع الیون - القسم الثانی اعشار الاموال

و مثله محمد حامد الفی علی ہامش الاحکام السلطانیۃ ص ۲۲۶

غیر محفوظ سرکاری کاغذات کے ذریعے جائیداد
وغیرہ کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت
سوال :- ملکی قانون کے تحت ایک شخص سرکاری کاغذات رجسٹری و انتقال کے ذریعے اپنی جائیداد وغیرہ فروخت کر سکتا ہے، ان کاغذات کے اعتبار اور عدم اعتبار کے متعلق شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- از روئے شرع جو سرکاری کاغذات تغیر و تبدل سے محفوظ ہوں تو ان کو قابل اعتبار قرار دے کر ان کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، موجودہ حالات میں چونکہ رشوت، جھوٹا دھوکہ اور قریب ہر جگہ غالب ہو چکا ہے اس بناء پر دورِ حاضر میں صرف کاغذات کے ذریعے خرید و فروخت مناسب نہیں۔

لما فی مجلة الاحکام: لا يعمل بالخط والختم واحدهما الا اذا كان سالما من شبهة التزوير والتضييع فيعمل به يعني انه يكون مداراً للحكم ولا يحتاج الى الثبوت بوجه آخر۔ (المجلة المادة ۱۴۳ الباب الثاني۔ الفصل الاول في الحجج الخطية) لہ

وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا
سوال :- ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین کو مسجد یا قبرستان کے لیے وقف کیا، وقف کے بعد اس زمین کو وہ فروخت کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس واقف کو موقوفہ زمین کی فروخت کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں ؟

الجواب :- زمین کو وقف کر دینے کے بعد شرعاً زمین واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے بشرطیکہ وقف کی شرائط کا لحاظ کر کے وقف تام ہو۔ وقف کر دینے کے بعد زمین میں واقف کو کسی قسم کے ذاتی یا مالکانہ تصرفات کا حق حاصل نہیں رہتا، لہذا اس زمین کو

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: فالحاصل ان المدار علی انتفاء الشبهة ظاهراً وعلیہ فما یوجد فی دفتر التجار فی زماننا اذ مات احدہم وقد حرر بخطہ ما علیہ فی دفترہ الذی یقرب من یقین انه لا یکتب فیہ سبیل التجرید والہزل یعمل بہ۔
 تنقیح الحامدیة ج ۲ ص ۲ مطلب فی دفاتر التجار حادثہ فی تاجرہ دفترہ

نمید و فروخت یا ہبہ کا مجاز نہیں ہے اور نہ اس زمین میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔
 لما قال علی بن ابی یکر المرغینانی رحمہ اللہ : واذ اصبح الوقف لم یجز بیعہ ولا
 تملیکہ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۱۶ کتاب الوقف) لہ

مسجد کا ضرورت سے زائد سامان فروخت کرنا | سوال :- اگر کسی قصبہ کے لوگ

اپنے قصبہ سے مکمل طور پر کسی دوسری جگہ منتقل ہو رہے ہوں اور اس قصبہ میں مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے تو کیا ایسی حالت میں مسجد کا سامان فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر حقیقتاً قصبہ والے مکمل طور پر اپنے قصبہ سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو رہے ہوں اور وہاں مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے تو اس صورت میں چونکہ مسجد کو ایسے ہی چھوٹنے پر اسکے سامان کے فائز ہونے کا خطرہ ہے لہذا ایسی کسی بھی مسجد کی اشیاء فروخت کرنا جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کو کسی دوسری مسجد کی ضروریات میں صرف کیا جائے گا، البتہ مسجد کی زمین کسی بھی دوسرے مقصد کے لیے استعمال نہیں ہو سکتی۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : قلت لکن الفرق غیر ظاہر فلیتأمل
 والذی ینبغی متعابۃ المشائخ المذکورین فی مجواز التقل بلا فرق بیت
 مسجد او حوض کما افتی بہ الامام ابو شجاع والامام الحلوانی وکفی بہم
 قدوة ولا سیما فی زماننا فان المسجد او غیرہ من مریاط او حوض اذا لم ینقل
 باخذ انقاضہ للصوص والمتغلبون کما هو مشاہد وكذلك اوقافہ
 يأکلها النظار او غیرہم وفي فتاویٰ النسفی مثل شیخ عن اهل قریۃ
 رحلوا وتداعی مسجدہا الی الخراب وبعض المتغلبۃ یتولون علی خشبہ و
 ینقلونہ الی دوسرہم هل لواحد لاهل المحلۃ ان یشیع الخشب بامر القاضی ویمسک

لہ قال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ : فاذا تم ای الوقف فلا یملک ولا یعار
 ولا یرهن۔ (تنویر الابصار علی صدرہ المختار ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الوقف)
 ومثله فی یدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲۱ ۲۲۰ - الصدقۃ فصل
 واما حکم الوقف الجائز الخ۔

التمن لیصرفه الی بعض المساجد اوالی هذا المسجد قال نعم۔

رد المحتار ج ۲ ص ۳۶ مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوہ (۱) لہ

غیر موقوف قبرستان کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- ایک شخص نے ایک قطعہ زمین

جگہ قبرستان کی ہے، لیکن تقریباً ساٹھ سال سے اس میں کسی بھی میت کو دفن نہیں کیا گیا ہے اور اس قطعہ زمین کو مالک نے قبرستان کے لیے وقف بھی نہیں کیا تھا، کیا اب مالک زمین کو اس کی فروخت کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب :- غیر موقوف قبرستان میں اگر یہ یقین ہو کہ اموات کی لاشیں ختم ہو کر خاک بن گئی ہیں تو ایسی صورت میں اس کا مالک اس زمین میں ہر قسم کے مکانہ تصرفات کا مجاز ہوگا، البتہ اگر وقف کا ثبوت بھی موجود ہو تو موقوفہ قبرستان کی خرید و فروخت یا دیگر مکانہ تصرفات کا حق اس کو حاصل نہیں۔

لما قال الشیخ فخرالدین عثمان بن علی الذیلعی رحمہ اللہ: ولویلی المیت وصارت ارباباً جازدفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ۔ (التبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۱۶ باب الجنائز) لہ

وصول حق کے لیے غاصب کی جائیداد فروخت کرنا جائز ہے | سوال: میرے ایک رشتہ دار نے میری ملکیتی زمین سرکاری کاغذات (رجسٹری و انتقال وغیرہ) میں جعل سازی سے رد و بدل کر کے فروخت

لہ قال العلامة عالم بن العلامة الانصاری رحمہ اللہ: - نخشیش المسجد اذا كان له قيمة فلا هل المسجد ان يبيعوها وان رفعوا الى الحاكم فهو احب وكذا الحباب والنعش اذا افسدا فلا هل المسجد ان يبيعوها وان رفعوا الى الحاكم فهو احب۔

(الفتاوی التاتارخانیة ج ۵ ص ۸۵ کتاب الوقف مسائل وقف المساجد)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْنَدِيَّة ج ۲ ص ۴۵۸ الباب الحلاي عشر في المسجد وما يتعلق به۔

لہ قال العلامة ابن عابدین: ولویلی المیت وصارت ارباباً جازدفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۳ مطلب فی دفن المیت)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْنَدِيَّة ج ۱ ص ۱۶ الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان الى مكان اخر۔

کر دی ہے، میں نے بہت اصرار کیا کہ وہ اس زمین کو مجھے واپس کر دے لیکن وہ کسی طرح بھی زمین واپس کرنے کو تیار نہیں ہے، اب میرے اس رشتہ دار کو چند وجوہات کی بنا پر ملک چھوڑنا پڑ گیا ہے جبکہ اس کا دو کنال رقبہ میرے قبضے میں ہے، تو کیا میرے لیے اس دو کنال رقبہ کو فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ہے؟

الجواب :- بشرط صحت سوال کسی کے غاصبانہ قبضہ کرنے سے آپ کی زمین اسکی ملکیت نہیں بن سکتی اور نہ ہی ناجائز طور پر سرکاری کاغذات میں تبدیلی کر کے فروخت کر دینے سے شرعاً ملکیت ثابت ہوتی ہے، لہذا مذکورہ زمین میں مالک کو باقاعدہ طور پر ہر قسم کے تصرفات کا حق حاصل ہے اپنے حق کے حصول کے لیے غاصب کی منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کی فروخت کر کے اپنا حق وصول کرنا جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: قال ونقل جد والدی لامہ الجہال الاشقر فی شرحہ للقدوری ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانہم لمطاو عثم فی الحقوق والفتویٰ الیوم علی جواتر الاخذ عند القدرة من ای مال کان لاسیما فی دیارنا ومدومتهم للعقوق۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۹۵) مطلب یعذر بالعمل بمذہب الغیر عند الضرورة) لہ

سوال :- بعض لوگ بتوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے ہیں، از روئے شرع یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بت چونکہ آلہ معاصی اور شرک پرستی میں معین ہیں، لہذا اعانت علی المعصیت کی بناء پر ان کی خرید و فروخت جائز نہیں، علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بت فروشی سے منع فرمایا ہے۔

لہ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وفيه ان ابن ابی لیلی والشافعی یطلقان اخذ خلاف جنس حقه للمجانسة فی المالیة وقالا هو الاوسع ويجوز الاخذ به وان لم یکن مذہبنا فان الانسان یعذر فی العمل به عند الضرورة۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۵۷ کتاب السرقۃ)

ومثله فی المختار علی صدر المختار ج ۴ ص ۹۵ مطلب یعذر بالعمل بمذہب الغیر عند الضرورة۔

اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ: عن جابر بن عبد اللہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول عام الفتح وهو بمكة ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام۔ (الصحيح البخاری ج ۱ ص ۲۹۸ باب البيع الميتة والاصنام) ۱۔

غصب شدہ املاک کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت | سوال: بعض اوقات قافی جھگڑوں میں ایک قوم دوسری قوم کو مغلوب کر کے اس کی تمام جائیداد مال مویشی وغیرہ پر غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ کر کے ضبط کر لیتی ہے، تو کیا اس غاصب قوم سے مغلوب قوم کی غصب شدہ جائیداد خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے مال و جان پر غاصبانہ قبضہ کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس طرح قبضہ شدہ جائیداد وغیرہ کسی فریق کی ملکیت بن سکتی ہے بلکہ ان غصب شدہ املاک کی واپسی شریعت مقدسہ نے واجب قرار دی ہے، اس بناء پر قبضہ غصب شمار ہو کر اصل مالکوں یا ورثاء کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر اصل مالک یا ورثاء معلوم نہ ہوں تو ان کی طرف سے فقراء و مساکین پر صدقہ کر کے اپنا ذمہ فارغ کر لیں، لہذا مشتری کو اگر یہ علم ہو کہ جو جائیداد وہ خرید رہا ہے وہ غصب کردہ اور ظلم و جبر سے ہتھیائی گئی ہے تو پھر اس کے لیے وہ جائیداد اور مال مویشی وغیرہ خریدنا جائز نہیں، اور جو بیع ہو جائے وہ بیع فضولی کے حکم میں ہو کر موقوف رہے گی۔

لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الا لا تظلم الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفسہ منہ۔ (مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۵۷ کتاب الغصب) ۲۔

۱۔ قال العلامة علی بن سلطان محمد القادری: حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والاصنام وان کانت من ذہب اوفضیة۔ (المروقات ج ۶ ص ۲۹ باب الکسب وطلب الحلال۔ الفصل الاول) ومثله فی عمدة القاری ج ۲ ص ۵۲ باب بیع المیتة والاصنام۔

۲۔ قال العلامة علی بن ابی ابرار المرغینانی: الغصب فی الشریعة اخذ مال متقوم محترم بغير اذن المالك علی وجه یزیل یدہ.... علی الغاصب رد العین المغصوبة۔ (الهدایة ج ۳ ص ۳۷ کتاب الغصب) ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۰۸ کتاب الغصب۔

بیٹے پر زمین فروخت کرنا | سوال :- کیا شریعت اسلامیہ میں والد اپنی مملوکہ زمین

بیٹے پر فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب :- والد اپنی مملوکہ جائیداد میں ہر قسم کے تصرفات کا حق رکھنے کے علاوہ جس پر بھی
 چاہے فروخت کر سکتا ہے، لہذا بیٹے پر زمین فروخت کرنے میں کوئی قباحت نہیں اور نہ
 ہی یہ شرعاً ممنوع ہے۔

لما قال حافظ الدين محمد بن البرازي: دارُ لرجل او مشتوك بين الاب والرجل
 وللاب ابن صغير له ام فقالت اشتريت هذه الدار لایتي بماله والاب حاضر
 واشتریت منك لایتي بماله فقال بعنا وقع الملك للابن۔

ر البزازية علی هامش الهندية ج ۴ باب الثامن فی بیع اب وام ووصی

باریک کپڑے کی تجارت کرنا | سوال :- باریک کپڑے پہننے سے عموماً بدن صاف نظر آتا ہے،
 کیا ایسے باریک کپڑے کی تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایسا باریک کپڑا جو دوسرا کر کے زیب تن کرنے کے باوجود بدن نظر آتا ہو
 تو ایسا کپڑا بے حیائی اور عریانی کا پیش خیمہ بنتے اور پردہ متاثر ہونے کے باوجود فروخت
 کرنا درحقیقت اعانت علی المعصیہ کے مترادف ہے، اس لیے ایسے کپڑوں کی تجارت
 سے اجتناب کرنا چاہیے تاہم ایجاب و قبول سے بیع تام ہوگی۔

لما قال العلامة محمد بن محمد بن البرازي الكردوي: وبيع المكعب المفضض للرجال اذا علم
 انه يشتریه للبسه يكره۔ (البزازية علی هامش الهندية ج ۴ ص ۵۲ الثالث فی المتفرقات) ۲

لما قال العلامة فخر الدين الشيرازي قاض خان: امرأة قالت لزوجها وبيتهما ولد صغير اشتریت
 منك دارك هذه لابننا بكذا وقال الاب لبعثها جاز لان الاب لما قبل البيع فقد جاز
 شرائها للصغير فيجوز۔ (الخانية علی هامش الهندية ج ۲ باب فی بیع غیر المالك)

ومثله فی شرح مجلة الاحكام سليم رستم باز تحت المادة ۱۶۷ ص ۷۵۔

۲ قال العلامة ابن عابدین: ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً ولا فتريها وبيع المكعب
 المفضض للرجل انه يلبسه يكره لانه اهانة على لبس الحرام۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۳۹۲ كتاب الخطر والاباحة)

ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۳ نعيم بتغير لیسو، فی آخر باب البغاة۔

کفار کے ملبوسات کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- غیر مسلم اقوام کے بیجائی کے ملبوسات مثلاً تپلون اور ٹائی وغیرہ کی

خرید و فروخت کا شرعی حکم کیا ہے ؟

الجواب :- وہ اشیاء جو بلا تغیر و تبدیل بے دینی اور معصیت کا آلہ ہوں یا کسی غیر مسلم قوم کا شعار ہوں ایسی اشیاء کی خرید و فروخت سے اجتناب کرنا ضروری ہے کیونکہ استعمال کی ممانعت خرید و فروخت کی ممانعت کی دلیل ہے تاکہ اعانت علی المعصیت کے زمرہ میں داخل نہ ہو۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً ولا فتنزهاً وبيع المكعب المفضض للرجل انه يلبسه يكره لانه اعانة على لبس الحرام خياطاً امره ان يتخذ له ثوباً على ذی الفساق يكره له ان يفعل لانه سبب التشبه بالمجوس والفسقة۔

(مراد المختار ج ۶ ص ۳۹۲ فصل فی البیع - کتاب الکراہیۃ)

غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد فروخت کا حکم | سوال :- تقسیم ملک کے نتیجے میں ہندوؤں کے یہاں سے چلے جانے کے بعد ان کی

جائیدادیں وغیرہ رہ گئی ہیں ایک شخص نے کچھ حصہ پر قبضہ کر کے اسے اپنی ملکیت میں لے لیا ہے، کیا اس کے لیے اس جائیداد کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- غیر مسلم اقوام کی متروکہ جائیداد اور دیگر اشیاء چونکہ بیت المال اور قومی خزانہ کا حق بنتا ہے، اس بناء پر ذاتی مفاد کے لیے اس پر قبضہ کرنا اور اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر حکومت کی باضابطہ اجازت سے فروخت کی جائے اور رقم قومی خزانہ میں جمع ہو تو اس صورت میں بیع جائز ہوگی۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی : وما اوجف المسلمون عليه من اموال اهل الحرب بغیر قتال یصرف فی مصالح المسلمین كما یصرف الخراج قالوا هو مثل المراضی التي اجلوا اهلها عنها۔ (المہدایۃ ج ۲ ص ۵۶۲ باب المتأمن) لہ

لہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : عن ابن عمر قال قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من تشبه بقوم فهو منهم۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب اللباس)۔ ومثله فی البحر الرائق ج ۸ کتاب الکراہیۃ۔

لہ قال العلامة ابن عابدین : وما اخذ منهم بلا حرب ولا قهر كالهدية والقلم فهو غنیمۃ ولا فنی وحکمہ حکم الفیء لا یخمس ویوضع فی بیت المال۔ (مراد المختار ج ۶ ص ۱۳۸ مطلب فی بیان معنی الغنیمۃ والفیء)

ومثله فی فتح القدیر ج ۵ ص ۲۷۲ کتاب البیوع۔

بلا اجازت کسی کی زمین فروخت کرنا | سوال :- بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لوگ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو ترکہ میں سے ان کے حصہ سے محروم کر دیتے ہیں، تو کیا ان لوگوں سے ایسی اراضی یا دیگر جائیداد خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بہنوں اور بیٹیوں کو جائیداد میں ان کے مقررہ حصے سے محروم کرنا اسلامی تعلیمات کو پامال کرنے کے مترادف ہے اور ان کے حصہ پر ان کی رضامندی کے بغیر قبضہ کر کے فروخت کرنا مفسوبہ زمین کی فروخت کے حکم میں ہے، لہذا ان کی اجازت کے بغیر فروخت کردہ زمین بیع فضولی کے حکم میں شمار ہو کر حصہ داروں (بیٹیوں اور بہنوں) کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر وہ اجازت دیں تو بیع نافذ ہوگی ورنہ نہیں۔

قال العلامة سليم رستم يائناً: كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرَكَاءِ فِي شَرَكَةِ الْمَلِكِ اجْتِبَى فِي حَصَّةِ سَائِرِهِمْ قَلِيلٌ أَوْ كَثِيرٌ وَكَيْلَا عَنْ الْآخِرِ وَلَا يَجُوزُ لِمِنْهُمْ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي حَصَّةِ شَرِيكِهِ بَدُونِ إِذْنِهِ - (شرح مجلة الأحكام المادۃ ۷۷۵ ص ۶۱۰ الفصل الثاني في بيان كيفية التصرف في الاعيان المشتركة) -

حق تعلیٰ کی فروخت کا حکم | سوال :- موجودہ دور میں بعض مقامات میں لوگوں کی مجبوری سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے زمین فروخت کرتے وقت

یہ شرط لگا جاتی ہے کہ آپ کو دس فٹ کے اندر اندر ایک چھت بنانے کی اجازت ہوگی، اگر دس فٹ سے مکان اونچا کرنا ہو تو اس کی بھی قیمت ادا کرنا ہوگی، البتہ اس کی قیمت نیچے والے حصہ سے کم ہوگی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زمین فروخت کرتے وقت اس قسم کی شرط عائد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ فضا مال نہیں کیونکہ اس کا احراز ممکن نہیں، اور حقوق مجرودہ کی فروخت شرعاً ممنوع ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ نیچے والی منزل

له قال في الهتدية: ولا يجوز لاحدهما ان يتصرف في نصيب الآخر الا بامرهما وكل واحد منهما كالاجنبي في نصيب صاحبه - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳ الفصل الاول في بيان انواع الشركة) ومثله في اليرجندی ج ۳ ص ۱۱۱ کتاب الشركة -

ایک آدمی کی ہوا اور اوپر والی منزل کسی دوسرے کی ہوا اور خدا نخواستہ دونوں گرجائیں تو اوپر والا اپنا حق نیچے والے پر فروخت کرے تو بیع ناجائز ہوگی کیونکہ یہ حق تعالیٰ ہے اور حق تعالیٰ کے فروخت سے فقہاء نے منع فرمایا ہے۔

قال العلامة الكاساني رحمه الله: سفل وعلو بین رجلین انهداما فباع صاحب العلو علوه لم یجوز لان السهو اولیس بمال۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۵ کتاب البیوع، فصل واما الذی یرجع الی المعقود علیه فانواعه ۱۰)

شرط لگا کر کوئی چیز فروخت کرنا | سوال :- ایک آدمی نے کسی پر اپنا گھر فروخت کرتے وقت یہ شرط لگا دی کہ میں آٹھ مہینے تک اس گھر میں رہوں گا، کیا اس شرط کے ساتھ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر گھر کی بیع کو اس شرط پر موقوف رکھا گیا کہ اگر مشتری اس شرط کو قبول نہ کرتا تو بائع اس پر راضی نہ ہوتا تو یہ بیع فاسد ہوگی کیونکہ شریعت مقدسہ نے بیع و شرائع کے دوران ہر اس شرط کو ممنوع قرار دیا ہے جس میں کسی ایک جانب یا بیعہ کو فائدہ ہو، لہذا صورت مذکورہ میں بیع فاسد تصور ہوگی۔ تاہم اگر بیع کو اس شرط پر موقوف نہیں کیا گیا بلکہ مشورے کی حیثیت سے رکھا گیا تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں جس کے نتیجے میں اس کی رعایت ضروری نہیں بلکہ شرط کی رعایت احسان کے مترادف ہوگی۔

لما قال العلامة القمي شمس الدين: ولا بیع بشرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفيه نفع لاحدهما او لمبیع۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۸۵ باب البیع الفاسد) ۱۰

کسی چیز پر قبضہ کر لینے کے بعد زائد قیمت پر فروخت کرنا | سوال :- ایک شخص نے ایک گاڑی ایک لاکھ روپے میں

۱۰ قال العلامة مرغینانی: لان حق التعلی لیس بمال لان المال ما یمکن احرازه۔

والهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۶ ص ۶۴ کتاب البیوع۔

۱۰ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: لو كان في الشرط منفعة لاحد المتعاقدين بان شرط البایع ان یقرض المشتري او علی القلب یفسد العقد۔

(خلاصۃ الفتاوی ج ۳ ص ۳۵ کتاب البیوع، الفصل الخامس فی البیع)

وَمِثْلُهُ فِي السَّهْنِيَّةِ ج ۳ ص ۳ کتاب البیوع، الباب الاول فی تعریف البیع الخ۔

خریدی اور قبضہ کر کے دوسرے شخص پر دو لاکھ روپے میں فروخت کر دی، دوسرے شخص نے خرید کر
تیسرے آدمی پر دو لاکھ دس ہزار روپے میں فروخت کر دی، تو کیا یہ معاملہ سود و رُسود ہے یا
شرعاً جائز ہے؟

الجواب: شریعت نے قبل القبض کسی چیز میں تصرف کی اجازت نہیں دی ہے لیکن
باقاعدہ طور پر کسی چیز کو قبضہ کر کے فروخت کرنے کو مشروع رکھا ہے، لہذا بائع اور مشتری کے
درمیان جو بھی قیمت مقرر ہو جائے وہی صحیح اور مشروع ہے۔

قال العلامة ابن الہمام رحمہ اللہ: ہو مبادلة المال بالمال بالتراضي -

فتح القدیر ج ۵ ص ۲۵۴ کتاب البیوع

سوال: اگر کسی زمین کا حق شرب بغیر زمین کے
بغیر زمین کے پانی فروخت کرنا فروخت کیا جائے تو کیا یہ بیع شرعاً درست ہو

گی یا نہیں؟

الجواب: شریعت نے ما محرز یعنی وہ پانی جو کسی برتن میں محفوظ ہو، کے علاوہ عام پانی
کو مباح الاصل قرار دیا ہے اور زمین کا حق شرب زمین کے توابع میں شمار کیا ہے۔ فقہاء کرام نے
تصریح فرمائی ہے کہ اگر بلا تذکرہ شرب زمین فروخت کی جائے تو زمین کے ساتھ حق شرب بھی بخود
شامل ہوگا۔ لہذا مفتی بہ اور ظاہر الروایت قول کے مطابق مستقل طور پر حق شرب کی
خرید و فروخت، ہبہ یا تصدق وغیرہ جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ولا یباع الشرب ولا یوہب ولا یؤجر ولا یتصدق
بہ لانه لیس بمال مقوم فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الفتوی۔ (رد المحتار ج ۵ من باب البیع الفاسد) ص ۷

لہ قال العلامة جلال الدین رحمہ اللہ: البیع مبادلة المال بالمال بالتراضي -

(کفایۃ شرح الہدایۃ فی ذیل فتح القدیر ج ۵ ص ۲۵۴ کتاب البیوع)

وَمِثْلُهُ فِي الْعَنَاءَةِ عَلَى هَامِشِ فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۲۵۴ کتاب البیوع۔

۲ قال العلامة قاضی خان: ولا یجوز بیع مسیل الماء وھبہ ولا بیع الطريق بدون الارض وكذلك بیع الشرب

رفاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۲ ص ۱۵۴ کتاب البیوع، باب البیع الفاسد

وَمِثْلُهُ فِي مَشْرِحِ الْمَجْلَةِ تَحْتَ الْمَادَّةِ ۲۱۶ ص ۱۵۴، الفصل الثانی، فیما یجوز بیعہ وما لا یجوز۔

کسی گاڑی کی متوقع آمدنی فروخت کرنا | سوال :- دو آدمیوں نے آپس میں مشترکہ طور پر ایک بس خریدی اب دونوں میں سے ایک نے کہا کہ بس کا تمام تر سالانہ منافع مجھے اتنی رقم پر فروخت کرو، تو کیا یہ عہد شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- خرید و فروخت کے لیے شریعت نے مبیعہ کی موجودگی ضروری قرار دی ہے، صورت مذکورہ میں چونکہ سالانہ منافع یا اصل نامعلوم اور معدوم ہے، لہذا یہ بیع معدوم کے زمرہ میں شمار ہو کر باطل ہوگی۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: منها ان يكون موجوداً فلا ينعتق ببيع المعدوم وماله خطأ العدم۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۸ کتاب البیوع فصل ولما الذي يرجع الى المعقود الخ)

مقررہ نرخوں کی زیادہ قیمت پر مال فروخت کرنا | سوال :- ایک آدمی نے کھاد کی ایجنسی سے مقررہ نرخوں پر کھاد فروخت کرتا ہے، بعض اوقات کھاد شارٹ ہونے کی وجہ سے مارکیٹ میں کم ملتی ہے، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہی ڈیلر کھاد زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مذکورہ میں یہ کھاد ڈیلر گورنمنٹ کا وکیل نہیں کیونکہ کاروبار کا تمام تر منافع مالک ہی کو ملتا ہے لیکن اس نے گورنمنٹ سے کھاد مقررہ نرخوں پر فروخت کرنے کا عہد و پیمان کر رکھا ہے اور گورنمنٹ اسے نرخ بتا کر کھاد دیتی ہے، لہذا اس سے زائد نرخ پر فروخت کرنے میں بدعہدی لازم آتی ہے اور زائد نرخوں پر فروخت کرنے سے بھوٹ، مخلوق خدا پر ظلم و زیادتی، بے رحمی اور بے جا سختی لازم آتی ہے اس لیے اس سے اجتناب اور پرہیز ضروری ہے۔

لے قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: وبيع ما ليس في ملكه لبطلان المهدوم اذ من شرط المعقود عليه ان يكون موجوداً مالا متقوماً في نفسه۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۵۵ کتاب البیوع مطلب الادھی مکرم شرعاً ولو کافراً ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص ۱۱۶ کتاب البیوع۔

قال الله تبارك وتعالى: وَأَوْفُوا بِأَعْهَدِكُمْ إِذَا كُنْتُمْ مَعَهُ (نبي اسرائيل عليه السلام)

بیع میں اجنبی کے فعل کی شرط لگانا | سوال :- ایک شخص نے کسی پر اس شرط سے

فروخت کرے گا اور اگر اس نے فروخت نہ کی تو میں بیع واپس کرنے کا مجاز ہوں گا، باقاعدہ بیع کے بعد اس شخص نے اس پر معینہ قطعہ اراضی فروخت کرنے سے انکار کر دیا، تو اب بائع کہتا ہے کہ چونکہ میں نے اپنی زمین کی واپسی کی شرط لگائی تھی لہذا میں اپنی بیع کو منسوخ کرتا ہوں، تو کیا اس کو اپنی زمین واپس لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بیع میں وہ شرط پورے کرنے ہوتے ہیں جو کہ بیع کے مقتضیات یا لوازمات عقد میں سے ہوں تو شرط مذکورہ چونکہ ملازمات اور مقتضیات میں سے نہیں اور نہ ہی مفسد للعقد ہے کیونکہ اسے اجنبی کے فعل سے معلق کیا گیا ہے، اس بنا پر یہ عقد صحیح ہو کر شرط فاسد شمار ہوگی، پس بائع کو زمین واپس لینے کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري: وفي المنتقى قال محمد كل شيء يشترطه المشتري على البائع يفسد به البيع فاذا شرطه على اجنبي فهو باطل (اي فا لشرط باطل منحة الخالق) كما اذا اشترى دابة على ان يهبه فلان الاجنبي كذا فهو باطل۔

(البحر الرائق ج ۶ ص ۸۶ باب البيع الفاسد) لہ

ایجاب وقبول کے وقت بیعہ کو مشتری کے حوالہ | سوال :- عقد بیع کے دوران یہ شرط لگانا کرنے کے لیے چند دن کی مہلت کی شرط لگانا | کہ بیعہ ابھی نہیں بلکہ چند دن حوالہ کروں گا، تو کیا بائع کے لیے یہ شرط لگانا شرعاً

لہ قال العلامة التمر تاشي: ولا يسع حاكم الا اذا تعدى الادب باب عن القيمة تعدى فاحشا فيسعر بمشور اهل الراي۔ (تنوير الا بصار على صدر رسد المختار ج ۶ کتاب الكراهية۔ فصل في البيع) لہ قال العلامة ابن عابدین: المراد بالانفع ما شرط من احد العاقدین على الآخر فلو على اجنبی لا يفسد ويبطل الشرط لما في الفتح عن الولوالجية بعثك الدار بالف على ان يقرضني فلان اجنبی عشرة دراهم فقبل المشتري لا يفسد البيع لانه لا يلزم الاجنبی ولا خيار للبائع۔

(رد المختار ج ۵ ص ۸۵ مطلب في الشرط الفاسد اذا ذكر بعد العقد وقبله)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَجْلَةِ لِسُلَيْمٍ رَسْتَمٍ بِأَنْتَحْتِ الْمَادَّةِ ۱۸۹ ص ۸۹

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شرط مذکورہ نہ تو بیع کے مقتضیات میں سے ہے اور نہ ملازمات میں سے ہے بلکہ بائع کے فائدہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بیع کیا گیا ہے اور مبیعہ حوالہ کرنے میں جہالت کی شرط لگانا فقہائے شرط فاسد قرار دیا ہے، اسی بناء پر مذکورہ شرط بھی ناجائز ہے، البتہ اگر رقم کے بطور وعدہ چند دن بعد مبیعہ حوالے کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو بیع استخراج کی رو سے یہ پیشگی رقم وعدہ بیع شمار ہو کر مبیعہ حوالہ کرتے وقت بیع منعقد ہو جائے گی۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانی: ومن یباع عبداً علی ان لا یسلمہ الی رأس الشهر فایبیع فاسد لان الاجل فی المبیع العین باطل فیکون شرطاً فاسداً وهذا لان الاجل شرع ترفیہاً فیلیق بالدیون دون الاعیان۔ (الہندیہ ج ۳ باب البیع الفاسد) لہ
نفع کی خاطر گاہک کو دوسری دوکان سے سودا لینے کیلئے قرض پر رقم دینا **سوال:** ایک شخص کسی

دوکاندار سے کوئی چیز قرض پر خریدنا چاہتا ہے لیکن وہ چیز دوکاندار کے پاس نہیں ہے اور دوکاندار اس شرط پر گاہک کو قرض رقم دیتا ہے کہ مجھے اتنا منافع دوگے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں چونکہ دوکاندار گاہک کو قرض رقم دے کر منافع کا مطالبہ کرتا ہے قرض دینے کی صورت میں کسی قسم کا منافع حاصل کرنا شرعاً ممنوع ہے اسلئے فقہائے تصریح کا ہے کہ شرط لگا کر قرض دینے سے شرط پرمیل لازم نہیں ہے، لہذا صورت مذکورہ میں قرض لینے کے بعد نہ تو گاہک کو منافع دینا ضروری ہے اور نہ دوکاندار کو لینا جائز ہے۔

لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: کل قرض جر نفعاً فہو ربا۔ (نسب الروایۃ ج ۴ کتاب الحوالۃ) لہ
قال فی الہندیۃ: اذا شرط الاجل فی المبیع العین فسد العقد وان شرط الاجل فی الثمن والتمن دین فان کان الاجل معلوماً جاز البیع وان کان مجهولاً فسد البیع۔

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۲۲ الباء العاشر فی الشروط التي تفسد البیع الخ (وَمِثْلُهُ فِي الْيَعْرَالِ رَأَيْتُ ج ۶ ص ۸۵ باب البیع الفاسد۔

لہ قال الحنفی: القرض بالشروط حرام والشروط لغو۔ (الدر المختار علی صمد المختار ج ۵ فصل فی القرض) وَمِثْلُهُ فِي الْيَعْرَالِ رَأَيْتُ ج ۶ ص ۸۵ کتاب البیوع، باب المتفرقات۔

عیب دار اشیاء کی خرید و فروخت کرنا | سوال :- ایک دوکاندار کے پاس مختلف اقسام کی گندم ہے جسے وہ مختلف نرخوں میں فروخت کرتا ہے، اگر دوکاندار ان مختلف اقسام کی گندم کو ملا کر ایک علیحدہ قسم نکالے جس میں ادنیٰ اور اعلیٰ ہر قسم کی گندم شامل ہو، تو کیا یہ طریقہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر دوکاندار گندم کی حقیقت چھپا کر خریدار پر اعلیٰ قیمت پر فروخت کرے تو یہ ناجائز ہے، لیکن اگر گاہک کو بتا کر فروخت کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ بائع کی نشاندہی کے بعد عیب دار چیز کی فروخت میں کوئی مضائقہ نہیں، کسی چیز کے عیب کو چھپا کر فروخت کرنا گناہ ہے۔

لما قال العلامة الحسکفی: لا یحل کتمان العیب فی مبیع او ثمن لان الغش

حرام۔ (الدر المختار علی صدد المختار ج ۵ ص ۲۷۱ کتاب البیوع، باب خیار العیب) لہ

نقد رقم قرض دینے کی بجائے کوئی چیز مہنگی دینا | سوال :- ایک آدمی نے کسی سے قرض رقم کے اس نے ایک کپڑا ساڑھے تین ہزار روپے میں اس کے ہاتھ فروخت کیا جبکہ بازار میں اس کپڑے کی قیمت تین ہزار روپے ہے، ضرورت مند نے کپڑا بیکر بازار میں سکو تین ہزار روپے میں فروخت کر دیا، اس صورت میں قرض دینے والے کو پانچ سو روپے منافع ملا اور ضرورت مند کو تین ہزار روپے ملے، جبکہ بعد میں کپڑا لینے والا شخص کپڑا دینے والے کو تین ہزار روپے کی بجائے تین ہزار پانچ سو روپے ادا کرے گا، تو کیا از روئے شرع یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ اس صورت میں قرض دے کر ضرورت مند کی خیر خواہی کی بجائے مفاد پرستی نمایاں نظر آتی ہے لیکن بیع کی جملہ شرائط کی رعایت کی وجہ سے یہ عقد جائز ہے، اس صورت میں مشتری کا مقصد اور ضروریات پوری ہو جاتی ہیں جبکہ بائع کو بوجہ نیلہ مروجہ قیمت سے زیادہ

لہ قال علی بن ابی بکر المرغینانی: اذا اطلع المشتوی علی عیب المبیع فهو یا لخیار ان شاء اخذہ

بجميع الثمن وان شاء رده۔ (الهدایة ج ۳ ص ۲۴۷ باب خیار العیب، کتاب البیوع)

ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص ۲۵۶ باب خیار العیب۔ کتاب البیوع۔

رقم ملتی ہے جس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نقد کی نسبت ادھار میں زیادہ قیمت لگانا جائز ہے۔

لما قال العلامة كمال الدين ابن الهمام رحمه الله: كان يحتاج المديون فيا في المستول ان يقرض بل ان يبيع ما يساوي عشرة بخمسة عشر الى اجل فيشتريه المديون ويبيعه في السوق بعشرة حالة ولا بأس في هذا فان الرجل قام له قسط من الثمن والقرض غير واجب عليه دائماً بل هو مندوب فان تركه بمجرد رغبة منه الى زيادة الدنيا فمكروه او لعارض يعذر به فلا..... ومالم ترجع اليه العين التي خرجت منه لا يسمى بيع العينة لانه من العين المسترجعة لا العين مطلقاً والا فكل بيع بيع العينة - (فتح القدير ج ۴ ص ۴۷۴) الكفالة (لہ)

آٹا پیسنے کے عوض انانج جمع کر کے فروخت کرنا | سوال :- آجکل بعض علاقوں میں مشین سے آٹا پیسنے کے عوض مکئی وغیرہ لی جاتی ہے، تو کیا آٹا پیسنے کے عوض مکئی لینا اور اسے جمع کر کے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- آٹا پیسنے کے عوض مکئی لینا جائز ہے لہذا آٹا پیسنے کے عوض مکئی وغیرہ جمع کر کے اپنے لیے استعمال کرنا یا فروخت کرنا دونوں طرح جائز ہے، البتہ پیسے ہوئے آٹا سے مخصوص طور پر دوری مقرر کر کے لینا قفیز الطمان کے حکم میں ہو کر اجارہ فاسد رہے گا۔

لما قال ابن عابدین رحمہ اللہ: استاجر بغلاً لیحمل طعاماً ببعضه او ثوراً لیطحن بئر

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: فان لم يعد كما اذا باعه المديون في السوق فلا كراهة فيه بل خلاف الاولى لان الاجل قابله قسط من الثمن والقرض غير واجب عليه دائماً بل هو مندوب ومالم ترجع اليه العين التي خرجت منه لا يسمى بيع العينة لانه من العين المسترجعة لا العين مطلقاً والا فكل بيع بيع العينة واقره في البحر والنهر والشرنبل الى وهو ظاهر وجعله السيد ابوالسعود محمل قول ابی یوسف وحمل قول محمد والحديث على صورة العود (رد المحتار ج ۵ ص ۳۲۶ کتاب البیوع، باب المتفرقات، مطلب بيع العينة) ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص ۲۳۵ کتاب الكفالة۔

ببعض دقیقہ فسدت والحيلة ان يفرد الاجر أولاً وليسمى قفيزاً بلا تعيين
ثم يعطيه قفيزاً منه فيجوزنا قال الرملي وبه علم بالاداء الجواز ما يفعل في ديارنا
من اخذ الاجرة من الحنطة والدرهم معاً ولا شك في جوازه -

(رد المحتار ج ۶ ص ۵۷ کتاب الخطر والاباحة - فصل في البيع)

مشترکہ زمین سے اپنا حق فروخت کرنا | سوال :- چند آدمیوں کے درمیان دس کنال

اپنا حق فروخت کرنا چاہتا ہے، تو کیا شریعت مقدسہ میں مشترکہ زمین سے کسی حق دار کو
اپنا حق فروخت کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: مشترکہ زمین سے اپنا معلوم حق فروخت کرنا از روئے شرع جائز ہے
اگرچہ تقسیم نہ ہوئی ہو، تاہم اگر اپنا حق فروخت کرتے وقت معلوم نہ ہو کہ مثلاً ثلث ہے یا
ربع، ایک کنال ہے یا دو کنال، تو ایسی صورت میں یہ بیع جہالت کی وجہ سے باطل شمار ہو کر
ناجائز ہوگی۔

ما قال محمد خالد الاتاسی: بیع حصّة شائعة معلومة كالنصف والثلث والعشر من
عقار مملوك قبل الافراز صحيح لانه لا يشترط في صحة البيع الافراز عند التسليم لا تفاقهم
على صحة بيع مشاع لا يمكن افرازه - (شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۲۱۴ ص ۱۰۳) لہ

لہ قال في الهندية: والحيلة في ذلك لمن اراد الجوزان يشترط صاحب الحنطة قفيزاً
من الدقيق الجيد ولم يقل من هذه الحنطة - (الفتاوى الهندية ج ۴ ص ۲۲۲،
کتاب المجازة، الفصل في قفيز الطحان وما هو في معناه)۔
ومثله في شرح المجلة لسليم رستم باز تحت المادة ۲۶ -

لہ قال محمود بن اسماعيل الشهير بابن قاضي سماوة: اما بيعة قسمان يحتمل القسمة اولا
وكل قسم على وجهين اما ان باع من اجنبى او من شريكه فا لوجه الاول وهو البيع من
اجنبى على صنفين واما ان كان الكل له فباع نصفه او كان بين اثنين فباع احدهما نصيبه
فابيع جائز في المواضع كلها - (جامع الفصولين ص ۸۲ الفصل الحادى والثلاثون في مسائل الشيوع)
ومثله في تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۲۲۶ کتاب البيوع -

مشترکہ طور پر خریدی ہوئی چیز سے اپنا حصہ نکالنے کا طریقہ | سوال: چند ساتھیوں نے

چیز خریدی چند ماہ کے استعمال کے بعد ان میں سے ایک نے اپنا حصہ واپس لینا چاہا تو کیا اس ساتھی کو اس چیز کی موجودہ قیمت کے لحاظ سے رقم واپس کی جائے گی یا قیمت خرید کے حساب سے؟ جبکہ استعمال کی وجہ سے اس چیز کی قیمت کافی کم ہو گئی ہو؟

الجواب: کوئی چیز مشترکہ طور پر خرید کر استعمال کرنے کے بعد جب کوئی حصہ دار اپنا حصہ واپس لینا چاہے تو اس کو موجودہ وقت کی قیمت کے اعتبار سے رقم واپس کی جائے گی نہ کہ قیمت خرید کے مطابق، کیونکہ کسی چیز کے استعمال کرنے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی قیمت میں بھی ضرور اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا رہتا ہے۔

لما قال علاؤ الدین الحصفی رحمہ اللہ: ولو تراضیا ان تقوم الکتب ویاخذ کل بعضہا بالقیمۃ لو کان بالتراضی جاز والاکلا (الدر المختار مع رد المحتار ج ۶ کتاب المظن والاباحۃ) ^۱

زیادہ منافع کی امید پر کسی چیز کی فروخت میں تاخیر کرنا | سوال: کاروبار کے سلسلے

میں اگر کوئی شخص کسی دوسرے شہر سے حیوانات کی خوراک یا غلہ وغیرہ لائے اور اس وقت مارکیٹ میں مندی ہو، اب یہ شخص اس امید پر مال کی فروخت چند ماہ کے لیے مؤخر کر دے تاکہ بعد میں منافع زیادہ ملے۔ کیا اس شخص کا یہ اقدام ذخیرہ اندوزی کے دائرہ میں آکر حرام ہے یا بھاری گنجائش ہے؟

الجواب: ذخیرہ اندوزی میں بنیادی طور پر مقامی لوگوں کی حق تلفی کر کے اپنے منافع و فوائد پیش نظر ہوتے ہیں لیکن کسی دوسرے شہر سے اجناس وغیرہ اپنے شہر یا گاؤں کو منتقل کرنے سے اس گاؤں والوں کا حق نہیں رہتا، اس لیے صورت مسئلہ میں اس شخص کا یہ اقدام جائز ہے کیونکہ اس میں مقامی لوگوں کی حق تلفی نہیں ہوتی، تاہم مسلمانوں کو تکلیف میں دیکھتے ہوئے

لہ قال فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی رحمہ اللہ: والعید الواحد والدایۃ الواحد یتباع ویقسم ثمنہا لانہا لاتحتل القسمۃ وکن لک کل ما یکون فی تبعیضہ ضرر۔

(الخانیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۳ ص ۵۸ کتاب القسمۃ)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَجْلَةِ بِسَلِيمِ رَسْمٍ بِازْتِمَاتِ الْمَادَّةِ ۱۱۲۲ ص ۶۳۳۔

ذاتی مفادات کو ترجیح دینا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ، ومن احتکرو غلة ضيعته او ما جلبه من بلد
اخر فليس بمحتكر۔ (الهدایۃ ج ۴ ص ۳۸۱ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع) ۱۷

بیع قطعی سے انحراف درست نہیں | سوال: ایک شخص نے کسی پر بخوشی و رضا اپنی

دوکان بیچا جس ہزار روپے کے عوض فروخت کی اور مشتری نے کچھ رقم ادا کر کے باقی کا وعدہ کیا، چند دنوں کے بعد یہی بائع کسی اور آدمی کے

ساتھ دوکان کا سودا کرنا چاہتا ہے، کیا بائع کے لیے اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ باضا بطر طور پر ایجاب و قبول کے بعد بائع بیع فسخ کر کے مبیعہ کو کسی

دوسرے پر فروخت کرنے کا شرعاً حق نہیں رکھتا، البتہ اگر بائع اور مشتری نے آپس میں

باہمی رضامندی سے بیع فسخ کر لی تو بائع کے لیے مبیعہ کسی دوسرے کو دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: واذا حصل الايجاب والقبول لزوم
البیع ولا خيار لواحد منهما من عيب او عدم رؤية۔ (الهدایۃ ج ۳ ص ۳۸۱ کتاب البیوع) ۱۸

بائع اور مشتری کا ایک بار تولنے پر اکتفا کرنا | سوال:۔ جب موزونی یا مکیلی

خریدی جائیں، اگر مشتری کے سامنے ایک دفعہ جب چیز تولی جائے تو کیا مشتری

کے لیے دوبارہ تولنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی چیز کو ناپ تول کے حساب سے خرید کر جب طرفین کی موجودگی میں اس

لہ قال فی الہندیۃ، ومن اشترى طعاماً فی مصر وجلبہ الی مصر اخر واحتکر فیہ فانہ لا یکرہ
ہکذا فی المحيط۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۲۱۳ فصل فی الاحتکار کتاب البیوع) ۱۹

وَمَثَلُهُ فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۹ کتاب الاستحسان۔

لہ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: البیع یلزم بايجاب وقبول ای حکم البیع یلزم بہما
لانہ جعلہما غیرہ وانہ یلزم بہما مع ان البیع لیس الاہما لانہما اکناہ۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۶۲ کتاب البیوع)

وَمَثَلُهُ فی التبيين الحقائق ج ۴ ص ۳ کتاب البیوع۔

مطلوبہ چیز کو ناپ تول لیا جائے تو مشتری کو دوبارہ ناپ تول کی ضرورت نہیں بلکہ خریدنے کے بعد دونوں کی موجودگی میں ہی تولنا کافی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: قال فی الخانیۃ لو اشترى کیلیاً مکایلة او موزناً موازنة فکال البائع بعصرة المشتري۔ قال الامام ابن الفضل یکفیه کیل البائع ويجوز له ان يتصرف فيه قبل ان یکيله۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۵۱۱ مطلب فی تصرف البائع فی المبیع قبل القبض) لہ

شرکا کا اپنے حصص کا کسی ایک شریک کے ساتھ فروخت کرنا سوال :- چند شرکا واپس

ہیں خریدنے کے بعد واپس میں یہ شرکا بولی کر کے جو زیادہ قیمت پر آمادہ ہو تو وہ بیعہ لیکر ہر ایک شریک کو اپنی رقم بمع منافع واپس کرتا ہے، تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں چونکہ تمام شرکا مشترکہ طور پر کوئی چیز لے کر واپس میں نیلام کرتے ہیں اور جو زیادہ رقم دینے والا ہو تو بیعہ اس کے حوالے کیا جاتا ہے، پس اس میں اگر نیلام سے طے شدہ رقم اپنے حصہ کے علاوہ دیگر شرکا کے حصص کا عوض ہو تو یہ جائز رہے گا ورنہ مجموعہ کو خریدتا جس میں اپنا حصہ بھی شامل ہو جائز نہیں۔

لما قال فی مجلۃ الاحکام: الشریک من غیر ان شاء باع حصته من شریکہ وان شاء باعها عن اجنبی بدون اذن شریکہ۔ لکن فی صور خلط الاموال واختلاطها التی بیٹاھا فی الفصل الاول۔ (مجلۃ الاحکام المادة ۱۰۸۸ اصل ۱ لہ

لہ قال ابن نجیم: اما اذا کاله فی حضرته فانه یغنی عن کیله وهو الصیحم لان المبیع صار معلوماً بکیل واحد۔ (المحرر الرائق ج ۶ ص ۶۸۸، فصل فی بیان التصرف فی المبیع والتمن قبل قبضه) ومثله فی الهدایۃ ج ۳ ص ۸۵ کتاب البیوع۔

لہ قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: وكل من شرکا والملک اجنبی فی مال صاحبه فصم له بیع حصته ولو من غیر شریکہ بلا اذن الا فی صورۃ الخلط۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۴ ص ۳ کتاب الشریکۃ۔ مطلب الحق ان الدین یملک ومثله فی شرح المجلۃ لسلم رستم باز تحت المادة ۱۰۸۸ ص ۶۰۸۔

سوال :- میں سعودی عرب میں کاروبار کرتا تھا وہاں میرا کسی فتنے قرض کو فروخت کرنا

دس ہزار روپے قرضہ ہے لیکن اب وہاں جانا اور اپنا قرض وصول کرنا بہت ہی مشکل ہے اس لیے میں یہ قرض کسی پر نو (۹) ہزار روپے پر فروخت کرنا چاہتا ہوں کیا قرض کی رقم اس طرح فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مقروض کے علاوہ کسی اور پر قرض فروخت کرنا فقہاء نے ممنوع قرار دیا ہے صورت مذکورہ میں چونکہ نقد نو ہزار روپے کے بدلے قرض کے دس ہزار روپے لیے جاتے ہیں جو کہ ربا و نسیئہ کی وجہ سے اس کا خریدنا حرام ہوگا۔

قال العلامة ابن نجيم المصري: بيع الدين لا يجوز ولو باعده من الديون او هبه جاز۔ (الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۲۱۱ المادة ۱۶ كتاب البيوع)

سوال :- کسی ملک میں غیر مسلم کچھ عرصہ تک غیر مسلموں کی متروکہ اشیاء فروخت کرنا

آباد رہنے کے بعد وہاں سے چلے جائیں تو ان کی باقیماندہ اشیاء کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کو فروخت کر کے حاصل ہونے والی قیمت کو ذاتی استعمال میں لانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی مسلم ملک سے غیر مسلم اقوام کے چلے جانے کے بعد ان کی رہ جانے والی جائیداد یا دیگر اشیاء ذاتی مفاد کے لیے فروخت کرنا شرعاً ممنوع ہے بلکہ ان اشیاء کو یا ان کی قیمت کو بیت المال کے حوالہ کرنا ہوگا، اور اگر بیت المال کا کوئی قابل اعتماد انتظام نہ ہو بلکہ اُس میں ان اشیاء کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر کسی ایسی جگہ میں خرچ کرنا مناسب ہے جہاں سے عمومی مفادات وابستہ ہوں، ایسے اموال کے لیے دینی مدارس اور درسگاہیں بہترین مقامات مصرف ہیں۔

لما قال علي بن ابي بكر المرغيناني رحمه الله: وما اوجف المسلمون عليهم من اموال

له قال ملاك العلماء علامه كاساني رحمه الله: بيع هذه الديون من غير من عليه والشراء بها من غير من عليه فينظران اضافة البيع والشراء الى الدين لم يجز۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۶۲ فصل واما شرائط الصحة)

ومثله في فتاوى تنقيح حامدية ج ۲ ص ۲۲۹ كتاب المدانيات۔

اهل الحرب بغیر قتال یصرف علیہ فی مصالح المسلمین کما یصرف الخراج قالوا هو مثل الاراضی الّتی اجلوا اهلها عنها - (الهدایة ج ۲ ص ۵۶۲ کتاب السیر وفصل: واذا دخل الحربی الینا - الخ) لہ

ہم جنس موزونی اشیاء کو بلا وزن فروخت کرنا | سوال: بعض علاقوں میں کچھ اشیاء اگر بعض موزونی اشیاء مثلاً پیاز، لہسن وغیرہ اندازہ سے بغیر تول کے اپنی ہم جنس پر فروخت کی جائیں تو از روئے شرع یہ بیع درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: موزونی اشیاء بغیر تول کے اپنی جنس پر فروخت کرنا اور تبادلہ میں لینا جائز نہیں کیونکہ اس میں ربوا (سود) کا شبہ پایا جاتا ہے، پس یہی شبہ حقیقی ربوا کے قائم مقام ہو کر بیع جائز نہ ہوگی۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: ویجوز بیع الطعام والمحبوب مکایلة و مجازفةً و هذا اذا باعه بخلاف جنسه لقوله عليه السلام اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم بعد ان یکون یذاً بید بخلاف ما اذا باعه بجنسه مجازفةً لما فیہ من احتمال التلبوا. (الهدایة ج ۳ ص ۲ کتاب البیوع) لہ

گڑ کا معیار بہتر بنانے کے لیے رنگ کاٹ استعمال کرنا | سوال: بعض علاقوں میں گڑ صاف کرنے کے لیے

لہ قل العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وما اخذ منهم بلا حرب ولا قهرٍ کا لهدية والقلم فهو لا غنیمة ولا فئى وحكمه حکم الفئى لا یخمس ویوضع فی بیت المال - (رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۸ باب المغنم وقسمته، مطلب فی بیان معنی الغنیمة والفئى) ومثله فی فتح القدیر ج ۵ ص ۲۷۲ کتاب السیر۔

۲ قال ابن نجیم: ویباع الطعام کیلاً وجزاً قال الحدیث البخاری فاذا اختلف هذه الاضاف فبیعوا کیف شئتم ولا یرفع علیہ بیع الجنس بالجنس من التلبوا مجازفةً لما سیأتی فی التلبوا من انه غیر جائز الا اذا کان قلیلاً - (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۸۲ کتاب البیوع) ومثله فی فتح القدیر ج ۵ ص ۲۷۹ کتاب البیوع۔

رنگ کاٹ (خاص قسم کا کیمیکل) استعمال کیا جاتا ہے تاکہ سفید ہو کر قیمت بڑھ جائے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور بیع پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب :- اگر گڑ کی صفائی اور اس کا معیار بہتر بنانے کے لیے رنگ کاٹ استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر رنگ کاٹ کے استعمال کا مقصد رافنی قسم کو اعلیٰ ظاہر کرنا ہو یا مشتری کی تلبیس اور دھوکہ دینا مقصود ہو تو یہ ملاوٹ کے مترادف ہو کر ناجائز اور حرام ہوگا۔

اخرج الامام ابوداؤد: عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مترجل یبیع طعاماً فسئلہ کیف تبیعہ فاخبرہ فاوحی الیہ ان ادخل یدک فادخل یدہ فیہ فاذا ہومبلول فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منّا من غش۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۳ باب نہی عن الغش کتاب البیوع) لہ

جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کرنا | جمعہ کی اذان کے بعد تجارت رکاوٹ (کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟)

الجواب :- جمعہ کے دن جب وقت داخل ہونے پر اذان دی جائے تو اس وقت جمعہ کے متعلقہ امور کے علاوہ دیگر امور میں مصروف ہونا مناسب نہیں، اس بنا پر جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے جمعہ کی سعی اور تیاری متاثر ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کو موقوف کر دینا چاہیے۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (سورة الجمعة ۹) لہ

لہ قال فی الہندیۃ: ویکرہ ان یلبس الجید بالردی وان یبیع اللحم بالزعران۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۲۱۵ فصل فی الاحتکام)

وَمِثْلُهُ فِي ۱۰ المختار ج ۵ ص ۱۱۱ باب البیع الفاسد، بعد مطلب احکام نقصان البیع فاسداً۔ لہ لما قال ابی ہریرۃ عن ابی بکر المرغینانی: والبیع عند اذان الجمعة قال اللہ وذر البیع ثم فیہ خلال بواجب السعی علی بعض الوجوہ وقد ذکرنا الاذان المعتبر فیہ فی کتاب الصلوۃ کل ذلک یکرہ لما ذکرنا ولا یفسد بہ البیع۔ (الہدایۃ ج ۳ ص ۶۹ فصل فیما یکرہ کتاب البیوع)۔

وَمِثْلُهُ فِي البحر الرائق ج ۶ ص ۹۹ فصل فی البیع الفاسد۔

ضرورت سے زائد روٹیاں جمع کر کے فروخت کرنا | سوال: بعض لوگ ضرورت سے زائد روٹیاں (کڑے وغیرہ) جمع

کر کے فروخت کرتے ہیں تو کیا ان روٹیوں کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: خرید و فروخت کے لیے بنیادی طور پر کسی چیز کا مال متقوم ہونا لازمی ہے اس بنا پر روٹی اور آٹا چونکہ مال متقوم میں سے ہے لہذا اس کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے۔

لما قال فخرالدين عثمان بن علي الزيلعي: وشرطان يكون في العقد عوضان كل واحد منهما مال يتحقق ركن البيع وهو مبادلة المال بالمال (تبيين الحقائق ج ۱ ص ۱۸۱ فصل في قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد بامرا بائع) لـ

کاریز کا پانی فروخت کرنا | سوال: بعض علاقوں میں پانی کی کمی دور کرنے کے لیے کاریز استعمال کئے جاتے ہیں، تو کیا ان کاریزوں سے حاصل ہونے

والا پانی فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: فقہاء کرام نے کاریز کو نہر جاری کے حکم میں شمار کیا ہے، نہر کے پانی کی طرح کاریز کا پانی بھی مملوک اور محرز نہیں اسلئے کاریز کا پانی فروخت کرنا جائز نہیں، تاہم اگر اس کو باقاعدہ طور پر محرز کر کے فروخت کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال علي بن ابي بكر المرغيناني: والثالث اذا دخل الماء في المقاسم فحق الشفعة ثابت....
ولان البئر ونحوها ما وضع للاحراز ولا يملك المباح بدونه كالنظي اذا تكتس في ارضه -
(الهداية ج ۲ ص ۲۸۲ فصول في مسائل الشرب) ع

لہ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وقيد بقوله وكل من عوضيه مال يخرج البيع بائعاً وكل بيع باطل - (البحر الرائق ج ۶ ص ۹۲ فصل في البيع الفاسد)

وَمِثْلُهُ فِي حَاشِيَةِ الشَّلِيِّ عَلَى هَامِشِ تَبْيِينَ الْحَقَائِقِ ج ۲ ص ۲۸۲ كِتَابُ الْيُوع -
لہ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: والقنات مجرى الماء تحت الارض.... لانه نہر في الحقيقة نعتبر بالنهر ولان الانهار والايار والحياض لم توضع للاحراز والمباح لا يملك الا بالاحراز - (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۲ كِتَابُ اَحْيَاءِ الْمَوَات)

وَمِثْلُهُ فِي مَرَادِ الْمُخْتَارِ ج ۶ ص ۲۲۹ كِتَابُ اَحْيَاءِ الْمَوَات -

بیع فضولی کا حکم | سوال :- ایک آدمی کی مملوکہ زمین اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس کے بھائی نے فروخت کر دی، اب وہ اپنی زمین واپس لینا چاہتا ہے، اس کے اصرار کے باوجود بھی مشتری واپس کرنے پر رضامند نہیں، تو اب مذکورہ زمین کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :- کسی کی مملوکہ زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر شرعاً کسی کو بھی تصرف کا حق حاصل نہیں لہذا جو زمین کسی کی بذریعہ شہادت ثابت شدہ و تسلیم شدہ ملکیت ہو تو اس میں کسی اور کا تصرف درست نہیں اور وہ شرعاً اپنی ملکیتی زمین واپس لینے کا مجاز ہے۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی: ومن باع ملک غیرہ بغیر امرہ فالملك بالخيار ان شاء اجاز البیع وان شاء فسخ۔ (الهدایة ج ۳ ص ۹ کتاب البیوع۔ فصل فی بیع الفضولی) لہ
جانوروں کے خون کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- جانوروں کا خون بیچنا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- خون بذات خود ایک نجس شے ہے اور اسلام نے اس کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے، اس سے بلا ضرورت شرعی انتفاع لینا بھی صحیح نہیں، لہذا جانوروں کے خون کی خرید و فروخت اور اس سے انتفاع دونوں صحیح نہیں ہے۔

قال العلامة التمریاشی: بطل بیع مالیس بمال کالدم والمیتة۔ (تنویر البصار ج ۴ ص ۱۱ کتاب البیوع)
 کہا قال اللہ تعالیٰ: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمِیْتَةَ وَالدَّمَ۔ (سورة البقرہ آیت ۱۷۲)
 کہا قال الرسول: اِنَّ اللہ اذا حَرَّمَ علی قوم اکل شیء حرم علیہم شمنہ۔
 (اعلام السنن ج ۱ ص ۱۲۵ ابواب البیوع الفاسد۔ باب حرمة بیع الخمر الخ)

لہ قال علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ: شرائط النفاذ اثنتان الملك او الولاية وان لا يكون فی البیع حق لغیر البائع فلم یفتق بیع الفضولی۔ (مرآة المختار ج ۴ ص ۵۵ کتاب البیوع، مطلب شرائط البیع انواع اربعة)

وَمِثْلُهُ فی الہندیة ج ۳ ص ۳ کتاب البیوع، الباب الاول فی تعریف البیع... الخ۔
 لہ قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانی: بیع المیتة والدم والعریا طل لانہا لیست اموالاً فلا تكون محلاً للبیع۔ (الهدایة ج ۳ ص ۳۳ باب الفاسد کتاب البیوع)

مشترکہ جائیداد اور اراضی کی بیع و شراء کا حکم | سوال :- مشترکہ جائیداد اور اراضی کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

فقہ حنفی کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

الجواب :- مشترکہ جائیداد کی خرید و فروخت جائز ہے بشرطیکہ اس میں تمام اشراکاء کی رضامندی شامل ہو کیونکہ ایک اپنے حصہ کا مالک ہے اور مالک اپنے حصہ میں تصرف کر سکتا ہے، لہذا یہ بیع صحیح ہے فاسد نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : اذ باع احد الشریکین نصفها فان ثم یجوز البیع فی نصف الدار لان بیع المالك انصرف الى نصيبه باع احدهما نصيبه فالبيع جائز فی الموضع . (تنقیح الحامد ج ۱ ص ۲۸۲ کتاب البیوع)

مشتری کا بائع کو دھوکا دینا | سوال :- ایک شخص نے کسی سے بغین فاحش زمین خریدی اب وہ تیرہ چودہ سال کے بعد یہ زمین بائع کو واپس کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کو یہ حق حاصل ہے؟

الجواب :- ایسی خرید و فروخت جس میں ایک دوسرے کو دھوکا دیا گیا ہو فریقین کو اسے رد کرنے کا اختیار ہے۔

قال العلامة ابن عابدین : وان غر المشتري البائع او بالعکس او غره الدال فله الرد . (رد المحتار ج ۸ ص ۸۸ باب المراجعة والتولية)

لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اس غبن کے معلوم ہونے سے پہلے مشتری نے بیع میں تصرف نہ کیا ہو ورنہ بائع نے غبن میں تصرف کیا ہو جس سے ان کی رضا معلوم ہوتی ہے۔

كما قوله عليه السلام : نهى عن بيع الحصة وعن بيع الغر . (اعلاء السنن ج ۲ ص ۸۹) ۲

۱۔ قال العلامة الزیلعی : هذا لانہ بالبيع صار شركة ملك حتى لا يجوز لكل واحد منهما ان يتصرف في نصيب الآخر ثم بالقصد بعد ذلك صار شركة عقد فيجوز لكل واحد منهما ان يتصرف في نصيب صاحبه . (تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۱ کتاب البیوع)

۲۔ قال العلامة خالد اتاسی : اذا غر احد المتبايعين الآخر وتحقق ان في البيع عیناً فاحشاً فلم یغیون ان یفسخ البیع جینیذ . (شرح المجلد ج ۱ الفصل السابع) ۱۹۹

قربانی کے لیے خریدے گئے حاملہ جانور کی واپسی کا حکم | سوال :- ایک آدمی نے

جانور خریدا، بیع ہو جانے کے بعد مشتری کو علم ہوا کہ وہ تو حاملہ ہے، کیا صرف اس وجہ سے اس کو واپس کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- بیع تام ہو جانے کے بعد جب کسی جانور میں عیب کا پتہ چلے اور وہ بائع کے ہاں سے ہی اس جانور میں موجود ہو اور بائع نے بتایا بھی نہ ہو تو اس وجہ سے مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے، کسی جانور کا حاملہ ہونا کوئی عیب نہیں، اس لیے صورت مسئلہ میں مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں، تاہم اقالہ کی صورت میں مبیعہ واپس کیا جاسکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : نعم له ردھا بعیب الحمل والحبل عیب فی الجارية لا فی البہائم۔ (تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص ۲۷۰ کتاب البیوع۔ باب الخیارات) ^{۲۷۰}

بیع فسخ کرنے کی صورت میں بائع پر جرمانہ لگانا | سوال :- دو آدمیوں نے

کچھ مشترکہ زمین فروخت کی اور مشتری سے کچھ رقم نقد لے لی اور بقیہ رقم رجسٹری کی تکمیل تک مؤخر کو دی گئی اور اس کے ساتھ مشتری نے یہ شرط لگائی کہ اگر بائع تے زمین واپس لی تو اسے پچیس روپے جرمانہ ادا کرنا ہوگا، کیا ایسا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب :- مذکورہ صورت میں اگر یہ شرط اور رقم کی وصولی وغیرہ بیع کے ایجاب و قبول کے وقت لگائی گئی ہو تو یہ بیع فاسد ہے اور اس سے ہر ایک بلا رضائے غیر فسخ کر سکتا ہے، نیز فسخ کی صورت میں وصول کردہ رقم واپس کرنا ضروری ہے تاہم فسخ کرنے والے سے جرمانہ لینا جائز نہیں اور اگر ایجاب و قبول کے بعد ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : طلب فی الشرط الفاسد اذا ذکر لم قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البغدادی : رجل اشتوی حماداً واجلہا لا یردھا

بالعیب۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۷۰ باب خیال العیب، کتاب البیوع)

وَمِثْلُهُ فِی الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۶ ص ۴۷۰ باب خیال العیب۔

بعد العقد او قبله لا يقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفع لاحدهما وفيه نفع مبيع
هو اهل الاستعقاق بتفح - (رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۶ باب بيع الفاسد) ۱۰

وقت معین تک ثمن کی ادائیگی کا اختیار دینا | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام
درج ذیل مسئلہ کے متعلق کہ اگر بائع

مشتری سے یہ کہے کہ اگر تو شام تک مجھے رقم ادا کر دے تو تیرے اور میرے درمیان معاملہ
باقی ورنہ رد ہوگا، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب :- اس طرح کی بیع کرنا بیع کی صحت کے منافی نہیں، لہذا اگر صورت مسئلہ کے
مطابق اگر مشتری نے شام تک طے شدہ رقم بائع کو ادا نہ کی تو اسے حسنًا بیع ختم ہو جائے گی۔
قال العلامة المرغینانی: وعن باع على انه ان لم يتقد الثمن الى ثلاثة ايام فلا

بيع بينهما جاز - (الهداية ج ۲ ص ۳۲۷ باب خيار الشرط) ۱۱
سوال: ایک شخص نے کسی سے مکان خریدا اور کچھ پیشگی رقم
پیشمان ہونے پر رقم واپس کرنا لازم ہے | بھی اسے دے دی مگر بجاب وقبول اور بیعہ پر قبضہ کرنے

کے بعد کسی وجہ سے مشتری مکان خرید پر پیشمان ہو گیا اور بائع کو مکان واپس کر کے ادا کردہ رقم واپس لینا چاہتا
ہے۔ تو کیا مشتری مکان واپس کر کے بائع سے اپنی رقم لینے کا شرعاً حق دار ہے یا نہیں؟

الجواب :- بائع کے لئے پیشمانی کی رقم لینا حرام ہے، بلکہ بائع اپنے مسح پر قبضہ کے بعد
میں مشتری کو واپس کر دے۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: فان شرط اكثر منه او اقل فالشرط باطل

۱۰ کمافی الحدیث قوله عليه السلام: كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل فطل الشرط
الواحد وكل ما لم يعقد به - (اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۱۳ باب انتهى عن البيع بالشرط
ومثله في الهداية ج ۳ ص ۳۲۷ کتاب البيوع - باب بيع الفاسد -

۱۱ قال العلامة ابن عابدین: فان نقد الثمن ثم البيع وان لم ينقد انفسه البيع
وفي بعضها فسد البيع ولو باع عبد على انه ان لم ينقد المشتري الثمن الى ثلثه
ايام فلا بيع صح استحسنًا - (رد المحتار ج ۲ ص ۵۲ کتاب البيوع)

ویرد مثل الثمن الاول لقوله عليه السلام من اقال تادماً بیعتہ اقال الله عسراته
يوم القيامة۔ (الهدایة ج ۳ ص ۱۱۱ باب الاقالة) ۱

بیع میں بیعانہ ضبط کرنے کے رواج کا شرعی حکم | سوال: کسی شخص نے ایک
مکان فروخت کیا اور رواج کے مطابق مشتری سے کچھ رقم بطور بیعانہ بھی لے لی، اور اس بیع میں فریقین کے مابین یہ شرط
طے پائی کہ ایک مدت معین تک اگر بائع انکار کر دے تو وہ مشتری کو دس ہزار روپے بطور
جرمانہ دے گا، اور اگر مشتری مقررہ مدت میں باقی رقم ادا کر کے اس مکان کی رجسٹری نہ
کرا سکا تو بیعانہ کی رقم ضبط کر لی جائے گی۔ اس کے کسی وجہ سے مشتری اس شرط کو پورا نہ کر سکا
تو کیا بائع کو بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب :- مذکورہ صورت میں مشروط عقد بیع فاسد ہے اور متعاقبین کو بیع
فسخ کرنے کا اختیار ہے، نیز بائع کو بیعانہ ضبط کرنے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔ ۲
کما قوله عليه السلام: نهى عن بيع العرباء (علام السنن ج ۴ ص ۱۱۱ باب النهی عن بیع العربان)
سوال :- ایک شخص بیرون ملک
کلوگرام کے حساب سے کوئی چیز خرید کر سیر کے
حساب سے فروخت کرنا چاہتا ہے
سے کچھ چیزیں کلوگرام کے حساب
سے خرید کر اپنے ملک میں سیر کے
حساب سے فروخت کرتا ہے، اسی طرح وہاں سے کپڑا میٹر کے حساب سے خرید کر
اپنے وطن میں اُسے گز کے حساب سے فروخت کرتا ہے، تو کیا اس کا ایسا کرنا شرعاً
جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق خرید و فروخت کا یہ طریقہ بالکل جائز ہے

۱ قال العلامة ابن الهمام: وحقيقة الفسخ ليس الرفع الاول كان لم يكن فيثبت الحال الاول و
ثبت الحال الاول هو برجوع عين الثمن الاول الى مالكه كان لم يبدخل في الوجود غير وهو
يستلزم تعيين الاول۔ (فتح القدير ج ۶ ص ۱۱۱ باب الاقالة)

۲ قال العلامة الموهباني: كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعه لاحد المتعاقدين او للمقود عليه
وهو من اهل الاستحقاق يفسده۔ (الهدایة ج ۳ ص ۱۱۱ باب البيع الفاسد)

نابالغ کی جائیداد جبراً فروخت کرنا

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مساجد ذیل مسائل کے بارے میں کہ :-

(۳) شفعہ کا حق نسبت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے یا جوار (قرب) کی وجہ سے؟
 الجواب :- (۱) کسی اجنبی نابالغ کی جائیداد بدون اس کی رضا کے فروخت کرنا درست نہیں،
 تاہم باپ کو منفعت کے پیش نظر تصرف کا حق ہے۔

ما قال العلامة الحصكفی رحمہ اللہ : و شرط اہلیۃ المتعاقدين ینکونہما عاقلین لا یشترط البلوغ ۔ (اللہ الخنار علی ہامش المحتاج ج ۴ ص ۵۷ کتاب البیوع)

(۳) اور شفعہ کا حق نسبت نسب کی بجائے شرکت اور جوار (قرب) کی وجہ سے زیادہ حاصل ہے ۔

قال العلامة علي بن ابي بكر المرغيناني رحمه الله : واذا اكره الرجل على بيع ماله او على شراء سلعة او على ان يقر لرجل بالقتل او بجر داره واكره على ذلك

له قال العلامة بدر الدين العيني رحمه الله: يباع الطعام كيلاً أي من حيث الكيل
وباع أيضاً وجزاً لأن بكل منهما يصير معلوماً أما المكيلة فظاهر وأما الخزان
فلأنه بالاشارة تقع الجهالة - (عيني شرح كنز ج ٢ ص ٣ تحت في بيان احكام البيوع)
ومثله في البحر الرائق ج ٥ ص ٢٨٢ تحت احكام البيوع -

بالقتل او بالضرب الشديد وبالحبس قباع او اشتراى فهو بالخيار ان شاء
مضى البيع وان شاء قسحاً بالمبيع - (الهداية ج ۳ ص ۳۳ کتاب البيوع) ۱۰

سوال :- ایک شخص نے کسی پر ایک **بائع کا منفعت کی شرط لگانا باطل ہے** | مکان بطور رہن یہ شرط لگا کر فروخت

کر دیا کہ جب رقم واپس کی جائے گی تو مکان بھی واپس مل جائے گا، تو کیا یہ بیع شرعاً
جائز ہے ؟

الجواب :- جس بیع میں بائع کی منفعت کے لیے ایسی شرط لگائی گئی ہو تو وہ بیع
فاسد ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں اس سے ممانعت کی گئی ہے ۔

قال العلامة المرغینانی: وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لاحد
المتعاقدين او للمعتود عليه وهو من اهل الاستحقاق يفسد العقد۔

(الهداية ج ۳ ص ۶۲ کتاب البيوع، باب البيع الفاسد) ۱۱

سوال :- ایک گاؤں کے **رفاء عامہ کے کاموں کے لیے بیع و ثراء کا حکم** | بکینوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ

ہم اپنے گاؤں کی چیزیں مثلاً انڈے، مرغیاں وغیرہ فلاں خاص شخص ہی کو فروخت کریں
گے، نیز وہ اس معین شخص پر یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ تو ہم کو بیس روپے ماہانہ چندہ دے گا
جسے ہم رفاء عامہ کے کاموں میں خرچ کریں گے، تو کیا خرید و فروخت کیلئے ایسی شرط

۱۲ قال العلامة ابن عابدین: (وقوله بالجور) القضاء بخلاف الحق اما عن خطأ او عمد

وكل على وجهين اما في حقه تعالى او حق العبد فالخطأ في حق العبد اما ان يمكن فيه التدارك
والرد لولا فاما ان كان قضي بمال او صد او طلاقاً او عتاقاً... يبطل القضاء۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۳۸ کتاب القضاء مطلب فقہا قفی بالجور)

والضار وقف بيع مال الغير) لو اغير بالغاً قلاً فلو صغيراً او مجنوناً لم ينعقد اصلاً كما
في الزواهد معزى بالحاوى - (رد المحتار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۲ کتاب الوقف)

۱۳ قال العلامة المرغینانی: كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لاحد المتعاقدين
الى اخره - (الهداية ج ۳ ص ۶۲ باب بيع الفاسد)

وَمَثَلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۳ ص ۵۲ کتاب البيوع - باب البيع الفاسد۔

لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- درج بالا صورت میں منصوبہ بندی سے ایک معین شخص سے خرید و فروخت جائز ہے بشرطیکہ اس سے ذخیرہ اندوزی اور روزہ مرہ استعمال کی اشیاء کی قیمتیں بڑھانا مقصود نہ ہو، البتہ چندہ دینے کی شرط لگانا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی اپنی خوشی سے چندہ دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وفي مجلة الاحكام ۲: البيع بشرط ليس فيه نفع لاحد لعاقدين يصح والشرط لغو۔ (مجلة الاحكام ص ۸۹ المادة ۱۸۹ کتاب البيوع۔ الفصل الرابع في الشرط بالبيع) ۱۰
موہوبہ زمین کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ موہوبہ زمین کی خرید و فروخت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- موہوبہ زمین کو باقاعدہ ہبہ کے بعد فروخت کیا جاسکتا ہے بلکہ اس سے واہب کو رجوع کا حق بھی ختم ہو جاتا ہے۔

قال العلامة سليم رستم باز: اذا باع الموهوب له الموهوب او اخرجہ عن ملكه بالهبة والتسليم لا يبقى للمواهب حق الرجوع۔

(شرح المجلة۔ المادة ۸۹ ص ۸۹ تحت احكام الهبة) ۱۰
الکحل کی تجارت کا حکم | سوال :- آجکل بعض ادویات میں الکحل استعمال کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا کاروبار وراج بڑھ چکا ہے، تو کیا الکحل کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

۱۰ قال العلامة سليم رستم باز اللبناني: لو شرط في البيع نفعاً على اجنبی كما اذا باعه شيئاً بشرط ان يقرضه فلان عشرة دراهم فالبیع صحيح والشرط لغو۔ (شرح مجلة الاحكام ص ۸۹ المادة ۱۸۹ کتاب البيوع۔ الفصل الرابع في الشرط بالبيع)

۲۰ قال العلامة ابن نجيم: خروج الهبة من ملك الموهوب له بالكلمة بان باع الهبة او هبها (البحر الرائق ج ۴ ص ۲۹۲ تحت باب الرجوع في الهبة)

الجواب :- امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک اشربہ اربعہ کے علاوہ جب شراب دیگر اناج و اشیاء سے بنائی گئی ہو تو بصورت شرعی مجبوری استعمال کرنا جائز ہے تو اس کی تجارت کی بھی گنجائش موجود ہے۔ موجودہ الکحل (جو کہ شراب ہی کی ایک قسم ہے) چونکہ پٹرول، جو، مکئی وغیرہ اشیاء سے بنائی جاتی ہے اور ضرورتاً بہت ساری ادویات، رنگوں کے علاوہ دیگر کیمیکلز میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے اس لیے بناء بر قول امام ابو حنیفہ اس کی خرید و فروخت جائز ہے، موجودہ دور میں عموم بلوئی کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے۔

قال العلامة الحصکفی: الشراب لغة كل مائع يشرب واصطلاحاً ما يسکر والمعمر منها اربعة..... وصح بيع غير الخمر - قال ابن عابدین: تحت قوله (صح بيع غير الخمر) ای عندہ خلافاً لهما فی الیبع والضمان لکن القتوی علی قوله فی الیبع - (رد المحتار ج ۶ ص ۴۵۲ کتاب الاشربة) لہ

سوال :- ایک آدمی نے دوسرے شخص سے کہا کہ حیوانات کی ادھار بیع کا حکم آپ اس سال مجھے اپنا بیل دے دیں میں اس کے

عوض میں آئندہ سال دوسرا بیل دے دوں گا، تو کیا شرعاً یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- مسئلہ صورت میں حیوان کی بیع حیوان کے بدلے میں بصورت قرض ہے جو کہ شرعاً حرام ہے، اس لیے دونوں عاقدین کی یہ عقد بیع جائز نہیں۔

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی بیع الحيوان بالحيوان نسيئة -
رمعانی الاشارة ج ۲ ص ۲۲۹ باب النهی عن بیع الحيوان بالحيوان نسيئة ۲ لہ

لہ قال العلامة المرغینانی: الاشربة المحرمة اربعة..... وقد بينا المعنى من قبل الا ان حرمة هذه الاشربة دون حرمة الخمر حتى لا يكفر مستعملها ويكفر مستعمل الخمر..... ويجوز بيعها ويضمن متلفها عند أبي حنيفة خلافا لهما فيهما الخ - (الهداية ج ۲ ص ۲۹۲ کتاب الاشربة)

۲ قال الشيخ ظفر احمد العثماني: لا يجوز بيع شيء من الحيوان من الرقيق ولا غيره بشيء من الحيوان الرقيق ولا غيره نسيئة لان الحيوان لا يجوز فيه السلم ای التاجیل وقال عن عبد الله بن مسعود انه نهى السلم في الحيوان - (اعلام السنن ج ۲ ص ۳۸۵ باب النهی عن بیع الحيوان بالحيوان نسيئة) ومثله في كتاب الفقه على المذاهب اربعة ج ۲ ص ۳۸ کتاب بیع، ارکان السلم۔

خشک و تر کھجور میں تفاضل | سوال :- تیار کھجور جو کہ عام طور پر بازار میں ملتی ہے اگر اس کو تر یعنی کچی کھجور سے (جو کہ ابھی تک درخت پر ہے) دو گنا زیادہ وزن سے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بازار میں دونوں کی قیمت میں بہت فرق ہے، مثلاً تر کھجور فی کلو دس روپے اور تیار کھجور تیس روپے فی کلو کے حساب سے فروخت کی جاتی ہے۔

الجواب :- احناف کے نزدیک رطب اور تمر دونوں ایک جنس سے ہیں اس لیے ان کی بیع برابر برابر کی جائے گی، زیادتی رطب (سود) میں داخل ہے، لہذا تر کھجور کو عام کھجور کے مقابلہ میں دو گنا وزن یا قیمت پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة بوہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: ویجوز بیع الرطب بالتمر مثلاً بمثل عند ابو حنیفۃؒ وقال لا یجوز لقولہ علیہ السلام حین سئل عنہ او ینقص اذا حنف فقیل نعم فقال علیہ السلام لا اذا ولہ ان الرطب تمر لقولہ علیہ السلام حین اُھدی الیہ رطباً وکل تمر خیبر ہکذا سماہ تمرّاً وبیع التمر بالتمر بمثلہ جائز۔ (الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج ۶ ص ۱۶۸ باب الرطب)۔

مختلف ممالک کی کرنسی کی تجارت کا حکم | سوال :- آج کل صرف بازار میں ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی سے زیادہ داموں بیچنے کا رواج عام ہے، مثلاً ایک آدمی نے امریکی ڈالر ایک دن قبل بیچا جس روپے کا لیا ہے اب وہ اس کو پچپن روپے میں فروخت کرتا ہے۔ تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- دو ملکوں کی کرنسی چونکہ مختلف الاجناس اشیاء میں داخل ہے اور اسی وجہ سے ان کے نام کی اکائیاں وغیرہ مختلف ہوتی ہیں، اور مختلف الاجناس اشیاء

العلامة اکل الدین الباریؒ: (قال ویجوز بیع الرطب بالتمر مثلاً بمثل) بیع الرطب بالتمر متفاضلاً لا یجوز بالاجماع ومثلاً بمثل جوزہ ابو حنیفۃؒ خاصة وقال لا یجوز۔

(العناية علی هامش فتح القدیر ج ۶ ص ۱۶۸ باب الرطب)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۱ باب الرطب۔

کو تفاضل کے ساتھ بیچنا جائز ہے، لہذا ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی سے
تفاضل کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

قال العلامة المحقق رحمه الله: وان عدم..... حلا كحسوي بهر وبين لعدم العلة
بقى على اصل الاباحة وان وجد احدهما اي القدرة وحده او الجنس حل
الفصل وحرم النسياء ولو مع التساوي - (الدم المختار على صدر زاد المختار ج ۵ ص ۱۴۲)
باب الربو، مطلب في الابرار عن الربا (لہ)

قبل القبض کسی چیز کی فروخت کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! میں چاہتا ہوں

ہوں، اس تجارت میں بعض اوقات زمین اور مکانات وغیرہ کا اس کے مالک سے قبضہ لے
لیا جاتا ہے تاکہ اس کو کسی اور شخص پر فروخت کر دیا جائے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب:- اگرچہ قبل القبض کسی چیز کا فروخت کرنا شرعاً ممنوع ہے، البتہ احناف کے
نزدیک زمین اس حکم سے مستثنیٰ ہے، لہذا زمین پر قبضہ کرنے سے قبل اس کی بیع کرنا جائز ہے۔

قال الشيخ عبد الرحمن الجزائري: أما البيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض
والصياح والخيول والدور ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها فإنه
يصح - (كتاب الفقه على مذاهب الأربعة ج ۲ ص ۲۳۴ کتاب بیع، بحث التصرف في البيع) (لہ)

لہ قال العلامة برهان الدين المرغيناني: واذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم اليه حل
التفاضل والنسياء لعدم العلة المحرمة والاصل فيه الاباحة واذا وجد احرا التفاضل
والنسياء لوجود العلة واذا وجد احدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرماً النسياء -
(الهداية على فتح القدير ج ۶ ص ۱۵۳ باب الربو)

وَمَثَلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۶ ص ۱۵۳ بَابِ الرَّبْوِ -

لہ قال الشيخ طقرا احمد العثماني رحمه الله: والثالث لا يجوز بيع مبيع قبل
قبضه الا الدور والارض قاله ابو حنيفة وابو يوسف - (مجموع الفتاوى ج ۲ ص ۲۳۶)

(اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۲۳۶ باب النهي عن بيع المشتري قبل القبض)

وَمَثَلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۵ ص ۱۸۱ فِصْلُ شَرَايِطِ صَحَّةِ الْبَيْعِ -

قسطوں کے اختتام سے قبل گاڑی کو پہنچنے | سوال :- اگر ایک گاڑی قسطوں پر
 والے نقصان کا ذمہ دار کون ہے ؟ | خریدی جائے اور قسطوں کی مکمل ادائیگی سے
 قبل اگر گاڑی کو کوئی نقصان پہنچ جائے
 تو یہ نقصان بائع کا متصور ہوگا یا مشتری کا ؟ قرآن و سنت سے جواب غنایت فرما کر
 مشکور فرمائیں ؟

الجواب :- بیع چاہے نقد رقم سے ہو یا ادھار سے، ایجاب قبول کر لیئے اور قبضہ
 ہو جانے پر بیع تام ہو جاتی اور بیع مشتری کی ملکیت بن جاتی ہے، اس کے بعد بیعہ کو
 جو نقصان پہنچے گا وہ مشتری کا ہوگا، بائع پر رجوع صحیح نہیں، تاہم اگر بیعہ بائع کی ملکیت
 میں ہلاک ہو جائے تو نقصان بائع پر ہوگا۔

قال العلامة سليم رستم باد: المبيع اذا هلك في يد البائع قبل ان يقبضه
 المشتري يهلك من مال البائع ولا شيء على المشتري اذا هلك المبيع بعد القبض
 هلك من مال المشتري ولا شيء على البائع. شرح مجلة الاحكام. المادة ۲۹۳، ۲۹۴
 الفصل الخامس

قسط لیٹ ہونے کی وجہ سے بیع واپس نہیں ہو سکتا | سوال :- گاڑیوں کی
 بعض لوگ قسطوں میں گاڑی فروخت کرتے وقت یہ شرط لگاتے ہیں کہ اگر مشتری نے اتنی مدت
 میں تمام قسطیں ادا نہ کیں تو ادا کی گئی اقساط ضبط متصور ہوں گی اور بیعہ میری ملکیت ہوگا،
 اور دونوں (بائع اور مشتری) ان شرائط پر دستخط کرتے ہیں۔ دریافت طلب بات یہ ہے
 بعض اقساط لیٹ ہو جانے یعنی عدم ادائیگی کی صورت میں بائع بیعہ کو واپس لینے کا

له قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ولو قبضه المشتري و هلك في يده في
 مدة الخيار ضمنه بالقيمة ولو هلك في يد البائع انفسخ البيع لاشئ على
 المشتري اعتباراً بالبيع الصحيح المطلق. (المهداية على صدر فتح القدير
 ج ۵ ص ۵۰۴ کتاب البيوع)

ومثله في فتح القدير ج ۵ ص ۵۰۴ کتاب البيوع۔

شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب :- خرید و فروخت میں ایجاب و قبول کر لینے سے بیع تمام ہو جاتی ہے، اس کے بعد فریقین میں سے کسی کو بھی شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر بیعہ پر ہاتھ ڈالے۔ اسی بناء پر صورت مسئلہ میں اس قسم کی شرائط طے کرتا لغو ہے، رقم بدستور مشتری کے ذمے واجب الادا ہے، اور اگر وہ مال مٹول سے کام لیتا ہو تو قانون کا سہارا لے کر رقم وصول کی جاسکتی ہے، اس طرح بیت و بعل کرنے سے اس کے ذمہ باقی اقساط ختم نہیں ہو جاتیں اور نہ بائع بغیر اس کی رضامندی کے بیعہ واپس لے سکتا ہے۔

قال العلامة سليم رستم بازم: اذا كان البيع لازماً فليس لحد المتبايعين الرجوع عنه۔ (شرح مجلة الاحكام۔ المادة ۳۵۷^۳ الفصل الثاني في احكام انواع البيوع) لے

گاہکوں کو مختلف قیمتوں پر سودا بیچنے کا شرعی حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دوکاندار حضرات

ایک گاہک کو ایک دام سے کوئی چیز دیتا ہے جبکہ دوسرے گاہک کو وہی چیز کسی اور دام سے دیتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا کہ دونوں گاہکوں میں برابری کرنا ضروری ہے؟

الجواب :- بیع نام ہے ایک مال کو دوسرے مال سے، باہمی رضامندی سے تبدیل کرنا، شریعت نے اس معاملے میں کسی کو پابند نہیں کیا ہے، اس لیے دوکاندار کا ایسا کرنا جائز ہے تاہم ناجائز منافع سے پرہیز کیا جائے۔

قال العلامة علي حيدراً: وجائز تعريف البيع في كثير من الكتب الفقهية بانه مبادلة المال بالمال بالرضاء۔ (در الاحكام شرح مجلة الاحكام مج ۱^۴ مقدمة في بيان الاصطلاحات الفقهية) لے

قال العلامة علي حيدراً: ليس لحد المتبايعين او وراثته في البيع انفاذاً لازماً ان يرجع عنه رضاً او خرباً

من الوجوه۔ (در الاحكام شرح مجلة الاحكام ج ۱^۵ الفصل الثاني في بيان احكام انواع البيوع) لے قال العلامة ابن الهمام: فقال فخر الاسلام البيع لغة مبادلة المال بالمال وكذا في الشرع لكن

زيد فيه قيد التراضي۔ (فتح القدير ج ۵ ص ۴۵۵ کتاب البيوع)

ومثله في كنز الدقائق ص ۲۲ کتاب البيوع۔

تجارت میں منافع کا تعین نہیں | سوال :- بعض تاجر ایک چیز جس قیمت سے

خریدتے ہیں پھر اس کو دو گنا، سہ گنا، بلکہ اس سے بھی زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کیا اسلام نے منافع کے لیے کوئی حد مقرر کی ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مقدسہ نے تجارت میں مال کے منافع کی کوئی خاص حد مقرر نہیں کی، یہ دونوں عاقدین کا باہمی معاملہ ہے، جس طرح طے پا جائے اسی طرح جائز ہے البتہ اس حد تک منافع لیتا کہ جس سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہو خلاف مروت ہے حکومت وقت پر لازم ہے کہ وہ ناجائز منافع خوری پر قابو پانے کے لیے مناسب اقدام کرے۔
قال العلامة علی حیدر: جامع تعریف البیع فی کثیر من الکتب الفقہیۃ بانہ مبادلة المال بالمال بالرضا۔ رد المحتار بحکم شرح مجلة الاحکام جم اصلاً مقدمہ فی بیان الاصطلاحات الفقہیۃ (۱)

بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا مال فروخت کرنا | سوال :- کیا بیوی اپنے شوہر کی

فروخت کر سکتی ہے یا نہیں، مطلع ہونے پر شوہر کو اپنی چیز واپس لینے کا اختیار ہے یا نہیں؟
الجواب :- بیوی باوجود قربت کے شوہر کے مال میں بمنزلہ اجنبیہ کے ہے جس میں اس کے تصرفات، تصرفات فضولی کے حکم میں ہے، علم ہو جانے پر شوہر کو اختیار ہے کہ وہ ایسی بیع کو باقی رکھے یا مسترد کرے۔

قال العلامة الحنفی: کل تصرف صدقہ تملیکاً کان کیس و تزویج و اسقاطاً کلاً و اعتاق و لہ مجیزای لہذا التصرف من یدبر علی اجازتہ حال وقوعہ انعقد موقوفاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ فصل فی الفصول کتاب البیوع) ۲
قال العلامة ابوالبرکات النسفی: ہو مبادلة المال بالمال بالتراضي۔ (کنز الدقائق ص ۲۲ کتاب البیوع) ومثله فی فتح القدیر ج ۵ ص ۲۵۵ کتاب البیوع۔

قال العلامة سلیم رستم باز: البیع الذی یتعلق بہ حق الغیر کیس الفصولی و بیع المرہون یتعقد موقوفاً علی اجازة ذلک الآخر۔ (مجلۃ الاحکام - المادۃ ۳۶۸ کتاب البیوع)
ومثله فی درر الاحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۱ ص ۳۹۱ الباب السابع - تحت المادۃ ۳۶۸۔

بجلی کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! بجلی کی بیع و ثمرہ جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بجلی کوئی عین نہیں؟

الجواب :- چونکہ بیعہ کا عین ہونا ضروری نہیں اس لیے اگر کوئی چیز عین نہ ہو مگر عرفاً وہ مال سمجھی جاتی ہو تو اس کی بیع جائز ہے، لہذا بجلی اگرچہ عین نہیں لیکن اس کی بیع و ثمرہ جائز ہے اس لیے کہ اس قسم کی اشیاء مالیت میں داخل ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : المالیۃ تثبت بتمول الناس كافة
او بعضهم۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۸ کتاب البیع مطلب فی تعریف المال والملك) ۱

ڈرافٹ کی رسید کی بیع کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! میرا بھائی سعودی عرب میں محنت مزدوری کرتا ہے، اگر وہ ڈرافٹ کے ذریعے

کچھ پیسے پاکستان اپنے اہل و عیال کے لیے بھیجے اور کسی وجہ سے وہ ڈرافٹ لیٹ ہو جائے اور اس کے اہل خانہ کو رقم کی اشد ضرورت ہو تو کیا میں اُن کے اہل خانہ سے اس ڈرافٹ کی مالیت کے عوض وہ ڈرافٹ خرید سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب :- ڈرافٹ بل اگرچہ فی ذاتہ ایک کاغذ ہے جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں مگر اس وقت وہ ایک معین رقم کی نمائندگی کرتا ہے اس لیے اس وقت بناء بر عرف وہ بھی قیمتی مال بن چکا ہے اس لیے اس کو اتنی قیمت کے بدلے خریدنا جائز ہے جتنی کہ اس کی مالیت ہے، اسی طرح ٹریول چیک اور بانڈز وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : والمالیۃ تثبت بتمول الناس كافة
او بعضهم۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۸ کتاب البیع مطلب فی تعریف المال والملك) ۲

۱۔ قال الشيخ وهبة الزحيلي : المال هو كل عين ذات قيمة مادية بين

الناس۔ (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۲ ص ۳۲۵ الفصل الاول عقد البیع ۲)
وَمَثَلُهُ فِي الدَّرَجَاتِ الْمُنتَقَى عَلَى هَامِشٍ مُّجْمَعٍ لَآلِئِهِ ج ۲ کتاب البیوع۔

۲۔ قال الشيخ وهبة الزحيلي : المال هو كل عين ذات قيمة مادية بين

الناس۔ (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۲ ص ۳۲۵ کتاب البیوع ۲)

وَمَثَلُهُ فِي الدَّرَجَاتِ الْمُنتَقَى عَلَى هَامِشٍ مُّجْمَعٍ لَآلِئِهِ ج ۲ کتاب البیوع۔

زندہ مرغی کو تول کر فروخت کرنا | سوال :- آجکل بازار میں زندہ مرغیاں تول کر فروخت کی جاتی ہیں جبکہ ان کا گوشت

حساب شدہ وزن سے کم ہوتا ہے، تو کیا ایسا معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- چونکہ زندہ مرغیوں کے مروجہ طریقہ بیع میں پولٹری فارم والا مشتری پر صرف گوشت فروخت نہیں کرتا بلکہ وہ زندہ مرغی فروخت کرتا ہے اس لیے اصل بیع معلوم ہونے کی وجہ سے ایسا معاملہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی رحمہ اللہ : البیع شرعاً مبادلة شیء مرغوب فیہ بمثلہ علی وجه مفید مخصوص ای بايجاب او تعاطا۔
 (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵ کتاب البیوع)۔

مرغیوں کی بیٹ کو بطور کھاد فروخت کرنا | سوال :- جناب مفتی صاحب!

آجکل مالکان پولٹری فارم مرغیوں کی بیٹ کو بصورت کھاد زمینداروں پر فروخت کر دیتے ہیں، کیا شرعی ایسی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس بیع سے وصول شدہ رقم کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ پولٹری فارم کی کھاد صرف مرغیوں کی بیٹ پر مشتمل نہیں ہوتی بلکہ اس میں چاول کا چھلکا، مٹی اور لکڑی وغیرہ کا برادہ اور دیگر کئی اشیاء خلط ملط ہوتی ہیں اس لیے اس کو فروخت کرنا مریض اور اس سے حاصل ہونے والی رقم بھی جائز اور حلال ہے، فقہی ذخائر میں اس کے نظائر موجود ہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی رحمہ اللہ : ورجیع الآدمی لم یغلب علیہ التراب فلو مغلوباً بہ جاز کسرقین و بعر و اکتفی فی البحر بمجرد خلط

لہ قال الشیخ و ہبۃ الزحیلی : البیع : واصطلاحاً عند العنقیۃ مبادلة مال بمال علی وجه مخصوص او هو مبادلة شیء مرغوب فیہ بمثلہ علی وجه مخصوص ای بايجاب او تعاطا۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۴ ص ۳۲۴۔ الفصل الاول عقد البیع)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۳ کتاب البیوع۔

بتراب۔ قال ابن عابدینؒ تحته ویجوز بیع السرقة والسرقة والانتفاع به والوقود به۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۱ فصل بیع الفاسد۔ قبل مطلب آدمی مکرم شرعاً وکافر)۔

تصنیف یا طباعت کے حقوق فروخت کرنا | سوال :- آجکل تصنیف و تالیف اور طباعت کے حقوق کی تجارت عام

ہے، مصنف حضرات اپنی تصانیف کے مسودے تاجران کتب پر منگے داموں فروخت کر دیتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- حق تصنیف اگرچہ حقوق مجرّدہ سے متعلق ہے مگر حقوق مجرّدہ کی بھی قسمیں ہیں، (۱) وہ حقوق جن کے ساتھ مالی منفعت وابستہ ہو جیسے حق وظیفہ وغیرہ۔ (۲) دوسرے وہ حقوق جن کے ساتھ مالی منفعت متعلق نہیں جیسے حق شرف وغیرہ۔ شریعت اسلامی میں مالی منفعت والے حقوق سے دستبرداری کے عوض مال لیتا جائز ہے۔ حق تصنیف کے ساتھ بھی دور حاضر میں چونکہ مالی منفعت وابستہ ہے اس لیے اس کی بیع و شراد جائز ہے، فقہی اصطلاح میں اس کو حق اسبقیت کہا جاتا ہے۔

قال المصنفی: ولا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة بحق الشفعة وعلى هذا لا يجوز الاعتياض عن الوظائف بالآوقاف وفيها في آخر بحث تعارض العرف مع اللغة المذهب عدم اعتبار العرف الخاص لكن افتى كثر باعتبار وعليه فيفتي بجواز النزول عن الوظائف بمال۔
رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۱ کتاب البيوع ۲ ص ۱۱۱

۱۔ قال الشيخ وهبة الزحيلي: ولا بأس ببيع السرقة والسرقة وهو الزبل وبيع البعر لانه منتفع به لأنه يلقى في الأرض لاستكثار الرمح فكان مالا والمال محل للبيع۔

(الفقه الاسلامي وادلته ج ۲ ص ۲۲۶ بيع التجس والمتنجس)

۲۔ قال العلامة خالد اتاسي: اقول على ما ذكره من جواز الاعتياض عن الحقوق المجردة بمال ينبغي ان يجوز الاعتياض عن التعلی وعن حق الشرب وعن حق المسيل بمال۔۔۔۔۔ كما جاز النزول عن الوظائف ونحوها لاسيما اذا كان صاحب حق العلو فقيراً قد عجز عن إعادة علوه فلولم يرجز ذلك له على الوجه الذي ذكرناه يتضرر فليتنامل وليخرس (شرح مجلة الاحكام۔ مادة ۲۱۶)

مجلد ۱۲ الفصل الثاني في بيع ما يجوز وما لا يجوز

ومثله في نظام الفتاوى ج ۲ ص ۳۱۲ کتاب المعاملات۔

فارمی مرغیوں کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- آجکل جو فارمی مرغیاں
 دی جاتی ہے اس میں دیگر چیزوں کے علاوہ خشک خون بھی ہوتا ہے جو کہ حرام ہے،
 تو کیا اس طرح خون کھانے والی مرغیوں کی خرید و فروخت اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- اگر ان مرغیوں میں نجاست اور خون علیٰ ہوتی خوراک کھانے کی
 وجہ سے بدبو پیدا ہو جاتی ہو تو پھر ان کا کھانا جائز اور خرید و فروخت مکروہ ہے،
 اور اگر ان مرغیوں کو نجاست اور خون وغیرہ کھلانا بند کر کے پاک غذا کھلائی جائے
 یہاں تک کہ ان کی بدبو بالکل ختم ہو جائے تو پھر ان کا کھانا بیع و شراء اور ہبہ وغیرہ
 سب درست ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وفي الملتقى المکروه الجلالة التي اذا قرئت
 وجب منها رائحة فلا توکل ولا يشرب لبنها ولا يعمل عليها ولا يکره
 بيعها وهبتها وفي تلك حالها۔ (رد المحتار حاشية على الدر المختار
 جلد ۵ ص ۲۱۵ کتاب الذبائح) ۱۷

چونکہ اس بارے میں تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مرغیوں کی غذا میں
 خون یا دوسرے نجس اجزاء نہایت کم مقدار میں ہوتے ہیں، دوم یہ کہ اس غذا کی
 تیاری میں کیمیکلز استعمال ہوتے ہیں جس کی وجہ سے خون اور دیگر نجس اجزاء کے
 ماہیت بدل جاتی ہے، لہذا قلب ماہیت اور اجزاء نجس کے مغلوب ہو
 جانے کی وجہ سے فارمی مرغیوں کا کھانا، ان کی خرید و فروخت اور ہبہ وغیرہ
 سب درست اور جائز ہے۔

۱۷ وفي الهندیة: انما تكون جلالة اذا نتن وتغير لحمها ووجدت منه
 ريح منتنة فهي الجلالة حينئذ لا يشرب لبنها ولا يوکل لحمها وبيعها
 وهبتها جائز هذا اذا كانت لا تغلط ولا تأکل الا العذرة غالباً الخ۔
 (الفتاویٰ الهندیة ج ۵ ص ۲۸۹ الباب الثانی فی بیان ما یوکل من المیون ومالا)
 ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۲۳ کتاب الکراهیة۔

کتیا کا دودھ پینے والے گائے کے بچے کی خرید و فروخت کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس

مسئلہ کے بارے میں کہ گائے کا بچہ اگر کتیا کا دودھ پی لے اور مالک کو پتہ لگ جائے کہ اس بچہ نے کتیا کا دودھ پیا ہے، اب اگر مالک اس کو فروخت کرنا چاہے تو کیا اس کی خرید و فروخت اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر گائے کے اس بچے نے چند دن بعد پاک خوراک کھالی ہو تو پھر اس کی خرید و فروخت کرنا اور کھانا لا باس ہے ورنہ کراہت سے خالی نہیں۔
لما فی الہندیۃ، الجدی اذا کان یرقی بلبن الاتان والخنزیران اعتلف ایاماً فلا باس بمنزلۃ الجلالة والجلالة اذا حبست ایاماً فعلقت لا باس بہا فکذا ہذا۔

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۹ الباب الثانی فی بیان ما یؤکل من الحیوان وما لا یؤکل (۱)

بائع اول کا مشتری ثانی سے واپس خریدنا جائز ہے | سوال:- زید نے عمرو

فروخت کی، بعد میں عمرو نے وہ گاڑی بکر کو تین چار مہینے کے قرض پر دے دی، اب اگر زید اس گاڑی کو بکر سے فروخت کر دہ قیمت سے کچھ کم یا زیادہ قیمت پر خرید لے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اسے سود کا معاملہ قرار دیتے ہیں تو کیا واقعی یہ سودی معاملہ ہے؟

الجواب:- صورت مسئلہ میں بائع اول کے لیے یہ بیعہ مشتری ثانی سے اُس قیمت سے کم یا زیادہ پر خریدنا جائز ہے جس قیمت پر اس نے مشتری اول پر بیچا تھا اس میں سود کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی۔

لما فی الہندیۃ، ولو باع المشتري من رجل ثم ان البائع الاول اشتراه

لہ قال العلامة المحقق: وکرة لحمہما ای الجلالة..... کما حل اکل جدی غذا بلبن خنزیر لان لحمہ لا یتغیر وما غدی بہ یریب مستہلکاً۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۴ کتاب الخطر والاباحۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۱۸۲ کتاب الکراہیۃ۔

من المشتري الثاني باقل مما باع جاز۔ (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۱۳۲ الفصل العاشر في بيع شيئين أحدهما لا يجوز البيع فيه.....) لہ

نابالغ یتیموں کی جائیداد کی خرید و فروخت کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے

بارے میں کہ چار یتیم بھائی ہیں جن میں سے ایک بالغ اور تین نابالغ ہیں، جن کا کابل شہر (افغانستان) میں ایک مکان ہے، اب وہاں کے حالات کی خرابی اور کمیونسٹ انقلاب کے پیش نظر بالغ بھائی اس مکان کو فروخت کرنا چاہتا ہے کیونکہ خطرہ ہے کہ مکان غصب نہ ہو جائے، تو کیا ان تین نابالغ اور ایک بالغ بھائی کے مشورے سے اس مکان کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں اگر مکان نہ بیچنے سے ان یتیموں کا نقصان ہو رہا ہو تو اس کو بیچ دیا جائے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم سے ان کے لیے کوئی دوسرا محفوظ پلاٹ، مکان یا زمین خرید لی جائے یا وہ صورت اختیار کی جائے جس میں ان یتیموں کو فائدہ ہو ضرر اور نقصان نہ ہو۔

قال العلامة الحصكفي: وجاز شراء مالا بد للصغير منه وبيعه اى بيع مالا بد للصغير منه لانه وعتم وائم۔ (الدر المختار على هامش والمختار ج ۵ ص ۲۴۶ فصل في البيع، كتاب المحطرو والاباحة) لہ

لہ قال العلامة الحصكفي: المشتري اذا باع البيع من آخر قبل اقد الثمن جاز للبائع شراؤه منه بالاقل۔ (الدر المختار على هامش والمختار ج ۴ ص ۱۶۴ باب الاقالة) ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص ۶۱ باب الاقالة۔

لہ قال العلامة ابن نجيم: وشراء مالا بد للصغير منه وبيعه للعم والام والمملوق..... يعنى يجوز لهؤلاء الثلاثة ان يشتروا للصغير ويبيعوا مالا بد منه وذلك مثل النفقة والسكوتة ولا نه لولم يكن لهم ذلك لتضر الصغير وهو ممنوع۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۹۸ فصل في البيع، كتاب الكراهية)

نزاع باری سے متاثر ہونے والی مچھلیوں کی خرید و فروخت کا حکم | سوال: بعض اوقات بارش

اور نزاع باری کی وجہ سے مچھلیاں پانی کے اوپر تیرنے لگتی ہیں جو کہ بظاہر مری ہوئی نظر آتی ہیں لیکن ان میں کسی قسم کی بدبو اور تعفن نہیں ہوتی، تو بعض لوگ ان مچھلیوں کو اکٹھا کر کے فروخت کرتے ہیں، تو کیا اس طرح کی مچھلیوں کا کھانا اور فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو مچھلی طبعی موت سے مری ہو تو اس کا کھانا اور خرید و فروخت برائے خوراک جائز نہیں ہے اور جو مچھلی کسی عارضی سبب مثلاً بارش یا اولے وغیرہ پڑنے کی وجہ سے مری ہو تو اس کا کھانا اور خرید و فروخت جائز ہے، لہذا صورت مسئلہ کی بیع بھی درست ہے۔

لما فی الہندیۃ: والاصل ان السمک متی مات بسبب حادث حل اکلہ وان مات حتف انفہ لا بسبب ظاہر لا یحل اکلہ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۸۸ الباب السادس فی البیید السمک)

سوال: ایک شخص نے دو جریب زمین بیعہ میں زیادتی بائع کا حق ہے فروخت کی اور اس کا حدود اربعہ بھی

لکھ کر دیدیا اور ہر جریب کی قیمت بھی متعین کر لی، بیع کے بعد زمین مذکورہ کی پیمائش کی گئی تو وہ متعین مقدار سے زائد نکلی، اب یہ زائد زمین مشتری کا حق ہے یا بائع کا؟

الجواب: صورت مسئلہ میں مقدار متعینہ سے زائد زمین بائع کا حق ہے، البتہ مشتری کو یہ اختیار حاصل ہے کہ یا تو وہ اس بیعہ کو چھوڑ دے یا پھر اضافی رقم بائع کو ادا کر کے کل بیعہ لے لے۔

لما قال العلامة الحصکفی: ولا یحل حیوان مائی الا السمک الذی مات بافۃ ولو متولداً فی ماء نجس ولو طافیۃ بحروحة وھبانیۃ غیر الطافی علی وجه الماء الذی مات حتف انفہ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۱۶ کتاب الذیائح)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۸۲ فصل فی ما یحل وما لا یحل۔

لما في الهندية؛ ولو قال بعت منك هذا الثوب أو هذه الأرض على
انها عشرة أذراع كل ذراع بدرهم فوجدها عشرة لزمته بعشرة درهم
ولا خيار له وان وجدها خمسة عشر ذراعاً فهو بالخيار ان شاء
اتخذ الجميع كل ذراع بدرهم وان شاء تركها۔ (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۱۲۳)
الفصل الثامن في جهالة المبيع والتمن (۱)

تصاویر کی خرید و فروخت کا شرعی حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! میں تصاویر
کا کاروبار کرتا ہوں، کیا یہ کاروبار جائز ہے

یا نہیں؟ اور اس کی آمدنی حلال ہے یا نہیں؟
الجواب :- کسی بھی ذی روح کی فوٹو اور تصاویر بنانا اور ان کی خرید و فروخت
ناجائز اور حرام ہے، ظاہر ہے کہ ناجائز اور حرام کاروبار سے حاصل ہونے والی
آمدنی بھی ناجائز ہی ہوتی ہے۔

لما اخرج الامام محمد بن اسماعيل البخاري عن نعنون ابن ابى جعيفة عن
ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الدم و ثمن الكلب و كسب
البنغي و لعن اكل الربو و موكله و الواشمة و المستوشمة و المصور۔

(صحيح البخاري ج ۲ ص ۸۸ باب من لعن المصور۔ كتاب اللباس) ۲

زقوم کا پھل کھانے اور اس کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- بعض لوگ
زقوم (مقہور) کا پھل

۱۔ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وان زاد شيء عليه فهو للبائع
لان البيع وقع على مقدار معين والقدر ليس بوصف۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۸۸ كتاب البيع)

۲۔ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: ولا يجوز على الغناء والنوح والملاهي لان
المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد فلا يجب عليه الاجر من غير
ان يستحق عليه لان المبادلة لا تكون الا عند الاستحقاق۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۲ باب الاجارة الفاسدة)

بڑے شوق سے کھاتے ہیں اور آجکل بازاروں میں اس کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے۔
 جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زقوم جہنم کا درخت ہے اس لیے اس کا پھل کھانا اور خرید و فروخت
 جائز نہیں ہے، تو کیا یہ صحیح ہے؟
الجواب :- دنیا کے زقوم اور جہنم کے زقوم میں زمین آسمان کا فرق ہے اور زقوم
 کے پھل میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے لہذا اس کا کھانا اور خرید و فروخت دونوں
 جائز ہیں۔

قال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ: (البيع شرعاً مبادلة شیء مرغوب فیہ بمثلہ
 خرج غیر المرغوب کتاب ومیتة ودم الخ۔) (الدہ المختار علی هامش
 رد المختار ج ۴ ص ۴۴۰ کتاب البیوع)۔

اجرت قبل القبض کی خرید و فروخت کا حکم | زید ٹھیکداری کا کام کرتا ہے۔ اس کے ہاں

کاروبار کا یہ طریقہ ہے کہ وہ دوسرے اشخاص سے گاڑیاں کرایہ پر لے لیتا ہے اور اجرت کی رسید
 دیتا ہے۔ مگر اجرت کا کام ختم ہونے کے بعد دیتا ہے۔ اب اگر گاڑی کے مالک کو پیسوں کی ضرورت ہو۔
 اور وہ اس رسید کو ٹھیکدار یا کسی دوسرے پر فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو کیا وہ اسی طرح
 شرعاً کر سکتا ہے یا نہیں۔ بیِّنُوا توجروا ۵

الجواب :- بیع کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ بائع کو بیعہ پر ملک تام حاصل
 ہو اور بیعہ قبل القبض پر چونکہ ملکیت تام حاصل نہیں ہوتی اس لیے ایسی بیع درست
 نہیں ہوتی، اسی طرح صورت مسئلہ میں چونکہ موہرنے اجرت کو قبل القبض فروخت
 کیا ہے اس لیے یہ معاملہ درست نہیں۔

قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: لا یملک الاجرة الا بواحد من
 له قال العلامة ابن نجیم: (البيع هو مبادلة المال بالمال بالتراضي۔۔۔۔۔ وفي كشف الكبير
 المال ما يميل اليه الطبع۔۔۔۔۔ والمالية انما تثبت بتمول الناس كافة او
 يتقوم البعض والتقوم يثبت بها وبأياحة الانتفاع له شرعاً۔
 (البحر الرائق جلد ۵ ص ۲۵۶ کتاب البیوع)

هذه الأربعة والمراد أنه لا يستحقها الموجد إلا بذلك لكن ليس له بيعها قبل قبضها - (البحر الرائق ج ۳ ص ۳ کتاب الاجارة) ۱

گدھوں اور گتوں کے گوشت کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- بعض ممالک میں گدھوں اور گتوں کا

کا گوشت بازار میں فروخت کیا جاتا ہے تو کیا گدھے اور گتے کو ذبح کر کے ان کا گوشت وغیرہ فروخت کرنا عند الاحناف جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- گدھے اور گتے کو اگر باقاعدہ ذبح کیا گیا ہو تو پھر ان کا گوشت اور چمڑا بیچنا جائز ہے، لیکن فروخت کرنے کے جوار سے کھانے کا جوار لازم نہیں آتا۔

لما في الهندية: ويجوز بيع لحوم السباع والحمير المذبوحة في الرواية الصحيحة ولا يجوز بيع لحوم السباع الميتة كذا في محيط السرخي وأما جلود السباع والحمير والبقال فما كانت مذبوحة أو مذبوغة جازاً ببيعها وما لا فلا - (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۱۱۵ الفصل الخامس في بيع المحرم الصيد وفي بيع المحرمات) ۲

شیر اور رتچھ کی چربی کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- شیر اور رتچھ کی چربی کو حکماء اور طبیب حضرات خرید

کر اسے مختلف امراض میں دوائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، تو کیا ان درندوں کی چربی کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر یہ چربی مذبووح شیر اور رتچھ کی ہو تو اس کی تجارت جائز ہے جبکہ

۱ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: قوله وما يستجره الانسان الخ ذكر في البحر ان من شرائط المعقود عليه ان يكون موجوداً فلم يتعقد ببيع المعدوم الخ (رد المختار ج ۴ ص ۳ مطلب في بيع الاستجرار)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۳ ص ۳ کتاب البيوع -

۲ قال العلامة ابن عابدین: قوله وجلد ميتة قيد بها لانها لو كانت مذبوحة ذبائح لحمها او جلدها جاز لانها يطهر بالزكاة الا الخنزير خانية -

(رد المختار حاشية على الدر المختار ج ۴ ص ۱۲۴ مطلب الدرهم والذئير جنس واحد في مسائل)

مردار زچھ اور شیر کی چربی کی تجارت جائز نہیں ہے۔

لما فی الہندیۃ : و یجوز بیع لحوم السباع والحمر المذبوحة فی الروایۃ الصحیحۃ ولا یجوز بیع لحوم السباع المیتۃ کذا فی محیط السرخسی۔

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۱۵ الفصل الخامس فی بیع المحرم الصيد فی بیع المحتما

فتح سے پہلے کھال کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- قربانی کے جانور کی کھال قربانی کرنے سے پہلے

فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قربانی کرنے سے پہلے جانور کے چرم وغیرہ کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

لما فی الہندیۃ : ولوباع الجلد والکرش قبل الذبح لا یجوز فان ذبح بعد ذلک ونزع الجلد والکرش وسلم لا ینقلب العقد جائزاً کذا فی الذخیرۃ۔

{ الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۲۹ الفصل التاسع
فی بیوع الاشیاء المتصلۃ بغيرها ----- }

صحیح چیز میں ردی کی ملاوٹ کر کے فروخت کرنا | سوال :- ایک شخص علی قسم

اور ادنیٰ یعنی ردی قسم کی مکئی کم قیمت پر خریدتا ہے پھر ان دونوں کو ملا کر ان کے معیار کے مطابق نرخ مقرر کر کے فروخت کرتا ہے، تو اس طرح کا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟
الجواب :- اگر خریدنے والے کو اس ملاوٹ کے متعلق بتا دیا جائے اور پھر بھی

القال العلامة ابن عابدین : قوله و جلد میتۃ قید بہا لانہا لو کانت مذبوحة فباع لحمها او جلدھا جاز لانہ یطہر بالزکوۃ الا الخنزیر خانیۃ۔

رد المحتار حاشیۃ علی الدر المختار ج ۳ ص ۱۲۸ مطلب الدر اہم والدنا یرحس واحد مسائل

وقال ایضاً : بخلاف الودک ای دھن المیتۃ لانہ جزئھا فلا یکون مالاً

ابن ملک فلا یجوز بیعہ الخ۔ (رد المحتار حاشیۃ علی الدر المختار ج ۳ ص ۱۲۸ مطلب الدر اہم والدنا یرحس واحد)

ومثله فی الخانیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۲ ص ۱۵۳ باب بیع الفاسد۔

خرید لیتا ہے تو یہ معاملہ لا باس بہ ہوگا، اور اگر خریدار کو اس ملاوٹ کے متعلق نہ بتایا جائے اور وہ اسے عمدہ اور ملاوٹ سے پاک کٹی سمجھ رہا ہو تو یہ معاملہ اس حدیث کی وعید میں داخل ہے: **مَنْ غَشَا فَلَيْسَ مِنَّا**۔

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر برجل یبیع طعاما فسالہ کیف تبیع؟ فاخبرہ فاوحی الیہ ان ادخل یدک فیہ فادخل یدہ فیہ فاذا هو میلول فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من غش۔
ربذل المجھود فی حل ابی داؤد ج ۵ کتاب البیوع۔ باب فی النہی عن الغش لہ

زبانی سودا بیع بالمعدوم کے حکم میں ہے | سوال :- احمد نے زید کے

سوا افغانی (افغان کرسی) ایک روپیہ چھ آنے پر دوں گا، دوسرے دن احمد نے بکر سے سوا افغانی کا ایک روپیہ چار آنے پر سودا کیا، یہ صرف زبانی کلامی سودا تھا، کسی طرف سے قبضہ نہیں ہوا تھا، اب احمد بکر کو زید کے سامنے لاکر زید سے دو آنے منافع لے کر چلا گیا اور باقی معاملہ کو زید اور بکر کے درمیان پھوڑ دیا، تو اب یہ دو آنے منافع احمد کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بیعہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں صرف زبانی سودا کرنے سے بیع تام نہیں ہوتی، چونکہ صورت مسئلہ میں بھی زید اور احمد کے مابین بیع تام نہیں ہوئی لہذا زید کے لیے یہ دو آنے منافع لینا جائز نہیں ہے۔

وفي الهندية، ومنها في المبيع وهو ان يكون موجوداً فلا يتعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم۔ ر الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۱ کتاب البیوع (۱) لہ

لہ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی صبرة طعام فادخل یدہ فیہا فنالت اصابعہ بلالا فقال ما هذا یا صاحب الطعام قال اصابته السماء یا رسول اللہ فقال افلا جعلته فوق الطعام حتی یراہ الناس من غش فلیس منی۔

مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲ کتاب البیوع۔ باب المنہی عنہا من البیوع۔ الفصل الاول (۲) لہ قال العلامة الحصکفی: لان رکن البیع مبادلة المال بالمال ولم یوجد والمعدوم کبیع حق التعلی.... لا نہ معدوم۔ (الد المختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۳) باب بیع الفاسد مطلب فی بیع المنع فی الارض

مشتري کی ٹال مٹول میں بیع کو فسخ کرنا | سوال :- اگر بیع ہو جانے کے بعد مشتری کام لیتا ہو تو کیا بائع بیع کو فسخ کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ آجکل یہ ایک رواج بن چکا ہے؟
الجواب :- بیع ایک ایسا معاملہ ہے جس میں فریقین کی رضا مندی ضروری ہے صورتِ مسئلہ میں مشتری کے ٹال مٹول کرنے پر چونکہ بائع راضی نہیں کہ مشتری نہ تو قیمت ادا کرتا ہے اور نہ ہی چیز واپس کرتا ہے لہذا اس مجبوری کی وجہ سے بائع کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔

قال العلامة ابن نجيم: لان المشتري لما جحد كان فسقا من جهته اذا الفسخ يثبت به كما اذا تجاهد فاذا عزم البائع على ترك الخصومة تم الفسخ بمجرد العزم... ولانه لما تعد راسيما الثمن من المشتري فات رضا البائع فيستقبل بفسخه - (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۶ مسائل شتى، باب التعكيم)

ادائیگی ثمن کے غیر متعین وقت کا حکم | سوال :- آجکل ایک عام رواج ہے کہ گاہک جب کسی جاننے والے دوکاندار

کے پاس چلا جاتا ہے تو سودا سلف خریدنے کے بعد اسے کہہ دیتا ہے کہ پیسے بعد میں دوں گا لیکن ادائیگی کا وقت مقرر نہیں کرتا، تو کیا اس قسم کی بیع جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- ادھار کی بیع میں جب تک ثمن کی ادائیگی کے وقت کا تعین نہ کیا جائے تو وہ بیع فاسد ہوگی، مگر صورتِ مسئلہ میں چونکہ بیع ہو جانے کے بعد گاہک نے دوکاندار سے کہہ دیا ہے کہ پیسے بعد میں دوں گا، لہذا اگر دوکاندار بخوشی اسے قبول کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

قال المحقق: وصح بثلثين حال وهو الاصل او مؤجل الى معلوم لئلا يفضى الى النزاع - (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۵ مطلب في التأجيل الى اجل مجهول) لہ قال العلامة ابن نجيم: قوله وصح بثلثين حال و باجل معلوم ای البيع لا طلاق التصوص وفي السراج الوهاج ان الحلول مقتضى العقد وموجبه ولاجل لا يثبت بالشرط قيد بعلم الاجل لان جهالة تفضى الى النزاع -

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۹۹ کتاب البيع)

مردار جانوروں کی ہڈیوں کی خرید و فروخت کا حکم | سوال :- اگر کسی جگہ کوئی جانور مردار ہو جائے

اور مالک اس کو باہر پھینک دے تو کیا اس کی ہڈیوں کو فروخت کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا گوشت کی طرح ہڈیوں کی بیع بھی ناجائز ہے؟

الجواب :- ویسے تو شرعاً کسی بھی غیر مذبوہ جانور کی بیع جائز نہیں مگر اس حکم سے اُس کے بعض اجزاء مثلاً ہڈیاں، بال اور سینک وغیرہ مستثنیٰ ہیں لہذا مردار جانور کے ان اجزاء کی خرید و فروخت جائز ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ : وبيع جلود الميتات باطل اذ الميتة مذبوحة او مدبوغة و يجوز بيع عظامها وعصبها وصوفها وظلفها وقرنها۔ (الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۲^{۱۳۳} فصل فی البیع الباطل) ۱۷

واؤچر کو فروخت کرنے کا حکم | سوال :- ہم لوگ تمباکو کمپنی والوں پر فروخت کرتے ہیں اور کمپنی والے نقد ادائیگی کی بجائے

اس رقم کی رسید جسے واؤچر کہا جاتا ہے دیدیتے ہیں، تو کیا ہم اس رسید (واؤچر) کو بوقت ضرورت کم قیمت پر فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- واؤچر بذات خود کاغذ کا ایک بے قیمت پرزہ ہے مگر اس رقم کی وجہ سے قیمتی بن جاتا ہے اس لیے اس کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن واؤچر میں حرج رقم سے کم پر فروخت کرنا سود سے خالی نہیں اس لیے ناجائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین : (الروایہ) قال فی البحر فصل احد المتجانسين نعم هذا يناسب تعريف الكنز بقوله فضل مال بلا عوض فی معاوضة مال بمال۔

(رد المحتار حاشیہ علی الدر المختار ج ۴ ص ۱۹۶ باب الربو) ۱۷

۱۷ وفي الہندیۃ : اما شعر الميتة وعظمها وصوفها وقرنها فلا بأس بالانتفاع بها وبيع ذلك كله جائز۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳^{۱۱۵} الفصل الخامس فی بیع المحرمات) ۱۷
۱۸ قال العلامة ابن نجیم : فضل مال بلا عوض فی معاوضة مال بمال ای فضل احد المتجانسين علی الآخر بالعیار الشری ای الکیل والوزن۔ (البحر الرائق جلد ۶ ص ۱۲۲ باب الربو)

بیع قبل القبض کا حکم | سوال :- ایک آدمی نے کسی سے ۳۰۰ ہزار کلوگرام مال کا زبانی سودا کیا لیکن مال نہیں اٹھایا بلکہ بائع کے پاس ہی پڑا ہے، چند دن بعد اس مال کی مارکیٹ میں قیمت بڑھ جاتی ہے تو مشتری بائع سے کہتا ہے کہ آپ مجھے منافع دے کر مال اپنے پاس ہی رکھیں، تو کیا مشتری کے لیے یہ منافع لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مقدسہ میں بیعہ پر قبضہ کرنے سے قبل اس کو کسی پر فروخت کرنا جائز نہیں، اس سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی، چونکہ صورت مسئلہ میں بھی بظاہر بیع المنقول قبل القبض ہے اس لیے اس کی بیع جائز نہیں۔

لما فی الہندیۃ: فنقول من حکم المبیع اذا کان منقولاً ان لا یجوز بیعہ قبل القبض الی ان قال واذا تصرف فیہ مع بائعہ فان باعہ منہ لم یجوز بیعہ اصلاً قبل القبض۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۳ الفصل الثالث فی معرفۃ المبیع والتمن والتصرف) ۱۷

بیعہ کو دوبارہ بائع پر فروخت کرنے کی شرط لگانا | سوال :- بعض لوگ کوئی مشتری کے ساتھ یہ شرط لگاتے ہیں کہ جب میرے پاس پیسے آجائیں تو اس چیز کو مجھ پر دوبارہ فروخت کرو گے یا جب تم فروخت کرنا چاہو تو معاملہ میرے ساتھ ہی ہوگا کسی اور پر فروخت نہیں کرو گے۔ تو کیا بیع کرتے وقت اس قسم کی شرائط لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے بیع پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

الجواب :- بیع میں اس قسم کی شرائط جن میں بائع یا مشتری یا بیعہ کو کوئی فائدہ ہو لگانا شرعاً جائز نہیں، اس قسم کی شرائط سے کاروبار (بیع) فاسد ہو جاتا ہے لہذا صورت مذکورہ کی بیع فاسد ہے۔

۱۷ قال العلامة ابن عابدین: وهو لا یصح به القبض..... وقید بالقبض لان العقد فی ذاته صحیح غیر انه لا یجب علی المشتري دفع الثمن لعدم القبض۔
رد المحتار ج ۴ ص ۱۸ مطلب اشتري داراً ما جوعاً لا یطالب بالثمن قبل قبضهما

قال العلامة الحصكفي: ولا يبيع بشرط عطف على النير وترى معنى
الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط لا يقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه
نفع لأحدهما وفيه نفع لمبيع - رد المحتار على هامش رد المحتار ج ۴ ص ۱۳۵
مطلب في البيع بشرط الفاسد له

سولنے کے زیورات کی ادھار تجارت کا حکم | سوال :- ہم چند پاکستانی دوست

کرتے تھے لیکن اب کپڑے کی تجارت کا بہت منہ ہے جبکہ سولنے کے زیورات مثلاً
انگوٹھیاں، بالیاں، جھومر اور دوسری اشیاء کی زبردست مانگ ہے تو ہم نے یہ تجارت
شروع کر دی، اب ہم سولنے کے یہ زیورات ادھار پر بیچتے ہیں اور ماہانہ قسطوں پر رقم
ہمیں واپس ملتی ہے، اب کسی نے بتایا ہے کہ اس طرح ادھار پر سولنے کی تجارت جائز
نہیں ہے لیکن عدم جواز کی کوئی وجہ بھی بیان نہیں کی، لہذا آپ اس کے جواز اور عدم
جواز کی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- اگر سولنے کی تجارت اس طریقہ سے ہو کہ سونا نقد ہو اور روپیہ ادھا
جیسا کہ سوال میں ہے تو پھر یہ تجارت جائز ہے اس لیے کہ یہ دونوں مختلف الاجناس اشیاء
ہیں اور اگر دونوں ادھار پر ہوں تو پھر ناجائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین (تبیہ) سئل الخانوقی عن بیع الذهب بالفلوس نسیئة
فاجاب بانه يجوز اذا قبض احد البدين - (رد المحتار حاشیہ علی رد المحتار ج ۴ ص ۲۵۰ باب الربو، کتاب المبیوع)

لہذا فی الہندیۃ: ولو باع شیئاً علی ان یمہب لہ المشتري او یتصدق علیہ او
یمیع منہ شیئاً او یقرضہ کان فاسداً - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۳۴)
الباب العاشر فی الشروط التي تفسد البیع والتي لا تفسد

۲ لہذا فی الہندیۃ: وروی الحسن عن ابی حنیفۃ اذا اشتري فلوساً بدراهم وليس
عند هذا اقلوس ولا عند الآخر دراهم ثم ان احدهما دفع وتفقوا جاز وان لم ينقد
واحد منهما حتى تفرقا لم يجز كذا في المحيط۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۲۲۴ الفصل الثالث فی بیع الفلوس)
ومثله فی الفتاویٰ البنزازیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۵ ص ۱ کتاب الصرف۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل بعض لوگ پاسپورٹ اور ویزے وغیرہ پر اصل فوٹو

کو تبدیل کر کے جعل سازی سے کسی دوسرے شخص کو سمندر پار ممالک میں بھیجتے ہیں اور اس پر بھاری رقم لیتے ہیں۔ تو کیا ان لوگوں کا یہ کاروبار شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ویزہ اگرچہ کاغذ کا ایک پرزہ ہوتا ہے مگر متعلقہ ملک کی حکومت کی طرف سے اسے قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے لہذا قانونی دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے اس کو بیچنا اور اس کی بھاری قیمت لینا شرعاً جائز ہے۔ لیکن کسی خاص (زانیٹ) ویزہ میں تصویر تبدیل کر کے کسی دوسرے شخص پر فروخت کرنا سراسر دھوکہ ہے اور نہ ہی ایسے ویزے کی کوئی قانونی حیثیت ہوتی ہے، لہذا دھوکہ دہی اور غیر قانونی طریقے سے کسی پر ویزہ فروخت کر کے بھاری رقم لینا ناجائز اور حرام ہے، اس لیے کہ ویزہ کے عوض پیسے لینا قانونی تحفظ کی بنا پر تو جائز ہے نہ کہ دھوکہ دہی کے ذریعے۔

لما قال العلامة ابی عابدین: رقولہ فیفتی بحواذ النزول عن الوظائف
بمال)۔ قال العلامة العینی: فی فتاواہ لیس شیء یعتد علیہ ولكن العلماء
والحکام مشوا ذلک للضرورة واشتروطوا امضاء الناظر مثلاً یقع فیہ نزاع۔
رد المحتار جلد ۴ ص ۵۱۹ کتاب البیوع مطلب فی النزول عن الوظائف بالمال

سوال :- ایک دوکاندار نے اپنے گاہک پر کچھ انڈے فروخت

کئے، گھر جا کر اس نے جونہی انڈے توڑے تو وہ گندے نکل آئے، تو کیا گاہک کو شرعاً حق حاصل ہے کہ وہ گندے انڈے دوکاندار کو واپس کر کے اس سے اپنی رقم لے لے؟

الجواب :- انڈے جب خراب ہو جائیں تو وہ مال نہیں رہتا، ان کا فروخت کرنا جائز نہیں اگر کہیں ایسا معاملہ ہو گیا ہو اور گاہک ان گندے انڈوں کو استعمال میں نہ لایا ہو تو اس کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوکاندار کو گندے انڈے واپس کر کے اس سے اپنے پیسے لے لے۔

لما قال العلامة المرغینانی: من اشتوی بیضاً او بطیخاً او قشاً او خیلاً او جوزاً فکسرہ فوجدہ فاسداً فان لم ینتفع بہ رجع بالثمن لانه لیس بمال فکان البیع باطلاً۔

الہدیٰ للہدایہ ج ۳ ص ۲۴۰ باب البیع الفاسد

باب فی الخيار

(بیع میں خیار کے مسائل و احکام)

خیار رؤیت کا حکم | سوال :- اگر ایک چیز ایسی حالت میں خریدی جائے کہ مشتری نے اصل یا کالتاً نہ دیکھی ہو اور دیکھنے کے بعد مشتری کو پسند نہ آئے تو کیا وہ اس کو واپس کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جو چیز بغیر دیکھے خریدی جائے تو بیع کی حقیقت موجود ہو کر معاملہ کے جواز میں کوئی شبہ نہیں رہتا، تاہم مشتری کو دیکھنے پر اختیار حاصل ہے، اگر اسے پسند نہ ہو تو وہ بغیر کوئی وجہ بتائے بائع کو واپس کر سکتا ہے، تاہم اگر خریدنے پر آمادہ ہو تو پھر پوری قیمت ادا کرنی ہوگی۔

لما قال العلامة علی بن ابی یکر الموغینانی :- ومن اشترى شيئاً لم يره فا لبيع جائز وله الخيار اذا رآه ان شاء اخذه بجميع الثمن وان شاء رده -

(الهدایة ج ۳ ص ۳۶ کتاب البیوع - باب خيار الرؤية) لہ

غبن فاحش کا مسئلہ | سوال :- ایک شخص نے کسی سے زمین خریدی، لیکن خریدتے وقت دلال یا بائع نے چالاکी سے کام لیتے ہوئے وہ زمین ایسی قیمت پر فروخت کی جو کہ عام مارکیٹ کے حساب سے کہیں زیادہ تھی، تو کیا اس بنا پر مشتری یہ زمین بائع کو شرعاً واپس کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر مشتری نے ان تمام حالات کو جانتے ہوئے بھی اس زمین میں تصرف کیا ہو اور اس کے مکانہ تصرفات پر کچھ مدت گزر گئی ہو تو پھر اس کو واپس کرنے کا حق

لہ قال فی الہندیۃ : من اشترى شيئاً لم يره فله الخيار اذا رآه ان شاء اخذه بجميع الثمن وان شاء رده سواء رآه على الصفة التي وصفت له او على خلافها -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۳۵ الباب السابع فی خيار الرؤية)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۶ ص ۲۱ باب خيار الرؤية -

حاصل نہیں، کیونکہ غبن فاحش میں اگرچہ مشتری کو بیعہ واپس کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن اس پر علم کے باوجود تصرفات کرنے سے یہ حق باقی نہیں رہتا۔

ما قال العلامة سلیم رستم بان المشتري الذي حصل له تغريدا اذا اطلع على الغبن الفاحش ثم تصرف في البيع تصرف الملاك سقط حق فسخه كما..... لوسقي الارض المبيعة او غرسها الى غير

ذلك من التصرفات الدالة على الرضا. (شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۳۵۹ ص ۳۲۱)

جملہ عیوب سے برأت کا اعلان کر کے کوئی چیز فروخت کرنا | سوال :- ایک آدمی نے کوئی چیز فروخت کرتے وقت مشتری

سے یوں کہا کہ اس چیز کے نقائص کے بارے میں اگر کچھ کہنا ہو تو اب کہہ لے ورنہ بعد میں میں کسی قسم کے عیب کا ذمہ دار نہیں ہوں گا، کیا بائع کا مشتری کو اس طرح کہنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: خرید و فروخت میں بیع بشرط برأت من العیوب درست ہے کہ بائع بیعہ کے تمام عیوب سے برأت کا اعلان اور اظہار کرے، اس طرح کرنے سے بعد میں تنازعہ اور کبیہہ خاطر کی گنجائش نہیں رہتی اس لیے اس شرط پر کوئی معاملہ کرنا شرعاً مقرر ہے۔

ما قال العلامة ابن عابدین: وصح البيع بشرط البرأة من كل عيب وان لم يسم خلافاً للشافعي لان البرأة عن الحقوق المجهولة لا يصح عندنا لعدم افضائه الى المنازعة ويدخل فيه الموجود والحادث بعد العقد قبل القبض فلا يبرئ عيب بان قال بعتك هذا العبد على اني بري من كل عيب. (رد المحتار ج ۵ تحت مطلب في بيع بشرط البرأة من كل عيب) ۲

۱۔ قال حاکم الدین محمد بن البرزنجی: کل تصرف یدل علی الرضا بعد العلم به یمنع الرد والرجوع بالنقص..... و سقی الارض وزراعتها و کسح الکرم رضا۔

۲۔ البرزنجی علی هامش السہندیہ ج ۳ کتاب البیوع۔ باب الخیار

و مثله فی الہندیہ ج ۳ ص ۵۷ کتاب البیوع۔

۳۔ قال العلامة ابن عابدین: وصح البيع بشرط البرأة من كل عيب وان لم يسم خلافاً للشافعي لان البرأة من الحقوق المجهولة لا تصح عنده وتصح عندنا لعدم افضائه الى المنازعة۔
زنتقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۱ جواب السؤال باب خیار الویۃ

و مثله فی شرح المجلة لسليم رستم باز تحت المادة ۱۸۹ ص ۸۹

بیع بالوفاء کا حکم | سوال :- ایک شخص نے دس ہزار روپے کے عوض زمین کی بیع قطعی کر کے مشتری سے معاوضہ نقد وصول کر لیا ہے اور اب اس زمین میں بائع کا کوئی دخل نہیں رہا، لیکن بیع اس شرط سے طے کیا کہ میعاد مقررہ میں رقم واپس ہونے پر زمین واپس کی جائے گی۔ تو کیا بیع مذکورہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اصل قواعد کی رو سے یہ معاملہ رہن ہو کر اس زمین سے انتفاع حرام ہوگا اور اگر اس معاملہ کو بیع تصور کیا جائے تو مشروط ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے تاہم بجا انتفاع بائع کے لیے متاخرین کے فتویٰ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے لیکن بلا ضرورت شدید اس سے اجتناب ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ، وبيع الوفاء ذكوتہ هنا تبعاً للرد وصورته ان يبيعه العين بالف على انه اذا رد عليه الثمن رد العين..... قيل هو رهن قد منا انقاعن جواهر الفتاوى انه الصحيح وقيل بيع يفيد الانتفاع به هذا متحمل لاحد القولين، الاول انه بيع صحيح مفيد لبعض احكامه من حل الانتفاع به الا انه لا يملك بيعه وقال الزيلعي في الاكراه وعليه الفتوى - الثاني، القول الجامع لبعض المحققين انه فاسد في حق بعض الاحكام كحل الانزال ومنافع المبيع ورهن في حق البعض حتى لم يملك المشتري بيعه من اخر ولا رهنه - (الدم المحتار على صداره المختار ج ۲ ص ۲۵۵ كتاب البيوع - باب الفرق بين بيع الوفاء

اطلاع علی العیب کا حکم | سوال :- زید نے عمر کو ایک چیز فروخت کر کے دے کر عمر نے زید سے کہا کوئی بات نہیں ہے اور وہ چیز خرید لی، مشتری نے اس پر قبضہ بھی کر لیا اور اس میں تصرف بھی کیا، اب ایک سال کے بعد مشتری اس عیب کی وجہ سے

لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: القول الثامن الجامع لبعض المحققين انه فاسد في حق بعض الاحكام حتى يملك كل منهما الفسخ وصحيح في بعض الاحكام كحل الانزال ومنافع المبيع ورهن في حق البعض (بحذف يسير) وينبغي ان لا يعدل في الافتاء عن القول الجامع (البحر الرائق ج ۶ ص ۵۷ باب خيار الشرط، تحت "فرع")

ومثله في التبيين الحقائق ج ۵ ص ۱۸۳ باب خيار الشرط -

بیعہ واپس کرنا چاہتا ہے، تو کیا اسے واپسی کا اختیار ہے؟
الجواب :- بائع جب مشتری کو بیعہ میں عیب پر مطلع کر دے اور اطلاع علی العیب کے بعد مشتری بیع تمام کر کے بیعہ پر قبضہ اور تصرف کرنے کے بعد بائع کو اس عیب کی وجہ سے واپس کرنا چاہے تو مشتری اس کو یہ اختیار حاصل نہیں، تاہم اگر بائع و مشتری باہمی ضمانت سے اقال کرنا چاہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة سليم رستم بانرج: بعد اطلاع المشتري على عيب في المبيع اذا تصرف فيه تصرف الملك سقط خياره مثلاً وعرض المشتري المبيع للبيع بعد اطلاع على عيب قديم فيه كان عرض المبيع للبيع رضى بالعيب فلا يردده بعد ذلك۔ (شرح المجلة ص ۱۹۵ المادة ۳۲۲)

عدم رؤیت کی وجہ سے تبادله زمین منسوخ کرنا سوال :- دو دوستوں زید اور عمر نے آپس میں بن دیکھے

زمین کا تبادلہ کیا تھا لیکن بعد میں ایک زید کی زمین بنجر اور دوسرے (عمر) کی زمین زرخیز نکلی، تو کیا زید سے عمر اپنی زمین کی واپسی کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- بیع و شراء اور تبادلہ کی صورت میں عاقدین کا بیعہ یا عوضین کو دیکھ لینا ضروری ہے، اگر کوئی تبادلہ یا سودا بن دیکھے ہو جائے تو عدم رؤیت کی وجہ سے دونوں کو اپنی اپنی چیز واپس لینے اور دینے کا حق حاصل ہے، لہذا عمر زید سے اپنی زرخیز زمین واپس لے سکتا ہے۔

قال الشيخ ابن الهمام: ولنا قوله عليه السلام من اشترى شيئاً لم يره فله الخيار اذا سراه۔ رفتح القدیر ج ۶ ص ۳۳۶ باب الخيار

قال العلامة برهان الدين المروغيتي: من اشترى شيئاً لم يره فله الخيار اذا سراه ان شاء اخذه بجميع ثمنه وان شاء

لم ينفى الهنديّة، الاصل ان المشتري متى تصرف في المشتري بعد العلم بالعيب تصرف الملك بطل حقه في الرد۔

(الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۵۵ کتاب البيوع، باب الخيار)

ردہ سواد الخ (الہدایۃ ج ۳ ص ۵۷ باب خيار العیب) لہ
عیب دار چیز کی خرید و فروخت | سوال :- عیب دار اشیاء کی بیع و شراء (خرید و

فروخت) جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- بیع میں بیعہ کا مال متقوم ہونا ضروری ہے، عیب ایک خارجی شے ہے اس لیے عیب دار اشیاء کی بیع جائز ہے بشرطیکہ عیب کو چھپایا نہ جائے۔

عن زید بن ثابت انہ قال من باع غلاماً یا ابناً فہو یرى من کل عیب
 وکذا لک الی اخرہ - (اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۹۲ - باب البیع بالبدلۃ من کل عیب) لہ

غیر ملکی ویزوں کی خرید و فروخت میں خیاب عیب کا حکم | سوال :- زید نے عمرو کو

ویزا اس شرط پر خرید اکفیل الریاض کا رہنے والا ہوگا، اب عمرو الریاض میں زید کے لیے کفیل کا انتظام کرنے سے قاصر رہا جس کی وجہ سے زید نے کچھ عرصہ پہاڑوں میں حکومت سے چوری چھپے گزارا، بالآخر مجبوراً اپنے آپ کو سعودی حکومت کے حوالہ کر دیا جس نے قانونی کاروائی کے بعد اُسے واپس پاکستان بھیج دیا، زید نے عمرو کو پاکستانی کرنسی میں ۴۰ ہزار روپے نقد دیئے تھے اور مزید ۳۰ ہزار کا وعدہ کیا تھا تو اب اس صورت میں زید عمرو کو حسب وعدہ ۳۰ ہزار روپے دینے کا پابند ہے یا عمرو زید کو چالیس ہزار روپے واپس کرے گا؟ شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- صورت مسئلہ میں اگر سعودی عرب کا ویزا بیع کے وقت موجود تھا

لہ قال العلامة ابن عابدینؒ: رجل اشترى ارضاً او کرمًا فظہر ان شربہ فکان علی ناوۃ ای میذا - توضیح علی ظہر نہرا و موضع الخرکان لہ ان یرد لان ذلک یعد عیبا عند الناس الخ المشتري بالخيار ان شاء اسکرھا بجمیع الثمن وان شاء رد - (تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص ۲۹۶ کتاب البیوع، باب الخیار)

لہ قال العلامة برہان الدین المرغینانیؒ: واذ اطلع المشتري علی العیب فی البیع فہو بالخيار وان شاء اخذ بجمیع الثمن وان شاء ردہ - (الہدایۃ ج ۳ ص ۲۳ باب خيار العیب)
 ومثله فی رد المختار ج ۴ ص ۲۱ باب خيار العیب -

اور اس میں الریاض شہر کے ہی کسی باشندہ کی کفالت کا ذکر تھا مگر الریاض پہنچنے پر کفالت کا معاملہ معاہدہ کے برعکس نکلا تو اس میں مشتری کو نقص و فسخ کا حق حاصل ہے۔
 لما فی الہندیۃ: وان اشتری ثوباً علی انہ عشرة اذرع بعشرة الا قوله
 فالمشتری بالخیار الخ قوله وان نقص فقد فات الوصف المرغوب
 فیختل رضاه فیخیر الخ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۲۲ الفصل الثامن
 فی جملة المبیع او الثمن) لہ
 اور احتمال مذکورہ صورت میں بھی ظاہر ہے کہ وصف مرغوب فوت ہوا ہے،
 لہذا مشتری کو نقص کا اختیار حاصل ہے۔

سوال :- ہمارے والد صاحب نے کراچی سے کچھ
خیار رویت ناقابل انتقال حق ہے
مال منگوا یا اور مال پہنچنے سے قبل والد صاحب

فوت ہو گئے، جب مال آیا تو وہ عیب دار نکلا جو کہ ہمیں پسند نہیں، اب ہم اس مال کو واپس کرنا
 چاہتے ہیں مگر کہتی والے نہیں مانتے، تو کیا شرعاً ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ ہم اس مال میں
 خیار رویت کا حق استعمال کر کے مال واپس کر دیں؟

الجواب :- خیار رویت ایسا حق ہے کہ جس میں ارث جاری نہیں ہوتا اور نہ یہ ورثہ کی
 طرف منتقل ہوتا ہے، لہذا اگر آپ کے والد صاحب نے مال کو نہیں بھی دیکھا ہو اور ان کے انتقال
 کے بعد پسند نہ آنے پر آپ کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ خیار رویت کا حق استعمال کر کے اسے واپس کریں
 کیونکہ بیع تمام ہو چکی ہے، تاہم اگر کہتی والے اقالہ کرنا چاہیں تو صحیح ہے۔

لما فی مجلة الاحکام، خیار الوثیۃ لا ینتقل الی الوارث فاذا مات المشتري قبل ان یرى المبیع
 لزم البیع ولا خیار لوارثہ۔ وقال العلامة رستم باز: لان خیار الوثیۃ لیس الا بعد ارادة
 ومشیئة وھذا اوصف فلا یمکن انتقالہ الی الوارث۔ (شرح مجلة الاحکام المادة ۳۲۱ باب الخیار)

لہ قال العلامة الحسکفی: ثم الخیارات بلغت سبعة عشر الثلاثة..... وفوات
 وصف مرغوب فیہ۔ قال ابن عابدین: هو ما یذکر فی ھذا الباب فی قوله اشتری
 عبدی بشرط جبرۃ او کتبہ الخ۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۵۵۰ باب خیار الشرط)
 ومثله فی المختار الرائق ج ۶ ص ۲۲۷ باب خیار الشرط۔

باب الاقالة

(سودا واپس کرنے کے احکام و مسائل)

اقالہ میں طرفین کا رضامند ہونا | سوال :- بائع اور مشتری کے درمیان باقاعدہ عقد کرے لیکن دوسرا فریق اس پر رضامند نہ ہو، تو کیا واپسی کا خواہش مجبراً اپنا حق واپسی منوا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- باقاعدہ ایجاب و قبول کے بعد عقد بیع لازم ہو کر کسی ایک کو جبراً عقد ختم کرنے کا حق حاصل نہیں، تاہم اگر اقالہ کی صورت ہو تو اس کے لیے طرفین کی رضامندی ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : من شرائطها اتحاد المجلس ورضا المتعاقدين لان الكلام في رفع عقد لازم واما دفع ما ليس يلزم فلمن له الخيار يعلم صاحبه لا بوضاه بحر - (رد المحتار ج ۵ ص ۱۲۱ باب الاقالة) لہ

اقالہ میں قیمت کم کرنے کی شرط لگانا | سوال :- انعقاد بیع کے بعد اگر طرفین اس شرط پر بیع فسخ کرنا چاہیں کہ مشتری بائع کو ادا کی ہوئی رقم میں سے کچھ چھوڑے گا، کیا شرعاً دونوں کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بیع فسخ کرتے وقت اگر بائع اور مشتری قیمت کم کرنے کی شرط لگاتے ہیں تو دونوں کی رضامندی سے بیع فسخ ہو کر بائع مشتری کو پوری رقم واپس کرے گا، رقم منہا کرنے کی شرط کا عدم ہو کر باطل رہے گی۔

لما قال العلامة علی بن ابی یکر المرغینانی رحمہ اللہ : الاقالة جائزة في البيع

لہ قال فی الہندیۃ : وشرط صحة الاقالة رضا المتقائلین -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۵۱ باب الثالث عشر فی الاقالة)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ مَجْلَةِ الْاِحْكَامِ لِسُلَيْمِ رَسْتَمِ بَارِزٍ، تَحْتَ الْمَادَّةِ ۱۹۰ ص ۹۲ -

بمثل الثمن الاول فان شرط اكثر منه اقل فالشرط باطل ويرد مثل الثمن الاول۔

والهداية ج ۳ مك باب الاقالة ۱۷

فروخت شدہ چیز کو کم قیمت پر واپس لینا | سوال :- ایک شخص نے کسی کو قرض پر اونٹ فروخت کیا، قیمت کی ادائیگی

کے وقت مشتری نے ادائیگی سے انکار کرتے ہوئے بیع واپس کرنا چاہا، اب بائع مشتری سے اونٹ اسی قیمت پر یا اس سے کم قیمت پر واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مذکورہ میں باقاعدہ طور پر ایجاب و قبول ہو کر بیع قطعی ہو چکا ہے

جس سے بیع بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں آچکا ہے لیکن اب اگر مشتری بیع

فسخ کر کے مبیعہ واپس کرنا چاہتا ہے تو بائع کو مبیعہ سابقہ قیمت پر یا اس سے زائد قیمت

پر واپس لینے میں کوئی حرج نہیں تاہم یہ جائز نہیں کہ بائع مبیعہ کو کم قیمت پر واپس لے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : لو باع شيئاً اصالته بنفسه او

وكيله او وكالة عن غيره ليس له شواءه با لقل لا لنفسه ولا لغيره۔

(رد المحتار ج ۵ باب البيع الفاسد، مطلب في التداوي بلبن البنت الخ ۱۷)

مبیعہ پسند نہ آنے پر واپس کرنا | سوال :- ایک شخص نے دوسرے آدمی پر کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی کہ یہ فلاں کمپنی کی مصنوعات

۱۷ قال العلامة سليم رستم با رحمه الله : الثالث انها لا تفسد الشرط الفاسد وان لم تصح

تعليقها به بل يكون الشرط لغوا فلو تقايل على ان يوخر المشتري الثمن سنة

او على ان يحط منه خمسين صحت الاقالة لا التاخير والخط۔

(شرح مجلة الاحكام لسليم رستم باز مك المادة ۹۱ الفصل من في الخاف ۱۷)

وَمَثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۳ ۱۵۶ الباب الثالث عشر في الاقالة۔

۱۸ قال العلامة طاهرين عبدالرشيد البخاري : شراء ما باع باقل مما باع من الذي

اشتراه او من وارثه قيل لقد الثمن لنفسه او لغيره..... فاسد عندنا۔

(خلاصة الفتاوى ج ۳ مك كتاب البيوع، الفصل الرابع في البيع الفاسد واحكامه)

وَمَثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۳ ۱۳۴ الباب العاشر في الشروط التي تفسد والتي لا تفسد۔

میں سے ہے جو کہ عمدہ اور اعلیٰ معیار کی حامل ہے، لیکن خریدنے کے بعد اس چیز کی حقیقت کچھ اور نکلی، تو کیا اس وجہ سے مشتری کو بیع واپس کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟
الجواب:- عقد بیع کے وقت کسی چیز کے بیان کیے ہوئے ایسے اوصاف جن کے طرف رغبت دلائی جاتی ہے، کا بیع میں موجود ہونا ضروری ہے ورنہ عدم موجودگی کی صورت میں مشتری کو کل قیمت پر لینے یا بیع فسخ کرنے کا اختیار حاصل رہے گا۔ اس بناء پر مذکور صورت میں کمپنی کی مصنوعات بوقت بیع بیان کردہ اوصاف یعنی عمدگی اور پائیداری سے عاری معلوم ہوں تو مشتری کو کل قیمت پر لینے یا واپس کرنے کا حق حاصل ہے۔

لما قال في الهندية: وان اشترى ثوباً على انه عشرة ازرع بعشرة او ارضا على انها مائة ازرع بمائة فوجدها اقل فالمشترى بالخيار ان شاء اخذها بجميع الثمن وان شارت تركها وان وجدها اكثر من الذراع الذي سماه فهو للمشتري على خيار البائع وان نقص فقد فات الوصف المرغوب فيختل رضاه ولا يحط شيء من الثمن كذا في الكافي۔ (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۱۲۴ الفصل الثامن)۔

اقالہ کی صورت میں رقم میں زیادتی جائز نہیں | سوال:- زید نے اپنا کھیت بکر پر مبلغ ایک لاکھ روپے میں فروخت کر دیا بکر نے موقع پر دس ہزار روپے زید کو پیشگی دیدیئے اور بقایا رقم چند دنوں کے بعد دینے کا وعدہ کیا، ایک مہینہ گزرنے کے بعد زید نے اپنا کھیت بکر سے واپس لیتا چاہا اور کہا کہ میں کھیت کو فروخت نہیں کرتا ہوں، اور بکر کو اس کی اصل رقم دس ہزار روپے کے علاوہ پانچ ہزار روپے بطور پیشانی بھی دیئے، تو کیا بکر کے لیے

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: اشترى من اخرفرساً ذكر البائع انها من نسل خيل فلان لفرس مشهور بالجودة ثم تبين كذب هـل له الرد ام لا فاجاب اذا اشتراها بناءً على ما وصف له بثمن لو لم يصفها بهذه الصفة لا تشتري بذلك الثمن والتفاوت بين الثمنين فاحش وهي لا تساوي ما اشتراها به له الرد اذا تبين خلاف ذلك۔ (تنقيح فتاوى حامدية ج ۱ ص ۲۳۴ باب الخيارات) ومثله في شرح مجلة الاحكام، تحت المادة ۸۹ ص ۸۹ باب الخيارات۔

یہ پانچ ہزار روپے بطور پیشانی کے لینا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- صورت مذکورہ میں ایجاب و قبول کے بعد اگرچہ بیع منعقد ہو چکی تھی اور
 زید زین کو واپس لینے کا مجاز نہیں تھا مگر جب بکرنے کے بعد بیع فسخ کرنے پر رضامندی ظاہر کی
 اور بیع کو ختم کر دیا (اسے شرعاً اقالہ کہا جاتا ہے) تو اس کے بدلے میں بکر کے لیے زید
 سے بصورت جرمانہ اور پیشانی کے اپنی اصل رقم کے علاوہ مزید کچھ رقم لینا حلال نہیں ہے۔
 لما ورد فی الحدیث: لا یحل مال امرئ مسلم الا عن طیب قلبہ انتہی۔

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۵۵ باب الغصب والعاریۃ) اے

ثمن خرج ہو جانے سے اقالہ کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک آدمی کسی زیندار
 سے خریدی ہوئی چیز اسے واپس کرنا چاہتا ہے اور

زیندار بھی واپسی پر راضی ہے لیکن جو رقم اس نے مشتری سے لی تھی وہ اس سے ختم ہو چکی ہے اب
 زیندار مشتری سے کہتا ہے کہ تم مجھے یہ چیز واپس کرو لیکن پیسے ایک ماہ کے بعد ملیں گے تو
 کیا ایسا اقالہ کرنا جائز ہے جبکہ واقعتاً زیندار کے پاس پیسے نہیں ہیں؟

الجواب :- ثمن و پیسوں کا تلف یا ختم ہو جانا اقالہ کے انعقاد کیلئے مانع نہیں ہے اسلئے
 اگر دونوں متعاقدین باہمی رضامندی سے اقالہ کرنا چاہتے ہوں اور مشتری رقم کی واپسی کا انتظام
 کر سکتا ہو تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة سلیم رستم باز: هلاك الثمن ای تلفه لا يمنع صحة الاقالة۔ قال
 العلامة سلیم رستم باز: وذلك لان الاقالة رفع البيع والاصل في البيع المبيع لا الثمن
 ولهذا لو هلك المبيع قبل القبض يبطل البيع بخلاف هلاك الثمن۔
 (شرح مجلة الاحكام ص ۹۵ المادة ۹۶ فصل في الاقالة)

اے قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: قوله وتصم بمثل الثمن الاول حتی لو
 كان الثمن عشرة دنانیر فندفع الیه دراهم ثم تقابلا وقد نخصت الدنانیر
 رجع بالدنانیر لا بما دفع وكذا لو رد بعیب الخ۔

(رد المحتار علی ہامش الدر المختار ج ۴ ص ۱۶۵ باب الاقالہ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص ۱۲۰ باب الاقالة۔

باب المراجعة والتولية (بيع مراحم و تولیت کے احکام و مسائل)

بیع مراحم میں منافع کی مقدار متعین نہیں | سوال :- ایک دوکاندار عام طور پر مارکیٹ سے زائد نرخ پر سودا فروخت کرتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ نیز کیا شریعت نے کسی چیز کی فروخت پر منافع کی کوئی حد مقرر کی ہے یا نہیں؟
الجواب: شریعت مقدسہ نے خرید و فروخت کو بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی پر موقوف رکھا ہے، بائع اور مشتری جس نرخ پر بھی متفق ہوں وہی نرخ شرعاً جائز ہے۔ فقہاء نے بیع مراحم کی حقیقت بیان کرتے ہوئے نرخ کی تعیین نہیں فرمائی ہے، البتہ بازار کے عام نرخوں سے زائد پر فروخت کرنا جائز تو ہے مگر خلاف مروت ہے۔

لما قال فی الہندیۃ : ومن اشترى شیئاً واغلی فی ثمنہ جاز۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ کتاب البیوع، الباب الرابع عشر فی المراجعة والتولية۔ الخ۔ لہ)

بیع مراحم میں شبہ خیانت سے اجتناب ضروری ہے | سوال :- اگر کسی چیز کو ادھا کرتے وقت اس کو یہ بتلانا ضروری ہے کہ میں نے اس کو اتنی قیمت میں ادھا کر خرید رہا ہے اور اتنے نفع میں فروخت کرتا ہوں؟

الجواب: بیع مراحم کا دار و مدار دیانت و امانت پر ہے، اس میں ہر اس قدم سے اجتناب ضروری ہے جس سے شبہ خیانت ہو، چونکہ ادھار میں عموماً نقد کی نسبت سے قیمت زیادہ رکھی جاتی ہے، اس لیے ادھار سے خریدی ہوئی چیز اگر گاہک کو قیمت خریدتہ بجا کر فروخت کرے تو اصل قیمت کے ساتھ ادھار کا اظہار بھی ضروری ہے۔

لہ قال العلامة جلال الدین الخوارزمی: ہو مبادلة المال بالمال بالتراضی۔

الکفایۃ فی ذیل فتح القدیر ج ۵ ص ۲۵۴ کتاب البیوع

وَمِثْلُهُ فی فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۵ کتاب البیوع۔

لما قال العلامة علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: ومن اشتوی غلاماً بالف درهم نسئةً
فباعه بربح مائة ولم یبین فعلم المشتوی فان شاء رده وان شاء قبل لان للاجل شبهاً
بالمبيع الا یرى انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل - (الهدایة ج ۲ ص ۴۶ باب المراجعة والتولية) ۱۷

بیع مراحہ میں گز اور میٹر کے تعین کی ضرورت | سوال: کپڑے کا ایک دوکاندار بعض

کپڑا گز کے حساب سے اور بعض میٹر کے
حساب سے خریدتا ہے اور گاہک کو ایک روپیہ کی گز منافع کے نہ پچھتا ہے اور بیل دکھا کر میٹر
اور گز کی تفصیل طے کئے بغیر معاملہ طے ہو جاتا ہے، کیا دوکاندار کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟
الجواب: گاہک کو کسی چیز کی قیمت خرید بتا کر فروخت کرنا بیع مراحہ ہے، میٹر اور
گز میں چونکہ تقریباً ساڑھے تین انچ فرق ہے اس لیے میٹر کے حساب سے خریدے ہوئے
کپڑے کو میٹر اور گز کا تعین کئے بغیر فروخت کرنے میں خیانت کا قوی احتمال ہے
اس لیے معاملہ کو یوں مبہم کر کے چھوڑنا جائز نہیں ہے، دوکاندار کو چاہیئے کہ اول تو گاہک
کو قیمت خرید بتائے ہی نہیں اور اگر قیمت خرید بتائے تو پھر گز اور میٹر کا فرق بتا دینا
بھی انتہائی ضروری ہے۔

لما قال العلامة علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: ولہذا کان مبناہما علی الامانة
والاحتراز عن الخيانة وعن شبهتها - (الهدایة ج ۳ ص ۴۳ باب المراجعة والتولية) ۱۸

لما قال العلامة الحسینی: اشتراک بالف نسئةً وباع بربح مائة بلا بیان خیر المشتوی۔
وقال العلامة ابن عابدین: ای بعین رده واخذہ بالف ومائة حالة لان للاجل
شبهاً بالمبيع الا ترى انه یزاد فی الثمن لاجله - (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۳۲، ۱۳۱)
مطلب اشتوی من شریکہ سلعة)

وَمِثْلُهُ فِي يَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۵ ص ۲۲۲ باب المراجعة والتولية -

لما قال العلامة الكاسانی رحمه الله: فالاصل فيه ان يبيع المراجعة والتولية ببيع
امانة.... فتجب صيانتها عن الخيانة وعن سبب الخيانة والتهمة لان التعرض عن
ذلك صله واجب ما امکن - (يدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۲۳ باب المراجعة والتولية)
وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۵ ص ۳۸ باب المراجعة والتولية -

سوال :- ایک دکاندار
آمدورفت کا خرچہ خریدی گئی چیز کی اصل قیمت میں ملانا
 کوئی چیز خریدنے کے لیے کسی دوسرے شہر جائے تو اس پر جو خرچہ آمدورفت وغیرہ آتا ہے وہ اگر اس چیز کی قیمت خرید میں شمار کر کے فروخت کرے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے ؟

الجواب :- کسی چیز کے خریدنے وقت اس پر آنے والے اخراجات عقد مباح کی صورت میں قیمت خرید میں ملا کر گاہک سے وصول کرنا شبہ خیانت کا مقتضی ہے اس لیے از روئے شرع یہ جائز نہیں کہ بائع اصل قیمت بتاتے وقت یہ اضافی اخراجات بھی اس میں ضم کرے۔ تاہم قیمت خرید سے قطع نظر کر کے بائع فروخت کرنے کے لیے جو معیار مقرر کرے اس میں اصل قیمت کے ساتھ اضافی اخراجات بھی شامل ہوں اور مشتری اور بائع کے درمیان یا ہمی رضامندی سے کسی قیمت پر اتفاق ہو تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : لا یضم نفقة نفسه ای فی سفره کسوته وطعامه ومركبه وغسل ثيابه - (رد المختار ج ۵ ص ۱۳۰ باب المراجعة والتولية) لہ

سوال :- بیرون ملک سے
کسی چیز کی قیمت خرید میں اضافی اخراجات ملانے کی صورت
 سامان تجارت منگوانے کی صورت میں مختلف سرکاری یکسوں کی ادائیگی اور دوسرے اخراجات سے قیمت کٹی گنا بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ ایک چیز کی قیمت بین الاقوامی منڈی میں ایک ہزار روپے ہو تو یہاں پہنچتے پہنچتے اس کے حجم اخراجات دس ہزار روپے سے متجاوز ہو جاتے ہیں، تو کیا یہاں اس چیز کو ان کٹی گنا اضافی اخراجات کے ساتھ فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- سامان تجارت پر آنے والے اخراجات کو قیمت خرید میں ضم کرنا منحصر ہے اس صورت میں اضافی اخراجات خریدے ہوئے مال پر تقسیم کر کے گاہک سے وصول کرنے میں

لہ لما قال فی الہندیۃ : ولا یحمل علیہ ما انفق علیہ فی سفره من طعام ولا کرا ولا مؤنہ لانعدام العرف فیہ ظاہراً کذا فی المیسوط -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۶۲ باب الرابع عشر فی المراجعة والتولية)

ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص ۱۱ کتاب البیوع، باب المراجعة والتولية -

شرعاً کوئی حرج نہیں، تاہم شبہ خیانت سے بچنے کے لیے اگر قیمت خرید بتانے کی ضرورت محسوس ہو تو اضافی اخراجات ملا کر قیمت خرید بتانا خیانت کے خلاف ہے، البتہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی ہے تو اس کی گنجائش موجود ہے۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ :- ویجوز ان یضیف الی رأس المال اجرة القصار والطوازی والصیغ والقتل واجرة حمل الطعام ویقول قام علی بکذا ولا اشتربته بکذا کیسلا یكون کاذباً۔ (المہدایۃ ج ۳ ص ۳۷۱ باب المراجعة والتولیۃ) ۱۷

بیع مراہم میں خیانت کے باعث مشتری کا بیعہ واپس کرنا | سوال: مشتری اگر بائع

منافع دیتے پر تیار ہو جس کے نتیجے میں بائع نے چار ہزار کی خریدی ہوئی چیز مشتری پر پانچ ہزار میں فروخت کر دی، بعد میں مشتری کو کسی ذریعہ سے بائع کے جھوٹ پر آگاہی ہوئی کہ یہ چیز تو اس نے چار ہزار میں خریدی تھی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مشتری بائع سے ادا کی گئی زائد رقم (ایک ہزار بیس روپے) واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بیع مراہم میں جب بائع کی خیانت ظاہر ہو جائے تو مشتری کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہے تاہم طے شدہ قیمت میں کمی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے، لہذا مذکورہ صورت میں مشتری یا تو خریدی ہوئی چیز بائع کو واپس کر کے اپنی پوری رقم واپس لے لے یا پھر طے شدہ پوری قیمت ادا کرے۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ :- فان اطلع المشتري علی خیانة فی المراجعة فهو بالمختار عندی خیفة ان شاء اخذه بجميع الثمن وان شاء تركه۔ (المہدایۃ ج ۳ ص ۳۷۱ باب المراجعة والتولیۃ) ۱۸

لما قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ، وله ان یضم الی رأس المال اجرة القصار والصیغ والطوازی والقتل وحمل الطعام وسوق الغنم ویقول قام علی بکذا ولا یقول اشتربته لانه کذب۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۶۱۱ باب التولیۃ والمراجعة)

ومثله فی رد المحتار ج ۵ ص ۱۳۵ کتاب البیوع، باب المراجعة والتولیۃ (۱۹)
 ۲۰ قال العلامة الحسینی رحمہ اللہ، فان ظهر خیانة فی مراجعة باقر او برن علی ذلک او بتکلیف عن الیمن اخذه المشتري بكل ثمنه اورده۔ (الدر المختار علی صہر رد المحتار ج ۵ ص ۱۳۵ کتاب البیوع باب المراجعة والتولیۃ۔
 ومثله فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۲۶ باب المراجعة والتولیۃ۔

سئل ٹیکس قیمت خرید میں ملانے کا حکم | سوال: حکومت تاجروں اور چھوٹے دوکانداروں سے سیلز ٹیکس کے نام سے جو ٹیکس وصول کرتی ہے تو کیا بائع کے لیے اتنی مقدار رقم مبیعہ کی قیمت خرید میں ملانا اور مشتری سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: موجودہ دور میں حکومت کی طرف سے عائد کردہ سیلز ٹیکس یا دیگر ٹیکس چونکہ جائز حدود سے نکل کر ظلم و تعدی کے دائرہ میں داخل ہیں اور اس میں کسی امیر یا غریب کی تمیز بھی نہیں، شرح ٹیکس بھی اتنی زیادہ ہے کہ دینے والا اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہے اس بناء پر سیلز ٹیکس بالکل اُس رقم کی طرح ہے جو راستے میں تاجروں سے ظلماً و جبراً وصول کی جاتی ہے۔ اس لیے صورتِ مسئلہ میں مشتری کو قیمت خرید بتاتے وقت اس میں ٹیکس کا اضافہ ضم کر کے میں خیانت کا پہلو غالب ہو جاتا ہے، تاہم اگر بائع مشتری کو قیمت خرید بتائے بغیر جملہ ٹیکسوں کا حساب کر کے اُس سے کسی قیمت پر اتفاق کر لے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین المحصن رحمہ اللہ: لا یضم اجوالطیب وما یؤخذ فی الطریق من الظلم الا اذا جرت العادة بضمه هذا هو الاصل كما علمت فلیکن المعنول علیہ۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۲۱ باب المراجعة والتولية)

ضلع ٹیکس، پل ٹیکس، محصول چونگی وغیرہ اخراجات اصل قیمت میں ملانا | سوال: پل ٹیکس، ضلع ٹیکس، راہداری

اور محصول چونگی وغیرہ کے اخراجات مبیعہ کی اصل قیمت سے ملانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: آج کل حکومت کے عائد کردہ مذکورہ بالا ٹیکس ظالمانہ اور جابرانہ صورت اختیار کر چکے ہیں، ان اضافی اخراجات کا مبیعہ کی قیمت خرید میں ملانا یا نہ ملانا تجارت کی عادت اور عرف پر موقوف ہوگا، پس اگر تجارت کی عادت اور عرف ملانے کی ہو تو پھر ایسا کرنا جائز رہے ورنہ اضافی اخراجات کا اصل قیمت میں ملانا جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: ہی ای التولية یبع بتمن سابق والمراجعة بیع ویزادة۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۶۱۱ باب المراجعة والتولية)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْنَدِيَّةِ ج ۳ ص ۳۱۱ كِتَابُ الْبَيْعِ - بَابُ الْمَرَاجَعَةِ وَالتَّوْلِيَةِ -

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : لا یضم اجر الطیب وما
یاخذ فی الطریق من الظلم الا اذا جرت العادة بضمه هذا هو الاصل كما علمت
فلیکن المعول علیہ - (الدر المختار علی صمد المختار ج ۵ ص ۱۳۴ باب المراجعة والتولية) -

قسطوں میں اشیاء کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت | سوال :- آج کل بعض

کاروباری ادارے عوام کی سہولت کے لیے روزمرہ استعمال کی اشیاء قسطوں میں فروخت کرتے ہیں لیکن نقد ادائیگی کی نسبت اقساط میں خریدنے کی صورت میں زیادہ قیمت ادا کرنا پڑتی ہے، تو کیا بذریعہ قسط حکومتی یا بعض پرائیویٹ اداروں سے اشیاء ضروریہ خریدنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- دور حاضر میں اقساط کے ذریعے روزمرہ استعمال کی چیزوں کی خرید و فروخت کا رواج عام ہو چکا ہے کیونکہ کم آمدنی اور متوسط طبقہ کے لوگ منگوائی اور تنگدستی کی وجہ سے اپنی ضرورت کی چیزیں نقد ادائیگی کر کے خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے، لہذا انہیں ضروری اشیاء اور دیگر سامان وغیرہ مجبوراً قسطوں میں خریدنا پڑتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بالغ اسی وقت اپنا سامان خریدار کی طلب پر اس کے حوالے کر دیتا ہے جبکہ خریدار اس چیز کی قیمت نقد ادا نہیں کرتا بلکہ طے شدہ قسطوں کی صورت میں ادا کرتا ہے اس طریقہ پر کوئی چیز خریدنے کی صورت میں اس کی قیمت زیادہ لگائی جاتی ہے، اگر خریدار اس چیز کو نقد خریدنا چاہے تو مقررہ قیمت سے کم قیمت پر بازار سے خرید سکتا ہے جبکہ قسطوں میں ادائیگی کی وجہ سے زیادہ قیمت دینی پڑتی ہے۔

مذکورہ طریقہ بیع میں صرف یہی ایک پیچیدگی نظر آتی ہے کہ ادھار خریدنے کی صورت میں قیمت زیادہ اور نقد خریدنے کی صورت میں قیمت کم دینی پڑتی ہے، ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ادھار بیع میں نقد بیع کے مقابلہ میں زیادہ قیمت لگانا شرعاً مرتضیٰ ہے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ عاقدین کسی ایک قیمت پر متفق ہوں

لما قال العلامة ابن نجیم المصری : والذي یؤخذ فی الطریق من الظلم لا یضم الا فی موضع جرت العادة فیہ بینہم بالضم - (البحر الرائق ج ۶ ص ۱۱۱ باب المراجعة والتولية)

ومثله فی الہندیۃ ج ۳ ص ۱۴۳ کتاب البیوع باب المراجعة والتولية۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر بائع یہ کہے کہ یہ چیز میں نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں بیچتا ہوں، اور طرفین کسی ایک نرخ پر اتفاق کئے بغیر جدا ہوئے تو یہ بیع ناجائز ہے، البتہ اگر اسی مجلس میں نقد یا ادھار میں سے کسی ایک قیمت پر دونوں کا اتفاق ہو گیا تو بیع جائز ہے یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نقد اور ادھار کی بجائے مختلف مدتوں کے مقابلے میں مختلف قیمتیں مقرر کی جائیں، مثلاً نقد سو روپے میں جبکہ ادھار ایک سو بیس روپے میں اور یہ ادھار ایک ماہ کے لیے ہو گا، اور اگر ادھار دو ماہ کا ہو تو ایک سو پچاس روپے میں اور اگر ادھار تین ماہ کے لیے ہو تو اور بھی زیادہ قیمت ہوگی۔ تو جس طرح نقد اور ادھار کی بنیاد پر قیمتوں میں اختلاف جائز ہے تو اسی طرح مدتوں کے اختلاف کی بناء پر بھی قیمتوں میں اختلاف جائز ہے، کیونکہ بیع کی ان دونوں قسموں میں بظاہر کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عاقدین کے درمیان عقد بیع میں مختلف مدتوں اور قیمتوں کے درمیان کسی ایک مدت اور قیمت کا تعین ہونا ضروری ہے۔ اور اگر یہ کہا کہ ایک ماہ تک رقم ادا کرو گے تو اتنی قیمت، دو ماہ تک ادا کرو گے تو اتنی قیمت اور تین ماہ تک ادا کرو گے تو اتنی قیمت، اور اگر تعین کئے بغیر جدا ہوئے تو یہ حالت لازم ہو کر بیع ناجائز ہے۔

قال الامام ترمذی رحمہ اللہ: تَعَتَ هَذَا الْحَدِيثُ نَهْيَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ وَقَدْ تَسَرَّعَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ أَنْ يَقُولَ ابِيعْكَ هَذَا الثَّوْبَ بِمَقْدَرِ عَشْرَةِ وَبِنِسْفَةِ عِشْرِينَ وَلَا يَفَارِقُهُ أَحَدُ الْبَايِعَيْنِ فَإِنْ فَارَقَهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَتْ الْعَقْدَةُ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمَا۔ (الترمذی ج ۱ ص ۲۳۳ کتاب البیوع۔ باب ما جاز فی النہی عن بئیعتین فی بیعة) لہ

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا | سوال :- بعض اوقات ایک چیز

لہ قال العلامة علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ : لان للاجل شعبها بالبيع الا يراى انه يزداد في الثمن لاجل الاجل۔

(الهداية ج ۳ ص ۶۷ باب المراجعة والتولية، کتاب البیوع)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۶ ص ۱۱۱۱ باب المراجعة والتولية۔

نقد ادائیگی کی صورت میں کم قیمت پر جبکہ ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر ملتی ہے، کیا نقد اور ادھار کی صورت میں قیمت میں کمی بیشی جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- نقد اور ادھار کی صورت میں قیمت میں کمی بیشی مقرر ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد مقرر کر لی جائے۔

لما قال العلامة علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: لان للاجل شيها بالمبيع لا يدرى انه يزداد في الثمن لاجل الاجل - (الهداية ج ۳ ص ۱۱۷ کتاب البيوع - باب المراجعة والتولية) ۱۔
سوال :- ایک شخص نے بیع مراحمہ میں دھوکہ سے لی گئی زائد رقم پر رجوع کا حکم کسی سے شوتل و جانور کا چارہ خریدنا چاہا اور اس سے اس کا نرخ پوچھا تو اس نے بتایا کہ بوری کے حساب سے ۴۵ روپے فی بوری تھے پڑتی ہے اور آپ کو میں ۵۰ روپے فی بوری کے حساب سے دوں گا، وہ شخص اس سے بوریاں خرید لیتا ہے اور بعد میں اس کو پتہ چلتا ہے کہ بازار میں تو اس کا ریٹ ۴۸ روپے فی بوری ہے، اب شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ بائع سے زیادہ لی ہوئی رقم واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ بیع مراحمہ کی ہے، بیع مراحمہ میں عاقدین کے مابین جو بھی طے پا گیا وہی اس چیز کی قیمت ہے، البتہ غبن فاحش کی صورت میں مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس سودے کو طے شدہ قیمت پر قبول کرے یا واپس کر کے بائع سے اپنے پیسے واپس لے لے، نقصان یا زیادتی کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

قال العلامة المرغینانی: فان اطلع المشتري على خيانة في المراجعة فهو بالخيار -

(الهداية ج ۳ ص ۵۵ باب المراجعة والتولية) ۲۔

۱۔ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: لان للاجل الاتري انه يزداد في الثمن لاجل الاجل -

(البحر الرائق ج ۶ ص ۱۱۷ کتاب البيوع، باب المراجعة والتولية)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۶ ص ۱۳۳ کتاب البيوع - باب المراجعة والتولية -

۲۔ قال العلامة ابوالبركات النسفي: فان خان في مراجعة اخذ بكل ثمنه -

(كنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۷ تحت باب المراجعة)

وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۲ ص ۱۱۷ باب المراجعة والتولية -

بیع کو زیادہ قیمت پر فروخت کرنا | سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دوکاندار آٹھ آنے کی چیز دو روپے میں فروخت کرتا ہے لیکن اپنی قیمت خرید کو خفیہ رکھتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ کے مطابق ایسا کرنا جائز اور حلال تو ہے مگر خلاف مروت ہے لہذا بہتر یہی ہے کہ منافعت پر فروخت کرے، قیمت خرید کو ظاہر کیے بغیر بیع بیچنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة الكاساني: ولو اشترى ثوباً بالعشر دراهم رقمة اثني عشر بعاة مرابحة على الرقم بغير بيان جاز إذا كان الرقم معلوماً والربح معلوماً ولا يكون خيانة لانه صادق لكن لا يقول اشتريته لانه يكون كاذباً فيه۔
(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۲۳ فی تحت بیان فی المربحة) ۱۔

بیع مرابحہ میں فیصدی کے ساتھ منافع کے تعین کا حکم | سوال: اگر کوئی شخص بیع مرابحہ کرتے وقت اصل قیمت سے زائد رقم کیلئے فیصدی کا سہارا لے، مثلاً زید دتا جرم بکر دگاہم سے کہتا ہے کہ میں آپ سے اس مال میں پانچ فیصد منافع لوں گا، تو کیا یہ عقد جائز ہے؟ کیا یہ سود کے زمرے میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: عقد مرابحہ میں اس نوعیت سے منافع کا تعین کرنا اگرچہ آجکل کے سودی لین دین کے ساتھ مشابہ ضرور ہے مگر حقیقت میں یہ سود نہیں لہذا صرف مشابہت کی بناء پر اس کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسلئے صورت مسئلہ کے مطابق منافع کا تعین فیصد کے اعتبار سے کرنا جائز ہے، اس لیے کہ اس عقد میں بیع مرابحہ کے جملہ لوازمات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

۱۔ قال العلامة المرغینانی: المربحة نقل ما ملكه بالعقد الاول بالثمن الاول مع زيادة ربح والتولية نقل ما ملكه بالعقد الاول بالثمن الاول من غير زيادة ربح والبيعات جائزان۔ (الهداية ج ۳ ص ۵۴ باب المربحة والتولية)
ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص ۱ تحت باب المربحة والتولية۔

وضاحت



آجکلے بلکہ زمانہ قدیم سے بازار میں ایک رواج چلا آ رہا ہے کہ تاجر حضرات کو فیس چیز نقد ادا کی گئی کہ صورت میں کم قیمت پر فروخت کرتے ہیں اور ادھار کے صورت میں زیادہ قیمت پر بیچتے ہیں۔ اہل علم حضرات نے اسے کہ شرع حثیت کو ابا گم کرنے کے لئے بہت کچھ لکھا ہے اور آئن بھی لکھا جاتا رہے گا۔ دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ الحق میں بھی اس موضوع پر ایک طویل سلسلہ بحث چلا تھا، اس بحث میں مولانا طابینے صاحب کراچی، مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی نے اپنا اپنا نقطہ نظر پیش کیا جبکہ دارالعلوم حقانیہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ نے دارالعلوم کا موقف دلائل و براہین کے ساتھ پیش کیا۔ اب افادہ عام کے لئے اس سلسلہ بحث کو فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔

— (از مرتبہ) —

ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت

حضرت مولانا محمد طاسین صاحب مجلس علمی کراچی

زیر نظر مضمون میں میرا اصل مقصد جس خاص مسئلہ کی شرعی حیثیت سے بحث و تحقیق کرنا ہے وہ مسئلہ ہے کہ ادھار پر کوئی چیز اُس قیمت سے زائد پر فروخت کرنا جو قیمت اس چیز کی بازار میں بصورت نقد رائج ہو، مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں عام طور پر بصورت نقد ایک سو روپے ہے اس کو مثلاً ایک سال کے ادھار پر ایک سو پچاس روپے میں فروخت کرنا اور خریدنا۔ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی اس میں جس معاشی معاملے کا ذکر ہے قرآن و حدیث کی رو سے یہ جائز معاملہ ہے یا ناجائز معاملہ؟ اس بحث و تحقیق میں اس کا تعین کرنا اصل مقصود ہے، اور یہ اس لیے کہ متعدد اشخاص نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا ہے اور یہ ایک زندہ مسئلہ ہونے کے ساتھ اپنے اثرات و معروضی نتائج کے لحاظ سے بڑا اہم اور ضروری مسئلہ بھی ہے۔ بحث کے شروع میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حقیقت میں کسی مسئلہ و معاملہ کے متعلق شرعی حکم صرف وہی ہو سکتا ہے جس کا تفصیلی یا اجمالی ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہو، کیونکہ شریعت اسلامی کا حقیقی ماخذ و سرچشمہ صرف قرآن و حدیث ہیں لہذا اصلاً اس بحث کا دائرہ انہی تک محدود ہے گا، تعامل صحابہ کرامؓ در اصل کتاب و سنت پر مبنی ہے۔ لہذا کسی مسئلہ اور معاملہ کی شرعی حیثیت متعین کرنے کے لیے اس کو دیکھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا بھی ضروری ہے۔ محدثین کرام کے ہاں حدیث کا جو وسیع مفہوم ہے اس میں آثار صحابہؓ بھی شامل ہیں، مطلب یہ کہ کسی معاملہ کے شرعی جواز و عدم جواز کے متعلق صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ فقہ و فقاہ کی فلاں کتاب میں فلاں فقیہ نے اس کو جائز یا ناجائز کہا اور لکھا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی اس نص اور دلیل کا ذکر بھی ضروری ہے جس کی بناء پر اس فقیہ نے ایسا کہا اور لکھا ہے اور یہ اس لیے بھی کہ وفاقی شرعی عدالت کے جج حضرات کسی فقہیہ کے قول کو صرف اس وقت مانتے ہیں جب اس کے ساتھ قرآن و حدیث کی کوئی دلیل موجود ہو کیونکہ دستور مملکت خدا داد پاکستان کے اندر صرف قرآن و حدیث کو اسلامی احکام کا ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔

اصل مسئلہ پر بحث سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک ادھار و قرض پر کوئی چیز بیچنے اور خریدنے کا تعلق ہے تو یہ قرآن و حدیث کی رو سے قطعی طور پر جائز ہے۔ اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی

آیت مداینہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث پیش کر دینا کافی ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسروں سے ادھار پر ضرورت کی چیزیں لینے کا واضح بیان ہے، اور یہ بھی کہ بعض دفعہ ادائیگی کے وقت آپ نے بہتر طور پر ادائیگی فرمائی۔ قرآن و حدیث میں قرضِ حسنہ کے متعلق جو تعلیم ہے اس سے بھی صریح طور پر اُس ادھار کا جواز ثابت ہوتا ہے جس پر کوئی اضافہ نہ ہو۔ کسی ضرورتمند کو ادھار پر اس کی ضرورت کی چیز اسی قیمت پر دینا جو نقد کی صورت میں ہو قرضِ حسنہ کی تعریف میں آتا ہے جو کہ بڑے اجر و ثواب کا نیک عمل ہے، بعض احادیث میں اس کو صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے جو نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحب و مستحسن عمل ہے۔

اسی طرح بیعِ مراءجہ کی وہ شکل بھی قطعی طور پر جائز ہے جس میں فروخت کی جانے والی چیز کی اصل قیمت بھی صحیح بتلائی گئی اور اس پر نفع کی مقدار بھی صرف اتنی لگائی گئی ہو جو تا جروں کے ہاں اور بازار کے عام رواج کے مطابق ہو یا اس سے بھی کم ہو، مثلاً اگر بازار میں عام طور پر نفع کی مقدار دس فیصد رائج ہو اور مراءجہ میں فروخت کرنے والا فروخت کی جانے والی چیز کی اصل قیمت پر زیادہ سے زیادہ دس فیصد منافع لگائے، مثلاً جو چیز اس کو سو روپے میں پڑی ہے اس پر نفع دس روپے یا اس سے کم لگا کر بیعِ مراءجہ کے طور پر فروخت کرے تو اس کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ بالفاظِ دیگر بازار میں عام نرخ کے مطابق ایک چیز کی قیمت ایک سو روپے تھی اور مراءجہ کی شکل میں بھی وہ ایک سو روپے میں ہی فروخت کی گئی یا مثلاً رعایت کے ساتھ ایک سو پانچ روپے میں فروخت کی گئی تو بیعِ مراءجہ کی یہ صورت بالکل جائز ہوتی ہے اور شرعی طور پر یہ معاملہ قطعاً درست ہوتا ہے کیونکہ اس میں فریقین معاملہ کی حقیقی رضامندی موجود ہوتی ہے، اور یہ اس وجہ سے موجود ہوتی ہے کہ اس میں ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا اس کی مرضی کے مطابق معاوضہ پایا جاتا ہے جو قلبی رضامندی کا خارجی اور معروضی معیار ہے بخلاف مراءجہ کی ایسی شکل کے کہ جس میں فروخت کرنے والا خریدار کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی چیز بازار کے مقابلہ میں کہیں زیادہ نفع پر فروخت کرتا ہے، مثلاً یہ دیکھتے ہوئے کہ خریدار نقد ادائیگی نہیں کر سکتا کچھ عرصہ کے ادھار پر لینا چاہتا ہے لہذا ادھار کی وجہ سے نفع دس فیصد کی بجائے بیس یا تیس فیصد لگا دیتا ہے، اس صورت میں خریدار کی اگرچہ ظاہری طور پر رضامندی موجود ہوتی ہے لیکن حقیقی طور پر موجود نہیں ہوتی کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ جو چیز وہ ادھار کی وجہ سے مثلاً ڈیڑھ سو روپے میں خرید رہا ہے وہ بازار میں بصورت نقد سو روپے میں ملتی ہے اور یہ کہ فروخت کرنے والا دوسرا فریق اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پچاس روپے کا اضافہ کر رہا ہے چنانچہ وہ ضرورت کے تحت لے تو لیتا ہے لیکن دل سے خوش نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کے لیے پچاس روپے کا مادی معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہذا مراءجہ کی یہ شکل بلحاظ حقیقت

درست نہیں ہوتی بلکہ باطل معاملہ کی تعریف میں آتی ہے، اس کی مزید کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

اب میں اپنے اصل مسئلہ کی طرف آتا ہوں یعنی یہ کہ ادھار کی صورت میں کوئی چیز نقد قیمت کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ جہاں تک جواز کا تعلق ہے تو انتہائی تلاش و جستجو کے باوجود مجھے قرآن کریم، احادیث نبوی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایسی دلیل نہیں مل سکی جس سے معاملہ مذکور کا جواز نکلنا اور ثابت ہوتا ہو۔ البتہ عدم جواز کے متعلق قرآن، حدیث اور آثارِ صحابہ میں واضح اور قطعی دلائل ملتے ہیں۔ تحریم ربو سے متعلق جو آیات، احادیث اور آثار ہیں ان سے معاملہ زیر بحث کا قطعی طور پر ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ قرآن حکیم نے عہدِ جاہلیت کی جس متعارف ربو کو قطعی طور پر حرام و ممنوع قرار دیا ہے اس کی چند شکلوں میں سے ایک شکل یہ بھی تھی کہ ایک شخص دوسرے پر کوئی چیز ادھا بیچتا تو مدتِ قرض کے لحاظ سے اس کی قیمت میں اضافہ کرتا۔ مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں ایک سو درہم ہوتی ایک سال کے ادھار پر ڈیڑھ سو درہم میں بیچتا، پھر جب ایک سال کے بعد بھی مقروض بڑھ کر دو سو درہم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ اس سے کہتا میں مدتِ قرض میں مزید اتنا اضافہ کر دیتا ہوں تم اپنے ذمہ رقم کی مقدار اتنی بڑھا دو اور پھر قرض کی رقم کی مقدار مزید ایک سال کے لیے دو سو درہم کر دی جاتی، پھر اگر دوسری مدت میں بھی وہ ادا نہ کر سکتا تو مزید مہلت کے عوض قرض کی رقم میں مزید اضافہ کر دیا جاتا، اس طرح بڑھتے بڑھتے یہ رقم اصل کے کئی گنا ہو جاتی یعنی اَصْحًا فَاَمَضًا عَفَّةً بن جاتی، یہی حال نقد کے قرض میں بھی ہوتا، ایک آدمی دوسرے کو مثلاً ایک سو درہم ایک سال کے لیے قرض دیتا تو اس مدت کے لحاظ سے اس میں اضافہ کر دیا جاتا جو درمیان میں ہر ماہ یا سال کے بعد کمبشت اصل کے ساتھ واجب الادا ہوتا، جیسا کہ موجودہ بینکاری نظام میں ہوتا ہے۔ غرضیکہ قرآن حکیم نے ربو انیسیتہ کی جن مروجہ شکلوں کو حرام قرار دیا ان میں سے ایک شکل ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شکل بھی تھی جس کا اظہار مندرجہ ذیل روایات سے ہوتا ہے جن کو مفسرین کرام نے تحریم ربو کی آیات کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

(۱) عن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ قال کان الربوا الذی اذن اللہ فیہ بالحو لم ینکرہ عند الجاہلیۃ لیکون للرجل علی رجل حق الا جل فاذا جل الاجل قال صاحب الحق اتقنی ام تروی فان قضاه اخذ منه ولا طواه۔ (جامع الاصول ج ۱ ص ۴۹ رقم حدیث ۳۲۰۲ باب الربو الفرع الثالث فی اقسام المتقوم ترجمہ) حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا وہ ربو جس کو ترک نہ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اعلانِ جنگ فرمایا عہدِ جاہلیت میں اس کی شکل اس طرح تھی کہ ایک آدمی کا دوسرا ایک خاص

مدت کے لیے حق یعنی دین و قرض ہوتا پس جب مقررہ وقت آتا تو صاحب حق یعنی قرض خواہ اپنے مقروض سے کہتا ادا کرتے ہو یا مزید مہلت کے عوض مال قرض میں اضافہ کرتے ہو، اگر وہ ادا کرتا تو لیکر معاملہ ختم کر دیتا ورنہ اس کو ہر مرتبہ بڑھاتا چلا جاتا۔

(۲) عن مجاہدؒ انه قال في ربوا الذي نهى الله عنه كان في الجاهلية يكون للرجل على الرجل دين فيقول لك كذا وكذا وتؤخر عني فيؤخر عنه۔ (تفسير الطبري ج ۳ ص ۲۷۵ سورة البقرة آیت ۲۷۵) (ترجمہ) حضرت مجاہدؒ نے فرمایا وہ ربو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا عہد جاہلیت میں اس کی شکل یہ ہوتی کہ ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر واجب الادا دین (قرض) ہوتا تو جب ادائیگی کا مقررہ وقت آتا تو مقروض آدمی اپنے قرض خواہ سے کہتا مہلت بڑھا دو اور مطالبہ مؤخر کر دو اس کے بدلے آپ کے لیے اتنا اتنا مزید ہو گا چنانچہ وہ مطالبہ مؤخر کر کے مہلت بڑھا دیتا اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا۔

(۳) عن سعيد بن جبیر قال ان الرجل كان يكون له على الرجل المال فاذا حل الاجل طلبه من صاحبه فيقول المطلق اخرني وازيدك في ذلك فيفعل ذلك۔ (تفسير ابن المنذر ج ۱ ص ۲۷۵ سورة البقرة آیت ۲۷۵) (ترجمہ) حضرت سعید بن جبیرؒ نے ربو جاہلی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ اس طرح تھی کہ ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر بطور قرض مال ہوتا پھر جب قرض کی مقررہ مدت پوری ہوتی تو قرض والا اپنے مقروض سے اپنا مال طلب کرتا پھر اگر مقروض ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوتا تو مقرض سے کہتا مجھے مزید مہلت دیجئے میں اس کے عوض آپ کے مال میں آپ کے لیے اضافہ کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ آپس میں ایسا کر لیتے اور یوں یہ سلسلہ جاری رہتا۔

(۴) عن قتادة قال ان ربوا الجاهلية يبيع الرجل المبيع الى اجل مستحى فاذا حل الاجل ولم يكن عند صاحبه قضا، زاده وأخر عنه۔ (تفسير الطبري ج ۳ ص ۲۷۵ سورة البقرة آیت ۲۷۵) (ترجمہ) حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ربو جاہلی کی ایک شکل یہ تھی کہ ایک آدمی اپنی کوئی چیز ایک خاص وقت تک کے لیے قرض پر بیچتا پھر جب وہ خاص وقت آتا اور اس کے مقروض کے پاس ادائیگی کا انتظام نہ ہوتا تو مال بڑھا کر مزید مہلت دے دیتا۔

(۵) عن عطارد بن ابی رباح قال كانت ثقیف تدائن في بني المغيرة في الجاهلية فاذا حل الاجل قالوا نزيدكم وتؤخرون۔ (تفسير ابن المنذر ج ۲ ص ۱۲۸ سورة آل عمران آیت ۱۳۰) (ترجمہ) حضرت عطارد بن ابی رباحؒ نے فرمایا عہد جاہلیت میں بنو ثقیف، بنو المغیرہ کو قرض دیا کرتے تھے جب ادائیگی کا مقررہ وقت آتا تو بنو المغیرہ بنو ثقیف سے کہتے ہم تمہارا مال زیادہ کر دیتے ہیں

آپ ہمیں مزید مہلت دے دیجئے،

ان مذکورہ روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ربوہ الجاہلی جس کا دوسرا نام ربوہ النبیۃ ہے، قرض کا ایسا معاملہ تھا جس میں مہلت اور مدت قرض کے عوض مال قرض میں اضافہ کیا جاتا تھا خواہ وہ قرض نقد کی صورت میں ہو یا کسی فروخت کردہ چیز کی قیمت کی صورت میں اور یہ کہ اس کو قرآن حکیم نے حرام و ممنوع ٹھہرا کر اس خیال کی نفی اور تردید کر دی کہ قرض دینے والا مہلت قرض کے عوض مقروض سے قرض کے اصل مال پر کچھ بھی زائد مال مل سکتا ہے۔

یہاں یہ مناسب اور مفید سمجھتا ہوں کہ اکابر مفسرین کرام کی کچھ عبارات پیش کر دوں جو انہوں نے ربوہ الجاہلی کی تفسیر میں فرمائی ہیں تاکہ حقیقت حال اچھی طرح واضح ہو جائے۔ چنانچہ امام ابو بکر الجصاصؒ اپنی جلیل القدر فقہی تفسیر میں ربوہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

والربوہ الذی کانت العرب تعرفہ وتفعلہ انما کان قرض الدراہم والدنانیر الی اجل زیادۃ علی مقدار ما استقرضہ علی ما یتراضون بہ ہذا کان المتعارف المشہور عندہم۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۵۵۲ باب الربوہ)

(ترجمہ) وہ ربوہ جس کو اہل عرب جانتے پہچانتے اور کیا کرتے تھے اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ ایک مقررہ مدت تک دراہم و دنانیر کے قرض کا معاملہ تھا جس میں یہ طے پاتا تھا کہ قرض کے اصل مال پر کچھ زائد بھی ضرور لینا دینا ہوگا، ربوہ کا یہی معاملہ عربوں کے ہاں مشہور اور مشہور تھا، اس سے کچھ آگے ایک اور عبارت اس طرح ہے :-

ولحدیث تعامدہم بالربوہ الاعلیٰ الوجہ الذی ذکرنا من قرض دراہم و دنانیر الی اجل مع شرط الزیادۃ۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۵۵۲ باب الربوہ)

(ترجمہ) عربوں کے اندر جس ربوہ پر عمل درآمد تھا اس کی وہی شکل تھی جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا یعنی ایک خاص مدت تک دراہم و دنانیر کا قرض جس کے ساتھ زیادتی کی شرط ہوتی تھی :-

پھر دو صفحات کے بعد ایک تیسری عبارت کچھ اس طرح ہے :-

انہ معلو ان الربوہ الجاہلیۃ انما کان قرضاً مؤجلاً بزیادۃ مشروطۃ فکانت الزیادۃ بدلاً من الاجل، فابطلہ اللہ وحرّمہ وقال وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۵۵۲ باب الربوہ من ابواب الربوہ الذی تضمنت الآیۃ تحریمہ)

(ترجمہ) یہ ایک معلوم اور جانی ہوئی بات ہے کہ عہد جاہلیت کی ربوہ سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ

زیادتی کی شرط کے ساتھ میعادِ قرض کا معاملہ تھا اور اس میں قرض کے اصل مال پر جو زیادتی ہوتی تھی وہ مدت اور مہلت قرض کا بدل سمجھی جاتی تھی پس اس کو اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا اور فرمایا اگر تم اس سے توبہ کر کے باز آ جاؤ تو پھر تمہارے لیے صرف تمہارے اصل اموال ہیں جو تم نے بطور قرض دیئے تھے نہ تم ان پر کچھ زائد لیکر اپنے مقروضوں پر ظلم کرو اور نہ وہ تمہارے اصل اموال روک کر تم پر ظلم کریں۔
واضح ہے کہ یہاں ظلم کے معنی حق تلفی کے ہیں۔

اس تیسری عبارت میں جو بات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ قرض کے اصل مال پر جو زیادتی مشروط ہوتی تھی وہ اجل یعنی مدت قرض کا عوض اور بدل سمجھی جاتی تھی۔

دوسرے مفسر امام فخر الدین الرازیؒ نے اپنی عظیم المرتبت تفسیر مفاتیح الغیب میں جو کہ تفسیر البکیر کے نام سے معروف ہے، ربو کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

اما الربو النسبة فهو الاموال التي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية وذلك انهم كانوا يدفعون المال على ان ياخذوا كل شهر قدراً معيناً ويكون رأس المال باقياً، ثم اذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال فان تعذر عليه الاداء زادوا في الحق والاجل فهذا هو الربو الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون۔ (تفسیر البکیر ج ۱ ص ۹۹ سورۃ البقرہ)

(ترجمہ) ”البتہ ربو النسبة جو عہدِ جاہلیت میں مشہور اور متعارف تھی عملاً اس کی شکل اس طرح تھی کہ بعض لوگ اپنا مال دوسروں کو بطور قرض اس شرط پر دیتے کہ وہ ہر ماہ اپنے مقروض سے خاص مقدار میں کچھ مال بطور سود دیتے رہیں گے اور قرض کا اصل مال اپنی حالت پر باقی رہے گا پھر جب ادائیگی مقررہ وقت آتا تو وہ مقروض سے اصل مال کا مطالبہ کرتے پھر اگر اس کے لیے ادائیگی مشکل ہوتی تو اپنے حق اور قرض کی مہلت میں اضافہ کر دیتے، پس یہی وہ ربو تھی جس کا لوگ عہدِ جاہلیت میں لین دین اور کاروبار کرتے تھے۔“

اسی تفسیر میں ربو سے متعلق ایک اور عبارت کچھ اس طرح ہے :-

كان الرجل في الجاهلية اذا كان له على انسان مائة درهم الى الاجل فاذا جاء الاجل ولم يكن المديون واجداً لذلك قال زدني في المال حتى ازيد الاجل فوجله ما شئت۔ (تفسیر البکیر ج ۱ ص ۹۹ سورۃ آل عمران آیت ۱۳)

(ترجمہ) ”زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی کے کسی انسان پر ایک خاص وقت کیلئے ایک سودِ درہم قرض ہوتے پھر جب وہ وقت آتا اور مقروض کے پاس ادائیگی کیلئے مال نہ ہوتا تو وہ کہتا تھا میرے حق میں اضافہ کر دو تاکہ میں اجل کو زیادہ کر دوں پس بسا اوقات وہ سودِ درہم کے دو سودِ درہم کر دیتا۔“

مذکورہ عبارات میں اس کی تصریح ہے کہ عہد جاہلیت کی ربلو جس کو قرآن مجید نے قطعی حرام بتلایا ہے اس کے اندر جو مرکزی تصور کارفرما تھا وہ یہ کہ مقرض یعنی قرض دینے والا مدت قرض کے بدلے قرض کے اصل مال پر کچھ زائد مال کا حقدار قرار پاتا ہے، قرآن کریم نے اس ربلو کو حرام قرار دے کر اور یہ فرما کر کہ مقرض اپنے اصل مال پر جو کچھ بھی زائد لیتا ہے وہ اس کا حق نہیں ہوتا بلکہ مقروض کا حق ہوتا ہے، تصور مذکور کی نفی کر دی ہے، گویا یہ فرمایا کہ اجل اور مدت قرض کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی مال کا بدل بن سکتی ہو اور جس کا کوئی معاوضہ لیا دیا جاسکتا ہو۔

یہاں تک ربلو الجاہلی اور ربلو النسیۃ کی حقیقت و ماہیت اور اس کی شرعی حیثیت کے متعلق قدرے تفصیل کے ساتھ جو کچھ لکھا اور عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں جب ہم اپنے زیر بحث معاملے کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ معاملہ اپنی حقیقت و ماہیت، اپنے منشاء و مقاصد اور اپنے لازمی اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربلو النسیۃ جیسا معاملہ ہے، وہ اس طرح کہ اس میں ایک شے جس کی قیمت نقد سے بازار میں عام طور پر مثلاً ایک سو روپے ہوتی ہے جب ایک سال کے ادھار پر وہ ایک سو پچاس روپے میں بیچی جاتی ہے تو اس میں پچاس روپے کا جو اضافہ ہوتا ہے وہ دراصل ایک سال کی مدت و مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے، نیز جس طرح ربلو النسیۃ میں مقروض سے قرض کے اصل مال پر لیا جانے والا زائد مال بلا عوض ہوتا اور مقروض کی حق تلفی قرار پاتا ہے۔ اسی طرح زیر بحث معاملہ میں بیچی جانے والی شے کی اصل قیمت پر ادھار کی وجہ سے جو اضافہ ہوتا ہے بیچنے والے کی طرف سے خریدار کے لیے اس کا کوئی معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہذا بیچنے والا جو زائد لیتا ہے خریدار کا حق لیتا اور اس کی حق تلفی کرتا ہے، نیز جس طرح ربلو النسیۃ میں قرض دہندہ کا مقصد بغیر کسی دماغی و جسمانی محنت و مشقت کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ضمانت کے اپنے سرمائے کو بڑھانا ہوتا ہے۔ اسی طرح زیر بحث بیع المؤجل کے معاملہ میں فروخت کنندہ کا مقصد بغیر کسی پیداوار و محنت اور عملی جدوجہد کے اور بغیر کسی نقصان برداشت کرنے کی ذمہ داری کے نفع کمانا اور اپنے سرمائے کو بڑھانا ہوتا ہے۔ پھر جس طرح ربلو النسیۃ کے معاشرے میں معاشی عدم توازن اور غیر فطری نشیب و فراز رونما ہوتا اور ملکی دولت چند اغنیاء اور سرمایہ داروں کے درمیان سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح زیر بحث معاملہ کے بھی عام رواج سے معاشرے میں ویسی ہی معاشی حالت پیدا ہوتی ہے غرضیکہ وہ تمام اخلاقی، معاشرتی اور معاشی برائیاں جو ربلو النسیۃ کے عملی رواج سے ظہور میں آتی اور معاشرے کے توازن کو بگاڑتی ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام نے ربلو النسیۃ کو قطعی طور پر حرام اور ممنوع ٹھہرایا ہے وہ سب زیر بحث بیع المؤجل کے معاملہ سے بھی لازمًا ظہور میں آتی ہیں لہذا اصول قیاس کا تقاضا یہ

ہے کہ اس معاملہ کا بھی وہی شرعی حکم ہونا چاہیے، جو معاملہ ربو النسبتہ کا ہے یعنی حرام کیونکہ بنیادی طور پر ان کے درمیان کچھ فرق نہیں صرف لفظی فرق ہے جس کا عقود و معاملات میں شرعاً کوئی لحاظ اور اعتبار نہیں ہوتا۔ لا اعتبار فی العقود للمقاصد والمعانی لا للالفاظ والامبا مسلمہ قاعدہ کلیہ ہے۔

قرآن مجید کی جس دوسری آیت سے معاملہ زیر بحث کی شرعی حیثیت پر روشنی پڑتی اور اس کا عدم ہوا ثابت ہوتا ہے وہ سورۃ النساء کی یہ آیت کریمہ ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ (سورۃ النساء آیت ۲۹)

ترجمہ ”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ ایسی تجارت کا طریقہ ہو جس میں فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہو۔“

اس آیت کریمہ کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال کھانے کی ممانعت ہے اور الا حرف استثناء کے بعد دوسرے حصہ میں ایسی تجارت کے طریقہ سے ایک دوسرے کا مال لینے کی اجازت ہے جس میں ہر فریق کی حقیقی اور دلی رضامندی پائی جاتی ہو۔ پہلے حصہ میں جو لفظ باطل ہے وہ حق کی ضد ہے اسی وجہ سے اس کا ترجمہ ناحق کیا جاتا ہے۔ بعض مفسرین کرام نے باطل کی تفسیر میں بھرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول پیش کیا ہے:-

الباطل هو كل ما يوتخذ من الانسان بغير عوض۔ (تفسیر الکبیر ج ۱۰ سورۃ النساء آیت ۳۰)

ترجمہ ”ہر وہ مال لینا باطل ہے جو کسی انسان سے بغیر عوض کے لیا جائے۔“

علامہ رشید الرضا باطل کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

اما الباطل ما لم يكن في مقابلة شيء حقيقي۔ (تفسیر المنار ص ۱۰)

ترجمہ ”باطل وہ ہے جو کسی حقیقی شے کے مقابلہ میں ہو یعنی اس کے بالمقابل کوئی حقیقی چیز نہ ہو۔“

لہذا آیت مذکورہ کے پہلے حصہ کا مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بغیر عوض کے نہ لو، یعنی معاوضے کے معاملات میں ایک دوسرے کا مال بغیر ایسے عوض کے نہ لو جو مالیت اور قدر و قیمت میں اس کے برابر ہو کیونکہ کسی مال کا صحیح عوض اور بدل صرف وہ ہوتا ہے جو قدر و قیمت میں اس مال کے برابر ہو، بنا بریں آیت کریمہ کے پہلے حصہ کی رو سے ہر وہ معاشی معاملہ باطل اور ممنوع قرار پاتا ہے جس میں ایک فریق کے لیے اس کے مال کا سرے سے عوض موجود ہی نہ ہو یا عوض تو موجود ہو لیکن قدر و قیمت کے لحاظ سے اس مال کے مساوی نہ ہو۔ آیت کریمہ کے دوسرے حصہ

میں معاوضے کے صرف اس معاملہ کو باطل سے مستثنیٰ اور جائز بتلایا گیا ہے جس میں ہر فریق کیلئے اس کی چیز کا بدلہ موجود نہ ہوتا لہذا فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہے، چونکہ تجارت یعنی بیع و شراء کا معاملہ ایسا ہی ہے اس میں بائع کو اپنی چیز کا عوض ثمن اور قیمت کی شکل میں اور مشتری کو اپنی چیز کا عوض خریدی ہوئی شے یعنی بیع کی شکل میں ملتا ہے۔ البتہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بائع مشتری کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی چیز اس قیمت سے زائد پر بیچ دیتا ہے جو عام طور پر بازار میں اس چیز کی ہوتی ہے، یا بعض دفعہ مشتری بائع کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی چیز اس قیمت سے کم پر خرید لیتا ہے جو بازار میں عام طور پر ہوتی ہے، لہذا بیع و شرائع کی ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ایک فریق کی حقیقی رضامندی موجود نہیں ہوتی اس وجہ سے کہ اس کے لیے اس کی چیز کا پورا اور صحیح عوض بدلہ موجود نہیں ہوتا لہذا بیع و شراء کا ایسا معاملہ کسی ایک فریق کی حقیقی رضامندی موجود نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز و ممنوع قرار پاتا ہے۔ جہاں تک ظاہری اور زبانی رضامندی کا تعلق ہے وہ تو معاملہ ربوہ میں بھی موجود ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ربوہ کا معاملہ حرام و ممنوع رہتا ہے، بلکہ حقیقت میں رضامندی کا خارجی اور معروضی معیار ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا صحیح عوض و بدلہ موجود ہونا ہے، وہ موجود ہو تو اس کا مطلب رضامندی کا موجود نہ ہونا ہے اور موجود نہ ہو تو اس کا مطلب رضامندی کا موجود نہ ہونا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں جو عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں معاملہ زیر بحث کو جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ باطل کا بھی مصداق نظر آتا ہے کیونکہ اس میں بیچنے والا ادھار کی وجہ سے اپنی سو روپے کی چیز جو ڈیڑھ سو میں بیچتا ہے تو اس میں خریدار سے جو پچاس روپے زائد لیتا ہے ان کا کوئی عوض اس کی طرف سے خریدار کے لیے موجود نہیں ہوتا لہذا وہ بغیر عوض کے دوسرے کا مال لیتا ہے جس کو آیت کے اندر باطل سے تعبیر کر کے ممنوع ٹھہرایا گیا ہے، نیز بیع و شرائع کا یہ ایسا معاملہ دکھائی دیتا ہے جس میں ایک فریق کے لیے اس کی چیز کا عوض موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی رضامندی موجود نہیں ہوتی، ظاہر ہے کہ اس میں خریدار کے لیے مذکورہ بالا مثال کے مطابق پچاس روپے کا عوض موجود نہیں ہوتا جو قرض کی وجہ سے بیچنے والا خریدار سے لیتا ہے لہذا اس کی حقیقی رضامندی بھی موجود نہیں ہوتی لہذا اس پہلو سے بھی یہ معاملہ ناجائز اور ممنوع قرار پاتا ہے۔

زیر بحث معاملہ کی شرعی حیثیت سے متعلق جہاں تک احادیث نبویہ کا تعلق ہے تو متعدد احادیث سے بھی اس کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے، ان بکثرت احادیث سے بھی جن میں ربوہ کی سختی کے ساتھ مذمت اور ممانعت ہے، طوالت سے بچتے ہوئے میں ان کو یہاں نقل اور ذکر نہیں کر رہا، بیع عینہ کی ممانعت

سے متعلق ہوا حدیث ہیں ان سے بھی اس معاملے کا عدم جواز مفہوم و مستنبط ہوتا ہے البتہ یہاں میں اس حدیث کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں ربو النسیۃ کی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے جو کہ حدیث کی بعض کتابوں میں ان الفاظ سے موجود ہے :-

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل قرض جو منفعة فہو رباً - و بلوغ المرام مترجم ۲ ص ۳۱۱ حدیث ۸۸۲

ترجمہ ”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربو ہے“

مطلب یہ کہ جو قرض، قرض دینے والے کیلئے قرض لینے والے کی طرف سے مالی منفعت کا سبب اور ذریعہ بنتا ہو وہ ربو ہے۔ اس حدیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ سند کے لحاظ سے اگرچہ ضعیف ہے، لیکن اس کے مضمون کی تائید چونکہ متعدد آثار صحابہ کرامؓ سے ہوتی ہے لہذا اس کو ہمیشہ قابل اعتماد سمجھا گیا اور فقہاء کرام اس سے استدلال کرتے رہے ہیں، صحابہ کرامؓ کے وہ آثار جن سے اس حدیث کو تقویت ملتی ہے سنن الکبریٰ للبیہقیؒ اور علاء السنن وغیرہ میں مذکور ہیں۔ ان آثار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ قرض دینے والا قرض کی وجہ سے اپنے مقرض سے کسی طرح کا کوئی مادی فائدہ اٹھائے اگرچہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، میں بغرض اختصار ان کو یہاں نقل نہیں کر رہا جو دیکھنا چاہے کتب مذکورہ میں دیکھ سکتا ہے۔ مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ نے ربو کے موضوع پر اپنے رسالہ کشف الدجی میں ان کو یکجا جمع کر دیا ہے جو امداد الفتاویٰ میں بھی شامل ہے۔

بہر حال اس حدیث کی رو سے بھی معاملہ زیر بحث ناجائز قرار پاتا ہے کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جو شخص مثلاً ایک سو روپے کی چیز ادھار پر ڈیڑھ روپے میں فروخت کرتا ہے وہ بچا سو روپے جو ناپ لیتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ قرض سے فائدہ اٹھاتا اور منفعت اندوز ہوتا ہے، اگر قرض نہ ہوتا تو نقد کی صورت میں اس کو اس چیز کے صرف سو روپے ملتے، پھر جب یہ معاملہ حدیث مذکور کے مطابق ربو کی تعریف میں آتا ہے تو اس کا بھی وہی شرعی حکم ہو سکتا ہے جو ربو و سود کا ہے یعنی حرام و ناجائز ہونا۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس کی بناء پر پوسے وثوق و یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیر بحث معاملہ قرآن و حدیث کی رو سے حرام اور ناجائز معاملہ ہے۔

اس کے بعد یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے بعض علماء کرام نے اپنی کتابوں میں بطور فتویٰ لکھا ہے کہ معاملہ مذکور شرعاً جائز معاملہ ہے یعنی شرعاً اس میں کچھ حرج نہیں کہ ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زائد قیمت پر بیچی جائے، چنانچہ اس فتوے کے پیش نظر بلا سود بینکاری کے لیے سود کے متبادل جو معاملات تجویز کیے گئے ہیں ان میں سے ایک معاملہ یہ بھی ہے گویا بینک کو اس کی اجازت دیدی گئی ہے کہ اس سے اگر کوئی شخص مشین وغیرہ خریدنے کے لیے قرضہ مانگے تو وہ اس کو سود پر نقد دینے کی بجائے اس سے یہ کہے کہ میں تیری مطلوبہ چیز خرید کر تم کو ایک سال کے ادھار پر دیدیتا ہوں اور ادھار کی وجہ سے مراجمہ کے نام پر اس کی اتنی قیمت لگائے جو بازار کی مروجہ قیمت سے کہیں زائد ہو مثلاً یہ کہے کہ یہ چیز جو مجھے سو روپے میں بڑی ہے پچاس روپے کے نفع کے ساتھ بیچتا ہوں تم ایک سو پچاس روپے ایک سال کے بعد ادا کر دینا، مطلب یہ کہ اس طرح کے معاملہ کو بینک کیلئے جائز قرار دیا گیا ہے جو حقیقت میں اپنے مقصد اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربو کی طرح کا معاملہ ہے اگرچہ اس کو بیع مراجمہ اور بیع مؤجل کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ویسے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا بیع مراجمہ بھی شرعاً اُس وقت جائز ہے جب اس میں ربح و نفع کی مقدار بازار کے عام عرف و رواج کے مطابق ہو اسی بیع مؤجل بھی شرعاً اُس وقت جائز ہے جب بیچی جانے والی چیز کی قیمت ادھا میں بھی اتنی ہی ہو جتنی نقد کی صورت میں ملتی۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو حضرات علماء کرام معاملہ زیر بحث کو شرعاً جائز سمجھتے اور کہتے ہیں ان کے وہ دلائل کیا ہیں جن کی بناء پر وہ ادھار کی چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کو جائز و درست مانتے ہیں لیکن اس بارے میں نہ میں اُن حضرات میں سے کسی کا اسم گرامی ذکر کروں گا اور نہ اس کتاب کا نام لکھوں گا جس میں کسی نے ایسا لکھا ہے بلکہ صرف وہ دلائل ذکر کروں گا جو ان حضرات نے اپنے موقف کے ثبوت میں پیش فرمائے ہیں اور فیصلہ اہل علم حضرات پر چھوڑ دوں گا جو استدلال اور استنباط کے مختلف طریقوں کا غیر معمولی علم و فہم رکھتے، صحیح اور غلط استدلال کے درمیان تمیز کر سکتے اور فیصلہ کرنے میں انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہیں۔

قارئین کرام یہ پڑھ کر حیران و متعجب ہوں گے کہ جو اہل علم حضرات معاملہ زیر بحث کے جواز کے قائل ہیں وہ اس کے ثبوت میں نہ تو قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کرتے ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث، نہ آثار صحابہ میں سے کوئی اثر، نہ ائمہ مجتہدین کا کوئی اجتہادی قول اور نہ مسلمہ قواعد فقہیہ میں سے کوئی قاعدہ پیش فرماتے ہیں بلکہ اس کے ثبوت میں بطور دلیل فقہ حنفی کی دو مشہور کتابوں مبسوط اور

ہدایہ کی ایک ایسی عبارت پیش کرتے ہیں جس سے کسی طرح بھی یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنا خریدنا شریعت اسلامی کی رو سے جائز ہے۔ میں اُس عبارت کو پیش کرنے سے پہلے جس سے ان حضرات نے استدلال فرمایا ہے اُس سیاق و سباق کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں وہ عبارت ذکر ہوئی ہے تاکہ حقیقت واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ جس سیاق و سباق میں وہ عبارت واقع ہے اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ فقہ حنفی کی مذکور بالا کتابوں میں جہاں بیع مراءجہ کی بحث ہے اس میں بیع المراءجہ کی فقہی تعریف، اس کی صحت کی شرائط اور اس کی مختلف شکلوں اور ان کے متعلق شرعی احکام کا بیان ہے۔ بیع مراءجہ کی تعریف جن الفاظ میں کی گئی ہے اردو زبان میں اس کا مطلب اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے بیع مراءجہ خرید و فروخت کا ایسا معاملہ ہے جس میں ایک شخص یہ کہہ کر اپنی کوئی چیز دوسرے پر فروخت کرتا ہے کہ یہ چیز میں نے اتنے میں خریدی یا مجھے اتنے میں پڑی ہے اور اتنے نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور دوسرا اس پر اعتماد و بھروسہ کر کے وہ چیز خرید لیتا ہے گویا اس میں کوئی چیز اس کی قیمت خرید پر متعین نفع کے ساتھ پیچی خریدی جاتی ہے، چونکہ اس بیع میں سچائی اور دیانتداری بنیادی حیثیت رکھتی ہے لہذا اس کو بیع الامانہ بھی کہا جاتا ہے، اس بیع کی صحت اور تکمیل کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ حقیقتاً جھوٹ اور خیانت موجود نہ ہو بلکہ اس کا شبہ بھی نہ پایا جاتا ہو، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ معاملہ طے پا جانے کے بعد اگر جھوٹ و خیانت کا شبہ ظاہر ہو جائے تو خریدار کو اس کے رد و قبول کا اختیار ہوتا ہے یعنی چاہے تو اس کو برقرار رکھے اور چاہے تو ختم کر دے۔

بیع المراءجہ کی وہ شکلیں جن میں جھوٹ و خیانت کے شبہ کی بناء پر خریدار کو معاملہ طے ہو جانے کے بعد رد و قبول کا اختیار ہوتا ہے ان میں سے ایک شکل جس کا امام محمد الشیبانی نے اپنی کتاب جامع الصغیر میں ذکر کیا ہے اس طرح ہے :-

من اشتري غلاما بالف درهم نسيت فباعه بربع مائة درهم ولم يبين فعلم المشتري ان شاء له وان شاء قبل۔ (جامع الصغیر ص ۳۲۸ باب فی المراءجۃ والتولیۃ)

(ترجمہ) ”ایک شخص نے ایک غلام ایک ہزار درہم میں ادھار پر خریدا اور پھر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو فروخت کر دیا اور خریدار کو یہ نہیں بتلایا کہ میں نے ایک ہزار درہم میں ادھار پر خریدا تھا، معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار کو اس کا علم ہوا تو ایسی صورت میں اس کو رد و قبول دونوں کا اختیار ہوتا ہے“

جامع الصغیر میں امام محمد الشیبانیؒ نے عبارت مذکور کے بعد اس کی کوئی توجیہ نہیں فرمائی کہ اس صورت میں خریدار کو معاملے کے رد کا کیوں اختیار ہوتا ہے اس کی عقلی طور پر کیا وجہ ہے؟ لیکن بعد کے بعض حنفی فقہاء کرام نے مذکورہ تجزیے کو نقل کرنے کے بعد اس کی توجیہ بھی لکھی ہے شمس الائمۃ السرخسیؒ نے اپنی کتاب المبسوط میں اس کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے: "قال رحمه الله واذا اشتري شيئاً نسيته فليس له ان يبيعه مراجه حتى يتبين انه اشتراه نسيه لان بيع المراجعة مع الامانة تنفي عنه كل تهمة وجناية وينحصر فيه من كل كذب وفي معاريف الكلام شبهة فلا يجوز استعمالها في بيع المراجعة ثم الانسان في العادة يشتري الشيء بالنسيه باكثر مما يشتري بالنقد۔ (المبسوط ج ۸ باب المراجعة والتولية) اس عبارت کا وہ مضمون جو اس بحث کا مقصود ہے یہ ہے۔"

ثم الانسان في العادة يشتري الشيء بالنسيه باكثر مما يشتري بالنقد۔
(ترجمہ) پھر انسان عادتاً ادھار کی چیز اس قیمت زائد پر خرید لیتا ہے جو نقد کی صورت میں ہوتی ہے۔
مطلب یہ کہ ادھار پر خریدی ہوئی چیز جب مبالغہ کے طور پر فروخت کی جائے تو امانت داری اور راست گوئی کا تقاضا یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کو صاف بتلا دے کہ یہ شے میں نے ادھار پر اتنے میں خریدی ہے اور اتنے نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں، اور یہ بتا دینا اس لیے ضروری ہے کہ حاجتمند انسان جب کوئی شے ادھار پر خریدتا ہے تو عادتاً بمقابلہ نقد کے زیادہ قیمت پر خرید لیتا ہے، لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ چیز بھی اُس نے اپنی حاجتمندی اور ناداری کی وجہ سے زیادہ قیمت پر خرید لی ہو جو بصورت نقد بازار میں اس کی نہ ہوا اور اب چونکہ وہ نقد کی صورت میں فروخت کر رہا ہے ادھار کی صورت میں نہیں کر رہا لہذا اس پر لازم ہے کہ خریدار کو اس حقیقت سے آگاہ کرے، چنانچہ آگاہ ہو جانے کے بعد بھی اگر وہ اس کو مطلوبہ قیمت پر خرید لیتا ہے تو پھر اس کو طے شدہ معاملہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا بخلاف اس صورت کے کہ وہ خریدار کو اس سے آگاہ نہیں کرتا اور معاملہ طے پا جانے کے بعد اسے اس کا پتہ چلتا ہے تو وہ اس معاملے کو فسخ کر سکتا ہے۔

المبسوط کی مذکورہ عبارت میں جس انسان اور اس کی عادت کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ وہ وہی ہو سکتا ہے جو کسی چیز کا حاجتمند ہو اور ناداری کی وجہ سے نقد پر نہ خرید سکتا ہو اور وہ چیز اس کو نقد کی قیمت پر بطور قرض حسنہ کے بھی نہ مل سکتی ہو ایسا انسان اپنی حاجت براری کے لیے مجبور ہوتا ہے کہ وہ ادھار دینے والے کی مرضی کے مطابق زیادہ قیمت پر خرید لے۔ اور لفظ عادت کا مطلب ہے کہ ایسا ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ

ایسا لازماً اور دائماً ہوتا ہے، کیونکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ قرضِ حسنہ کی اسلامی تعلیم پر عمل کرنے والے اور ربوہ کی ہر شکل سے بچنے اور اجتناب کرنے والے متقی مسلمان جب کسی حاجتمند انسان کو اس کی ضرورت کی چیز ادھار پر دیتے ہیں تو اسی قیمت پر دیتے ہیں جو بصورت نقد بازار میں اس کی رائج ہوتی ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت پر نہیں دیتے۔

بہر حال اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مادی فائدہ کے بغیر کسی کو قرض نہیں دیتے اور اپنے معاشی معاملات میں اسلامی اصول و احکام اور حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتے، اسی لیے ایسے لوگوں کا روٹیہ اور طرزِ عمل شریعتِ اسلامی کی رو سے جائز و درست نہیں ہوگا۔ شمس الائمہ السرخسیؒ کی مذکورہ عبارت میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ ان کے نزدیک لوگوں کی مذکورہ عادت شرعاً جائز و درست عادت ہے، رہا یہ سوال کہ پھر انہوں نے اس کو ناجائز کیوں نہیں لکھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان کا مقصد اس عادت کے جواز و عدم جواز سے بحث کرنا نہیں بلکہ ان کا اصل مقصد بیع المراءکہ کی ایک خاص شکل سے متعلق امام محمدؒ کے مذکورہ قول کی توجیہ کرنا ہے جو عادت مذکور کے ناجائز ہونے کی شکل میں بھی ہو جاتی ہے۔

بسوط کی مذکورہ عبارت کے بعد اب میں صاحب المصابہ علامہ المرغینانیؒ کی وہ عبارت نقل کرتا ہوں جس سے زیر بحث معاملے کے جواز کے لیے استدلال فرمایا گیا ہے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:-
قال من اشترى غلاماً بالف درهم نسيته فباعه بنحو مائة ولعربين فعلم المشتري فان شاء رده وان شاء قبل لان ملاحل شها بالبيع الا بيري انه يزداد في الثمن لاجل الاجل والشبهة في هذا ملحقة بالحققة فصار كانه اشترى شيئين وباع احدهما رابحة بثمانهما۔ (هداية الخبير ص ۵۸۵۴ باب المراجعة والتولية)

(ترجمہ) ”امام محمدؒ نے کہا جس نے ایک ہزار درہم کے بدلے ایک غلام ادھار پر خریدا اور پھر مراءکہ کے طور پر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو بیچ ڈالا اور خریدار کو نہیں بتلایا کہ میں نے یہ ادھار پر خریدا تھا بعد میں خریدار کو اس کا علم ہوا، پس اب اگر وہ چاہے تو اس کو رد کرے اور چاہے تو اس کو قبول کر سکتا ہے کیونکہ اجل یعنی قرض کی مہلت اور مدت بیچی جانے والی چیز سے کچھ مشابہت رکھتی ہے کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے اور چونکہ مراءکہ باب میں شبہ بیع کو حقیقت بیع سے ملحق کر دیا گیا ہے لہذا مطلب یہ ہوا کہ گویا بیچنے والے نے جس قیمت میں جو چیزیں خریدی تھیں یعنی غلام اور اجل اس قیمت پر ان میں سے ایک یعنی غلام کو بیچ دیا۔“

اس عبارت میں مقصود بحث اس کا وہ حصہ ہے جس میں صاحب ہدایہ نے امام محمد کے قول مذکور کی توجیہ پیش فرمائی ہے یعنی مراحمہ کی مذکورہ شکل میں معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے، عقلی طور پر اسکی وجہ کیا ہے، وہ وجہ صاحب ہدایہ کے نزدیک مراحمہ کی اس شکل میں شبہ خیانت کا پایا جانا ہے جس سے بیع مراحمہ کو پاک ہونا چاہیئے کیونکہ بیع المراحمہ بیع الامانہ ہے اور شبہ خیانت کی جو وضاحت انہوں نے فرمائی ہے وہ یہ کہ جو شخص ادھار پر کوئی چیز خریدتا ہے اس کے متعلق کو یقین نہ ہی لیکن یہ شبہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اس نے جس قیمت میں وہ چیز خریدی ہے وہ قیمت تنہا اس چیز کی نہ ہو بلکہ ادھار کی جو اجل اور مہلت ہے اس کی بھی ہو کیونکہ کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو ادھار کی مہلت اور مدت کی وجہ سے فروخت کی جانے والی چیز کی قیمت بڑھا دیتے ہیں، لہذا ادھار پر خریدی ہوئی ہر چیز کے متعلق یہ شبہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اسکی جو قیمت ہے وہ تنہا اس کی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ اجل اور مہلت ادھار کی بھی ہو بنا بریں جو شخص نقد کی صورت میں بھی اس شے کی وہی قیمت وصول کرتا ہے جو ادھار کی صورت میں اس شے کی تھی تو گویا وہ دو چیزوں کی قیمت ایک چیز سے وصول کرتا ہے کیونکہ نقد کی صورت میں اجل نہیں ہوتی صرف چیز ہوتی ہے لہذا وہ ایک طرح کی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے جو مراحمہ کے معاملہ میں عیب ہے اور چونکہ بیع میں عیب ظاہر ہونے کی صورت میں خریدار کو رد و قبول کا اختیار ہوتا ہے لہذا بیع المراحمہ کی اس شکل میں بھی خریدار کو رد و قبول کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اس توجیہ کے ضمن میں علامہ مرغینانیؒ نے اپنی اس بات کی تائید میں کہ اجل، بیع سے کچھ مشابہ ہے فرمایا الایری انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل کیا نہیں دیکھا جاتا کہ اجل یعنی ادھار کی مدت کی وجہ سے شے کی قیمت بڑھا دی جاتی ہے، اس سے بعض اہل علم حضرات نے یہ مطلب نکالا ہے کہ ادھار کی چیز کی قیمت بمقابلہ نقد کے بڑھا دینا شریعت اسلامی کی رو سے جائز ہے، حالانکہ عبارت مذکور سے یہ مطلب بالکل نہیں نکلتا۔ اس عبارت میں جو بات کہی گئی ہے بلحاظ واقعہ بالکل درست ہے کہ کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں یعنی ادھار کی چیز کی قیمت زیادہ کر دیتے ہیں لیکن ان کا ایسا کرنا قرآن و حدیث کی رو سے جائز ہوتا ہے یا ناجائز؟ عبارت مذکور کے کسی لفظ سے اس کا اظہار نہیں ہوتا اسلئے کہ صاحب ہدایہ کا مقصد یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اجل کی بیع سے کچھ مشابہت یا اجل کے بیع ہونے کا شبہ ہے کیونکہ کچھ لوگ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرتے ہیں، یہاں ان کا مقصد اس کے جواز و عدم جواز سے بحث کرنا اور یہ بتلانا نہیں کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ یہی وجہ ہے کہ ہدایہ کے شارحین نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں لکھا، فتح القدیر، بنایۃ، غایۃ اور کفایۃ وغیرہ کو دیکھ لیجئے کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اجل کی وجہ سے شے کے ثمن میں اضافہ کرنا جائز ہے۔ اسی طرح کسی کا اس کو ناجائز نہ لکھنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہاں پر مقصد اس کے جواز و عدم جواز سے بحث کرنا ہے، ہی نہیں، نیز جو معاملہ بدیہی طور پر

ناجائز ہو اس کو ناجائز کہنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ بہر حال کسی معاملے کے جائز یا ناجائز ہونے کا اصل معیار قرآن و حدیث اور ان کے سول و اسکام ہیں، چنانچہ جو معاملہ ان کے مطابق ہو وہ جائز اور جو مطابق نہ ہو بلکہ خلاف ہو وہ ناجائز قرار پاتا ہے۔ لوگوں کا اس کو کرتا یا نہ کرنا اس کے جواز و عدم جواز کا کوئی معیار نہیں ورنہ شریعت ایک کھلوتا بن کر رہ جائے گی۔

علاوہ ازیں اگر مذکورہ عبارت یعنی "لَا يَجْلُ لَاجِلِ الْاِجْلِ" سے یہ مفہوم ہے کہ اجل یعنی مہلت قرض کسی ثمن و قیمت کا عوض و بدل بن سکتی ہے تو تین سطروں کے بعد خود صاحب ہدایہ نے واضح الفاظ سے اس کی نفی کر دی ہے، فرمایا، "وَأَنَّ اسْتِمْلكَهُ ثَمَّ عِلْمُ لَزْمِهِ بِالْفِ وَمَا تَلَاَنَ الْاِجْلُ لَا يُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِّنَ الثَّمَنِ" اور اگر مذکورہ مثال میں خریدار نے خریدنے کے بعد غلام کو ہلاک یا فروخت کر دیا یعنی اس کے ہاتھ میں نہ رہا اور پھر اس کو یہ علم ہوا کہ وہ ایک غلام ایک ہزار درہم میں ادھار پر خرید کیا تھا اور ایک سو درہم منافع کے ساتھ مجھ پر فروخت کیا گیا تو اب وہ فروخت کرنے والے سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا اور اس کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جو گیارہ سو روپے آپ کو دیئے ہیں ان میں جو اجل کا عوض تھے وہ مجھے واپس کر دو کیونکہ اجل ایک ایسی چیز ہے جس کے مقابلہ میں کوئی ثمن نہیں ہو سکتا۔ "لَاَنَ الْاِجْلُ لَا يُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِّنَ الثَّمَنِ" اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اجل اور مہلت ادھار کے بالمقابل کوئی مال لینا دینا جائز نہیں۔ اور چونکہ ہمارے زیر بحث معاملہ میں بصورت ادھار نقد کے مقابلہ میں جو زائد قیمت لگائی جاتی ہے وہ اجل اور مدت ادھار کی وجہ سے لگائی جاتی ہے، لہذا ہدایہ کی اس دوسری عبارت سے الٹا اس معاملے کا ناجائز ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ البسوط اور الہدایہ کی جن عبارات سے معاملہ زیر بحث کے جواز کے لیے استدلال کیا گیا ہے، اگر کچھ بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ استدلال بے جان نظر آتا ہے اور ان عبارات سے کسی طرح اس معاملے کا جواز نہیں نکلتا جبکہ اس کے مقابلہ میں عدم جواز کے دلائل قرآن و حدیث سے تعلق رکھتے اور مضبوط و مستحکم دلائل ہیں جو قدرے تفصیل کے ساتھ پہلے عرض کیے گئے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ جواہل علم حضرات معاملہ زیر بحث کے جواز کے قائل ہیں وہ اس مسئلہ پر از سر نو پڑھیں اور غور و فکر کریں گے اور پوری توجہ اور احتیاط کے ساتھ اس معاملے کی شرعی حیثیت کا تعین فرمائیں گے

جواب از

حضرت علامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ کلاچی

استفتاء :- بخدمت گرامی استاذ محترم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! گزارش یہ ہے کہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خشک بابت رجب ۱۴۱۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا طاسبین صاحب کا ایک مضمون آیا ہے جس میں انہوں نے بیع نقد اور بیہ میں قیمت کے فرق کو ناجائز قرار دیا ہے اور حرام تک سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ ہمارے اکابرین اسے جائز قرار دیتے رہے ہیں، جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ مدادیہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امداد المفتین میں، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ نے احسن الفتاویٰ میں اور مفتی کل ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ کفایت المفتی میں ہے۔

ان سب حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ آپ صحیح صورتحال سے مطلع فرمائیں کہ ان دونوں باتوں میں تعارض ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس کو صحیح سمجھا جائے اور پوچھنے والوں کو کیا بتلایا جائے۔ اگر اجازت ہو تو آپ کا جواب تطبیق یا ترجیح کا الحق کو بھیج دوں۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ الحق بھی مولانا طاسبین صاحب کی رائے کی تائید میں ہے کیونکہ اس نے بلا کسی نیکر کے اس کو شائع کیا ہے۔

حافظ عبدالقیوم حقانی خطیب جامع مسجد لوہاراں کلاچی ۲۸ رجب ۱۴۱۲ھ

الجواب :- دونوں فتوؤں میں تعارض ظاہر ہے۔ اکابر علماء مذکورین فی السؤال کے فتویٰ کو غلط سمجھنے کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے، حضرت مولانا طاسبین صاحب کا مضمون الحق میں ادھورا ہے یشاق میں غالباً پورا ہے، اور مجھے کسی صاحب نے ان کے مضمون کا عکس (فوٹو سٹیٹ) بھی بھیجا ہے۔ مولانا نے اپنے مضمون میں دو باتیں فرمائی ہیں میں مختصراً ان پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلی بات یہ کہ جواز کا فتویٰ دینے والوں کے پاس دلیل ہدایہ اور مبسوط کی یہ عبارت ہے الاتری انه یزاد الثمن لاجل الاجل، آپ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ

معاملہ جائز بھی ہے انہوں نے مباحہ کی بحث میں صرف لوگوں کی عادت کا ذکر کر دیا ہے اس کو جائز کہنے کی بات نہیں کی۔ دوسری بات یہ کہ جائز کہنے والوں کے پاس قرآن و سنت کی کوئی دلیل تو کیا کسی مجتہد کا قول بھی نہیں۔

اس ناکارہ کے ناتمام مطالعہ کے مطابق حضرت مولانا کی یہ دونوں باتیں محل نظر ہیں آپ کا یہ فرمانا کہ علامہ سرخسی نے صرف لوگوں کی عادت کا ذکر کیا ہے خود اسے جائز نہیں فرمایا، اس کے لیے ناظرین کو علامہ سرخسی رحمہ اللہ کی بسوط جلد ۱ ص ۱۸ ملاحظہ فرمایا چاہیے، عبارت یہ ہے:-
 واذا عقد العقد على انه الى اجل كذا بكذا وبالتقيد بكذا او قال الى شهر بكذا والى شهرين بكذا او هو فاسد لانه لم يعامله على ثمن معلوم ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع وهذا هو تفسير الشرطين في بيع۔

(ترجمہ) ”جب عقد اس طرح کیا جائے کہ اجل پر قیمت اتنی ہے اور نقد پر اتنی یا ایک مہینہ کا اجل ہو تو قیمت اتنی اور دو ماہ کا اجل ہو تو قیمت اتنی، تو یہ عقد فاسد ہوگا اور فاسد اسلئے ہو گا کہ معاملہ میں ثمن معلوم نہ ہو سکا تردد میں چھیڑ دیا، اور اس لیے بھی فاسد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں شرطین سے منع فرمایا ہے اور شرطین فی بیع کے یہی معنی ہیں، (یعنی ثمن یا بیعہ میں تردد)۔“

آپ نے دیکھا کہ اس صورت کے فساد کی وجہ علامہ سرخسی نے تردد فی الثمن کو کہا ہے جو اصول بیع کے بھی خلاف ہے اور نص صریح کے بھی۔ علامہ سرخسی نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ صورت چونکہ ربو النسبة میں داخل ہے اس لیے فاسد ہے۔ اس پر بھی اگر اطمینان نہیں تو علامہ سرخسی کی اس عبارت کے ساتھ متصل یہ صریح عبارت بھی پڑھ لیجئے، آپ فرماتے ہیں:-

وهذا اذا فترقا على هذا فان كان يتراضيان بينهما ولحيتهما حتى قاطعه على ثمن معلوم واتما العقد فهو جائز لانهما ما فترقا الا بعد تمام شرط صحة العقد۔

(ترجمہ) ”یعنی فساد اس صورت کا اس وقت ہے کہ جب بائع اور مشتری اسی مترددانہ حالت میں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں، لیکن اگر وہ دونوں راضی ہو گئے اور جدا ہونے سے پہلے پہلے ثمن معلوم کر لیا اور عقد کو اتمام تک پہنچا دیا (یعنی ایک ہی صورت اجل والی یا نقد والی متعین کر لی) تو پھر یہ عقد جائز ہے کیونکہ اب بائع اور مشتری صحت عقد کی شرط کو پورا کر کے آپس میں جدا ہو گئے ہیں۔“

تو ایسی صورت میں نہ تو بیع کے عام اصول کی خلاف ورزی ہوئی کہ نہ ثمن مجہول ہے اور نہ بیع

اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی خلاف ورزی ہوئی کیونکہ شرطین فی بیع کے معنی علامہ سرخسی نے یہی بیان فرمائے کہ ثمن وغیرہ میں یہ تردید ہو یا یہ یا وہ، جیسا کہ انہوں نے فرمایا وھذا هو الشرطین فی بیع۔ اب آپ خود ہی فرمائیں کہ مولانا کی اس تاویل میں کتنی جان ہے کہ علامہ سرخسی نے لوگوں کی عادت کا ذکر کیا ہے کہ جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

دوسری بات کہ مجوزین کے پاس کسی مجتہد کا قول بھی نہیں ہے (اس سے اتنا تو بہر حال معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کے نزدیک غیر مجتہد کے لیے (جیسے کہ ہم سب ہیں) مجتہد کا قول بھی دلیل شرعی ہے) تو اس کے لیے کتاب الاصل المعروف بالمبسوط کا صفحہ ۴۱ جلد ۵ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ واضح رہے کہ کتاب کی صحت پر یہ عبارت درج ہے اور جس میں غالباً کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

کتاب الاصل المعروف بالمبسوط

للامام الحافظ المجتہد الربانی ابی عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ

آجے فرماتے ہیں: واذا باع الرجل بیعاً فقال هو بالنسیئة بكذا او بالنقد بكذا کذا او قال الى اجل كذا بكذا۔ وکذا فافتراق علی هذا فانه لا يجوز بلغنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه نہی عن شرطین فی بیع قال محمد حدثنا بذلك ابو حنیفۃ رفعہ الى النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی جب کوئی اس طرح بیع کرے کہ قرض پر اتنی قیمت ہے اور نقد پر اتنی یا ایک ماہ کی مدت پر اس کی قیمت یہ ہے اور دو ماہ کی مہلت پر قیمت وہ ہے اور پھر تردد کی حالت میں بائع اور مشتری ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں شرطین سے منع فرمایا ہے، یعنی ثمن وغیرہ کا تردد، جیسا کہ شرح سرخسی میں پہلے ذکر کیا ہے۔ کتاب الاصل کی یہ عبارت اس لیے نقل کی گئی ہے تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہو کہ زیر بحث صورت کو جائز کہنے والوں کے پاس کسی مجتہد کا قول ہے یا نہیں۔ باقی رہے وہ بہت سے دلائل اور کثیر عبارتیں جو آپ نے اپنے مضمون میں تحریر فرمائی ہیں تو ان کی تفصیل میں گئے بغیر اتنا عرض ہے کہ مولانا کے خیال میں زیر بحث صورت ربو بالنسیئة میں داخل ہے اور مجوزین کے نزدیک جن میں صاحب ہدایہ اور صاحب مبسوط (سرخسی) اور خود مجتہد ربانی امام محمد شیبانی شامل ہیں، یہ صورت ربو بالنسیئة میں داخل نہیں ہے ورنہ اس کے عدم جواز کو صورت تردد تک محدود نہ رکھتے اور تعین صورت یا نقد یا نسیئہ پر جواز کا فتویٰ نہ دیتے اور صاف فرمادیتے کہ یہ صورت ربو بالنسیئة کی ہے اس لیے حرام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اجل ایک وصف ہے اور وصف کا نہ کوئی عوض لیا جاسکتا ہے نہ دیا جاسکتا ہے

لیکن وصف مرغوب کی وجہ سے قیمت بڑھ سکتی ہے اور نامرغوب کی وجہ سے قیمت گھٹ جاتی ہے۔ دیکھئے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اصول بتا دیا کہ جیدھا اور دبیہا سوا۔ جید اور ردی کا مقابلہ ہو بھی تو
 برابر لینا ہوگا جو دت کے عوض زیادتی نہ دے سکتے ہونہ لے سکتے ہو، بہترین کھجور کے ایک سیر کے
 بدلہ میں معمولی کھجور کے دو سیر دینے سے منع فرمادیا کیونکہ اس میں سیر کے بدلے سیر آ جاتا اور دوسرا
 سیر وصف جودت کے عوض میں لیا جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔ لیکن خود ہی جیلہ کہ یہ صورت بتلا دی کہ
 ردی کھجور کو کم قیمت پر بیچ ڈالو بجائے ایک سیر کے دو سیر فروخت کر دو اور پھر بہتر کھجور کو زیادہ قیمت
 سے لے لو۔ تو کیا بہترین کھجور کی قیمت کا اضافہ اس وصف مرغوب کی وجہ سے نہیں ہوا۔ اس عقلی اور
 فطری بات کا انکار آخر کون کر سکتا ہے کہ مرغوب چیز کی قیمت بمقابلہ نامرغوب کے زیادہ ہوگی، اسکے
 باوجود یہ صورت جائز نہیں کہ ایک سیر بہتر کھجور کے بدلہ میں معمولی کھجور کا ایک سیر تو سیر کے مقابلہ میں ہو
 اور دوسرا سیر جودت کے مقابلہ میں ہو، اور اسی طرح یہ بھی ناجائز ہے کہ بہتر کھجور والے کو معمولی کھجور کا ایک سیر
 اور مثلاً ایک روپیہ بھی ساتھ دیدیا جائے کیونکہ اس صورت میں بید و بیہ یا دوسرا سیر وصف کے عوض
 ثابت ہوگا اور وصف کا عوض لینا جائز نہیں حالانکہ بہتر کھجور کو عام کھجوروں کے نرخ سے زیادہ قیمت
 پر خریدنا بالکل جائز ہے حالانکہ یہاں بھی قیمت کی زیادتی وصف کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی اور وجہ سے۔
 یہی معاملہ ہے اجل کا بھی۔ کہ نفس اجل کا عوض لینا ناجائز ہے لیکن بوجہ اجل کے قیمت کا بڑھ جانا فطر
 اور عقلی بات ہے اور شریعت نے اس کو منع نہیں فرمایا، جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصف
 کے متعلق فرمایا کہ بہتر کھجور کو زیادہ قیمت سے خرید لیا کرو۔ اسی کو فقہاء اسلام نے فرمایا ان الاجل
 لا یقابله الثمن اور وان الثمن یزاد لاجل الاجل۔ نفس اجل پر عوض لینے کی وہی صورت ہے جو
 آپ کی عبارات میں بھی ہے اور جس کو ربوالنسیۃ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ عقد ہوا اس پر کہ ایک ماہ کے
 بعد اس بیعہ کا ایک روپیہ دے دو اور جب مشتری نے ایک ماہ کے بعد روپیہ نہیں دیا تو بائع نے
 کہا کہ چلو دوسری پہلی پردے دو لیکن چار آنے بڑھا کر، تو یہ صورت ناجائز ہے کیونکہ اجل ہی کو بیچا
 گیا۔ لیکن اجل ایک وصف مرغوب ہے کہ مشتری کو فوری رقم نہیں دیتی پڑتی اور آسانی سے اپنا کام
 چلا لیتا ہے، ہاں جنس اور قدر ایک ہونے کی صورت میں اس آسانی سے کام چلانے کا اعتبار نہیں کیونکہ
 اموال ربویہ ہیں اور نص کے خلاف اس لیے اس کی قیمت بڑھ گئی جیسے جید کھجور کی قیمت بوجہ جودت کے
 بڑھ گئی۔ حالانکہ صرف جودت کا عوض نہ اپنی جنس سے دیا جاسکتا ہے نہ بغیر جنس سے، جیسا کہ
 پہلے عرض کر چکا ہوں۔

بہر حال فقہاء کرام حتیٰ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زیر بحث صورت ربو النفسیۃ میں داخل نہیں بلکہ اس مسئلہ میں اب مولانا دطابین صاحب کے سنجیال حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب مرحوم کا اسی مسئلہ پر ایک مضمون جنوری کے ”حکمت قرآن“ میں چھپ چکا ہے جس میں انہوں نے بہت سی وہی عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے جو کہ مولانا کے مضمون میں ہیں کہ سود سے اس بیع مؤجل کا فرق دو وجہوں سے ہے کہ یہ دین پر اضافہ نہیں بلکہ شروع ہی سے ثمن ہنگام بتلا دیتا ہے نیز مدت بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس زیادتی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ پھر آگے دیکھا کہ یہ زیر بحث صورت اگرچہ عین ربو تو نہیں مگر یہاں بھی ذہنیت وہی سود خوارانہ ہے، پھر کہتے ہیں کہ یہ مقصد اور مفاسد کے لحاظ سے ایک حرام حیلہ ہے یا اگر نرم الفاظ استعمال کئے جائیں تو مکروہ اور شریعت اسلامی کے اصل مزاج کے خلاف ایک حیلہ ہے۔ (اگر حضرت مفتی صاحب مرحوم بقید حیات ہوتے تو ان سے اسلام کے اصل مزاج اور غیر اصل مزاج کا فرق دریافت کیا جاتا) بہر حال مفتی صاحب کے نزدیک بھی ان عبارات سے مسئلہ زیر بحث یقینی طور پر ثابت نہیں کیونکہ ربو النفسیۃ اور اس صورت میں دو وجہوں سے فرق ہے، ربو النفسیۃ عین سود ہے جبکہ یہ عین سود نہیں اس کو حرام کہنے کی بجائے مکروہ کہنے کی گنجائش ہے۔

باقی رہی مولانا کی یہ جذباتی بات کہ اس سے مجبور لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ تو گزارش یہ ہے کہ اگر ضروریات زندگی کی بنیادی چیزیں مثلاً اشیاء خورد و نوش، علاج و ادویات کی چیزیں ستر پوشی کا عام لباس حتیٰ کہ جانوروں کا چارہ اور گھاس وغیرہ کیاب ہونے کی وجہ سے ہنگے داموں پیچی جائیں تو وہ یقیناً حرام اور عذاب الہی کا باعث ہے۔ مگر اس میں نہ تو مؤجل اور مؤجل کا فرق ہے، اگر نقد کی صورت میں ایسا کرے تو بھی کبیرہ گناہ اور اجل کی صورت میں ایسا کرے تو بھی عذاب الہی کا مستحق، اور نہ بایں معنی کہ وہ بیع ہی نہیں ہوئی، بیع ہو گئی، طے شدہ دام دینے پڑیں گے ہاں بوقت ضرورت حکومت تسعیر سے کام لے سکتی ہے اور اس کی مخالفت پر تعزیر کا حق بھی رکھتی ہے مگر اس سے زیر بحث مسئلہ کو مطلقاً حرام اور سود کہنا یا بار بار قطعی حرام کہنا مناسب نہیں، اس سے یا تو تمام فقہاء مجوزین اور ان کے متبعین کی تجہیل لازم آتی ہے یا تفسیق، جو کسی طرح بھی اخلاف صالحین کے شایان شان نہیں، تجہیل اس لیے کہ یہ روایات اور عبارات عام معروف ہیں اور یقیناً مولانا صاحب کے پیش نظر ہو گی اور تفسیق اس صورت میں کہ جان بوجھ کر ان سے حیثم پوشی کی اور لوگوں کو غلط راستہ پر ڈالنا اگر اخلاف اسی طرح بیباکی سے اسلاف کو بدنام کرتے رہے تو نفاذ اسلام و شریعت کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے سے رہا۔ والا مرید اللہ۔ علاوہ ازیں یہ کاروبار قرض پر مال خریدنا ہمیشہ مجبوری سے ہی نہیں ہوتا

بلکہ زیادہ تر صورتیں ایسی ہیں کہ کاروباری لوگ اپنا کاروبار بڑھانے کے لیے ایسا کرتے ہیں تو ایسے میں ظاہر ہے کہ گناہ بھی نہیں اسی طرح وہ اشیاء جو صرف عیاشی کے لیے خریدی جاتی ہیں یا زیادہ سہولت کے لیے ان کو گراں قیمت پر دینے میں بھی کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم

الحق کو بھیجنے میں کوئی حرج نہیں، باقی ان کا خیال تو ان کو ہی معلوم ہوگا، شاید مکمل مضمون کے بعد کوئی تائید یا ترمیم و تردید لکھیں۔ بہتر ہے کہ حکمت قرآن لاہور کو بھی بھیج دیا جائے کیونکہ انہوں نے اس موضوع پر مختلف مقالات شائع کرنے کی پیشکش کی ہے۔

جواب امر

مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ دارالعلوم خفائیہ اکوٹہ خشک

یہ مضمون درحقیقت حضرت مولانا محمد طاسبی صاحب مدظلہ کے اس مضمون کا تجزیہ اور تفصیلی تجزیہ ہے جو مجلہ "الحق" کی جلد ۲۷ کے شمارہ ۴/۳ میں "ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ قبل ازیں حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب دامت برکاتہم کا واقع مضمون بھی "الحق" کے حوالہ سے بطور جواب قارئین کرام کی نذر سے گذرا ہوگا جس میں کافی حد تک زیر بحث مسئلہ کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اول الذکر مضمون نگار کی اسلامی اور جدید معاشیات پر عمیق نظر اور متعلقہ فن میں وافر معلومات رکھنے سے کسی کو انکار نہیں، موصوف کا ملک کی ان چند گنی چنی شخصیات میں شمار ہوتا ہے، جن کو اہل نظر جدید معاشی نظام میں اسلامی نظام معیشت کا وکیل سمجھتے ہیں۔ آپ کی علمی کاوشیں "مجلس علمی" میں ادبی اور ریسرچ و تحقیق کے میدان میں مستم ہیں، بایں ہمہ ممکن ہے کہ موصوف کی زیر بحث مسئلہ میں رائے وقتی مصلحت یا مروجہ حالات و واقعات سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے موزوں ہو لیکن شرعی نقطہ نظر سے موصوف کے اٹھائے ہوئے نکات قابل توجہ ہی نہیں بلکہ محل نظر بھی ہیں۔ موصوف کی رائے کہ "ادھار کی صورت میں قیمت کی زیادتی حرام اور ناجائز ہے" کے تجزیہ سے قبل ہم قرآن و حدیث کے حوالہ سے مسئلہ کا ایک طائرانہ مطالعہ کر کے داخلی اور خارجی قرائن کی روش سے اس کا جائزہ لیں گے لیکن اس سے قبل مسئلہ کا اجمالی تعارف بھی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ قارئین کرام کسی الجھن اور غلط فہمی کے شکار نہ ہوں۔

قدیم معاشرہ کے مطالعہ سے قطع نظر موجودہ معاشرہ کی ۹۸ فیصد آبادی ایسے معاشی مسائل میں

جکڑی ہوئی ہے کہ کوئی شخص اپنی ضرورت کی کسی چیز کو یکمشت نقد خریدنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی آمدنی اور قوت برداشت کو مد نظر رکھ کر ماہانہ یا سالانہ قسط وار خریدنے پر تیار ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ بائع نقد کا ہیکل یعنی یکمشت زریع ملنے کی صورت میں ادھار پر فروخت کرنے کے لیے بہت کم آمادہ ہوگا معاملات میں تقویٰ اور دیانتداری کی بات اگرچہ اس سے الگ ہے کیونکہ ادھار کی صورت میں اس کی مالی منفعت لازمی طور پر متاثر ہوگی، اس لیے بائع کو ادھار پر آمادہ کرنے کے لیے قیمت فروخت میں نقد کی نسبت سے کچھ زیادتی رکھی جاتی ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر نقد کی حالت میں اس چیز کی قیمت کھلی مارکیٹ میں ایک سو روپے ہو تو ادھار کی وجہ سے اس کی قیمت ایک سو بیس روپے تک پہنچ جاتی ہے اب بائع کا ادھار کی وجہ سے قیمت میں بیس روپے کا اضافہ وصول کرنے یا مشتری کے ایسے معاملہ کے ارتکاب کی شرعی حیثیت کیلئے؟ میرے ناقص خیال میں دوسرے عام فہم مسائل کی طرح اس کا جواب بھی نہایت آسان الفاظ میں دیا جاسکتا ہے لیکن موصوف کے علمی و تحقیقی مزاج اور باریک بینی نے اس کو ایک نظری اور پیچیدہ مسئلہ بنا دیا۔

آسان اور سہل ہونے سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہم پاکستان میں اٹھانوے فیصد فقہ حنفی کے مقلد ہیں، شاید ملک کے طول و عرض میں ”تحریر فی العلم“ والے حضرات بہت کم تعداد میں ہوں لیکن مجتہدین فی الشرع، فی المذہب، فی المسائل کے رتبہ تک پہنچنے والے تو درکنار اصحاب التدریج اور اصحاب الترجیح کے پایہ کا بھی کوئی شخص نظر نہیں آتا، ایسے علمی انحطاط کے حوالے سے ہمیں سیدنا امام ابو حنیفہؒ یا ان کے مذہب کے مسلمہ قواعد و ضوابط کی رو سے مسلک کے ذیلی مجتہدین میں سے کسی ایک کے فرمودات پر اعتماد کرتے ہوئے اصل مراجع یعنی آیت قرآنی یا حدیث کے مطالبہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ ایسے نازک مرحلہ پر طبقہ ثالثہ کے سرخیل علامہ سرخسیؒ یا طبقہ خامسہ کے نامور فقیہ صاحب ہدایہ (علامہ مرغینانیؒ م کے قول پر بغیر کسی تاویل اور حیل و حجت کے اعتماد کرنا ہمارا فریضہ منصبی میں سے ہے۔

قدیم فقہی ذخائر میں کسی واضح جزئیہ کے میسر ہونے کے باوجود اصل مراجع یعنی قرآن و حدیث سے کسی دلیل کا مطالبہ کرتا درحقیقت مجتہدین کا کام ہے، اس لیے موصوف کا یہ مہمیدی بیان کا برین اُمت کی رائے سے موافقت نہیں رکھتا کہ :-

”کسی معاملہ کے شرعی جواز و عدم جواز کے متعلق صرف اتنا کافی نہیں کہ فقہ و فتاویٰ کی فلاں کتاب میں فلاں فقیہ نے اس کو جائز یا ناجائز کہا اور لکھا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی اُس نص اور دلیل کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جس کی بناء پر اُس

فقہ نے ایسا کہا اور لکھا ہے: (ماہنامہ الحق ج ۲۷ شماره ۳ ص ۲۱)
مقلد کی ذمہ داری | میرے خیال میں مقلد کو تسلیم و رضا کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ورنہ شاید ایسے
 بے موقع لب کشائی سے اپنے مذہب و مسلک پر بدگمانی کا شکار ہو کر اس سے ہاتھ
 دھونانہ پڑیں۔ بارہویں صدی کے نامور فقیہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ اصول افتاء کے ضمن میں اس پر
 اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

فاقول ان هذا الشرط راعى لاجل ان يفتى بقولنا حتى يعلم من اين قلنا ان كان في
 زمانهم اما في زماننا فيكتفى بالحفظ كما في القنية وغيرها فيحل الافتاء بقول
 بل يجب وان لم من اين قال - (شرح عقود المفتي ص ۲۷ فليس الا القول بالتفصيل)
 (ترجمہ) ”میرے خیال میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کہ ”ہمارے قول پر اس وقت تک فتویٰ دینا جائز
 نہیں جب تک اصل مرجع معلوم نہ ہو“ کا اشتراط ان کے اپنے دور میں تھا ہمارے وقت میں محض
 مذہب کی جزئیات پر فتویٰ دینا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے اگرچہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ امام
 نے کس دلیل کی روشنی میں یہ بات کہی ہے“

مقلدین کو دلیل کا مطالبہ کرنا مقلدین کا کام نہیں بلکہ مجتہدین کا کام ہے، جیسا کہ آپ
 فرماتے ہیں:-

ولا شك ان هذا اخاص بالمفتي المجتهد دون المقلد المحض فان التقليد
 هو الاخذ بغير معرفة دليل - (شرح عقود المفتي ص ۲۷ فليس الا القول بالتفصيل)
 (ترجمہ) ”اس میں کوئی شک نہیں کہ دلیل کا مطالبہ کرنا مجتہد کا کام ہے اور مقلد کے لئے
 تو بغیر دلیل کے مطالبہ کرنے کے صرف جزئیہ پر عمل کرنے سے اور کوئی چارہ نہیں“

دلیل کے مطالبہ کی حقیقت | کیونکہ دلیل کا یہ مطلب نہیں کہ متعلقہ مسئلہ میں صرف قرآن مجیم
 کی آیت یا حدیث کا اجمالی تذکرہ ہو، اور نہ ایسے شخص کے

شکوہ و شبہات کے ازالہ کے لیے اجمالی علم کا رآمد ہے جو ابتداء ہی سے فقہی اقوال پر فاعلت کا
 نظریہ نہ رکھتا ہو بلکہ دلیل کا مطالبہ کرتے وقت اس میں مذہب و مسلک کے قواعد و ضوابط کی رو
 سے طریقہ استدلال اور پھر داخلی و خارجی قرائن کے حوالہ سے پرکھنے کی صلاحیت ضروری ہے اور
 متعلقہ مسلک کے جملہ مسائل پر علم بھی ضروری ہے تاکہ سیاق و سباق کے حوالہ سے مسئلہ پر پورا علم
 رکھے، ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی علمی بصیرت اس معیار پر پہنچی ہو تو تقلید کی جگہ یہ خود

مجتہدین نے کا حقدار ہے پھر اس کو تقلید کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہتی، جیسا کہ علامہ موصوفؒ مزید فرماتے ہیں:-

لان معرفة الدلیل انما تكون للمجتهد لتوقفها على معرفة سلامة من المعارض وهي متوقفة على استقرار الأدلة كلها ولا يقدر على ذلك إلا المجتهد اما مجرد معرفة ان المجتهد القلافي اخذ الحكم القلافي من الدلیل القلافي فلا فائده فيها۔ (شرح عقود رسم المفتی ص ۲۷ فلیس الا القول بالتفصیل)

(ترجمہ) دلیل کی پہچان مجتہد کا وظیفہ ہے کیونکہ اس کے لیے دلیل کے معارضہ سے محفوظ ہونے کا علم ضروری ہے جس کے لیے جملہ دلائل کا استقرار ضروری ہے اور اس پر مجتہد کے سوا اور کوئی قادر نہیں تاہم محض یہ جاننا کہ فلاں امام نے فلاں دلیل سے یہ حکم لیا ہے کسی خاص فائدہ کا حامل نہیں۔ ہم تو مقلد ہیں اور ہمارے لیے علامہ مرغینانیؒ یا علامہ نخعیؒ کا جزیئہ تو درکنار بلکہ محض حضرت تھانویؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کی رائے بھی حرف آخر ہے، تقلید کے حوالہ سے ہم ان ائمہ کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے اصل مراجع کی ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن یہاں زیر بحث مسئلہ میں مولانا محترم اور آپ کے ہممنوا حضرات کی تسلی کے لیے اپنے طالب علمانہ مطالعہ کے حوالہ سے چند حوالہ جات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں تاکہ قارئین پر واضح ہو کہ فقہاء کا یہ مسئلہ ان کی ذاتی اختراع یا عندیہ نہیں بلکہ اس کی تائید میں منصوصی واقعات، آیت اور حدیث بطور استناد کے موجود ہیں۔

زیر نظر مسئلہ میں قیمت میں زیادتی کی حقیقت | اس کی پوری حقیقت تو انشاء اللہ آئندہ صفحات میں موصوف کے مضمون کے تجزیہ کے

بعد واضح ہو جائے گی کہ نقد کی نسبت سے ادھار میں یہ تفاوت کیا ادھار کا عوض ہے یا ادھار کی وجہ سے ہے، دونوں کا دائرہ کار کیا ہے؟ اور دونوں کے درمیان ماہ الاقتیار کیا ہے؟ تاکہ منصوصی حرام و ناجائز کاروبار ربو النسیئہ سے اس کا فرق ہو سکے۔ سر دست ہم یہ مقدمہ رکھ کر دلائل کی طرف قدم بڑھاتے ہیں کہ زیر نظر مسئلہ میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں یہ تفاوت ادھار کا معاوضہ نہیں، حقیقت میں ایسا کبھی نہیں کہ زربیع میں کچھ قیمت بیعہ کی ہے اور کچھ قیمت اس اہل کی ہے تاکہ بوقت ضرورت کوئی ایک دوسرے سے الگ ہو سکے بلکہ معاشرتی اور واقعاتی نظائر و حالات کو مد نظر رکھ نقد میں ادھار کی نسبت منافع، فوائد اور دوسری خوبیوں کی فراوانی کی وجہ

کچھ زیادتی آتی ہے، ہم آسانی کے لیے اسے یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ ”ان الزیادۃ ہہنا لاجل الاجل لا لعوض الاجل“ یعنی ”یہاں پر زیادتی ادھار کی وجہ سے ہے ادھار کے عوض میں نہیں“۔ قرآن و حدیث میں اس کے متعدد نظائر پائے جاتے ہیں جس میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی آتی ہے بلکہ صحابہ کرامؓ کے بعض واقعات عملی طور پر اس کے شاہد ہیں۔

قرآن سے استدلال | قرآن مجید کی ”آیت المداینہ“ پر سوچ و فکر کرنے سے شاید اس حقیقت شناسی کے لیے مواد مل سکے کہ اجل کی وجہ سے قیمت

میں تفاوت جائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے:

”خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے مقررہ مدت تک کیے ہوئے عقدِ سلم کے معاملہ کو اپنی کتاب میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ“ (سورہ البقرہ آیت ۲۸۲) کی رو سے حلال قرار دے کر اجازت دی ہے۔“ (تفسیر المنظہری جلد ۱ ص ۱۲۱ سورہ البقرہ)

اور حضرت ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں:

”لا بأس بالطعام الموصوف يسعر معلوم الى اجل معلوم۔“ (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۰۳)

(ترجمہ) ”مقررہ مدت تک مقررہ نرخ پر معلوم علم کے کاروبار میں کوئی حرج نہیں“۔

معلوم ہوا کہ آیت مداینہ بنیادی طور پر ”عقد سلم“ کے بارے میں ہے اور عقد سلم کی تعریف علما

نے یوں کی ہے: ”بیع اجل بعاجل“ (فتح القدیر جلد ۶ ص ۲۰۱ باب السلم)

اس اجمال کی حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی مشتری مقررہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے مثلاً کسی

شخص کو ایک ہزار روپے دیکر یہ معاہدہ کرے کہ یہ رقم پیشگی وصول کر کے فلاں وقت مجھے گندم اس نرخ

کے اعتبار سے دینے کے پابند رہو گے اور بائع بھی مقررہ شرائط کا لحاظ رکھنے ہوئے رقم وصول کر کے

معاہدہ قبول کرے تو اسے ”عقد سلم“ کہا جاتا ہے۔ خیر القرون کے دور سے لیکر آج تک بغیر کسی انکار

کے یہ معاملات جائز اور مشروع ہیں۔ ”عقد سلم“ کی ماہیت پر غور و خوض کرنے کے بعد یہ حقیقت

کسی پر مخفی نہیں کہ مشتری وقتی طور پر یکمشت زرِ سلم کی ادائیگی پر تیار ہو کر مہینوں تک بیعہ کی وصولی

کے لیے انتظار کس جذبہ کے تحت کرتا ہے؟ کیا اس کے لیے خیر خواہی اور ہمدی کا کوئی حسین جذبہ

کار فرما ہے؟ کبھی نہیں! اگر خیر خواہی کا جذبہ ہوتا تو قرضہ حسنہ کی صورت میں بائع سے اس آٹے وقت

میں تعاون کا ہاتھ بڑھا دیتا، متعدد شرائط کی رعایت کر کے پیشگی رقم دیکر مہینوں تک بیعہ کی وصولی کا

انتظار کرنے سے بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس بارگراں کے تحمل کے عوض اس کو مقررہ وقت پر بیعہ ارزاں قیمت پر بیتر ہو کیونکہ عقدِ سلم میں بیعہ بازار کی قیمت سے بائع کو عموماً مستاپڑتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی جرح عقدِ سلم کی مشروعیت میں اس فلسفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

انما ایحی علی خلاف القیاس رفع حاجۃ الفقیر حالاً عن نفقۃ عیالہ القادر علی المسلم فیہ مالا وحاجۃ المشتري الی الاستبصاح لعیالہ وهو با لسلم اسهل اذیکون المبیع فی المسلم نازلاً عن قیمتہ فی البیع غالباً۔ (التفسیر المظہری ج ۱۰ ص ۲۱۲ سورۃ البقرہ)

(ترجمہ) عقدِ سلم خلاف القیاس ہونے کے باوجود اس وجہ سے جائز قرار دیا کہ اس میں بائع اپنی خستہ حالی میں بچوں کے لیے خرچہ کا بندوبست کر کے مستقبل میں اسکی ادائیگی پر قادر ہو کر عہدِ برا ہو سکتا ہے جبکہ مشتری کو سلم میں فائدہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ عموماً عقدِ سلم میں قیمت مرویہ قیمت سے ارزاں ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ عقدِ سلم میں زر بیع کی پیشگی ادائیگی اور بیعہ کی تاخیر سے قیمت کی مارکیٹ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی، عقدِ سلم میں ادھار یعنی نسیہ لازمی شرط ہے، اگر اس میں ادھار نہ ہو تو سلم کی حقیقت ختم ہو جائے گی، لہذا جب بیع عاجل بعاجل میں نسیہ اور ادھار کی وجہ سے قیمت میں تفاوت کا آنا ممنوع نہیں، سود کے زمرہ میں نہیں آتا تو زیرِ نظر معاملہ یعنی ادھار میں جو بیع عاجل بعاجل کی مخصوص صورت میں قیمت کا تفاوت کیوں ممنوع قرار دیا جا رہا ہے یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ عقدِ سلم خلاف القیاس وارد ہو کر اس پر دوسرا معاملہ قیاس نہیں کیا جاتا کیونکہ عقدِ سلم غیر موجود بیعہ کی فروخت کے جواز کی حیثیت سے خلاف القیاس ہے نہ ہم اس پر کوئی قیاس کرنے ہیں بلکہ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ نقد اور ادھار میں بیعہ یا ثمن کا متاثر ہو کر کمی یا زیادتی کا آنا مشروع معاملہ ہے ربو یا النسیہ کے زمرہ میں نہیں آتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عملی واقعہ سے استدلال | نسیہ کی وجہ سے قیمت میں زیادتی

سے بھی ہوتی ہے جس کا تعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی زندگی سے ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ”باب شراء النبی بالنسیۃ“ کے عنوان سے باب باندھ کر یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی طور پر نقد کی طرح بعض اوقات ادھار پر بھی ضروریاتِ زندگی خریدیں، اس باب میں امام بخاری نے اس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت لائی ہے جس میں

آپ فرماتی ہیں :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشترى طعاماً من یهودی الى اجل وھذا درعا
من حدید - (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۱ باب الرهن عند الیہود وغیرہم)
(ترجمہ) ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ادھار پر خریدا اور اپنا لوہے
کا بنا ہوا ایک درعارہن میں رکھا“

امام بخاریؒ نے یہ روایت متعدد بار مختلف مسائل میں نقل کی ہے اس لیے نسبہ پر معاملہ کا جواز
ناقابل انکار حقیقت ہے۔ موصوف بھی اپنے مقالہ کی ابتداء میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں،
”جہاں تک ادھار و قرض پر کوئی چیز بیچنے اور خریدنے کا تعلق ہے قرآن و حدیث کی
رو سے قطعی طور پر جائز ہے“ اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیت مداینہ اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث پیش کر دینا کافی ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا دوسروں سے ادھار پر ضرورت کی چیزیں لینے کا واضح بیان ہے اور یہ بھی کہ بعض
ادائیگی کے وقت آپؐ نے بہتر طور پر ادائیگی فرمائی (ماہنامہ الحق جلد ۲، شمارہ ۳ ص ۲۲)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جیسے دوسرے معاملات کے مطالعہ سے قطع نظر ہم یہودی
سے مذکورہ معاملہ کا جائزہ لیتے ہیں ایک متعصب دشمن اسلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ
اور پھر اس کے بعد روزمرہ ضرورت آنے والی چیز ”درع“ کو رہن کرنے کے پس پردہ واقعات کے
جائزہ سے جو صورت سامنے آتی ہے اس میں زیر نظر مسئلہ کے جواز کے لیے قوی مستدل
موجود ہے۔ اس پس پردہ حقیقت کے جاننے کے لیے ہمیں اس واقعہ کا مطالعہ مدینہ منورہ کے معاشی
حالات کو مد نظر رکھ کر کرنا ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ میں جب کسی چیز کی مانگ زیادہ ہو تو اس کا کاپک بھی زیادہ ہوتا ہے اور
جب خریدار زیادہ ہوں تو اس چیز کے بدلنے کے مواقع وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں ایسے وقت میں بائع
ادھار کی نسبت سے نقد کو زیادہ ترجیح دیتا ہے الایہ کہ ادھار میں اگر کہیں مالی منفعت بہ نسبت نقد
کے زیادہ ہو تو پھر وہ صوابدید پر فیصلہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ کے
وقت مدینہ منورہ کی معاشی حالت کے حوالہ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت مدینہ منورہ میں غلہ
کی بہت زیادہ ضرورت تھی، عموماً لوگوں کو بیرونی قافلوں کے آنے کا انتظار کرنا پڑتا تھا اور
جب کسی قافلہ کے آنے کی خوشخبری سنائی جاتی تو بسا اوقات قافلہ زدہ معاشرہ کی حالت غیر ہو جاتی

اور اپنی جان کی خبر تک نہ رہتی، چنانچہ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ کو تجارتی قافلہ آنے کی خبر اس وقت ملی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو صحابہ کرامؓ کثیر تعداد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے چھوڑ کر قافلہ کی طرف دوڑ پڑے جس پر سورۃ الجمعہ کی آخری آیتیں نازل ہوئیں۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں خرید و فروخت کی مارکیٹ پر یہودی چھائے ہوئے تھے وہ قافلہ والوں سے غلہ خرید کر بعد میں من مانی قیمت پر فروخت کرتے تھے ان کو نقد کا گاہک ایسی ضرورت کی اشیاء میں لازمی طور پر میسر تھا، یہ لوگ نقد کی نسبت ادھار کو ترجیح کسی شوق کی وجہ سے نہیں دیتے تھے بلکہ مالی منفعت کی خاطر یہ لوگ ادھار کا معاملہ کرتے تھے، ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادھار کے معاملہ سے غالب گمان یہ ہے کہ نقد کی نسبت سے ادھار میں قیمت کا تفاوت لازمی طور پر اختیار کیا گیا ہوگا ورنہ نقد کے گاہک ملنے کے باوجود یہودی کو ادھار کا معاملہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مالی منفعت اور زیادہ قیمت کی وصولی کے سوا یہودی کے اس اقدام کے لیے اور کوئی دوسرا محرک نظر نہیں آتا۔ اس میں اس کا احتمال بھی نہیں کہ یہودی نے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض احسان کے جذبہ سے حسن سلوک کر کے محض نقد کی قیمت پر بطور ادھار دیا ہو کیونکہ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا وَالْيَهُودَ وَالَّذِينَ آمَنُوا كُفَرًا مِّنْهُمْ وَمِنْهُمْ شَرٌّ قَوْمًا (سورۃ المائدہ: ۸۱) ہونے کے باوجود یہودیوں جیسی متعصب قوم سے مسلمانوں کے ساتھ اور خاص کر حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر خواہی، حسن سلوک اور مواسات کے جذبات کی توقع کرنا بے سود ہے۔ بلکہ حدیث میں درہندہ ددعہ کے الفاظ سے بھی خیر خواہی کے جذبہ کی تردید ہو رہی ہے، آخر کار جب ہمدی مقصود تھی آپ سے توثیق کے لیے رہن کا مطالبہ کیوں کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی درعہ بطور رہن رکھنے کے لیے کیسے تیار ہوئے جو آپ کی مجاہدانہ زندگی کی روزمرہ ضرورت تھی۔

یہ ایسے امور ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں نسیہ کی صورت میں نقد کی نسبت سے قیمت زیادہ رکھی گئی ہو۔

خیر القرون میں زیر بحث مسئلہ کا عملی ثبوت | مذکورہ شہادات کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی زندگی میں بھی ایسا واضح، غیر مبہم اور

ٹھوس ثبوت ملتا ہے جس سے مسئلہ کی شرعی حیثیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے جواز میں صحابہ کرامؓ کے دور میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور صحابہ کرامؓ خود ایسے معاملات کرتے تھے، سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ کے واقعہ میں اس کی صریح دلیل موجود ہے امام احمدؒ روایت میں کچھ اضافہ بھی ہے، لیکن صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سیدنا امام ابو حنیفہؒ کے واسطہ سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :-

ان امرأة قالت لعائشة ان زید بن ارقم یاعنی جاریتہ بثمان مائة درهم ثم اشتراها منی فقالت ابلغیہ عنی ان الله قد ابطال جہادہ مع رسول الله صلی الله علیہ وسلم ان لم یتب۔ رفتح القدیر ج ۶ ص ۶ باب البیع الفاسد

(ترجمہ) ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے عرض کی کہ زید بن ارقمؓ نے مجھ پر ایک لونڈی سے آٹھ سو درہم میں فروخت کر کے دوبارہ چھ سو درہم میں خریدی حضرت عائشہؓ نے فرمایا میری طرف سے زید بن ارقمؓ کو یہ پیغام پہنچاؤ کہ اگر اس نے اپنے اس کٹے ہوئے کام سے توبہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ جہاد ضائع کر دے گا جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں کیا ہے۔ اگرچہ اس روایت میں نقد اور نسیہ ادھار کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لیکن مسند احمد کی روایت میں اس پر یہ اضافہ آیا ہے :-

انی بعث من زید غلاماً بثمان مائة درهم نسیئة واشتریتہ بثمان مائة نقد۔ رفتح القدیر ج ۶ ص ۶ باب البیع الفاسد

(ترجمہ) میں نے اس سے آٹھ سو درہم ادھار پر غلام خرید کر چھ سو درہم نقد پر دوبارہ اس پر فروخت کیا ہے۔

اس روایت کو دیکھ کر کسی کے ذہن میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہنا چاہیے، کیونکہ زید بن ارقمؓ کے اس معاملہ میں نقد کی قیمت اگرچہ سو درہم ہے تو ادھار کی قیمت آٹھ سو درہم مقرر کی جا رہی ہے۔

شاید اس پر کسی کو شک ہو ممکن ہے کہ یہ حضرت زید بن ارقمؓ کا انفرادی عمل ہو اور دوسرے صحابہؓ اپنے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس پر مطلع ہو کر بہت سخت الفاظ میں پیغام بھیجا کہ اگر اس نے اپنے کیے ہوئے کام سے رجوع نہ کیا تو اس کا جہاد جیسا مبارک عمل بھی ضائع ہو جائے گا، گویا آپ نے یہ اقدام گناہ کبیرہ سمجھ کر دوسرے اعمال کے لیے مبطل قرار دیا۔

لیکن یہ شبہ بے بنیاد ہے کیونکہ یہاں پر حضرت زید بن ارقمؓ کے اس معاملہ میں دو چیزیں ہیں پہلی چیز یہ ہے کہ نقد اور ادھار کی قیمت میں آپؐ نے تفاوت رکھا، دوسری چیز یہ ہے کہ آپؐ نے خود اپنے فروخت کئے ہوئے غلام یا لونڈی کو دوبارہ کم قیمت پر قبل نقد الثمن خرید کر بظاہر سودی معاملہ کا ارتکاب کیا، حضرت عائشہؓ کے انکار کا تعلق اول الذکر مسئلہ سے نہیں بلکہ اتنی شدت سے انکار آپؐ نے دوسرے معاملہ کو مد نظر رکھ کر کیا، آپؐ نے اسے ربوہ کی ایک ذیلی شکل قرار دے کر اس پر ربوہ کی ایت تلاوت کی، پھر ربوہ کا تعلق بھی اول معاملہ سے نہیں تھا یعنی نہ یہ میں اس چیز کی قیمت آٹھ سو روپے مقرر کرنے میں کوئی قباحت نہیں تھی، اگر صرف یہ عقد ہوتا تو اس پر انکار کی گنجائش نہ رہتی لیکن دوسرے معاملہ میں کہ اپنی ہی فروخت کی ہوئی چیز کو قبل الثمن کم قیمت پر خریدنے میں سودی عناصر نظر آ رہے تھے اس لیے آپؐ نے انکار کیا اور پہلا معاملہ بھی اس اعتبار سے درست نہ رہا کہ دوسرے حرام معاملہ کی پوری عمارت اس پر بنی ہوئی تھی، اس لیے حضرت عائشہؓ نے دونوں پر انکار کر کے فرمایا کہ بری ہے وہ چیز جو تو نے خریدی اور فروخت کیا علامہ جلال الدین الخوارزمیؒ اس تفرقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وَأَمَّا ذِمَّتُ الْبَيْعِ الْأَوَّلِ وَإِنْ كَانَ جَائِزًا عِنْدَهَا لَا نَهَا صَادَاتُ ذَرِيعَةِ الْبَيْعِ
الثَّانِي هُوَ مَوْسُومٌ بِالْفُسَادِ - (الكفاية على الهداية - فتح القدير ص ۲۶ باب البيع الفاسد)
(ترجمہ) آپؐ نے پہلی بیع کی ذمّت بھی کی حالانکہ یہ آپؐ کے ہاں بھی جائز معاملہ تھا کیونکہ یہ دوسرے ناجائز اور فساد عقد کے لیے ذریعہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے کلام میں ”بئس ما اشتريت واشتريت“ بری ہے وہ چیز جو تو نے خریدی اور فروخت کی، عقد ثانی با اعتبار وجود مؤخر ہونے کے باوجود آپؐ نے ذم کرتے ہوئے پہلے ذکر کیا کیونکہ بنیادی طور پر اس کی ذمّت مقصود تھی۔

حضرت زید بن ارقمؓ کے اس تفاوت پر اقدام اور حضرت عائشہؓ کا اس تفاوت پر خاموشی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ادھار کے معاملہ میں قیمت کا تفاوت خیر القرون کے معاشرہ میں بھی مروج تھا اس پر کوئی انکار نہیں کر رہے تھے اور نہ کسی نے اس کو ”ربوہ النسبة“ میں شمار کیا۔

مختلف الجنس اشياء کے تبادلہ میں تفاضل حقیقی و حکمی دونوں جائز ہیں | ان روئے شرع خرید و فروخت کا معاملہ عاقدین کی باہمی

رضامندی پر مشتمل ہے لیکن اموال ربویہ میں ان پر چند پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ”اشیاء مستتہ“ کی حدیث

سے جہاں دوسرے ائمہ نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق علت نکال کر ربو کی شکلیں متعین کیں تو احناف نے "جنس و قدر" کی علت نکالی، اس لیے جہاں کہیں دونوں علتیں پائی جاتی ہیں وہاں پر احناف نے تفاضل حقیقی اور تفاضل حکمی (نسبہ) دونوں حرام قرار دیں، مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے پر گندم کے عوض گندم فروخت کرتا ہے تو ایک من کے بدلہ میں جیسا کہ دوسرے خریدنا حرام ہے، ایسا ہی تفاضل حکمی رکھ ایک چیز وصول کر کے دوسرے کی وصولی کے لیے مہلت دی جائے (بھی حرام ہے) اور اگر کہیں جنس و قدر میں سے کوئی ایک علت پائی جائے تو وہاں پر تفاضل حکمی تو حرام ہے لیکن تفاضل حقیقی میں کوئی حرج نہیں اسلئے کہ ایک من گندم کے عوض دوسرے کوئی بیٹے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں نسبہ حرام ہے، اور جہاں کہیں جنس و قدر دونوں نہ ہوں تو مختلف جنس اشیاء میں "واذا اختلف الجنس فبیعوا کیف شئتم" کی رو سے تفاضل حقیقی اور حکمی دونوں حلال ہیں۔

زیر نظر معاملہ میں ثمن اور بیعہ دونوں مختلف جنس ہیں جن کے درمیان قدر بھی مشترک نہیں اس لیے تفاضل میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیئے، تاہم نسبہ اور نقد کے مابین تفاوت کا اعتبار کرنا عقد کی تکمیل کے بعد ثانوی امور ہیں جن کا عقد کے قوام سے کوئی تعلق نہیں۔

نقد و نسبہ کی قیمت میں تفاوت کا جواز ائمہ کا اختلافی مسئلہ ہے | ائمہ کرام کے درمیان زیر نظر مسئلہ میں اتفاق ہونے

کا نشانہ ہی ایک دوسرے مسئلہ سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت زید بن ارقمؓ کی سابقہ روایت پیش کی جاتی ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اگر کوئی چیز نسبہ اور ادھار کی وجہ سے یا وہ قیمت پر فروخت کرے اور پھر بغیر کسی ثمن کی ادائیگی کے دوبارہ اپنی فروخت کی ہوئی چیز بغیر کسی ثالث کے حائل ہونے کے نقد پر کم قیمت سے خریدے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ثالث کے حائل نہ ہونے کے بغیر بھی یہ عقد جائز ہے لیکن احناف کے نزدیک ثالث کے حائل ہونے کے بغیر یہ عقد ناجائز ہے تاہم اگر درمیان میں ثالث آجائے اور فروخت کرتے وقت نسبہ کی وجہ سے اس کی قیمت پانچ سو روپے رکھی گئی تھی لیکن دوبارہ بائع نے نقد رقم دے کر اپنی فروخت کی ہوئی چیز کم قیمت یعنی چار سو روپے پر خریدی تو پھر شوافع کی طرح احناف کے نزدیک بھی جائز ہے ایسا ہی ثمن کی وصولی کے بعد جواز اتفاقی ہے۔ علامہ کمال ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

وقيد بقوله قبل نقد الثمن لان ما بعده يجوز بالاجماع

باقل الثمن - رفتح القدیر ج ۶ ص ۶۸ باب البیع الفاسد)
(ترجمہ) ”ثمن کی ادائیگی سے قبل مسئلہ کی تنقید سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر معاملہ بعد نقد
الثن کا ہو تو پھر بالاتفاق جائز ہے۔“

اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اصل قیمت کی زیادت میں جیسا کہ نقد میں زیادتی کا احتمال ہے
تو ”حالة أو تسببہ“ کے عموم سے نسبہ کا بھی احتمال ہے تو نسبہ میں زیادہ قیمت مقرر کر کے
بعد میں کم قیمت نقد پر خریدنے سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ | مقالہ نگار کے انداز بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیر نظر مسئلہ فقہ حنفی
میں شاید صرف ان دو کتابوں تک محدود ہے لیکن حقیقت میں یوں
نہیں ہے بلکہ فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں یہ مسئلہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین نے یہ مسئلہ
علاؤ الدین الحصکفیؒ کی عبارت کی شرح میں ”رد المحتار علی الدر المختار“ جلد ۳ ص ۱۵۸ پر، اور
ابن نجیم المصریؒ نے البحر الرائق جلد ۶ ص ۱۱۲ پر یہ مسئلہ ذکر کیا ہے، اگرچہ اکثر فقہاء نے جو
علت بیان کی ہے وہ ایک نظر آتی ہے لیکن میرے خیال میں فقہ حنفی کی اہم کتابوں میں سے
شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس میں یہ مسئلہ نہ ہو۔ لیکن محض فقہی ذخائر سے عبارات کا
نقل کرتا موصوف کے نزدیک کسی خاص فائدہ کا حامل نہیں اس لیے عبارات کے نقل کرنے
کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ زیر نظر مسئلہ کے عدم جواز
کے بارے میں کسی ایک کتاب میں بھی کوئی صریح تجزیہ نہیں ملتا، اس لیے موصوف کو اپنے
موقف کے اثبات کے لیے دوسرے تجزیات کا سہارا لینا پڑا، اگر یہ کہیں ناجائز ہوتا تو اتنے
ضخیم فقہی ذخائر میں کہیں نہ کہیں اس پر تصریح ضرور ہوتی۔

موصوف کے مقالہ کا جائزہ | یہاں تک اصل مسئلہ کے جواز کے بارے میں بات ہو رہی تھی ابھی
ہم ذرا آگے قدم بڑھاتے ہوئے موصوف کے ان دلائل کا جائزہ
لیتے ہیں جن کی وجہ سے موجودہ معاملہ ناجائز اور حرام قرار دیا جا رہا ہے۔ دو قسطوں پر مشتمل مقالہ کے
مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عدم جواز کا نظریہ تین باتوں پر مبنی ہے۔

۱۔ ربوا النسبة: آپ کے نزدیک زیر نظر مسئلہ ”ربوا النسبة“ کی ایک ذیلی قسم ہے، کبریٰ تو مستلمات
دین میں سے ہے کہ قرآن و حدیث کی رو سے ربو کی جملہ قسمیں حرام ہیں، اس لیے یہ معاملہ بھی حرام ہے۔
ظاہر بات ہے کہ کبریٰ کے تسلیم ہونے کی وجہ سے اس پر بحث کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی لیکن صغریٰ

ایک نظری مسئلہ ہونے کی وجہ سے کافی غور و خوض کا محتاج تھا اس لیے موصوف نے اس پر بڑی عرق ریزی سے کام کیا ہے، چنانچہ پہلی قسط کا ۲/۴ سے زائد حصہ اس پر مشتمل ہے، موصوف فرماتے ہیں :-

”غرضیکہ قرآن کریم نے ربو النسیۃ کی جن مروجہ شکلوں کو حرام قرار دیا ان میں ایک شکل ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شکل بھی تھی جس کا اظہار مندرجہ ذیل روایات سے ہوتا ہے جن کو مفسرین کرام نے تحریم ربو کی آیات کی تفسیر میں نقل کیا ہے“ (الحق ج ۲، ش ۳ ص ۲۳)

آپ نے ربو النسیۃ کی حقیقت زید بن اسلمؓ، مجاہدؓ، سعید بن جبیرؓ، قتادہؓ، اور عطاب بن ابی رباح جیسے بلند پایہ اکابرین کے حوالہ سے نقل کر کے یہ کوشش کی ہے کہ یہی حقیقت ربو زیر نظر مسئلہ میں بھی کار فرما ہے۔ پھر مزید وضاحت کے لیے آپ نے ابو کبر الجصاصؒ اور امام فخر الدین رازیؒ کے اقوال کا سہارا بھی لیا ہے جن میں ربو النسیۃ کی حقیقت بیان ہوتی ہے، اس خیال کو مزید تقویت دیتے ہوئے موصوف نے ان اثرات کا بھی جائزہ لیا ہے جو سود کی وجہ سے معاشرہ پر پڑے ہیں، آپ کے خیال میں یہی زیر نظر معاملہ کے بھی اثرات ہیں۔

(۲) بیع باطل: موصوف نے جس دوسری حقیقت پر زیر نظر مسئلہ کے عدم جواز کی عمارت قائم کرنے کی کوشش کی ہے وہ بیع باطل کی تعریف ہے، آپ حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسن بصریؒ اور علامہ رشید رضاؒ کے حوالہ سے بیع باطل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بعد ازاں مروجہ معاملہ پر یہی حقیقت منطبق کر کے فرماتے ہیں :-

”آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں معاملہ زیر بحث کو جیب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ باطل کا بھی مصداق نظر آتا ہے“

(الحق ج ۲، شماره ۴ ص ۳۶)

(۳) قیسری چیز جو موصوف اپنے موقف کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں وہ قرض میں کسی منفعت کی حرمت کا حکم ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کی روایت کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربو ہے“ موصوف اس روایت کے آخر میں فرماتے ہیں :-

”بہر حال اس حدیث کی رو سے بھی معاملہ زیر بحث ناجائز قرار پاتا ہے“ (الحق ج ۲، شماره ۴ ص ۳۶)

اس کے علاوہ موصوف کے مقالہ کے آخر میں ہدایہ اور مبسوط خسی کے واضح جزئیات سے جان چھڑانے کے لیے ایسی کمزور اور رکیک توجہیہات کی گئی ہیں جو ”توجیہہ بما لا یرضی قاللہ“ کا مصداق ہے۔ ان توجہیہات کی حقیقت، قوام و ثبات یا ضعف و کمزوری کے لیے قارئین کرام حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب دامت برکاتہم کے مقالہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ہم آئندہ موصوف کے ان تین نکات پر بحث کریں گے جو بزعم مقالہ نگار زیر نظر مسئلہ کی حرمت کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

پہلی وجہ کی کمزوری | جہاں تک زیر نظر معاملہ کو ”ربو النسیۃ“ کی قسم قرار دینے کی بات ہے تو ربو کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہو ا دھار کے معاملہ کو بھی سمیٹ سکے، چند وجوہات کی وجہ سے ادھار کا معاملہ ربو النسیۃ سے مختلف ہے۔

۱۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ”ربو النسیۃ“ میں اجل کو باقاعدہ مستقل مبیعہ کی حیثیت سے اعتبار دیا جاتا ہے۔ موصوف کے مقالہ کے حوالہ سے اکابرین امت سے اس کی جو حقیقت نقل کی گئی ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقرر مدت کے خاتمہ پر داین مدیون کے پاس جا کر کہہ دیتا کہ میری فلاں رقم جو تیرے ذمہ ہے وہ ادا کر دو۔ اگر ابھی ادا نہیں کر کے ہو تو اتنی مدت کے بعد مجھے اس مدت کے عوض مقرر رقم کے ساتھ مزید اتنی رقم دو گے۔ عروض کی طرح اجل کی کمی اور زیادتی کو دیکھ کر قیمت لگاتی جاتی اجل میں مالیت و تقویم کی حقیقت معدوم ہونے کی وجہ سے داین کو اصل رقم پر بغیر کسی معاوضہ کے زیادت دی جاتی۔ جس کو قرآن نے حرام قرار دیا۔ شیخ عبدالرحمن الجزیری ربو کی تقسیم کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

وینقسم الی قسمین الاول ربو النسیۃ وهو ان تكون الزیادة المذكورة فی مقابلة تاخیر الدفع۔۔۔۔۔ لا خلاف بین ائمة المسلمین فی تحريم ربو النسیۃ وهو کبيرة من الکبائر بلا نزاع۔ (الفقه علی المذاہب الاربعۃ ج ۲ ص ۲۴۵ مباحث الربو) (ترجمہ) ”ربو کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم ”ربو النسیۃ“ ہے، یہ وہ قسم ہے کہ جس میں مذکورہ زیادتی تاخیر سے دینے کے مقابلہ میں دی جاتی ہے۔۔۔۔۔ اکابرین امت میں اس کی حرمت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے بالاتفاق گناہ کبیرہ ہے۔“

یہی وہ حقیقت ہے جو مفتقرین، محدثین، فقہاء اور دوسرے ارباب تحقیق کی تحریرات میں نظر آتی ہے شاید تعبیر میں کوئی مبالغہ نہ ہو کہ ہم اس سے یوں کہیں کہ یہ زیادتی اجل کا معاوضہ ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں زیر نظر معاملہ میں یہ مفروضہ زیادتی معاوضہ کی حیثیت سے نظر نہیں

آتی، نہ مقررہ میعاد کی کوئی قیمت مقرر کی جاتی اور نہ اس کو عاقبتین بیعہ کا کوئی جز تسلیم کرتے ہیں تاکہ کسی وقت مقررہ قیمت، بیعہ اور اجل پر تقسیم ہو سکے، یہی وجہ ہے کہ عام فقہاء اس زیادتی کیلئے بعوض الاجل کی جگہ ”لاجل الاجل“ کی علت ذکر کرتے ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: یزاد فی الثمن لاجل الاجل۔ ابن عابدینؒ اور ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: یشاد فی الثمن لاجلہ۔ گویا دونوں کا بنیادی فرق یہی ٹھہرا کہ ادھار کے معاملہ میں زیادتی ”لاجل الاجل“ اور ”ربو النسیتہ“ میں زیادتی بعوض الاجل ہے، ایسے واضح فرق ہونے کے باوجود پھر بھی یہ معاملہ ربو کی ذیلی قسم قرار دینا غلط فہمی یا سینہ زوری ہے۔ تاہم یہ فرق باریک ہے، شاید اس فرق کی مزید وضاحت ایک مثال سے ہو سکے مثلاً ایک شخص کراچی سے پشاور تک ریل گاڑی میں سفر کرتا ہے تو اصل کرایہ تین سو روپے ہے جو کسی بھی گاڑی میں اپنے لیے سیٹ مقررہ مسافت تک اس قیمت پر لے سکتا ہے، لیکن اسی گاڑی میں ایئر کنڈیشن سیٹ کا کرایہ پانچ سو روپے لگایا جاتا ہے لہذا دونوں کرایوں کو مد نظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصل کرایہ تو تین سو روپے ہے لیکن مؤخر الذکر سیٹ کے کرایہ میں یہ اضافہ محض سہولیات اور مراعات کے اضافہ کی وجہ سے ہے یہ اضافہ کسی سہولت کا معاوضہ نہیں۔ ایسا ہی یہاں پر بھی معاملہ ہے کہ ادھار میں یہ زیادتی کسی اجل کا معاوضہ نہیں کہ اس کو حرام اور ممنوعہ معاملات میں شمار کیا جاسکے بلکہ یہ النقد خیر من النسیتہ کو مد نظر رکھتے ہوئے مؤخر ادائیگی کی وجہ سے مقرر کی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ نقد وصولی میں مشتری کو بروقت ادائیگی کی زحمت ہو لیکن بائع کو قائدہ ہوگا جبکہ تاخیر سے ادائیگی میں مشتری کو سہولت دی جاتی ہے اور بائع کے جذبات کو قابو میں رکھنے کے لیے قیمت فروخت نسبتاً زیادہ لگائی جاتی ہے تاکہ بائع بطیب خاطر ادائیگی کے لیے تیار رہے اور مشتری بھی اپنی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے خوشی سے وہ قیمت ادا کرے۔

دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ حرام معاملہ میں ایسی دو اشیاء کا تبادلہ ہے جن کی جنس اور قدر آپس میں متحد ہے۔ چونکہ دائن جب دیون سے معاہدہ کے اختتام پر یہ کہتا ہے کہ اگر ابھی میرے پیسے مثلاً ایک ہزار روپے نہیں دیتے ہو تو چھ مہینوں کے بعد ایک ہزار کی جگہ پندرہ سو روپے دو گے گویا اس میں تبادلہ عرض اور ثمن کا نہیں رہا، چونکہ اختتام معاہدہ پر دائن کا حق بیعہ نہیں رہتا بلکہ بیعہ کی قیمت رہی تو تبادلہ رقم کا رقم سے آیا، ایسی حالت میں لازمی بات ہے کہ جنس اور قدر کی موجودگی میں تفاضل حقیقی اور حکمی دونوں آئے جو کہ قطعی حرام ہے۔

لیکن زیرِ نظر معاملہ میں یہ صورت بالکل نہیں، یہاں پر تبادلہ بیعہ اور ثمن کا ہے، اول ہی سے بائع اور مشتری کے درمیان ایجاب و قبول میں یہی قیمت منظور نظر رکھی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں جہاں بیع مطلق کی تعریف صادق آتی ہو یعنی بیعہ اور ثمن کا تبادلہ ہو تو تفاوتِ صل میں کوئی حرج نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ کہیں بائع اور مشتری کے درمیان نقد قیمت پر معاہدہ طے پائے اور بعد ازاں مشتری نقد ادائیگی سے قاصر ہو اور یہ کسی معاوضہ کی وجہ سے ثمن کی ادائیگی نہ کرے تو اس وقت یہ لازمی طور پر ربو النسبۃ کے مترادف ہے کیونکہ نقد ادائیگی پر معاہدہ کے وقت بائع کا حق ابھی مقررہ ثمن کی مقدار میں متعین ہوا تھا ابھی اجل کی وجہ سے زیادتی نہیں اس مقررہ حق کے مقابلہ میں ہے ہونا جائز ہے۔

دوسری وجہ کی کمزوری | جہاں تک موصوف کی دلیل کے دوسرے حصہ کا تعلق ہے تو یہ بھی شبہ سے خالی نہیں، یہ مشکل ہے کہ بیع باطل کی تعریف زیرِ نظر معاملہ

پر صادق ہو۔ اس کے بطلان کے لیے ہم پہلے ایک مقدمہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ عقد بیع میں ایجاب و قبول کے بعد جب تک اس عقد کا نسخ ہو کر کسی دوسرے معاملہ کی تجدید نہ ہو تو کمی اور زیادتی کی نسبت اصل عقد کی طرف جائے گی۔ مثلاً بائع اور مشتری ایجاب و قبول کر کے معاہدہ کریں اور بعد ازاں بائع مقررہ بیعہ کے ساتھ یا مشتری مقررہ قیمت سے کوئی زیادتی ادا کرے تو اس کی نسبت اصل عقد کی طرف کی جائے گی، چنانچہ استحقاق کی صورت میں یہ کمی اور زیادتی لازمی طور پر ظاہر ہوگی۔ فقہاء کرام لکھتے ہیں :-

ویجوز للمشتري ان يزيد للبائع في الثمن ويجوز للبائع ان يزيد للمشتري في المبيع ويجوز ان يعط عن الثمن ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك فالزيادة والحط يلتحقان باصل العقد عندنا۔ (الهدایۃ ج ۳ ص ۵۲ کتاب البیوع)
(ترجمہ) ”مشتری کے لیے جائز ہے کہ وہ بائع کے لیے قیمت میں زیادتی کرے جبکہ بائع مشتری کو بیعہ میں اضافہ کر سکتا ہے اور قیمت میں کمی بھی جائز ہے، استحقاق ان تمام سے متعلق ہوگا، پس کمی اور زیادتی ہمارے نزدیک اصل عقد سے ملحق ہوتی ہے۔“

اس قاعدہ پر چلتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زیرِ نظر معاملہ میں قیمت میں یہ زیادتی اصل بیعہ کے عوض میں آتی ہے اگر قیمت نقد کی صورت میں کم ہو یا ادھار کی صورت میں زیادہ ہو ہر دو صورتوں میں بیعہ کی قیمت سمجھی جائے گی۔ تو بیع باطل کی تعریف ”ما یؤخذ من الانسان بغير عوض“ یا ”ما لم یکن فی مقابلۃ

شیء حقیقی، مروجہ معاملہ پر کبھی صادق نہیں آتی، اس میں یہ کبھی نہیں ہوتا کہ بائع کو زیادتی بغیر عوض ملی بلکہ تمام قیمت بیعہ کی ہے، اصل اور اضافہ دونوں کے درمیان ایسا شدید اتصال موجود ہے کہ دونوں کی دوسرے سے جدائی متصور نہیں، یہ کبھی نہیں کہا جاتا ہے کہ اس قیمت کا اتنا حصہ بیعہ کا ہے اور اتنا حصہ درمیان میں اجل کا ہے، آخر کار ”اجل“ میں اتنی قوت کہاں ہے جس کو بیعہ شمار کیا جاسکے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

لان الاجل في نفسه ليس بمال فلا يقابله شيء حقيقة اذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلة قصدًا ويزاد في الثمن لاجله اذا ذكر الاجل بمقابلة زيادة الثمن قصدًا۔ (بہار المختار علی الدر المختار ج ۴ ص ۵۸ باب المراجعة والتولية)
(ترجمہ) ”کیونکہ اجل بذات خود کوئی مال نہیں، پس حقیقت میں جب ثمن کی زیادتی قصدًا اس کے عوض میں شمار نہیں کی گئی ہو تو کوئی چیز اس کا معاوضہ نہیں، البتہ قیمت میں زیادتی کی جاسکتی ہے جبکہ اجل زیادتی ثمن کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہو۔“

بہر حال بیع باطل کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی اس لیے لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ أَيْدِيكُمْ بِالْكَبَائِلِ کی رو سے یہ ناجائز نہیں بلکہ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ کی رو سے جائز ہے، قسط و ادائیگی کی صورت میں مشتری کی سہولت کو مد نظر رکھ کر یہ کہنا بے جا نہیں کہ مشتری بیک وقت ادائیگی کے تحمل کے بوجھ سے چھٹکارا پا کر معمولی اضافہ برداشت کرنے پر لازمی طور پر خوش ہوگا ورنہ ممکن ہے کہ مشتری کو بیک وقت ادائیگی کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے کہیں بیعہ کی خریداری سے محروم ہونا پڑے۔ اس لیے مشتری کی رضامندی نہ ہونے کا دعویٰ کرنا خلاف واقع ہے، یہ الگ بات ہے کہ اگر بائع احسان سے کام لے کر کم قیمت پر بیعہ فروخت کرنے پر تیار ہو تو اس سے مشتری کو خوشی حاصل ہوگی، لیکن اس سے مزید ایک خوشی کی اور صورت بھی ہے کہ بائع محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے بیعہ بغیر کسی عوض کے مجانا مشتری کے حوالہ کرے لیکن اس کو معاشرہ کا لازمی حصہ قرار دینا یا ہر ایک کو احسان کا پابند کرنا شریعت کے عادلانہ نظام سے متصادم ہے کیونکہ شریعت کسی پر ایسے اضافی بوجھ ڈالنے کے حق میں نہیں البتہ تقویٰ اور نیکی حاصل کرنے کے دروازے دونوں پر ہر وقت کھلے ہیں۔

نیسری وجہ کی کمزوری | حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کہ ”ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ نہ ہو وہ ربا ہے“ کا حکم بھی بظاہر اس معاملہ پر چسپاں کرنا

مشکل نظر آتا ہے، کیونکہ یہ حکم وہاں ہے جہاں قرض کی موجودگی میں دائن مدیون سے کسی مادی منفعت کا استفادہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم وہاں ہو سکتا ہے جہاں قرض کا معاملہ باعتبار وجود منفعت کے حصول سے مقدم ہو، لیکن یہاں پر معاملہ کی نوعیت اس سے مختلف ہے، یہ کبھی نہیں ہوتا کہ پہلے قرض دیگر پھر منفعت کا معاملہ کیا جائے، بلکہ اس معاملہ کی ہم یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی وجہ سے فائدہ یعنی مشتری کو رقم دینے میں سہولت کا فائدہ اور بائع کو قیمت میں مالی فائدہ آیا، گویا ظاہری انتفاع کا دائرہ ایسا بھی نہیں جو صرف دائن کی ذات تک محدود ہے بلکہ دائن اور مدیون دونوں اس فائدہ سے بہرہ ور ہو رہے ہیں تاہم کسی غیر واقعی اور امکانی احتمال شبہ انتفاع کی وجہ سے ممکن ہے اس عقد پر غیر مستحسن کا حکم لگایا جاتا ہے جو خواص کے دائرہ تک محدود رہتا ہے لیکن اس کو بالکل حرام اور ناجائز قرار دینے کا حکم دوسرے اصول سے بھی متصادم ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ کی ۹۸ فیصد آبادی اس کا رویہ میں مبتلا ہے اسے کسی جواز کے احتمال کے ہوتے ہوئے حرام کے کھاتے میں ڈالنا دانشمندی نہیں، جہاں کہیں جواز کا امکان ہو اور یہ احتمال کسی شرعی نص سے بظاہر متصادم نہ ہو تو جواز کے معاملہ کے لیے ایسے احتمال کو بنیاد بنانا اوفق بالروایت والدرایت ہے اگرچہ حرمت کے لیے دوسری جانب میں کوئی احتمال نظر آتا ہے، تاہم تقویٰ کا میدان اس سے الگ ہے جس کے لیے ایسے مشتبہات سے بچنا بھی کمال سمجھا جاتا ہے۔

باب السلم

(بیع سلم کے مسائل و احکام)

بیع سلم کی حقیقت | سوال :- ایک کمپنی اپنی مصنوعات سیرن میں فروخت کرے تو ایک قیمت لگاتی ہے لیکن اگر کوئی شخص ان کو پیشگی رقم دے دے تو کمپنی اسے خصوصی رعایت دیتی ہے اور مقررہ قیمت سے کم وصول کر کے حسب وعدہ اپنی مصنوعات اسے دیتی ہے، کیا کسی کمپنی یا فیکٹری کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی کمپنی کو پیشگی رقم دے کر مقررہ وقت پر رعائتی قیمت سے اس کی مصنوعات خریدنا عقد سلم کے حکم میں ہے، ایسا عقد اس وقت جائز ہے جب اس میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں: ۱۔ جنس معلوم ہو ۲۔ نوع معلوم ہو ۳۔ صفت معلوم ہو ۴۔ قدر اور اندازہ معلوم ہو ۵۔ مدت معلوم ہو ۶۔ کم از کم ایک ماہ ہو ۷۔ اس المال معلوم ہو ۸۔ مطلوبہ چیز دینے کا مکان معلوم ہو ۹۔ جاتی سے قبل اس المال پر قبضہ ہو۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۲۱۶)

لما قال العلامة الحصکفی: السلم هو..... شرعاً بیع آجل وهو السلم فیہ بعاجل وهو اس المال۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۹ باب السلم) لہ

سوال :- کیا شریعت مطہرہ میں غنی کیلئے بیع سلم بالدار کے لیے بیع سلم کی اجازت کی اجازت ہے یا یہ بیع صرف غرباء کے لیے

خاص ہے؟

الجواب :- عقد سلم کے جواز میں اگرچہ غریب اور فقراء کی ضرورت بنیادی طور پر محرک اور سبب ہے لیکن ضرورت کی موجودگی ایک خفیہ معاملہ ہے جس پر ہر کسی کو مطلع ہونا مشکل ہے، اس لئے شریعت نے ایسی حالت میں بیع سلم میں شرائط کی موجودگی کو اعتبار دے کر غریب اور امراء دونوں

لہ قال العلامة ابن الہمام رحمہ اللہ: معناه الشرعی بیع آجل بعاجل.... وسیدکر المصنف شرائطہ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۹ باب السلم)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَنْدِيَّةِ ج ۳ ص ۱۷۸ باب السلم۔

کے لیے جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ سفر کی حالت میں مشقت اور تکلیف سے قطع نظر کر کے محض سفر کو مشقت کا قائم مقام قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة ابن الہمام رحمہ اللہ، ولما كان جوازہ للحاجة وهي باطنية
انيت با مرظا هو كما هو المستمر في قواعد الشرع كالسفر للمشقة ونحوه وهو ذكر الاجل
فلم يلتفت بعد ذلك الى كون المبيع معدوماً عند المسلم اليه حقيقة او موجوداً
قادرًا هو عليه۔ (فتح القدير ج ۶ ص ۲۱۸ باب السلم)

کرنسی نوٹوں میں بیع سلم کی اجازت ہے | سوال :- ایک شخص نے کسی سے

میں پاکستانی کرنسی نوٹ دینے کی میعاد کر کے معاملہ طے کیا کہ تین ماہ بعد پاکستانی کرنسی نوٹ
ادا کروں گا، کیا مذکورہ طریقہ سے معاملہ طے کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- کرنسی نوٹ چونکہ خلقی طور پر ثمن نہیں بلکہ عرف اور رواج کی وجہ سے ثمن
کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اس لیے ثمن عرفی بننے کے بعد اس میں کوئی قدر نہ رہی بلکہ عدد
مستقارب کے حکم میں آکر عقد سلم کے جواز کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ پس اگر سلم کی شرائط
کی رعایت کر کے کوئی شخص ایسا معاملہ کرے تو بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر
سود خوری کے لیے یہ طریقہ اپنایا جائے تو پھر اس سے اجتناب بہتر رہے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: واما السلم في الفلوس
عدداً فجائز عند ابی حنیفة و ابی یوسف و عند محمد لا يجوز بناءً على ان الفلوس
اثمان عنده فلا يجوز السلم فيها كما لا يجوز السلم في الدراهم والدنانير وعندهما
ثمنيتها ليست بل لازمة بل تحمل الزوال لانها ثبتت بالاصطلاح فتزول

الحال العلامة جلال الدین الخوارزمی: قلنا شرعیتہ لرفع خالفایس فلاس مو باطن لا یمكن الوقوف علی
حقیقته والشرع بنی هذه الرخصة علی الحاجة..... والبیع بالخسار دلیل الحاجة ونظیر اقامة
السفر مقام المشقة اقامة النكاح مقام الما في التسبب۔ (الكفاية في ذیل فتح القدير ج ۶ ص ۲۱۹،

باب السلم، قادراً تحت قوله: لو كان قادراً علی التسليم لم یوجد المرتخص)

ومثله فی العناية علی هامش فتح القدير ج ۶ ص ۲۱۴ باب السلم۔

بالاصطلاح۔ ردائے الصنائع ج ۵ باب السلم، فصل: واما الذی یرجع الی المسلم فیہ قانواع سلم

بیع سلم میں تمام قیمت کی وصولی ضروری ہے | سوال :- بائع اور مشتری کے

اناج کا عقد اس شرط پر ہوا کہ سولہ سو روپے حالاً ادا کرے گا جبکہ چار سو روپے دو ماہ بعد اناج وصول کرتے وقت ادا کرے گا، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بیع سلم میں اس المال کا تعین اور عقد مجلس میں ادائیگی لازم ہے لہذا اگر رأس المال کے قبض کرنے سے قبل اگر طرفین جدا ہوئے تو یہ بیع درست نہ ہوگی، تاہم رأس المال کا جتنا حصہ ادا کیا گیا ہو اتنے میں ہی سلم جاری ہوگا، پس مذکورہ معاملہ میں بھی آٹھ من اناج میں بیع سلم درست ہو کر دوس من میں باطل ہوگی، البتہ اگر مجلس برخواست کرنے سے قبل تمام رقم ادا کر دی جائے تو عقد جائز ہے۔

وقی الہندیۃ: السادس ان یکون مقبوضاً فی مجلس السلم سواء کان رأس المال دیناً و عیناً عند عامة العلماء استحساناً و سواء قبض فی اول المجلس او فی اخره لان الساعات المجلس لها حکم ساعة واحدة و کذا لو لم یقبض حتی قاما بمشیان فقبض قبل ان یفترا قابدا انهما جائز۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۷۹) الباب الثامن عشر فی السلم

لہ قال العلامة ابن نجیم: ویصح فی العدای المتقارب کالبیض و الجوز و الفلّس لانه عدی یمکن ضبطه فیصح السلم فیہ وقیل لا یصح عند محمد لانہ ثمن مادام یروج و ظاہر الروایۃ عن النکل الجواز۔ (المحرر الرائق ج ۶ ص ۱۵۶) باب السلم

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۵ ص ۲۱ باب السلم۔

لہ قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وبقی من الشروط قبض رأس المال ولو عیناً قبل الافتراق یا بد انهما وان ناما و سارا فرستخا و اکثر۔ قال العلامة ابن عابدین: (قوله قبض رأس المال) فلوان تقبض القبض بطل السلم۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۱ کتاب البیوع۔ باب السلم)

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۱ کتاب البیوع۔ باب السلم)

وَمِثْلُهُ فِي الاختیار لتعلیل المحتار ج ۲ ص ۳۴ باب السلم۔

جانوروں میں بیع سلم کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیوانات میں بیع سلم شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حیوانات میں بیع سلم کا مسئلہ فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے، احناف کے نزدیک چونکہ بیع سلم کے لیے مبیعہ کا وزنی، کیلی یا عددیات متقاربہ ہونا ضروری ہے اور حیوانات ان میں سے کسی بھی قسم میں داخل نہیں، اس لیے حنفیہ کے نزدیک حیوانات میں بیع سلم جائز نہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدينة وهم یسلفون فی الثمر فقال من اسلف فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم۔ (جامع الترمذی ص ۲۲۵ باب ما جاء فی السلف فی الطعام والتمر) لہ

مالکان رسائل و جرائد کا خریداروں سے پیشگی قیمت لینا | سوال :- جناب مفتی صاحب! ابجکل مذہبی اور غیر مذہبی رسائل و جرائد کے مالکان خریداروں سے سالانہ چندہ کی رقم پیشگی وصول کر لیتے ہیں جبکہ پورے سال کا رسالہ انہیں بعد میں وصول ہوتا ہے۔ تو کیا مالکان رسائل و جرائد کا پیشگی رقم لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: رسائل و جرائد کی سالانہ رقم پیشگی لینے کا معاملہ بیع سلم کا معاملہ ہے جو شرعاً جائز ہے اس لیے کہ اس میں اصل معاملہ کاغذ کا ہوتا ہے اور وہ سال بھر بازار میں موجود رہتا ہے۔ قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: السلم شرعاً بیع آجل وهو السلم

لہ قال الشیخ ظفر احمد العثماني رحمه الله: عن ابن عباس رضي الله عنه: ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن السلف فی الحيوان، اخرجہ الحاکم فی المستدرک ج ۲ ص ۵۲ وقال صحيح الاسناد۔ (اعلاء السنن ج ۲ ص ۴۱۹ باب النہی عن السلف فی الحيوان)

ومثله فی رد المحتار ج ۵ ص ۲۱۱ باب السلم۔

فیہ بعاجل وهو رأس المال وركنه ركن البيع حتى ينعقد بلفظ بيع في الصلح.....
 وشرطه ای شروط صحته التي تذكر في العقد سبعة بيان جنس كبر و قمر و
 بیان نوع كمستی او بعلی و صفته و قدر و أجل و بیان قدر رأس المال اه
 (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۵ ص ۲۱۴ باب السلم) له

جوس کے کرٹوں میں بیع سلم کا حکم | سوال :- شربت اور جوس بنانے والی کمپنیوں کا
 کہ کمپنی اپنے کسی ڈیلر کو عام کریٹ پر مثلاً ۶۲ روپے فی کریٹ دیتی ہے لیکن اگر ڈیلر کمپنی کو یہ رقم
 سیزن سے کچھ مدت پہلے ادا کر دے تو کمپنی اسے ۵۲ روپے فی کریٹ دیدیتی ہے اس طرح
 سے ڈیلر کو دن روپے فی کریٹ بچت ہو جاتی ہے، یہ طریقہ خرید و فروخت میعاد مقرر اور
 غیر مقرر دونوں طرح کا ہوتا ہے، تو کیا یہ طریقہ بیع شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر یہ بیع سلم کے طریقے سے ہو تو شرائط سلم کی موجودگی میں بیع
 درست ہوگی، بیع سلم کی شرائط یہ ہیں: ۱۔ جنس معلوم ہو، ۲۔ مال کی قسم معلوم ہو، ۳۔ صفت
 معلوم ہو، ۴۔ مقدار معلوم ہو، ۵۔ مدت کا تعین ہو، ۶۔ بیع کے ادا کرنے کی جگہ مقرر ہو۔
 (اشراق توری شرح قدوری ص ۱۳۲ باب السلم) اور اگر پیشگی کی یہ رقم کمپنی کو بطور قرض دیا
 جاتی ہو تو بموجب حدیث کل قرض جزئ نفعاً فهو ربوا یہ سودی معاملہ ہوگا۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وشرطه ای شروط صحته التي تذكر في العقد
 سبعة بيان جنس ونوع..... وصفة..... وقدر..... وأجل وأقله
 في السلم شهر..... وبيان مكان أدايها للمسلم فيه الم
 (الدر المختار علی هامش رد المختار ج ۴ ص ۲۳۱ باب السلم)

له قال الشيخ وهبة الزحيلي: وهو ان يسلم عوضاً حاضراً في عوض موصوف
 في الذمة الى أجل..... الثامن ان يكون جنس المسلم فيه ای المبيع
 موجوداً في الاسواق بنوعه وصفته من وقت العقد الى حلول أجل التسليم
 ولا يتوهم انقطاعه عن أيدي الناس۔

(الفقه الاسلامی وادلتہ ج ۴ ص ۵۹۸، ۶۰۸ مطلب الثاني تعريف السلم)

مسلم فیہ ناپید ہو جائے تو۔۔۔ | سوال :- اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ بیع سلم کرے اور

مشتری اس کے بدلے کوئی اور چیز لے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- بیع سلم میں جب مسلم فیہ رخص کے بارے میں بیع ہوئی ہے، اگر مدت معینہ میں ناپید ہو جائے اور مسلم الیہ (بائع) ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ہے کہ وہ مسلم فیہ تک انتظار کرے یا اپنے پیسے واپس لے لے، اس کے بدلے میں دوسری چیز لینا شرعاً جائز نہیں، تاہم عقد ختم کرنے یعنی اپنی رقم واپس لینے کے بعد نئے سرمے سے عقد بیع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحسکفی: ولوانقطع بعد الاستحقاق خیر باب السلم بین انتظار وجودہ والفسخ واتخذ رأس المال۔ (الدر المختار علی ہاشم رد المختار ج ۲ ص ۲۳۸ باب السلم ۱۰)

جانبین سے موزونی اشیاء میں بیع سلم جائز نہیں | سوال :- ایک آدمی نے

فی بوری کے حساب سے ایک شخص پر ۲/۲ ماہ کی میعاد پر فروخت کی اور اس سے وعدہ لیا کہ آپ اس وقت مجھے سروسوں دیں گے، جبکہ معاہدہ کرتے وقت سروسوں کی قیمت ۶۱۰ روپے فی من تھی، جب میعاد پوری ہو گئی تو سروسوں کی قیمت تقریباً گیارہ سو روپے فی من تھی، اس پر اس شخص نے سروسوں دینے سے انکار کر دیا، بالآخر ۹۰۰ روپے فی من پر فیصلہ ہوا، تو اب یہ نفع یعنی ۲۹۰ روپے فی من لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- بظاہر بیع سلم کی یہ صورت ناجائز ہے لہذا فریقین اس عقد کو ختم کر کے اپنا اپنا مال یا اس کا مثل اگر عین مال موجود نہ ہو واپس لے لیں، اور اگر سلم کی تمام شرائط موجود بھی ہوں تب بھی چینی اور سروسوں میں سلم جائز نہیں ہے، لہذا مذکورہ صورت میں اس بیع پر بیع فاسد کا حکم جاری ہوگا کیونکہ یہ عقد ربوہ ہے اور عقد ربوہ بیع فاسد کے حکم میں ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: من جملة صور البیع الفاسد له وفي الهندية: ولا يجوز ان يأخذ عوض رأس المال شيئاً من غیر

جنسہ فان اعطاه من جنس اجود منه او اردأ فی الصفة الخ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۸۶ الفصل الثالث فیما يتعلق بقیض رأس المال و السلم فیہ)

جملة العقود الربوية - رد المختار على حاشية الدر المختار ج ۲ ص ۱۹۰ باب الربو
وقال العلامة خالد الآتاسی، ثم اعلم ان اسلام الموزون في الموزون والمكيل
في الموزون لا يصح لوجود على الربوا واحدهما الخ - رشرح المجلة ج ۲ ص ۲۸۴ باب السلم له
چلغوزی میں بیع سلم کا حکم | سوال :- ہمارے علاقے (ایجنسی وزیرستان) میں
لوگ چلغوزی کے دانوں میں بیع سلم کرتے ہیں،
یہ چلغوزی پورے ملک کی مختلف مارکیٹوں میں سال کے بارہ مہینے ہر وقت سکتی ہے
جبکہ ہمارے علاقے میں ابھی تک درختوں میں ہے، تو کیا ایسی چلغوزی میں بیع سلم
جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ ظاہر ہے کہ بیع سلم اس جدید چلغوزی میں ہے جو ابھی تک
درختوں پر ہے اور مارکیٹ میں ابھی نہیں پہنچی ہے اور مارکیٹ میں موجود بھی نہیں ہے
اس لیے یہ بیع سلم درست نہیں۔

لما فی الہندیۃ: السادس ان یکون المسلم فیہ موجوداً من حین العقد الی
حین المحل حتی لو کان منقطعاً عند العقد موجوداً عند المحل وعلى العکس او منقطعاً
فیما بین ذلك وهو موجود عند العقد والمحل لا يجوز کذا فی فتح القدير
وحد الوجود ان لا یقطع من السوق وحد الانقطاع ان لا یوجد فی السوق
وان کان یوجد فی البیوت هکذا فی السراج الوهاج -
الفتاوی الہندیۃ ج ۳ ص ۱۸۱ الباب الثامن عشر فی السلم - الفصل الاول له

له فی الہندیۃ: العاشر ان لا یشمل البیدین احد وصفی علة ربا الفضل وهو القدر
او الجنس وهذا مطلق الا فی الاثمان فانه یجوز اسلاھا فی الموزونات لحاجة الناس -
الفتاوی الہندیۃ ج ۳ ص ۱۸۱ الباب الثامن عشر فی السلم - الفصل الاول له
له قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ولا فی حنطة حدیثہ قبل حد وثہا لانہا منقطعة
فی الحال وكونها موجودة وقت العقد الخ وقت المحل شرط فتح القدير -
رد المختار على هامش رد المختار ج ۲ ص ۲۳ باب السلم
ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص ۱۵۵ باب السلم -

افیون میں بیع سلم جائز ہے | سوال :- ایک شخص مثلاً زید نے بکر سے کہا کہ مجھے ایک ہزار روپے دے دو، اس کے بدلے میں میں آئندہ سال فصل کے موقع پر ایک سیر افیون دیدوں گا، جبکہ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اگلے سال افیون کی قیمت تین ہزار روپے سی رہے گی، تو کیا یہ معاملہ سودی تو نہیں ہے یا جائز ہے ؟

الجواب :- پہلے تو افیون کی بیع سے بلا ضرورت احتراز کرنا لازم ہے لیکن مال مستقر ہوئے کی وجہ سے صورت مسئلہ میں جو عقد کیا گیا ہے یہ بیع سلم کی صورت ہے لہذا اگر بیع سلم کی تمام شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو جائز ہے۔ آئندہ سال افیون کی قیمت کی کمی یا زیادتی سے کوئی ذوق نہیں پڑتا۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ: (السلم) هو.... بیع آجل.... بعاجل.... و رکنہ رکن البیع.... ویصح فیما امکن ضبط صفته ومعرفة قدرہ کمیل وموزون الخ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج ۴ ص ۲۲۶ باب السلم) لہ سوال :- اگر کوئی تاجر کسی فیکر ٹی کے مالک سے اس طرح معاملہ کرے کہ آئندہ سال گرمی کے موسم میں مجھے اتنے تھان کپڑا درکار ہوگا اور جملہ شرائط طے کر کے رقم فیکر ٹی کے مالک کے حوالے کرے تو کیا یہ سوداً شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ بیع سلم کا مسئلہ ہے لہذا سودا طے کرتے وقت اگر اس کے جملہ اوصاف، مقدار، کپڑا کس چیز سے بنا ہوگا، وغیرہ کی وضاحت کر دی جائے تو شرعاً یہ سودا جائز ہے۔

لما فی مجلة الاحکام: الکرباس والجوخ وامثالهما من المزدوعات يلزم تعین طولها وعرضها وارتفاعها ومن ای شیء نسج ومن نسج ای محل ہی۔

{ شرح المحلة لستم بازمۃ ۲۱۸ المادة ۳۸۵
الفصل الثالث فی السلم }



لہ وفي الهندية: ان يكون السلم فيه موجوداً من حين العقد الى حين المحل.... ان يكون السلم فيه مسايتعين بالتعين۔ وهكذا شروط أخر۔

(الفتاویٰ الهندية ج ۳ ص ۱۸ باب السلم)



يا ايها الذين امنوا لا
تاكلوا الربوا اضعافا
مضاعفة واتقوا الله تفلحون-

کتاب الربوا (سود کے احکام و مسائل)

سود کی حقیقت | سوال :- جناب مفتی صاحب! سود کی تعریف کیا ہے اور یہ کن کن چیزوں میں کن صورتوں میں پایا جاتا ہے؟

الجواب :- قرض دار کو کچھ رقم ایک خاص مدت کے لیے اس شرط کے ساتھ دینا کہ واپس کرتے وقت اصل زر سے زائد دے گا، سود کہلاتا ہے اور اسے اُدھار کا سود کہتے ہیں۔

ما قال الامام الحصان الرازي: هو القرض المشروط فيه الاجل وزيادة مال على المستقرض۔ (الاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۶۹ باب البيع)

ایک ربو معاملات بیع و شراء کا ہے، حضور انورؐ نے اس بارے میں چھ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ آپس میں ان کا تبادلہ برابر ہونا چاہیے، وہ چھ چیزیں سونا، چاندی، گیمہوں، بخو، کھجور اور انگور ہیں۔ ان اشیاء میں سود کی علت عند الاحناف قدر پیمانہ اور جنس ہے، اگر جنس بدل جائے اور کوئی چیز وزنی اور کیلی نہ ہو تو پھر تبادلے میں کمی بیشی جائز ہے، اگر کسی بھی چیز کے اندر قدر اور جنس ہو تو تبادلہ کے وقت کمی یا زیادتی کی توبہ سود ہوگا، ان میں اُدھار کا معاملہ بھی سود ہوگا۔ اگر سود کی دونوں علتوں میں سے ایک علت پائی جائے تو کمی بیشی جائز ہوگی لیکن اُدھار پھر بھی سود کے زمرہ میں آئے گا۔

قال الحنفی، الربا وشرها فضل ووجهاً فدخل ربا النسبة والبيع الفاسد فكلها من الربوا خال عن العو بميعار شرعی وهو الكيل والوزن مشروط لاحد المتعاقدين في المعاوضة وعلته القدر مع الجنس وان وجد احراً الفضل والنساء وان وجد احدهما حل الفضل حر النساء۔ (رد المحتار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۱۶۶ باب الربوا)

لہٰذا فی الہندیۃ: وهو فی الشرع عبا کون فضل مال لا یقابله عوض فی معاوضۃ مال بمال وهو محرّم فی کل مکیل موزون بیع مع جنسہ وعلتہ القدر، والجنس وان وجد القدر والجنس حرّ الفضل والنساء وان وجد احدهما عدم الآخر حل الفضل وحرّ النساء۔ (فتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۱۱ باب الربوا)

ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص ۱۲۲ باب الربوا۔

سود سے بچنے کا حیلہ | سوال :- آجکل بینک لوگوں کو ٹریڈ خرید کر دیتا ہے، پھر بینک نے سود سے بچنے کا حیلہ | ٹریڈ کمپنی کو جتنی رقم ادا کی ہوتی ہے اس رقم کو گاہک سے بمع سود کے قسط وار وصول کرتا ہے، کیا اس سود سے بچنے کا کوئی حیلہ ہے؟

الجواب :- (۱) اگر بینک کمپنی سے ٹریڈ خرید کر خود آگے بیچتا ہے تو قسط وار زیادہ رقم قیمت خرید سے وصول کر سکتا ہے اور ٹمن کی یہ زیادتی ادھار کی وجہ سے ہے جو کہ شرعاً مرنص ہے۔

لما قال العلامة المرسى غفر له: الا يدعى انه يزاد في الثمن لاجل الاجل۔

(الهداية ج ۳ ص ۲۷ باب الربو)

(۲) اگر بینک گاہک کا وکیل بن کر ٹریڈ اپنے مؤکل کو خریدتہ قیمت سے زیادہ پر دیتا ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ وکیل اپنے مؤکل کی شرائط کے مطابق چلے گا۔

لما قال العلامة الكاساني: اذا قال له اشتر لي جارية بالف درهم فاشترى جارية باكثر من الف تلزم الوكيل دون المؤكل لانه خالف املا للمؤكل فيصير مشترياً لنفسه۔

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۹ بیان فی حکم التوكيل)

(۳) بینک نے مثلاً گاہک کی طرف سے کمپنی کو ایک لاکھ روپے دے دیئے اور گاہک سے ڈیڑھ لاکھ وصول کرنا چاہتا ہے، ٹریڈ گاہک نے کمپنی سے خرید لیا لیکن اب بینک کی رقم اس کے ذمہ قرض ہے اور بینک زیادہ وصول کرنا چاہتا ہے، تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ بینک اپنے ایک لاکھ کے عوض گاہک سے زمین وغیرہ خرید کر اپنے قبضہ میں لے لے پھر اس زمین کو گاہک کے ہاتھ ڈیڑھ لاکھ میں فروخت کر دے اور قسط وار ڈیڑھ لاکھ وصول کرتا رہے۔

قال العلامة ابن نجيم: رجل له على آخر عشرة دراهم فادان يوجله الى سنة وياخذ منه ثلاثة عشر فالحيلة ان يشتري منه بتلك العشرة متاعاً ويقبض المتاع منه وقيمة المتاع عشرة ثم يبيع المتاع منه بثلاثة عشر الى سنة۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶ باب الربو)۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: رجل له آخر عشرة دراهم فادان يوجله الى سنة وياخذ منه ثلاثة عشر فالحيلة ان يشتري منه بتلك العشرة متاعاً ويقبض المتاع منه وقيمة المتاع عشرة ثم يبيع المتاع منه بثلاثة عشر الى سنة۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۱۲۱ باب الربو)

سودی رقم کا مصرف | سوال :- بینک کی طرف سے منافع کی شکل میں ملنے والی سودی رقم کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اول تو بینک میں رقم رکھنے سے گریز ہی کرنا چاہیے اور اگر مجبوراً حفاظت کی نیت سے رکھ دی جائے تو اس پر جو سود منافع کی صورت میں ملتا ہے وہ وہ بینک والوں کے لیے نہ چھوڑے بلکہ اُن سے لے کر غرباء اور فقراء پر بلا تیرتِ ثواب صدقہ کر دے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: کما لو غصب عبداً وأجره فینقص فی هذه الاجارة.....
وان استغله فنقصه الاستغلال او أجر المستعار ونقص ضمن النقصان وتصدق بما
بقي من الغلة والاجرة۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ویؤمر ان یتصدق بهما لاستفادتهما بیدل تجبیت
وهو التصرف فی مال الغیر۔ (الدر المختار و رد المحتار ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب الغصب) لہ

گڑ، گندم قرض پر دے کر واپسی کے وقت زیادتی کی شرط لگانا سود ہے | سوال: ایک شخص نے

کسی آدمی سے گڑ اور گندم ایک خاص پیمانہ کے مطابق خاص مدت کے لیے قرض لیا اور وقت معین پر واپسی کے ساتھ زیادتی کی شرط لگا دی کہ قرض ادا کرتے وقت اتنی مقدار میں گڑ اور گندم ساتھ زیادہ بھی دوں گا، کیا اس طرح معاملہ کرنا از روئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- اشیاء ربویہ میں باہم قرض و اقراض جائز ہے لیکن واپسی کے وقت مساوات شرط ہے، گندم تو منصوص ہے، حدیث میں مساوات کی شرط ہے اور گڑ میں اس منصوص کی علت قدر اور جنس پائی جاتی ہے، لہذا گندم اور گڑ واپس کرتے وقت زیادتی کی شرط سود ہے۔

لہذا قال العلامة ابن البزازی رحمہ اللہ: ولو بلغ المال التجبیت نصاً بالایجب
فیہ الزکوۃ لان الكل واجب التصدق۔ (البرزائیة علی هامش الہندیة
ج ۲ ص ۸۶ کتاب الزکوۃ۔ الفصل الثانی فی المصروف)۔

قال العلامة بن هان الدين المرغینا فی رحمہ اللہ: الحنطة بالحنطة مثلاً
بمثل یداً بیداً والفضل ربو وعد الاشياء الستة -

(الهدایة ج ۳ ص ۳۰۶ باب الربوا) لہ

سود پر قرضہ دینا ناجائز ہے | سوال :- جناب مفتی صاحب! کیا سود پر
قرضہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- سود پر قرضہ دینا شرعی طور پر قطعاً ممنوع اور حرام ہے اس میں کسی کا
اختلاف نہیں، قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں صراحۃً اس کی ممانعت ہے، اس لیے
سود پر قرضہ دینا جائز نہیں ہے۔

لما قال اللہ تعالیٰ: احل اللہ البیع وحرم الربو - (سورة البقرة آیت ۲۷۵) لہ

دین مؤجل میں کمی کر کے معجل وصول کرنا حرام ہے | سوال :- ایک شخص کا
دوسرے آدمی کے ذمہ

پانچ ہزار روپے قرض تھا، مقروض نے اس میں کمی کا مطالبہ کیا، قرض خواہ نے کہا کہ
دو ہزار روپے اس شرط پر کم کر کے معاف کرتا ہوں کہ بقایا تین ہزار روپے فوراً واپس
کردو تو مقرض کا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قرض خواہ کا مقروض کو اس شرط پر دو ہزار روپے معاف کرنا کہ بقایا
تین ہزار روپے فوراً وصول کرے ناجائز ہے، عقید میں جو مدت مقرر کی گئی تھی یہ اس کا
عوض ہے، دین مؤجل کو معجل کر رہا ہے اور یہ حرام ہے۔

قال الامام الجصاص الرازی رحمہ اللہ: الرجل یسکون علیہ الف درہم دین مؤجل

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: کل قرض جر نفعا حرام اذا کان مشروطاً۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ باب الربوا - مطلب کل قرض جر نفعا حرام)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۴ باب الربوا۔

لہ فی الہندیۃ: قال محمد فی کتاب الصرف ان ابا حنیفۃ کان یکرہ کل قرض

جر منفعة - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۲۶۲ فصل فی الصرف)

ومثله فی الہدایۃ ج ۳ ص ۱۳۱ کتاب الحوالۃ۔

فیصلحہ منہ علی خمس مائة حالہ فلا یجوز۔ (الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۷)۔
قرض دے کر نفع متعین کرنا جائز ہے | سوال :- ایک آدمی کو کاروبار کے
 لئے سرمایہ کی ضرورت تھی، کسی دوسرے
 آدمی نے کہا کہ اس شرط پر سرمایہ دوں گا کہ دس فیصد منافع مجھے ضرور دو گے، کیا اس شرط
 پر قرضہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- روپے بطور قرض دے کر اس پر دس فیصد یا کوئی بھی فیصد منافع مقرر
 کرنا سود ہے جو کہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: کل قرض جزئاً حراماً ای اذا کان مشروطاً کما
 علم مما نقلہ عن البحر۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ باب الربو۔ مطاب کل قرض جزئاً حراماً)

مساوی حقوق کے وقت قرعہ اندازی سود نہیں | سوال :- چند آدمی ہر ماہ
 کچھ رقم جمع کرتے ہیں اور پھر
 قرعہ اندازی کے ذریعے جس کا نام نکل آتا ہے تو وہ جمع شدہ رقم لے لیتا ہے پھر ہر ماہ اپنے
 حصے کی رقم جمع کرتا رہتا ہے لیکن قرعہ اندازی سے اس کا نام نکل جاتا ہے، اس طرح
 باری باری قرعہ اندازی میں ہر ایک کا نام آتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ قرعہ اندازی
 سود ہے یا نہیں؟

الجواب :- چند افراد کا اس طرح ہر ماہ برابر برابر رقم جمع کر کے قرعہ اندازی کے

لہ قال العلامة برهان الدین المرفینانی: لو كانت له الف مؤجلة فصالحه علی خمس مائة
 لم یجزلان المعجل نیبر من المؤجل وهو غیر مستحق بالعقد فیکون بازا
 ماحطہ عنہ وذلك اعتیاض عن الاجل وهو حرام۔

(الہدایۃ ج ۳ ص ۲۵۱ باب الصلح فی الدائن)

ومثله فی الجوہرۃ النیرۃ ج ۲ ص کتاب الصلح۔

لہ قال العلامة قاضی ثناء اللہ: قوله وحرام الربو والمعنی ان الله تعالى حرم الزیادۃ

فی القرض علی القدر المرفوع۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۲۹۹ سورۃ البقرۃ)

ومثله فی الاحکام القرآن للخصاص ج ۲ ص ۱۸۹ سورۃ البقرۃ۔

ذریعے کسی ایک کو دینا امداد باہمی اور قرض ہے اس میں تمک اہد تملیک نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک شریک چاہتا ہے کہ اس بار جمع کی گئی رقم مجھے مل جائے، تو رفع نزاع اور خوش دلی کے لیے قرعہ اندازی کر لیتے ہیں، یہاں سب شرکاء کے حقوق مساوی ہوں وہاں طبیب خاطر کے لیے قرعہ ڈالنا جائز ہوتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: ویکتب اسامیہم ویقرع لتطیب القلوب۔

(مدا المختار ج ۵ ص ۱۶۶ کتاب القسمۃ) لے

مشتری کے ہاتھ مبیع نفع کی شرط پر بیچنے کا وعدہ سود نہیں | سوال: - زید بکر کو سود پر قرضہ

دینا چاہتا تھا لیکن بکر نے انکار کر دیا، اس پر دونوں نے سود سے بچنے کے لیے ایک حیلہ سوچا، زید نے بکر سے کہا کہ میں تمہیں دو ہزار روپے دیتا ہوں، آپ اس کا پٹر خریدیں اور آنے جاتے کا خرچہ اور کرایہ بھی تمہیں دوں گا، مال اپنے قبضے میں لے لوں گا پھر ایک آنہ فی روپیہ نفع کے حساب سے ادھار پر آپ کے ہاتھ فروخت کر دوں گا، تو کیا سود سے بچنے کا یہ حیلہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: - سود سے بچنے کا مذکورہ حیلہ درست ہے، بکر زید کا وکیل بن کر مال خریدے اور زید کے حوالے کر دے پھر زید بکر کے ہاتھ دو ہزار کا پٹر ایک آنہ فی روپیہ متافع کے حساب سے ادھار پر فروخت کر دے تو یہ بیع صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں زید نفع پر اپنا مال بکر کے ہاتھ بیچ رہا ہے اگرچہ سود ادھار ہے، اس میں کسی قسم کا سود نہیں، زید نے صرف ابتداء بکر کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ مال آپ کے ہاتھ فروخت کر دوں گا، یہ بھی کوئی ناجائز بات نہیں۔

قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: کل حیلۃ یحتال بہا الرجل یتخلص

لے قال العلامة ابوبکر لکاسانی رحمہ اللہ: لا لان القرعۃ یتعلق بہا حکم بل لتطیب النفوس ولورود السنۃ بہا ولان ذلک النفی للتمیۃ فان سنۃ۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۹ کتاب القسمۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۱۵۲ کتاب القسمۃ۔

بہا عن حرام او يتوصل بہا الى حلال فہی حسنة۔ (الاشباہ والنظائر ج ۳ ص ۳۱۹ کتاب الحیل) ۱

سودی رقم کے عوض سودی رقم دے کر ذمہ فارغ کرنا | سوال :- ایک آدمی

جس پر اس کا سود جمع ہو گیا، اب اس شخص نے اپنی کسی ضرورت کے لیے بینک سے کچھ رقم قرض لی، اس پر بھی بینک کا سود آیا، کیا شخص اپنا سود بینک کے سود کے عوض قبل القبض یا بعد القبض دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- بینک میں رقم رکھنا دونوں طرف سے سودی معاملہ ہے، بینک میں رقم رکھنا یا بینک کی کسی کے ذمہ رقم دونوں قوی دین ہیں، دونوں جب ایک دوسرے کو اپنا اپنا سود چھوڑ رہے ہیں تو یہ بیع مقاصہ اور سود سے نفع حاصل کرتا ہے، اس لیے سود کی حرمت کی وجہ سے یہ معاملہ بھی حرام ہے۔

قال الله تعالى: احل الله البيع وحرم الربوا۔ (سورة البقرة آیت ۲۷۵) ۲

سوال :- زید سے عمرو نے پانچ سو روپے قرض لیے اور اپنی کچھ زمین زید کے پاس اس شرط پر گروی رکھی کہ زمین کی پیداوار میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے، شرعاً اس معاملہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگر زید نے قرضہ اس شرط پر دیا ہے کہ شئی مرہونہ سے انتفاع لے گا تو یہ حرام ہے کیونکہ کل قرض جزئ نفعاً فہو ربوا کے حکم میں آئے گا۔ اذاکان مشروطاً

۱۔ قال العلامة محمد خالد الاتاسی رحمہ اللہ: وكل جيلته يحتال بہا الرجل ليتخلص بہا عن حرام اوليتوصل بہا الى حلال فہی حسنة۔

(شرح المجلة ج ۲ ص ۲۵۲ احکام الربو)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۶ ص ۳۹۰ کتاب الحیل۔

۲۔ قال العلامة الحصكفي رحمہ اللہ: كل قرض جزئ نفعاً حرام۔

والدرا المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ باب الربو)۔

وَمِثْلُهُ فِي الْاِحْكَامِ الْقُرْآنِ لِلْجَمَاعَةِ ج ۲ ص ۱۸۹ سورة البقرة۔

صارقاً فیہ منفعة وهو باء الا فلا یأس، اگر نفع کی شرط نہ بھی لگائی ہو پھر بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین: والغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولو كاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو ما يعین المنع۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۱۰، ۳۱۱ کتاب الرهن) لہ

اشتراک قدر بیمانہ کی صورت میں ادھار کا تبادلہ ناجائز ہے سوال: ایک شخص کو مکئی

کی ضرورت ہے اور وہ کسی زمیندار سے معاہدہ کے تحت خاص مقدار میں مکئی لیتا ہے، اس زمیندار سے یہ کہتا ہے کہ میں تین ماہ بعد اتنی مقدار میں اس کے بدلے میں گندم دوں گا، تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ اس قسم کے ادھار کا تبادلہ شرعاً جائز نہیں، اگرچہ مکئی اور گندم کی جنس مختلف ہے لیکن مکئی اور گندم دونوں کیسی ہیں یعنی بیمانہ سے یہ دونوں تولے جاتے ہیں، دو چیزوں کے تبادلہ میں جب جنس یا قدر میں اشتراک ہو تو تفاضل جائز ہے اور ادھار ناجائز، اس کو رب النسیئہ کہتے ہیں۔

قال العلامة الحصکفی: وان وجد احدھما ای القدر و وحدة او الجنس و حدة حل التفاضل و حرمة التواء۔ (الدرا المختار علی هامش رد المحتار ج ۴ ص ۴۹۹ باب الربو) لہ

لہ قال الامام ابو بکر الجصاص الرازی: قال ابو حنیفۃ و ابو یوسف و محمد و الحسن بن زیاد و زفر لا یجوز للمرتہن الانتفاع بشی من الرهن و لا للرهن ایضاً۔

(الاحکام القرآن ج ۱ ص ۵۳ باب ضمان الرهن)

و مشکۃ فی الاشیاء و النظائر ج ۳ ص ۲۴۴ کتاب الرهن۔

لہ قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: والنساء فقط باحدھما ای و حرماً التاخیر لا الفضل بوجود القدر، فقط او الجنس فقط۔

(البحر الرائق ج ۶ ص ۱۲۸ باب الربو)

و مشکۃ فی الہدایۃ ج ۳ ص ۷۹ باب الربو۔

نفع کی شرط پر قرض رقم دینا سود ہے | سوال :- ایک دوکاندار سے کسی گاہک

نے کوئی چیز خریدنی چاہی جبکہ وہ چیز اس دوکاندار کے پاس نہ تھی اور اس نے گاہک سے کہا کہ مجھ سے یہ رقم لے کر خود اپنے لیے مطلوبہ چیز خرید لو لیکن میری رقم مجھے واپس کرتے وقت اصل زر کے ساتھ اتنا منافع بھی دینا ہوگا، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- مذکورہ دوکاندار کا یہ فعل بعینہ ربوا کا معاملہ ہے کیونکہ گاہک کو قرض رقم دے کر واپسی کے لیے اپنی اصل رقم سے زیادتی کی شرط لگا رہا ہے جو کہ سود ہے، دوکاندار کو صرف اپنی قرض رقم واپس لینے کا حق ہے۔

قال العلامة المرعيني: الذهب بالذهب مثلاً بمثل وذا بوتریداً بیدر
والفضل ريو۔ (الهدایة ج ۳ ص ۱۶ کتاب الصرف) لے

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا سود نہیں ہے | سوال :- ایک

شے کی جو نقد قیمت لگاتے ہیں جب اسی شے کو ادھار پر بیچتا ہے تو قیمت بڑھا دیتا ہے، کیا اس طرح کرنا سود تو نہیں؟

الجواب :- کوئی چیز ادھار پر بیچنے کی وجہ سے اس کی قیمت میں زیادتی جائز ہے اس لیے کہ ادھار کے مقابلے میں نقد رقم کے فوائد اور منافع زیادہ ہیں، مثل مشہور ہے کہ ”نو نقد اچھے تیرہ ادھار بُرے“ اس لیے نقد اور ادھار سودے کی قیمت میں تفاوت رکھنا جائز ہے۔

قال العلامة برهان الدین المرعینی رحمہ اللہ: اکایری انتہ یزاد

لہ قال العلامة الزیلعی رحمہ اللہ: اذا بیع جنس الاثمان بجنسہ کالذہب
بالذہب والفضة بالفضة يشترط فيه التساوی والتقايض قبل الفراق
ولا يجوز التفاضل فيه۔

(تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۳۵ کتاب الصرف)

ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص ۱۹۲ کتاب الصرف۔

فی الثمن لاجل الاجل - (الهدایة ج ۳ ص ۳۷۱ باب المراجعة والتولية) لہ
سوال :- اشیاء ربویہ میں قرض کا معاملہ | **سوال :-** اشیاء ربویہ میں خرید و فروخت کے
 وقت برابری اور نقد کا معاملہ ہوتا ہے ادھار
 کا معاملہ ان میں صحیح نہیں ہوتا، اگر ایک آدمی کسی کو گندم قرض دے کہ یہ کہے کہ تین ماہ بعد
 میری قرض گندم واپس کرنی ہوگی، ان اشیاء میں قرض کا معاملہ از روئے شرع کیسے ہے؟
الجواب :- اشیاء ربویہ میں خرید و فروخت کے معاملہ کے وقت کمی زیادتی
 اور ادھار ناجائز ہے لیکن قرض کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ قرض تبرع اور
 احسان ہے اس کا کچھ عوض نہیں ہوتا بلکہ مقررہ مدت کے بعد اس شے کا بدل واپس
 کیا جاتا ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: ان القرض تبرع الا یروی انہ لا یقابلہ
 عوض للحال کان المستقرض انتفع بالعين مُدَّة ثَمَرٍ عین ما
 قبض وان کان یرد بدل فی الحقیقة - (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۹۶ کتاب القرض)
 قال الکاسانی: فیخص جوازہ بمالہ مثل - ر - م - م - ۳۹۵ م - ۲ لہ
 الحاصل یہ کہ قرض مثلی اشیاء میں جائز ہے۔

سوال :- ایک آدمی نے اپنا ٹرک | **سوال :-** نقد رقم کو قسط وار کر کے زیادہ وصول کرنا
 ایک شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ویزاد فی الثمن لاجلہ اذا ذکر الاجل
 بمقابلۃ زیادۃ الثمن قصداً فاعتبر مالاً فی المراجعة احترازاً عن شبه الخیانة
 ولم یعتبر مالاً فی حق الرجوع عملاً بالحقیقة۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۳۷۱ باب الربوا)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۶ ص ۱۱۵ باب المراجعة والتولية۔

لہ فی الہندیۃ: ویجوز القرض فیما هو من ذوات الامثال کا لمکیل والموزون والعددی
 المتقارب کا۔ بیض - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۲۱۰ باب فی القرض والاستقراض)
 وَمِثْلُهُ فی الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۳۷۱ باب القرض۔

کچھ رقم نقد لے کر مشتری سے کہا کہ وہ بقایا رقم مبلغ تین ہزار روپے قسط وار ہر ماہ مجھے ادا کرتا رہے، اسی دوران ٹرک کے مالک کو رقم کی ضرورت پڑ گئی تو اس نے کسی تیسرے شخص سے چالیس ہزار روپے نقد لے کر مشتری کو اس کے حوالہ کر دیا اور اسے یہ کہا کہ وہ ستر ہزار روپے قسط وار آپ کو ادا کرتا رہے گا، یہ معاملہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب :- بائع کا مشتری کو اس طرح کسی تیسرے شخص کے حوالہ کرنا صحیح نہیں یہ بعینہ ربوا ہے کیونکہ اس صورت میں تیسرا شخص چالیس ہزار روپے نقد دے کر ستر ہزار قسط وار وصول کرے گا تین ہزار روپے اس کو سود کے مل رہے ہیں اس لیے یہ معاملہ شرعاً ناجائز و حرام ہے۔

قال الله تعالى : أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا - (سورة البقرة آیت ۲۷۵) ۱۔

سوال :- میرے بھائی نے مجھ سے بیس ہزار روپے مضاربیت کا منافع سود نہیں | کاروبار کے لیے اس شرط پر لیے کہ اس پر جو منافع ہوگا اس کا نصف آپ کا اور نصف میرا ہوگا، اس نے یہ بھی مجھ سے کہا کہ میں ہر ماہ حساب کتاب نہیں کر سکتا اس لیے اندازہ اور تحری سے حساب لگا کر منافع دے دیا کروں گا، اس طرح وہ مجھے کبھی ۱۰۰ روپے اور کبھی ۲۰ روپے دیتا رہا اور اس میں کمی بیشی ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں، کچھ عرصہ کے بعد مجھے تردد ہوا کہ یہ تو سود ہے اس لیے میں نے بھائی سے اس سلسلہ کو ختم کرنے کی بات کی، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کا کاروبار شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ سودی معاملہ نہیں ہے بلکہ مضاربیت کی ایک صورت ہے اور نفع کو تحری سے معلوم کرنا منقضي الی الجہالت نہیں ہے اس لیے یہ صورت جائز ہے، مضاربیت میں ایسی شرط لگانا جو جہالت فی الزبح کا باعث ہو ناجائز ہے۔

لما نقل الشيخ علاؤ الدین بن محمد الحسکفی عن الجلالیة : کل شرط یوجب جہالت

۱۔ قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ : وقد نهى الرسول عليه السلام عن قرض

جرتفعاً - (الهدایة ج ۳ ص ۱۳ کتاب الحوالۃ)

ومثله فی تبیین الحقائق ج ۲ ص ۸۵ کتاب الحوالۃ -

فی الزم او بقطع الشركة فيه يفسدها والا بطل الشرط وصح العقد اعتباراً بالوكالة -
 (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۴ کتاب المضاربة) لہ

بینک ڈرافٹ کی شرعی حیثیت | سوال :- آجکل لوگ بینک کے ذریعے ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجتے ہیں جس پر بینک والے بھیجی جانے والی رقم سے کچھ زیادہ وصول کرتے ہیں، کیا یہ سود ہے یا نہیں؟

الجواب :- بینک کے ذریعے ڈرافٹ کی شکل میں رقم ارسال کرنا بینک کو قرض دینا ہے۔ امانت نہیں، کیونکہ رقم بدلتی بھی ہے اور ضائع ہونے کی صورت میں بینک ڈرافٹ بھی ہوتا ہے اس لیے زیادتی کی شرط سود ہے البتہ اس میں یہ تاویل کرنا ممکن ہے کہ زیادتی رقم کو کتابت اور فارم وغیرہ کی فیس قرار دیا جائے، اس طرح سفتجہ کی شکل بن جانے کی جس کو فقہاء کرام نے مکروہ کہا ہے، ابتلائے عام کی وجہ سے اس میں جواز کی گنجائش فکل سکتی ہے کیونکہ پوری دنیا میں یہ طریقہ رائج ہے۔
 حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے امداد الفتاویٰ میں منی آرڈر کے بارہ میں یہی تحقیق کی ہے۔

لہ وقال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: الرابع ان يكون الربح بينهما شائعاً كالنصف والثلث لاسهماً معينا يقطع الشركة كائنه درهماً الخامس ان يكون نصيب كل منهما معلوماً فكل شرط يؤدي الى الجهالة الزم فمهي فاسدة وما لا فلا - ام
 (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۴ کتاب المضاربة)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۸۴ کتاب المضاربة - الفصل الاول -
 لہ قال العلامة اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ: منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے، ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرا اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے دی جاتی ہے اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے، اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے اس لیے یہ تاویل کر کے جواز کا فتویٰ مناسب ہے۔

(امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۲۶ کتاب الربوا)

ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم پر منافع لینے کا حکم | سوال :- ڈاک خانہ میں جو رقم جمع کی جاتی ہے، سال بعد اس پر نفع

ملتا ہے، اس نفع کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :- جس طرح بینک سے سود لینا منع ہے اسی طرح ڈاک خانہ میں جمع شدہ رقم پر منافع (سود) لینا بھی منع ہے، سود کی حقیقت جہاں بھی پائی جائے وہ حرام ہوگی۔

قال الله تعالى: احل الله البيع وحرم الربوا۔ (سورة البقرة آیت ۲۷۵) لہ

بیع محاقلہ ربوہ سود میں داخل ہے | سوال :- جو گیہوں ابھی با بیوں میں موجود ہو اُس کو صاف کئے ہوئے گیہوں کے عوض

فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جن پھد پھیزوں کے تبادلہ میں برابری، نقد قیمت اور دست بدست ہونا

ضروری ہے اُن میں گندم بھی داخل ہے، اس کے تبادلہ کے وقت جب جنس ایک ہو تو کمی بیشی یا ادھار سو و شمار ہوگا، کھیت میں کھڑی گندم کی فصل کو صاف کی ہوئی گندم کے عوض فروخت کرنا بیع محاقلہ ہے جبکہ بیع محاقلہ ربوہ سود میں داخل ہے، اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے۔

لما قال العلامة برهان الدين السرخسي رحمه الله: نهى عن المزابنة والمحاقلة فالمزابنة ما ذكرنا والمحاقلة بيع الحنطة في سنبليها بحنطة۔

(الهداية ج ۳ ص ۵۶ باب بيع الفاسد) لہ

لہ قال العلامة المرغيناني: وقد نهى الرسول عليه السلام عن قرض جر نفعا۔ (الهداية ج ۳ ص ۳۳ کتاب الحوالة)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۶ ص ۲۴۲ کتاب الحوالة۔

لہ قال العلامة ابن الهمام: نهى رسول الله عن المزابنة والمحاقلة۔

رفتح القدیر ج ۶ ص ۵۳ باب بيع الفاسد

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۶ ص ۶۷ باب بيع الفاسد۔

سوال :- آج کل لوگ بینکوں میں پی ایل ایس کے پی ایل ایس (غیر سودی کھاتہ) نام سے اکاؤنٹ کھولتے ہیں، کیا اس کھاتہ میں رقم جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بینکوں کے تمام معاملات سود سے منسلک ہیں، حکومت نے سود سے بچنے کے لیے نفع نقصان کے نام سے یہ شاخ کھولی ہے لیکن اس کا صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق ہوتا مشکوک ہے، اگرچہ حکومت اور بینکوں کی انتظامیہ کا دعویٰ یہ ہے کہ اس میں سودی عنصر نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود کوشش یہ ہونی چاہیے کہ پی ایل ایس میں بھی اکاؤنٹ نہ کھولا جائے احتیاط اسی میں ہے اس لیے کہ سود بہت بڑا گناہ ہے، بشبہ سود اس میں ترک ہی بہتر ہے۔

لما اخرجہ الامام ابو داؤد : لما لعن رسول الله اكل الربوا ومؤكله وكاتبه و
شاهديه و قال وهو سواء۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۴۳۳ باب الربوا) لہ
سوال :- آجکل پرائیز بانڈز پر انعامات **انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم** ملنے کا رواج عام ہے، کیا ایسا انعام لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- پرائیز بانڈز (انعامی بانڈز) سود اور قمار (جو) کی مثل ہیں، حکومت کے بجٹ میں جب بھی خسارہ ہوتا ہے تو اس کو پورا کرنے کے لیے مختلف جیلے بہانے اختیار کرتی ہے، انعامی بانڈز بھی حکومتی بجٹ کا خسارہ پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے، خرید شدہ بانڈز کی قیمت پر سود لگتا ہے اور جو سود بنتا ہے اس کو قرعہ اندازی کے ذریعے جو بنا دیا جاتا ہے، چند افراد کے نام ہی قرعہ نکلتا ہے اور باقی فی الحال محروم رہ جاتے ہیں، لہذا سود اور قمار کی وجہ سے ان بانڈز کی خرید و فروخت اور ان پر نکلا ہوا

لہما و مرد فی الحدیث : عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال وهو سواء۔

مسلم شریف ج ۲ ص ۲۱۱ باب الربوا

ومثله فی الترمذی ج ۱ ص ۲۲۹ باب ما جاء فی اكل الربوا، ابواب البیوع۔

انعام لینا شرعاً جائز نہیں۔

قال الله تعالى: (۱) أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا۔ (البقرة ۲۷۵)
(۲) إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَأَجْزِيوهُ ^{۹۰} (المائدة ۹۰)
مروجہ کرنسی نوٹوں کے تبادلہ میں مساوات شرط ہے | سوال :- ایک ملک کی

میں کمی زیادتی جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- آجکل دنیا میں رائج الوقت کرنسی نوٹوں کی حیثیت ثمن عرفی کی ہے جن کو ہم فلوس نافقہ کہہ سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فلوس نافقہ کا باہمی تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔ اس لئے ان کے ہاں ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ بھی کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔
لیکن امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، اس لیے کہ آجکل پوری دنیا میں کاغذی کرنسی کا رواج ہے، سونا چاندی بالکل بیعہ ہو کر رہ گئی ہے، اگر اس کے تبادلہ میں تفاضل کی اجازت دے دی گئی تو سود کا دروازہ کھل جائے گا لہذا امام محمدؒ کے قول کے مطابق کرنسی نوٹوں کے تبادلہ میں تفاضل کو ناجائز قرار دینا چاہیئے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله؛ فلس بفلسین هذا عندهما وقال محمد لا يجوز۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۸ باب الربو) لے

سوال :- کیا مسلمان کے لیے دارالحرب میں کسی غیر مسلم سے سود لینا منع ہے | سوال :- کیا مسلمان کے لیے دارالحرب میں کسی غیر مسلم سے

سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

لے قال العلامة الجصاص الرانریؒ: ولا خلاف بين اهل العلم في تحريم القمار وان المخاطرة من القمار۔ (الاحكام القرآن ج ۱ ص ۳۲۹ البقرة)
وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۳ ص ۱۳۱ كتاب الحوالة۔

لے قال العلامة ابن نجيم المصریؒ: صم بيع الفلس بفلسین معینین عندهما وقال محمد لا يجوز۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۱۳۱ باب الربو)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَةِ ج ۳ ص ۱۱۸ الباب الربو، الفصل السادس في تفسير الربو واحكامه۔

الجواب :- امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود لینے کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن سود کی حرمت کے بارے میں قرآن و حدیث میں نصوص مطلق ہیں، جس سے ہر جگہ سود کی حرمت معلوم ہوتی ہے، جمہور علماء اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دارالحرب میں کسی بھی غیر مسلم سے سود لینا حرام ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود نہ لیا جائے۔

قال الامام المرعيني: ولا بين المسلم والحربي في دار الحرب خلافاً لابي يوسف والشافعي. (الهداية ج ۳ ص ۸۷ باب الربو) ۱

دارالاسلام میں کسی بھی غیر مسلم سے سود لینا جائز نہیں | سوال :- دارالاسلام میں جو غیر مسلم ذمی رہتے ہیں اور دیگر کفار جب مال تجارت وغیرہ لے کر کچھ عرصہ کے لیے آئیں تو ان سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قرآن و حدیث میں مطلقاً سود کی حرمت مذکور ہے، اور فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ کسی ذمی غیر مسلم سے سود لینا منع ہے، اس لیے دارالاسلام میں کسی غیر مسلم سے سود لینا جائز ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرعيني رحمه الله: بخلاف المستأمن منهم كان ماله صاعاً محظوراً بعقد الامان. (الهداية ج ۳ ص ۸۷ باب الربو) ۲

۱۔ قال العلامة ابن نجيم: اي كلاً بينهما في دار الحرب عندهما خلافاً لابي يوسف. (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳۵ باب الربو)

لما قال العلامة الزيلعي رحمه الله: وقال ابو يوسف والشافعي لا يجوز لان المسلم التزم باكمان ان لا يتعمل اموالهم الا بالعقد. (تبين الحقائق ج ۲ ص ۹۷ باب الربو)

۲۔ قال العلامة ابن الهمام: بخلاف المستأمن منهم عندنا لان ماله صار محظوراً بالامان. (فتح القدير ج ۲ ص ۱۷۸ باب الربو) ومثله في تبين الحقائق ج ۲ ص ۹۷ باب الربو۔

تفسیر عبارت لَامْرًا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ | سوال : رفقہ حنفی کی کتابوں

بین المسلم والحربی فی دار الحرب۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب میں غیر مسلموں سے سود لینا جائز ہے، برائے مہربانی اس عبارت کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب :- اول تو اس میں اختلاف ہے، جمہور علماء اور امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ اور پیش کردہ عبارت کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ دار الحرب میں مسلم اور غیر مسلم کے مابین سرے سے سود کا تحقق ہی نہیں ہوتا کیونکہ حربی کا مال مباح اُسے کسی بھی طریقے سے حاصل کیا جائے تو وہ جائز ہوتا ہے، اس لیے فقہاء کرام اس عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں: وَلَنْ مَالَهُمْ مَبَاحٌ فِي دَارِهِمْ فَبِأَيِّ طَرِيقٍ اخَذَهُ الْمُسْلِمُ اخَذَ مَالًا مَبَاحًا اِذْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ غَدْرٌ۔ فقہاء کرام نے اس کے لیے لفظ جواز استعمال نہیں کیا، حدیث میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی: لَامْرًا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ فِي دَارِ الْحَرْبِ۔ (الهداية ج ۳ ص ۸۷ باب الربو)۔ لہٰذا یہاں بھی ربو و سود کی نفی ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ اور سود کا مسئلہ | سوال :- ہر سرکاری ملازم کی تنخواہ سے ہر ماہ

حکومت تنخواہ کا کچھ حصہ وضع کرتی رہتی ہے ہے سال کے بعد اس رقم پر سود لگتا ہے، اختتام ملازمت (ریٹائرمنٹ) پر حکومت یہ ساری جمع شدہ رقم ملازم کو بیع سود کے اوکڑ دیتی ہے، اس رقم کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- حکومت کی طرف سے سرکاری ملازم کو جو رقم اختتام ملازمت کے وقت ملتی ہے وہ شرعاً سود نہیں کیونکہ سود دو آدمیوں کے مابین عقد ہوتا ہے جبکہ دونوں طرف سے مال ہو اور مال ان کا مملوک ہو، مسئلہ مذکورہ میں ملازم کی تنخواہ سے جو

لہٰذا قال الامام ابن الہمام: وَلَنْ مَالَهُمْ مَبَاحٌ وَاِطْلَاقُ النُّصُوصِ فِي مَالٍ مَحْظُورٍ وَاِنَّمَا يَحْدُمُ عَلَى الْمُسْلِمِ اِذَا كَانَ بِطَرِيقِ الْقَدْرِ اِذَا لَمْ يَأْخُذْ غَدْرًا اَوْ بِأَيِّ طَرِيقٍ يَأْخُذُ حُلًّا بَعْدَ

كونه برضا۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۷۸ باب الربو)

وَمِثْلُهُ فِي تَبْيِيحِ الْحَقَائِقِ ج ۴ ص ۹۷ باب الربو۔

رقم کتنی ہے وہ ملازم کی ملک نہیں ہوتی۔ علامہ ابی نجیم فرماتے ہیں: قوله بل بالتعجيل او بشرطيه او بالاستفهام او بالتمكن ای کا ملک الاجرة الا بواحد من هذه الائمة۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۳) اس رقم پر ابھی مالک کا قبضہ نہیں ہوا اور نہ ہی اسکے وکیل نے قبضہ کیا ہے، اس کے تصرفات اس میں نافذ نہیں، ایسی رقم کے ساتھ حکومت کا معاملہ یکطرفہ ہے، اس جمع شدہ رقم کو اگر حکومت سود پر دے یا کوئی اور معاملہ کرے یا اس پر خود سود لگائے یہ سب یکطرفہ کاروائی ہے، اختتام ملازمت پر جب حکومت یہ رقم ملازم کو دے تو حکومت کی طرف سے اجرت ہی کہلائے گی، اس طرح یہ رقم اجرت کا جز موصول ہوگی نہ کہ سود۔ لہ

جی پی فنڈ کی رقم حصول سے قبل کسی کمپنی یا بینک کو سود پر دینے کا حکم | سوال :- اگر کوئی سرکاری

ملازم درخواست دے کہ جی پی فنڈ کی رقم کتنی کمپنی یا بینک کے حوالے کر کے اس پر سود حاصل کرے تو اس سودی رقم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :- کوئی بھی سرکاری ملازم اگر درخواست دے کہ اپنے جی پی فنڈ کی رقم کسی بینک یا بیمہ کمپنی کے حوالہ کر دے تو وہ کمپنی اس کی وکیل بن جائے گی، وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے لہذا کمپنی وکیل کے اعتبار سے جتنا سودی کاروبار کرے گی وہ ایسا ہوگا جیسے یہ خود اس میں ملوث ہے، کیونکہ ملازم نے باختیار خود یہ رقم کمپنی کے حوالہ کی ہے، یہ سودی رقم دوبارہ حکومت کے خزانہ میں جا کر جمع ہو جاتی ہے، اختتام ملازمت پر جب یہ رقم ملازم کو ملے گی تو سودی رقم ہوگی اس کو وہ شرعاً اپنے مصرف میں نہیں لاسکتا۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: وقد نهي الرسول عليه السلام عن قرصن جزئفعاً۔ (الهداية ج ۳ ص ۱۳۱ کتاب الحوالة) لہ

لہ قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي: جبري پراويڈنٹ فنڈ پر جو سود کے نام پر رقم ملتی ہے وہ شرعاً سود نہیں بلکہ اجرت و خواہم ہی کا ایک حصہ ہے۔ (پراويڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص ۷) ومثله في امداد الفتاوى ج ۳ ص ۱۲۸ کتاب الربو۔

لہ قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي: اگر بینک یا کمپنی وغیرہ اس رقم پر کچھ سود دے تو یہ شرعاً بھی سود ہوگا جس کا لینا ملازم کے لیے قطعاً حرام ہوگا۔

(پراويڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص ۷)

ملازم کی اجازت سے اس کی تنخواہ سے پراویڈنٹ فنڈ کی کٹوتی کا حکم | سوال نمبر ۱

جب اپنی تنخواہ سے بلا بھر واکراہ اپنی مرضی سے کچھ رقم کٹوائے اور وہ جمع ہوتی جائے تو مفتاً ملازمت ریٹائرمنٹ کے وقت اس جمع شدہ رقم کے ساتھ حکومت کی طرف سے جو مزید رقم دی جاتی ہے از روئے شرع اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- اس صورت میں پراویڈنٹ فنڈ کے ساتھ حکومت کی طرف سے دی جانے والی مزید رقم تشبہ بالربو ہے، اگرچہ ملازم اپنی اجرت وصول کرنے سے قبل یہ رقم کٹواتا ہے لیکن پھر بھی اپنی اجرت میں تصرف ہے اور سود خوری کا ذریعہ بننے کا قوی احتمال ہے لہذا ایسی رقم سے اجتناب ہی کیا جائے خواہ محکمہ سے وصول کرے یا نہ کرے۔

قال العلامة ابن عابدین: كل قرض جَرَّ نفعًا حرامًا اذا كان مشروطاً۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ باب الربو۔ مطلب كل قرض جَرَّ نفعًا حراماً^۱)

سوال :- آجکل ٹرانسپورٹ کارڈی دلوانے کے عوض اصل رقم سے زائد کا مطالبہ کرنا سود ہے | سوال نمبر ۲

آدمی دو سو روپے کا کارڈی خرید کر دیتا ہے اور اس سے یہ قرار نامہ تحریر کرتا ہے کہ سال یا دو سال کے بعد دو لاکھ کی جگہ تین لاکھ دے گا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- کاروبار کی مذکورہ صورت سودی ہے اسلئے کہ کارڈی خریدنے والا مشتری کاکیل ہے اور کارڈی کی رقم مشتری کے ذمے قرض ہے جبکہ قرض پر منافع لینا شرعاً ربو (سود) ہے البتہ یہ جائز ہے کہ پہلے کارڈی اپنے لیے خریدے اور پھر تین لاکھ روپے میں مشتری پر فروخت کر دے۔

قال العلامة الحسینی: كل قرض جَرَّ نفعًا حراماً۔ (الدر المختار علی مدار المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ فصل فی القرض)^۲

۱۔ قال الشیخ المفتی محمد شفیع الدیوبندی: پراویڈنٹ فنڈ میں رقم اپنے اختیار سے کٹوائی جائے تو اس میں تشبہ بالربو بھی ہے اور ذریعہ سود بنانے کا خطرہ بھی ہے اسلئے اس سے اجتناب کیا جائے۔ (پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص ۲۵) ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص ۲۵۴ کتاب الحوالہ۔

۲۔ قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: القرض الذی جَرَّ منفعة قال الحنفیۃ فی الواجع عندہم كل قرض جَرَّ نفعًا حراماً اذا كان مشروطاً۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۴ ص ۲۴۴ فصل فی القرض)

انعامی اسکیموں کا حکم | سوال :- لکی انعامی سکیم یا دیگر انعامی ٹکٹوں کا کاروبار کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اور اس میں ملنے والے انعام کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اس قسم کی انعامی سکیموں پر جوٹے کی تعریف صادق آتی ہے اسلئے لکی انعامی سکیم یا دیگر کسی بھی قسم کی انعامی ٹکٹوں کا کاروبار شرعاً جائز نہیں اور اس سے ملنے والی انعامی رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

قال العلامة الحصكفي: اكتسب حراماً واشترى به..... تصدق بالرحم والآلاوهذا قياس وقال ابو بكر كلاهما سواء ولا يطيّب له - (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۴ ص ۲۱۹ مطلب اذا اكتسب حراماً ثم كنز له)

غیر ملکی کرنسی کو اضافی قیمت پر خریدنا | سوال :- آج کل غیر ملکی کرنسی کی خرید و فروخت کا کاروبار عام ہے، تاہم لوگ غیر ملکی کرنسی کم قیمت

پر خرید کر زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں، مثلاً سعودی ریال ۱۳ روپے میں خرید کر ۱۵ روپے میں فروخت کیا جاتا ہے۔ تو کیا اس طرح غیر ملکی کرنسی کی خرید و فروخت سود میں داخل ہے یا نہیں؟
الجواب :- سود متحقق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں اشیاء ایک ہی جنس سے ہو، اگر جنس مختلف ہو جائے تو ان میں تقاضل (یعنی) جائز ہے۔ موجودہ دور میں مختلف ممالک کی کرنسی مختلف الاجناس اشیاء میں داخل ہے، اس لیے ان کی خرید و فروخت میں کمی بیشی جائز ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں ایک سعودی ریال ۱۳ روپے میں خرید کر ۱۵ روپے میں فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابوالحسن القدوري: فاذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضمون اليه حل التفاضل والنسأ واذا وجد حرم التفاضل والنسأ واذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النسأ - (مختصر القدوري على صلب الباب ج ۱ ص ۱۲۱ باب الربو)

لہذا فی الہندیۃ: کان المال بمقابلۃ المعصیۃ فان الأخذ بمعصیۃ والسبیل فی المعاصی ردھا وذلك ہنأورد المأخوذ ان تمكن من ردہ بان عرف صاحبہ وبالنقد قبلہ ان لم یعرفہ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۶۹ ابنا الخامس عشر فی الکسب - کتاب الکراہیۃ)

سوال :- بینک بنانے کے لیے اپنی مملوکہ زمین
بینک کی تعمیر کے لیے زمین دینا | حکومت کو قیمتاً دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- حکومت کو بینک بنانے کے لیے زمین دینے سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ زمین دیتے والے کو زمین کے عوض سود سے حاصل شدہ رقم ملے گی۔ اور دوسرا یہ کہ بینک کا موجودہ نظام اندرون ملک و بیرون ملک بڑے بڑے سودی کاروباروں میں پھنسا ہوا ہے جبکہ زمین دینے کی صورت میں اعانت علی المعصیت لازم ہے، پس جس طرح سود سے اجتناب ضروری ہے اسی طرح سودی نظام کو سہارا دینا بھی مناسب نہیں۔ اس بناء پر حکومت کو بینک کے لیے زمین دینے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما قال الله تعالى : وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ - (سورة المائدة آیت ۲۴) لے

پرانے کرنسی نوٹ نئے نوٹوں کے ساتھ کم قیمت پر تبدیل کرنا | سوال :- پرانے کرنسی نوٹوں کی تبدیلی کے لئے طریقہ کار یہ ہے کہ جب کوئی شخص پچھے پرانے نوٹ نئے نوٹوں سے تبدیل کرنا چاہتا ہے تو بینک اس سے کچھ کٹوتی کرتا ہے مثلاً سو روپے کے پچھے پرانے نوٹ کے بدلے میں نئے نوٹ پانچ یا دس روپے کم ملتے ہیں۔ تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز ؟

الجواب :- مروجہ کرنسی کی حیثیت فلوئس نافقہ کی ہے اس میں صفت ثمنیت عرف کی وجہ سے آئی ہے فلوئس نافقہ کی باہمی توافل کے ساتھ بیچنے میں احناف کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں ان کی باہمی بیع توافل کے ساتھ جائز ہے جبکہ امام محمدؒ کے ہاں جائز نہیں۔ اگرچہ عمومی طور پر ربا (سود) سے بچنے کے لئے فی زمانہ امام محمدؒ کا قول معنی بہ ہے مگر پچھے پرانے نوٹوں کا بینک کے ساتھ تبادلے میں کافی پیچیدگیاں ہیں۔

لے قال العلامة سلطان بن علی القاری رحمہ اللہ : عن جابر قال لعن التبی صلی اللہ علیہ وسلم کل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهديه قال النواری فیہ تصریح بتحريم کتابة المتراثمین والشهادة علیہما ویتحریم الاعانة علی الباطل وقال هم سواء۔

(المروقة ج ۶ ص ۵۹ باب الربوا۔ الفصل الاول)

ومثله فی الجامع الصغیر ص ۲۹ باب الربوا۔

لہذا ان پیچیدگیوں کی وجہ سے شیخین کے فتویٰ کی بنا پر پہلے پرانے نوٹوں کو نئے نوٹوں کے ساتھ کی بیٹی پر تبدیل کرنا جائز ہے۔

كما قال العلامة مرغيناني: ويجوز بيع الفلوس بالفلسين بأعيانها عند أبي حنيفة ^{سلف} والي يوفى ^{محدث} وقال لا يجوز ^١ - الهداية على التبنائية ١٠/١٠ كتاب البيوع - باب الربا

زمین کا زمین سے تبادلہ جائز ہے | سوال: ایک شخص اپنی زمین کا مخصوص حصہ دوسرے شخص کو زمین کی معینہ مقدار کے عوض دیتا ہے تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ اموال ربویہ میں زیادتی اس وقت حرام ہے جب جس اور قدر ایک ہو ورنہ کسی ایک کی موجودگی میں تفاضل جائز ہے لہذا زمین کا زمین کے عوض فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: سئل فيما اذا كان لزيد قطعة ارض جارية في ملكه فباعه من عمره وبقطعة ارض مثلها بيع مقائضة بيعاً بائناً شرعياً مسلماً لدى بينة شرعية فهل صح البيع المزبور - الجواب نعم -

(تفہیم الفتاویٰ الحامدیہ ج ۱ ص ۲۷۴ کتاب البيوع) | سوال: گندم اور مکئی کا تبادلہ کبھی برابر اور کبھی کبھار کمی بیشی سے کیا جاتا ہے، اسی طرح کبھی دست بدست اور کبھی ادھار سے معاملہ طے ہو جاتا ہے، کیا اس طریقہ سے گندم اور مکئی کا تبادلہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: گندم اور مکئی کا تبادلہ اگر دست بدست ہو تو جائز ہے خواہ ایک کم اور دوسرا زیادہ کیوں نہ ہو لیکن ادھار درست طریقہ نہیں کیونکہ دونوں قدریں متحد اور جنس میں مختلف ہیں اس لیے ادھار پر بیچنے سے اجتناب کیا جائے۔

لما قال محمد خالد الاتاسي: بيع المقايضة بيع العين بالعين اي مبادلة مال بمال غير النقدين ثم ان اتفقاً جنساً وقدراً اشترط الصحة تساوي البدلين وتعينهما -

شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۲۲ ج ۲ ص ۱۷

ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص ۱۲۸ تحت قوله والنساء فقط يادراهما -

لما قال العلامة علي بن أبي بكر المرغيناني رحمه الله: وإذا عدم الوصفان الجنس والمعنى
المضموم اليه حل التفاضل والنسب لعدم العلة المحرمة والاصل فيه الاباحة وإذا وجد
حرم التفاضل والنسب لوجود العلة وإذا وجد احدهما عدم الآخر حل التفاضل
وحرم النسب مثل ان يسلم هروياً في هروي وحنطة في شعير فحرمة وبا لفضل
با لوصفين وحرمة النسب باحدهما - (الهداية ج ۳ باب الربو) ۱۷

فصل کے بدلے اناج دینا | سوال: ایک شخص کو غلہ کی ضرورت ہے لیکن فصل ابھی
تیار نہیں ہوئی، ایسی حالت میں اگر وہ کسی سے تیار غلہ
خرید کر اس کے عوض کھیت میں کھڑی فصل دے دے تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: ایسی صورت میں تیار غلہ کے بدلے میں وہ غلہ لیا جاتا ہے جو کہ کھیت میں
ہے اور اس کی مقدار معلوم نہیں صرف تخمیناً اس کا اندازہ کر کے فروخت کیا جاتا ہے، چونکہ غلہ
کی غلہ کے بدلے فروخت میں مقدار معلوم کرنا ضروری ہے ورنہ اس میں ربوہ (سود) کا
شعبہ باقی رہتا ہے اس لیے مذکورہ صورت تبادلہ کی جائز نہیں۔

لما قال العلامة علي بن أبي بكر المرغيناني: ولا يجوز... بيع المزانية... والمحاولة
فالمزانية ما ذكرنا والمحاولة بيع الحنطة في سنبليها بحنطة مثلي كيلها حراً ولا باع لكيلاً بكيل من
جنسه فلا يجوز بيع بطون الخوص كما إذا كان موضوعين على الأرض - (الهداية ج ۳ باب ما يجوز
وما لا يجوز) ۱۸

۱۷ قال السليم رستم باز اللباني: بيع المقايضة بيع العين بالعين أي مبادلة مال بمال غير
النقدين وشرط صحة المقايضة التساوي في التقايض ان اتفقا جنساً وقد لا يبيع حنطة
بحنطة والا فالتقايض لا التساوي يبيع كرو حنطة بكمي شعير -
(شرح المجلة تحت المادة ۱۲۲ ص ۱۷۷ كتاب البيوع)

وَمَثَلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۶ ص ۱۲۸ باب الربو -

۱۸ قال العلامة ابن نجيم المصري: والمزانية أي لم يجوز بيع المزانية لنهي صلي الله
عليه وسلم عن بيع المزانية والمحاولة - والمحاولة بيع الطعام في سنبليها بالبر -
(البحر الرائق ج ۶ ص ۱۷۷ تحت قوله والمزانية كتاب البيوع)

وَمَثَلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۶ ص ۵۴ باب البيع الفاسد -

سونا چاندی قرض کی صورت میں زیادہ قیمت پر فروخت کرنا | سوال :- کیا فرماتے ہیں

علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل اکثر زرگر (سناہ) حضرات سونا اور چاندی گاہک کو نقد مثلاً ۶۰۰ روپے فی تولہ دیتے ہیں اور اگر قرض پر دیں تو ۶۵۰ روپے فی تولہ دیتے ہیں، تو کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ باحوالہ جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب :- موجودہ کرنسی نوٹ نہ سونے چاندی کی طرح ثمن خلقی اور نہ سونے چاندی کی رسید بلکہ قانونی تحفظ اور تقرر کی بناء پر ثمن عرفی یعنی فلوس ناقضہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ جو جنسیت میں سونے چاندی سے الگ ہے، اسی طرح سونا چاندی مقدوری ہے، بخلاف موجودہ کرنسی کے کہ وہ عہدہ دی ہے، اس لیے دونوں کی باہمی تجارت تفاضل اور ادھار دونوں طرح جائز ہے بشرطیکہ احد العوضین (دونوں میں سے کسی ایک پر قبضہ ہو چکا ہو۔

لہذا صورت مسئلہ میں سونے چاندی کو نقد ۶۰۰ روپے فی تولہ اور ادھار کھے صورت میں ۶۵۰ روپے فی تولہ فروخت کرنا جائز ہے مگر عند العقد سونے چاندی پر مشتری کا قبضہ کرنا صحت بیع کے لیے ضروری ہے بدون اس کے بیع صحیح نہیں ہوگی۔

لما قال العلامة مفتی محمد تقی عثمانی: لیکن اس زمانے میں علماء اور فقہاء کی ایک بڑی جماعت ایسی بھی تھی جو ان کا غدی نوٹوں کو ثمن عرفی کے طور پر مال قرار دیتی تھی۔
رفقی مقالات جلد ۱ ص ۲۳ دنیا کے کرنسی نظام میں۔ الختم

وقال ایضاً: اسی طرح اب سونا کرنسی کے دائرہ سے بالکل خارج ہو چکا ہے اور اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ (رفقی مقالات جلد ۱ ص ۲۱)

قال العلامة الحسینی رحمہ اللہ: یباع فلوساً بمثلھا او بدلھا ثم اود بدلتا ینیر فان نقد احدهما جاز وان تفرقا بلا قبض احدهما فلا یجوز۔

رد المحتار ج ۴ ص ۲۴ باب الربو، مطلب فی استقراض الدرہم

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: سئل الخائف عن بیع الذهب فالفلوس نسیئة فاجاب بانه یجوز اذا قبض احد البدلیت۔

رد المحتار ج ۴ ص ۲۵ باب الربو، مطلب فی استقراض الدرہم

اسٹیٹ لائف کمپنی کی دجل و تبلیس

اور

بیمہ کی شرعی حیثیت پر دارالعلوم حقانیہ کا اصل فتویٰ

سودی نظام کی محافظ حکومت اور ایک بیمہ کمپنی کی دجل و تبلیس کا تازہ شاہکا ذیل کا وہ جعلی فتویٰ ہے جو انہوں نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی حضرت مولانا محمد فرید مدظلہ سے سوئے کے ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا ہے جس پر مفتی صاحب موصوف کے دستخط اور فتویٰ نمبر دونوں جعلی ہیں۔

استفتاء کے جواب میں مفتی صاحب سے منسوب جعلی فتویٰ کی عبارت درج ذیل ہے :-

جواب :- ”ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ یہی مسائل گذراوقات بدیہی سے پیڑھوتے ہیں برصغیر کی اکثریت جن علماء کی پیروی کرتی ہے اکثر کا فتویٰ بیمہ کو جائز قرار دیتا ہے۔

اس بات میں کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ شرکت کا مسئلہ بظاہر قابل اعتراض نہیں ہے پس اگر بیمہ کمپنی ان قوم سے تجارت، صنعت، خدمات اور دیگر شعبوں میں ممبران کو منافع کی شکل میں کچھ نہ کچھ دیتی ہے تو قابل اعتراض نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ سائل نے اپنی خیر مقدمی تحریر میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے یہ سچ ہے کہ تمام حوالہ جات (اشارہ) وہ مشہور اور تسلیم شدہ حقائق ہیں اور اس میں کسی بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انتشار و افتراق سے بچنے کو ختم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک اسلامی ملک میں رہتے ہوئے اس کو بار بار پیچیدہ مسئلہ نہ بنایا جائے۔ ان فرض سود سے مراد وہ رقم ہے جو قرض دی جائے یا لی جائے۔“

اہل علم، قارئین اور حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ اور ان کے طرز تحریر سے واقف حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ جعلی فتویٰ کی یہ عبارت کس قدر بودی اور جہالت پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مفتی صاحب کا اصل فتویٰ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے ماہنامہ الحق میں شائع ہو چکا ہے، ذیل میں وہی فتویٰ دوبارہ نذر قارئین ہے تاکہ سودی نظام کی محافظ حکومت کا شرمناک کردار اور بیمہ کمپنی کی جعل سازی اور دجل و فریب بے نقاب ہو جائے۔ (مرتبہ)

بیمہ زندگی کی شرعی حیثیت

سوال : یہاں پر تمام ملک (انگلینڈ میں ایسی کمپنیاں ہیں، جو کہ آدمی کو انشورنس (بیمہ) کر کے اس سے جوان کے

کے قواعد کے مطابق خرچ ہوتا ہے وہ لے کر اس کو اس کے بعد اس معینہ مدت کے اندر یہ ذمہ داری لیتے ہیں کہ اگر اس کو کچھ ہو جائے تو اس کو ایک اچھی خاصی رقم جتنی کہ اس طرح کی پالیسی کرتے وقت عائد ہو چکی ہوتی ہے۔ اس کے باقی ماندہ وارثوں کو دے دیتے ہیں اس کے علاوہ یہاں پر کام بھی جب ہی ملتا ہے کہ یہاں کے گورنمنٹ کے قانون کے مطابق انشورنس پہلے کرنی پڑتی ہے۔ آپ انراہ کرم اس کے متعلق پوری تفصیل لکھیں کہ اسلامی قوانین اس قسم کی چیزوں کے کرنے پر کسی طرح کی خلاف ورزی کرنی پڑتی ہے۔ امید ہے آپ اس کی پوری تحقیق کر کے ہمیں اچھی طرح آگاہ کریں گے۔ ہماری کمیٹی کی طرف سے آپ تمام بزرگوں کو سلام مسنون قبول ہو رہا

الجواب : ہمارے علم کی حد تک بیمہ زندگی کی جو کچھ حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ یہ بیمہ اشخاص اور کمپنیوں کے درمیان ایک خاص قسم کا معاملہ اور عقد ہے جس میں افراد اور کمپنیوں کے مابین ان کے قوانین کے تحت حسب ذیل چند امور طے پاتے ہیں۔

(۱) بیمہ دار شخص ایک معین مقدار کی رقم (مثلاً ایک ہزار روپیہ) معینہ مدت مثلاً ایک سال یا دو سال تک بالاقساط ادا کرتا ہے۔ اور کمپنیاں اس کو معینہ منافع سالانہ پیش کرتی ہیں۔

(۲) یہ رقم کمپنیاں جس کام میں چاہیں صرف کر لیتی ہیں، خواہ وہ کام جائز ہوں جیسے عمارت وغیرہ یا ناجائز ہوں جیسے سودی لین دین کے معاملات۔

(۳) بیمہ شدہ شخص اگر معینہ مدت تک بقید حیات رہے۔ اور پوری معین رقم بالاقساط اس نے کمپنی کو ادا کر دی زمرہ کمپنی سے یکمشت بالاقساط مجموعہ رقم سے زائد زمرہ بیمہ لینے کا حقدار ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ مقررہ مدت سے پہلے مر جائے۔ تو زمرہ بیمہ کا مستحق اس کے ورثہ میں سے وہ شخص ہوگا۔ جو اس نے نامزد کیا ہو۔

(۴) بالغرض اگر بیمہ دار شخص معینہ مدت سے قبل اقساط کی ادائیگی کو بند کر کے عقد بیمہ کو فسخ کرنا چاہے، تو جتنی رقم اس نے بالاقساط کمپنی کو ادا کی ہے۔ اس کو وہ رقم واپس نہیں ملے گی۔

اگر درحقیقت ”بیمہ زندگی“ کی حقیقت یہ ہو جیسا کہ ہمارا خیال ہے تو اس کو ہم درج ذیل وجوہ کی بنا پر ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں۔

وجہ اول : پہلی وجہ یہ ہے کہ اس عقد میں ایک طرف سود پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ کمپنی اس کو سالانہ

معینہ متافع پیش کرتی ہے نیز معینہ مدت تک زندہ رہنے۔ اور تمام اقساط ادا کرنے کی صورت میں بیمہ دار شخص اقساط کی مجموعہ رقم سے زائد زر بیمہ لینے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور کمپنی سے وہ اس کو یک مشت بھی لے سکتا ہے۔ اور بالاقساط بھی۔ اور یہ سود کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

وجہ دوم : دوسری طرف یہ عقد میسر اور قمار پر مشتمل ہے کیوں کہ اگر بیمہ دار شخص معینہ مدت سے پہلے مر جائے تو اس صورت میں ایک خط رقم کا مالک وہ شخص بن جاتا ہے جو بیمہ دار شخص نے کمپنی کے سامنے نامزد کیا ہے۔ اور اس میں میسر اور قمار کا معنی پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں محض ایک امر اتفاقی کی وجہ سے کثیر رقم نامزد شدہ شخص کی ملک میں آگئی۔ جیسی میسر اور میں آجاتی ہے اور چونکہ اسلامی شریعت نے سود اور قمار کو قطعی طور حرام قرار دیا ہے۔ لہذا بیمہ کا یہ مقصد بھی ان دونوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر بیمہ دار شخص معینہ مدت سے قبل عقد بیمہ کو فسخ کر کے اقساط کی ادائیگی کو روکنا چاہے تو اس صورت میں کمپنی اس تمام رقم کی مالک قرار پائے گی۔ جو اقساط کی صورت میں اس نے کمپنی کو ادا کی ہے۔ اور یہ بھی میسر اور قمار ہے۔

وجہ سوم : عقد بیمہ کے ناجائز اور حرام ہونے کے لیے تیسری وجہ یہ ہے کہ اس بیمہ دار شخص کی موت کی صورت میں کمپنی کو اس کی ادا کردہ تمام رقم کا مالک صرف وہ شخص ہوتا ہے جو اس نے نامزد کیا ہے اور باقی تمام ورثہ اس رقم سے یکسر محروم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی قانون وراثت کی رو سے اس رقم میں وہ تمام ورثہ بھی حقدار ہیں۔ جو شرعاً اس کے جائز ورثہ ہوں اس بنا پر اس عقد میں بعض تقادیر پر شرعی قانون وراثت کی صریح طور پر خلاف ورزی بھی بھلا جاتی ہے۔ جو یقیناً ناجائز ہے۔

وجہ چہارم : مندرجہ بالا وجوہات کے علاوہ اس عقد بیمہ کے حرام اور ناجائز ہونے کے لیے چوتھی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس کمپنی کے ساتھ تعاون علی الاثم والعدوان بھی پایا جاتا ہے۔ جو قرآن کریم کی رو سے یہ عمل ناجائز ہے۔ لا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ کیونکہ کمپنی نہ روئے قانون اس بات کی پابند نہیں ہے کہ اس رقم کو وہ لازماً جائز اور مباح کاموں میں صرف کرے گی۔ بلکہ وہ اس کو سودی لین دین کے معاملات میں بھی صرف کر سکتی ہے، بہر حال شرعی قوانین اور احکام کی روشنی میں بیمہ زندگی کے بارے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر جائز عقد نہیں بلکہ حرام ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب سوال ہو سکتا ہے کہ ہماری مذہبہ بالا معروضات پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ بیمہ زندگی کا یہ عقد اور معاملہ عقد

مضاربت کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے کیوں کہ جس طرح مضاربت میں ایک طرف سے سرمایہ ہوتا ہے

اور دوسری طرف سے محنت اور منافع رب المال اور مضارب دونوں کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیمہ زندگی میں جس بیمہ شدہ شخص کی طرف سے سرمایہ ہوتا ہے اور کسی کی طرف سے محنت۔ اور منافع سرمایہ کار اور کمپنی دونوں کے درمیان تقسیم کئے جاتے ہیں۔ تو کیوں نہ ہم عقد بیمہ کو مضاربیت کی طرح جائز قرار دیں۔

الجواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بیمہ زندگی کا معاملہ تصور جدیدہ میں سے ہے اور شریعت میں اس کے متعلق کوئی صریح نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور اس قسم کے معاملات کے احکام معلوم کرنے کے لیے اس میں کوئی چارہ نہیں کہ ایسے جدید معاملات کو کسی ایسے عقد اور معاملہ سے ملحق کیا جائے جس میں شریعت نے اپنا کوئی منصوص حکم بیان کیا ہو۔ اور جس کے ساتھ یہ جدید قسم کے عقود اور معاملات زیادہ مشابہت رکھتے ہوں۔ اس طرح منصوص معاملات اور عقود میں سے جو بھی عقد اور معاملہ ایسا مل جائے گا جس سے جدید معاملات اور عقود زیادہ مشابہ اور مطابق ہوں تو دونوں پر ایک قسم کا حکم جاری کیا جائے گا۔ مگر یہاں مصیبت یہ ہے کہ بیمہ زندگی کا الحاق عقد مضاربیت سے حسب ذیل چند وجوہ سے صحیح نہیں ہے اگرچہ بظاہر دونوں کے درمیان مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دونوں ایک نوعیت کے معاملات اور عقود ہیں۔ اور دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیے۔ جن وجوہ سے ہم اس الحاق کو صحیح تسلیم نہیں کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ بیمہ اور مضاربیت میں کئی بنیادی فرق موجود ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربیت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے مثلاً مضاربیت میں شرط صحت بالا جماع یہ تسلیم کی گئی ہے کہ اس میں منافع کی تقسیم نسبت کی بنیاد پر ہو۔ اور مضارب رب المال میں سے کسی ایک کو معین منافع نہیں ملیں گے بلکہ اس کا اشتراط عقد مضاربیت کے لیے مفسد قرار دیا گیا ہے۔ بخلاف بیمہ کے کہ اس میں سرمایہ کار کو معین منافع مثلاً دس فی صد سالانہ ملا کرتے ہیں اور نسبت کی بنیاد پر منافع کی تقسیم نہیں ہوتی ہے۔ یعنی اس میں مضاربیت کی طرح یہ نہیں ہوتا ہے کہ منافع میں سے نصف حصہ یا ثلث اور یا ربع وغیرہ کسی ایک فریق کو ملے گا۔ اور باقی ماندہ منافع دوسرے فریق کو ملیں گے اس فرق کو سامنے رکھ کر اصول اجتہاد اور قوانین قیاس اس بات کے متقائم ہیں کہ بیمہ کو مضاربیت پر قیاس کر کے دونوں کا حکم ایک نہ قرار دیا جائے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیمہ اور مضاربیت میں ایک اور فرق بھی ایسا پایا جاتا ہے جس کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربیت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ۔

مضاربیت میں اگر نقصان واقع ہو تو سرمایہ کار (رب المال) کو وہ نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

اور بیمہ میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی ہے۔ یہاں سرمایہ کار کو منافع ہی منافع ملتے ہیں۔ اور نقصان سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے۔ کمپنی کو اگر کوئی نقصان پیش آجائے تو کمپنی ہی اس کا ذمہ دار ہوگی بیمہ دار شخص پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے۔

۳۔ پھر اس پر مزید یہ کہ مضاربیت میں اگر سرمایہ کار کا انتقال ہو جائے۔ تو وارثین کو صرف اتنا ہی سرمایہ مل سکتا ہے جتنا کہ دن کے مورث نے مضارب کو سپرد کیا تھا۔ اور اس سے زائد رقم ہرگز انہیں نہیں مل سکتی۔ برخلاف اس کے بیمہ میں اگر بیمہ دار شخص کا نقصان ہو جائے تو اس کی موت کے بعد جس شخص کو زر بیمہ ملنے والا ہے وہ ایک بڑی رقم یعنی زر بیمہ کا مقدار قرار دیا جاتا ہے یہ ایک ایسا مخاطبہ ہے جس سے شارع علیہ السلام نے روکا ہے۔ کیوں کہ سوائے اتفاقات کے اس کا کوئی اصول اور ضابطہ نہیں ہے۔ کیونکہ سوائے اتفاقات کے اس کا کوئی اصول اور ضابطہ نہیں ہے۔ کیوں کہ بعض اشخاص تو ایسے نکلیں گے کہ آج انہوں نے بیمہ کرایا۔ اور کل ان کے کسی وارث نے اس خطیر رقم پر قبضہ کر لیا۔ اور بعض ایسے اشخاص ہوں گے جو بیمہ کرانے کے ایک طویل مدت بعد اس رقم پر قبضہ کرنے کے مقدار ہوں گے۔

۴۔ اس کے علاوہ مضاربیت میں اگر سرمایہ کار مر جائے تو مضارب کے پاس اس کی جو رقم ہے وہ تمام وارثین کے مابین شرعی قانون وراثت کے مطابق تقسیم ہوگی۔ اس کے برخلاف بیمہ میں اگر بیمہ دار شخص کا انتقال ہو جائے تو زر بیمہ کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جو بیمہ دار نے نامزد کیا ہو اور باقی وارثین اس میں اصلاً حقدار نہیں ہوتے ہیں یہ ایک طرف ان پر عظیم ظلم ہے اور دوسری طرف اس میں اسلام کے قانون وراثت کی صریح خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔۔۔۔۔ ان جویری فروع کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربیت پر تکیا کرنا قیاس باطل ہے۔ اور کوئی عالم اس کے جواز کا قائل نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جب کہ اس میں سود اور قمار بھی پائے جاتے ہیں۔ جو قطعی طور پر حرام ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ انہیں بعض وجوہ ایسے ہیں جو اس کے جواز حلف کے متقاضی ہیں مگر اس سے بھی تو انکار ممکن نہیں ہے کہ اس عقد میں ایسی بھی وجوہ پائی جاتی ہیں۔ جو اس کے عدم جواز اور حرمت کے متقاضی ہیں جیسے کہ اوپر بالتفصیل بیان کی گئیں تو حضور کے اس ارشاد کے بموجب دع ما یرسک الی ما لا یوسک، اس عقد سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اس میں احتیاط کا پہلو راجح ہے حضور نے ایسے ہی معاملات کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ما اجمعہ المحدثون والحرام الا وقد غلب الحرام علی الحلال۔ اسی سے علماء اصول حدیث اور اصول فقہ نے یہ قانون بنایا ہے کہ بوقت تعارض محرم کو مباح پر ترجیح حاصل ہوگی۔

نقطہ واللہ اعلم

سود لینے دینے پر گواہ بننا اور حالت اضطرار میں سود دینے کا حکم | سوال :- (۱) ایک آدمی سود دیتا ہے، دوسرا دیتا ہے اور چند افراد

اس سودی معاملے میں گواہ بن جاتے ہیں، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان تینوں کا کیا حکم ہے؟
(۲) اگر کوئی شخص حالت اضطرار میں ہو تو کیا اس کے لیے سود پر قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟
دینے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- (۱) سودی لین دین ایسا حرام قطعی عمل ہے کہ جس پر قرآنی آیات احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری امت کا اجماع دال ہے، اسکی حرمت میں کسی کو بھی شک و شبہ نہیں، سود خوری کو اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر جرم قرار دیا گیا ہے۔ احادیث مبارکہ میں سود خور، سود دینے والے لکھنے والے اور اس معاملے پر گواہ بننے والوں کو بھی برابر کی سزا کا حقدار قرار دیا گیا ہے اور ان سب پر لعنت کی گئی ہے۔ صحیح مسلم اور دوسری کتب احادیث میں حضرت بابڑ سے روایت ہے کہ :-
لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربو وموكله وكاتبه وهدیه قال ہم سواد۔
البتایہ میں ہے: قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ اكل الربو وموكله وكاتبه وهدیه
اذا علموا به ملعونون علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اھ۔

اس لیے سودی لین دین کرنے، اس پر گواہ بننے اور اسکی دستاویز لکھنے سے پرہیز کیا جائے۔
(۲) اگر کوئی انتہاء حالت اضطرار میں ہو اور کوئی دوسرا راستہ اس کو اپنی ضرورت شدیدہ کو پورا کرنے کے لیے نظر نہ آتا ہو اور ضرورت بھی اس درجے کی ہو جو اس کے لیے موت و حیات سے وابستہ ہو تو اس صورت میں مجبوری کے تحت گنجائش موجود ہے لیکن سود لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

كما قال العلامة نطفراحمدا عثمانی: قلت: وقد قالت الفقهاء بجواز اعطاء الرشوة للمضطرد فع مضرة لاتندفع الا باعطائه واما اخذ الرشوة فلا يجوز بحال والربو والرشوة من باب واحد فمقتضاها ان يجوز اعطاء الربو للمضطرد فع مضرة لاتندفع الا باعطائه واما اخذ الربو فلا يجوز اصلاً۔ اھ (امداد الاحکام ج ۳ ص ۴۷ کتاب الربو)





وَاِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ
 وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا
 فَرِهَانِ مَقْبُوضَةً

کتاب الرهن

(رہن کے مسائل و احکام)

سوال :- اگر زمین مرہونہ ہو اور مرہن
مرہونہ زمین کے اخراجات کی ذمہ داری کا حکم
اور ٹیکس کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے کچھ رقم ادا کی۔ کیا مرہونہ زمین کی واپسی کے وقت
مرہن کو راہن سے ان اخراجات کے مطالبہ کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟
الجواب :- اگر راہن کی اجازت سے مرہن مرہونہ زمین پر رقم خرچ کرے تو اجازت کی
وجہ سے مرہن مطالبہ کا حق محفوظ رکھتا ہے ورنہ بصورت دیگر مرہن کئے ہوئے اخراجات میں
تبرع ہے، راہن سے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا ہے۔

لما قال الامام ابن البرزاز الكردري: اخذ السلطان الخراج والعشر من المرتهن
لا يرجع على الرهن لانه ان تطوع فهو متبرع ان مكرها فقد ظلمه السلطان
والمظلوم لا يرجع الا على الظالم (الفتاوى البرزازیة علی هامش الہندیة ج ۶ ص ۵۹)
نوع نفقة الرهن) لہ

سوال :- اگر مالک مرہن کو مرہونہ سے فائدہ لینے کی
اجازت دے دے تو کیا اس کی اجازت کو مد نظر رکھتے
ہوئے مرہن کے لیے مرہونہ سے انتفاع لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگرچہ مالک کی باقاعدہ اجازت اس کی ملوکہ چیز سے انتفاع لینے گنجائش
کی صورت مہیا کر کے جواز کی دلیل بن سکتی ہے لیکن مرہن کو راہن کی طرف سے جو اجازت

لہ لما قال الشیخ سلیم رستم یا زحمہ اللہ: کل من الراهن والمرتهن اذا انفقت
على الرهن ما ليس عليه بدن اذن الاخر يكون متبرعا وليس له ان يطالب الاخر
بما انفق۔ (شرح مجلة الاحکام مادة ۲۵ ص ۳۹۹ کتاب الرهن ۲)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهَنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۲۵۵ الباب الرابع في نفقة الرهن۔

دی جاتی ہے اس کے پس منظر میں کون سے جذبات کا فرمایا ہیں جس کی وجہ سے مالک اپنی ملکیت سے اپنی ضرورت کے باوجود دوسرے کو استفادہ کا موقع دیتا ہے، راہن اور مرتہن کے باہمی معاملات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت اظہار میں لاشع ہے کہ مرتہن کو یہ موقع اس کے قرض کے عوض دیا جاتا ہے جو کہ مالک دے چکا ہے، مالک مرتہن کے احسان سے مجبور ہو کر بلا چون و چرا مرتہن کے سامنے تسلیم خم کر کے اجازت دے دیتا ہے، اس کی یہ اجازت مجبوری کی اجازت ہے جس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرامؒ نے تصریح کی ہے کہ مالک کی اجازت کے باوجود مرتہن کے لیے رہن سے انتفاع لینے کی گنجائش نہیں ہے۔

لما قال العلامة السيد احمد الطحطاوی: (تحت قوله: وسیجی آخرهن) قلت والغالب من احوال الناس انهم يريدون عند الدفع الانتفاع ولو اءطأ الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع والله تعالى اعلم انتهى (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ج ۴ ص ۲۳۲ کتاب الرهن) لہ رہن سبب ملک نہیں | سوال :- اگر کسی شخص کے پاس مدتوں سے زمین بطور رہن ہو تو کیا اس سے مرتہن کی ملکیت ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں اور راہن کو کب تک ملکیت کے دعویٰ کا حق حاصل ہے ؟

الجواب :- رہن صرف ایک وثیقہ اور ذریعہ اعتماد ہے جس سے مرتہن مرہونہ چیز کا مالک نہیں بن سکتا اس کا مالک راہن ہی رہے گا، جب چاہے مرتہن کو قرض ادا کر کے مرہونہ شے واپس لے سکتا ہے تاہم مالک قرض کی ادائیگی کے بغیر مرہونہ کی واپسی کا حق نہیں رکھتا۔

لما قال العلامة ابن عابدین: والغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند المدفع الانتفاع لو اءطأ الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع - والله تعالى اعلم - (رد المحتار ج ۶ ص ۲۸۲ کتاب الرهن)

لما قال العلامة ابن البزاز الكردي رحمه الله: الرهن امانة عند المتهن كالوديعة۔
 والفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۸۶ كتاب الرهن ابواب الرابع في اعارته) ۱۔
سوال: اگر مرہن کا بلا اجازت مالک مرہن سے انتفاع موجب ضمان ہے۔
 نے مالک کی اجازت کے بغیر مرہونہ سے فائدہ حاصل کیا تو کیا مالک کو اس سے تاوان کے مطالبہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: مفتی بہ قول کی رو سے جب مالک کی اجازت کے باوجود مرہن کے لیے انتفاع لینا مرخص نہیں ہے تو اجازت کے بغیر یہ مالک کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے اس لیے مالک اس سے ضمان کے مطالبہ کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

لما قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: رجل استقرض دراهم واسكن المقرض في داره قالوا يجب اجر المثل على المقرض لان المستقرض انما اسكنه في داره عوضاً عن منفعة القرض لا هجاءاً فيجب اجر المثل على المقرض۔

والفتاوى قاضی خان علی هامش الهندية ج ۲ ص ۳۹ کتاب القرض) ۲۔

سوال: اگر مرہن مرہونہ سے انتفاع لے کر راہن کو اجارہ دیا کرے تو کیا اس سے مرہن کیلئے

۱۔ قال المحدث والفقير علي بن سلطان محمد القاري: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا يخلق الرهن۔ أي عقدة (الرهن) أي المرهون (من صاحبه) أملك (الذي رهنه) أي صاحبه بحيث يزول عنه منفعة بل يكون المرهون كالباقي في ملك الراهن۔ (المرقاة شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۹۳ کتاب الرهن)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۲۶۵ ابواب الثامن في تصرف الراهن والمرتهن۔

۲۔ قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: رجل استقرض دراهم واسكن المقرض في داره قالوا يجب اجر المثل على المقرض لان المستقرض انما اسكنه في داره عوضاً عن منفعة القرض لا هجاءاً۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۶۳ کتاب القرض)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى تَنْقِيحِ الْحَامِدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۲۳ کتاب القرض۔

انتفاع کے جواز کی صورت پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اجارہ ایک جائز معاملہ ہے، مالک اپنی زمین ہر اس شخص کو اجارہ کی شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے اجارہ پر دے سکتا ہے جس پر اعتماد ہو، خواہ مرتہن ہو یا اور کوئی شخص، لیکن جہاں کہیں مالک اور آجر کے درمیان اس سے قبل رہن کا معاملہ موجود ہو تو رہن کے بعد اجارہ کی تجدید معاہدہ سے سابقہ عقد رہن ختم ہو کر باقی نہیں رہتا اور مرتہن کے انتفاع لینے میں کوئی حرج نہیں تاہم راہن مقررہ مدت کے بعد بغیر کسی قرض کی ادائیگی کے اپنی رہن مرتہن سے واپس لے سکتا ہے اور مرتہن واپس کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔

لما قال العلامة ابن عابدین: اما الاجارة فالمستأجر ان كان هو الراهن فهي باطله.... وان هو المرتهن وجد القبض للاجارة.... بطل الرهن والاجارة للراهن - رد المحتار ج ۶ ص ۱۵۱ کتاب الرهن م ۱۷

مرہونہ میں مالک کا تصرف مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے | سوال :- کیا راہن کو بحیثیت مالک مرہونہ

میں ماسکاتہ حقوق کے برابر کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟ یا اگر مالک مرہونہ کو فروخت کر دے تو کیا یہ بیع نافذ ہو گا یا نہیں ؟

الجواب :- رہن سے مالک کی ملکیت اگرچہ زائل نہیں ہوتی لیکن مرتہن کے حقوق کے وابستگی کی وجہ سے مالک کے جملہ ماسکاتہ تصرفات مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوں گے اس لیے مالک کی مرہونہ کے فروخت کا معاملہ مرتہن کی اجازت کا محتاج ہے۔

لما قال العلامة التتائشی: توقف بيع الراهن رهنه على اجازة مرتتهن او قضاء دينه فان وجد أحدهما نفذ وصار ثمنه رهناً. قال العلامة ابن عابدین: وكذا توقف على اجازة الراهن بيع المرتهن فان اجاز جاز ولا فلا. انتہی - (رد المحتار ج ۶ ص ۱۵۱ کتاب الرهن م ۱۷)

لہ لما فی الہندیۃ: وكذا لا، لو استأجر المرتهن صحت الاجارة وبطل الرهن اذا جدد القبض للاجارة. (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۶۵ الباب الثامن فی تصرف الراهن والمرتهن... الم ومثله فی الغایۃ مشرح الہدیۃ علی هامش فتح القدير ج ۹ ص ۱۱ کتاب الرهن -
۲ لہ لما قال الشیخ سلیم رستم باز: لو باع الراهن الرهن بدون رضی المرتهن لا ینفذ البیع ولا یطرد خل علی حق الجنس الثابت للمرتهن ولكن اذا قضی الراهن الدين نفذ البیع وكذا لو اجاز المرتهن ذلك البیع فانه ینفذ - (شرح المجلۃ الاحکام، ماده ۲۱۲ ص ۲۳۲ بیع الوفاء)
ومثله فی الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۶۵ الباب الثامن فی تصرف الراهن والمرتهن -

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

مرہونہ زمین چھڑائے بغیر کسی دوسرے پر فروخت کرنا

زید نے اپنی آبائی ملکیتی زمین عمرو کے پاس رہن رکھی، کچھ مدت کے بعد زید نے اپنی مرہونہ زمین عمرو سے فک کر کے بغیر خالد کو اس شرط پر فروخت کر دی کہ اگر میری یہ زمین جو کہ عمرو کے پاس رہن ہے ایکٹ میں آگئی تو وہ زر رہن جس پر زمین رہن کی گئی ہے وہ مرتہن و عمرو کو نہ دو گے بلکہ مجھے دو گے۔ اب زید اس بیع قطعی کرنے سے پشیمان ہے اور خالد سے کہتا ہے کہ مجھے بیع قطعی انتقال واپس کر دو، حالانکہ اب تک خالد کا اس زمین پر قبضہ ہوا ہی نہیں بلکہ مرتہن و عمرو کے قبضہ میں ہے اب اس بیع قطعی کا عند الشرع کیا حکم ہے؟ فاسد ہے یا صحیح؟ اگر فاسد ہے تو واجب الرد ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ کا جواب دو شق پر تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱) رہن کا مرہونہ زمین میں تصرف قبل از سقوط اذن من فی المرہون ذو قسم ہے۔ ایک وہ تصرف ہے جو قابل فسخ ہے مثلاً بیع، کتابت، اجارہ، ہبہ، صدقہ، اقرار و۔۔۔ دوسرا وہ تصرف ہے جس میں فسخ کا احتمال نہ ہو، جیسا کہ عتق، تدبیر، استیلاء۔۔۔ قسم دوم تصرف خارج از بحث ہے اور قسم اول کے تصرف (جو کہ فسخ کا احتمال رکھتا ہے) کا حکم یہ ہے کہ یہ تصرف بغیر رضائے مرتہن کے نافذ نہیں ہوتا اور مرتہن کا حق جس مرہونہ میں باطل نہیں ہوتا یعنی اس قسم کا تصرف اگر راہن کر لے تو وہ مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اگر وہ اجازت دے تو تب نافذ ہوگا۔ اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ جب تک وہ اپنا زر رہن وصول نہ کر لے اس وقت تک مرہونہ کو اپنے پاس بند رکھے۔ اور جب راہن مرتہن کو اپنا دین ادا کر دے اور مرہونہ کو بند رکھنے کا حق باطل ہو جاتا ہے، تو راہن کا وہ سابق تصرف جو کہ موقوف تھا اب نافذ ہو جائے گا۔ یہ تفصیل فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ ص ۲۸۷ کی مندرجہ ذیل عبارت سے لی گئی ہے:-

تصرف الواهن قبل سقوط الدين في المرهون اما تصرف يلحقه الفسخ كالبيع فالكتابة والاجارة والهبة والصدقة والاقرار ونحوها او تصرف لا يحتمل الفسخ كالعتق والتدبير والاستيلاء۔ اما الذي يلحقه الفسخ لا ينفذ بغیر رضاء المرتہن ولا يبطل حقه فما لم يحبس واذا قضى الدين وبطل حقه في الحبس نفذت التصرفات كلها۔

اسی طرح اگر مرتہن نے زر رہن وصول کرنے سے پہلے اجازت دے دی تو نافذ ہو جائے گی اور اب پھر رہن نہیں رہے گا مگر زر رہن بہر حال خود رہن کے ذمہ ہوگا اور اجازت دینے سے مرتہن کا حق یا طل نہیں ہوگا۔ اور اس صورت میں اگر یہ تصرف بیع ہو تو اب بھلے مرہونہ کے اس کا ثمن (رزیم) مرہون ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں اسی صفحہ (جلد ۵ ص ۴۸۷) پر ہے:

و لو اجاز المرتهن تصرف الراهن نقد و خرج من ان يكون رهنا والدين على حاله وفي البيع يكون الثمن رهنا مكان المبيع.... الخ

فقہاء کی اس تحقیق کی روشنی میں صورت مسئلہ میں رہن نے جو تصرف کیا ہے وہ بیع کا تصرف ہے پس وہ اجازت مرتہن پر موقوف ہوگا۔ اب اگر عمرو مرتہن نے رہن (زید) کو اجازت دی ہو تو اس کا یہ تصرف نافذ ہوگا اور عمرو (مرتہن) کا زر رہن زید کے ذمہ لازم ہے اور اگر عمرو (مرتہن) نے اجازت نہ دی ہو تو یہ بیع موقوف ہے اور تا وصول زر رہن عمرو مرتہن (زید) مرہونہ کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے۔

(۲) فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایسی شرائط جو ملائم عقد نہ ہوں ان سے عقد بیع فاسد ہوتا ہے جس کی تفصیل فقہاء نے یوں کی ہے، الدر المختار میں ہے: ولا بیع بشرط لا يقتضيه العقد ولا بلائمه وفيه نفع لاحدهما او فيه نفع لمبيع الخ۔ علامہ شامی بصورت تنبیہ اس کے ذیل میں لکھتے ہیں: قوله وفيه نفع لاحدهما الماء بالنفع ما شرط من احد المتعاقدين على الآخر (ج ۲ ص ۱۶۷)

اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ مشتری بیع کا مالک ہو جاتا ہے یعنی بیع فاسد مفید للملک ہے اور ہر ایک پر بائع اور مشتری میں سے اس کا فسخ واجب ہے قبل القبض، اور اسی طرح بعد القبض بھی، جب تک کہ بیع مشتری کے ہاتھ میں باقی ہو اور اس میں مرقع الی القاضی کی شرط نہیں ہے کیونکہ جو چیز شرعاً واجب ہوتی ہے وہ قضاء قاضی کی محتاج نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کسی نے بائع یا مشتری میں سے کسی نے اس کے باقی رکھنے پر اصرار کیا تو قاضی کو جبراً اسے فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

علامہ فرماتے ہیں: ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض ويكون امتناعاً عند ابعده ما دام المبيع محالاً في يد المشتري للفساد لانه معصيته فيجب رفعها ولذا لا يشترط فيه قضاء قاض لان الواجب شرعاً لا يحتاج

للقضاء واذا امر احد هاعلى امساكه وعلم به القاضى فله فسخه جبراً عليها حقاً
للشروع۔ رد المحتار بهامش الشامى ج ۲ ص ۳۷۱

اس تحقیق کو مد نظر رکھتے ہوئے صورتِ مسئلہ میں مرتہن (زید) کی اجازت سے راہن نے
مشتري (خالد) سے جو عقد بیع کیا ہے میرے نزدیک یہ بیع فاسد ہے کیونکہ زید نے جن عقد میں
جو شرط لگائی ہے کہ اگر میری زمین ایکٹ میں آگئی تو زید راہن مرتہن کو نہ دو گے بلکہ مجھے دو گے
اور مشتري (خالد) نے اس کو منظور کیا، تو یہ ایک ایسی شرط ہے جو نہ عقد کی مقتضی ہے اور نہ ملائم
عقد ہے اور اس میں احد المتعاقدين (زید بائع) کو نفع ہے لہذا اس سے بیع فاسد ہو گئی ہے
اور اس کا فسخ کرنا واجب ہے۔ پس زید اس کو فسخ کر سکتا ہے کیونکہ مشتري (خالد) نے
ابھی تک قبضہ بھی نہیں کیا ہے، اگر زید اس بیع کے باقی رکھنے پر اصرار کرے تو بذریعہ عدالت
فسخ کرایا جاسکتا ہے۔ هذا هو الذى يعلم ما ذكر فى كتب هذا هينا ون لشرح
به القلب ولم تطمئن به النفس فان للمقال فيه مجالاً۔ (فقط واللہ اعلم)

سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے
غیر مسلم کی مرہونہ زمین سے انتفاع
علاقہ میں مسلمانوں کے علاوہ سکھ اور ہندو

بھی رہتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے اچھے مراسم بھی ہیں۔ خرید و فروخت، اجارہ
شادی و غمی اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت وغیرہ، گویا دنیاوی طور پر ایک
دوسرے سے لین دین رہتا ہے۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایک ہندو نے مجھ
سے پچاس ہزار روپے قرض لیے اور اپنی مملوکہ زمین میرے پاس رہن رکھوائی۔ تو کیا میں اس
زمین میں فصل وغیرہ کاشت کر سکتا ہوں اور اس کی آمدنی میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ
بعض علماء کرام سے ہم نے سنا ہے کہ مرہونہ زمین سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ برائے مہربانی
مسئلہ میں میری راہنمائی فرمائیں؟

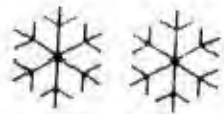
الجواب :- یہاں تک توسیع کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی مرہونہ چیز سے انتفاع لینا
جائز نہیں لیکن بعض علماء کرام کے نزدیک غیر مسلم حربی کا مال مباح ہے، اس لیے ہندو کی مرہونہ
زمین سے فائدہ لینا آپ کے لیے جائز ہے البتہ پاکستانی ریٹرو ایکٹس کے دہشت گردوں سے انتفاع درست نہیں۔
لما قال العلامة اشرف علی التھانوی: الجواب: بعض علماء کے قول پر مباح مال الحرب

رضاء ولو بعقد فاسد) جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۶۶ کتاب الرهن)

مرہونہ زمین کے محاصل راہن کو واپس کرنا لازم ہیں | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ یارحین (ضلع صوابی) میں قرض لیتے دینے کے سلسلہ میں یہ رواج ہے کہ قرض رقم دینے والا اس کے عوض میں کچھ زمین سے رہن رکھ لیتا ہے اور اس مرہونہ زمین سے اُسے (رہن کو) انتفاع لینے کی راہن کی طرف سے اجازت ہوتی ہے۔ اسی سلسلہ میں کچھ عرصہ قبل بندہ نے ایک استفادہ بھیجا تھا جس کے جواب میں آنجناب نے راہن کی اجازت کے باوجود مرہونہ زمین سے انتفاع لینے کو ناجائز تحریر فرمایا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مرہونہ زمین سے فائدہ حاصل کیا ہو اور اسے استعمال بھی کیا ہو تو وہ اپنے آپ کو اس سے کس طرح فارغ الذمہ کر سکتا ہے اور اس کی عملاً کیا صورت ہوگی؟

الجواب :- مرہونہ زمین انتفاع لینا راہن کی اجازت کے باوجود بھی مفتی بہ قول کے مطابق ناجائز و حرام ہے۔ اب اگر کسی نے ایسا کیا ہے اور وہ اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے فارغ کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ مرہونہ زمین سے اس نے جو محاصل لیے ہیں وہ جملہ محاصل یا ان کی قیمت راہن کو واپس کر دے تب اس کا ذمہ فارغ ہوگا۔

لما قال العلامة محمد عبدالحی الکھتویؒ، (الجواب) بیکر کو اس محاصل کا واپس کرنا لازم ہے اور بیکر کو اس محاصل سے نفع حاصل کرنا جائز نہ تھا اور ایک روپیہ کے عوض میں اس محاصل کو بیچ نہیں سکتا، البتہ کل محاصل کے واپس کر دینے سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ (مجموعۃ الفتاویٰ (اردو) ج ۳ ص ۱۲۹ کتاب الرهن)





اعطوا الاميراء جره
قبل ان يجف عرقه

کتاب الاجارة

(اجارہ کے احکام و مسائل)

عقد اجارہ میں تعیین مدت ضروری ہے | سوال :- مؤجر نے مستاجر کو بغیر تعیین مدت کے دوکان اجارہ پر دے دی

اب چند سال بعد ہر چیز کے نرخ بڑھ جانے کی وجہ سے دوکان کا مالک بھی کرایہ بڑھانا چاہتا ہے لیکن مستاجر نہ تو دوکان خالی کرنے کو تیار ہے اور نہ ہی پہلے کرایہ سے زیادہ دینے کو تیار ہے جبکہ مؤجر حکومتی قانون کی وجہ سے مجبور ہے، کیونکہ حکومت کا قانون یہ ہے کہ جب تک مستاجر (کرایہ دار) خود دوکان خالی نہ کرے مؤجر مالک دوکان) اس کو بیدخل نہیں کر سکتا اور کرایہ میں کمی بیشی کرنا بھی حکومت کے اختیار میں ہے، کیا اس صورت میں مستاجر گنہگار تو نہیں ہوگا؟

الجواب :- بشرط صحت سوال یہ اجارہ فاسد ہے، مؤجر کو شرعی حق حاصل ہے کہ وہ مستاجر سے ہر ماہ کے شروع میں دوکان خالی کرنے یا کرایہ بڑھانے کا مطالبہ کرے ورنہ بصورت دیگر عقد اجارہ فسخ کر سکتا ہے، اس مطالبہ میں مستاجر کالیبت و لعل کرنا حرام ہے اور انکار کی صورت میں مستاجر پر مؤجر کا مطلوبہ کرایہ دینا لازم ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : آجر حائوئاً کل شہر یکذا جاز فی واحد فقط وفسد فی الباقی لجهالتها والاصل انه متى دخل کل فیما لا یعرف منتهاه تعیین اذناه واذا مضی الشہر فکل فسخها بشرط حضور الآخر لا انتهاء العقد الصحیح۔

(مہد المختار ج ۶ ص ۵ باب الاجارة الفاسدة) لہ

لہ قال العلامة ابن باز رحمہ اللہ : آجر دارہ کل شہر یکذا ینعقد عند رأس کل شہر وکل خیار الفسخ عند رأس کل شہر فلو ابرأ المستاجر عن اجرة الا یدلایصح الا عن شہر واحد۔ (الفتاویٰ البنزازیة علی هامش المندیة ج ۵ کتاب الاجارات، الفصل الثانی فی صفتها)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَةِ الْأَحْكَامِ، مَادَّةُ ۲۹۲ ص ۲۹۳ الفصل الرابع في المسائل التي تتعلق بمدة الاجارة۔

طویل مدت کے لیے زمین اجارہ پر دینا جائز ہے | سوال :- ایک شخص نے اپنی ذاتی مملوکہ اراضی کسی دوسرے شخص کو پچاس سال کے لیے اجارہ پر دے دی ہے، کیا اپنی مملوکہ زمین طویل مدت کے لیے اجارہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اپنی مملوکہ زمین طویل مدت کے لیے اجارہ پر دیتے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ دیگر شرائط فاسدہ سے اجارہ خالی ہو، خواہ اجرت کم مقرر ہوئی ہو یا زیادہ۔
قال العلامة برهان الدین مرغینانی: والمنافع تارة تصير معلومة بالمدة كاستيجار الدور للسكنى، والارضين للزراعة فيصير العقد على مدة معلومة ای مدة كانت لان المدة اذا كانت معلومة كان قدر المنفعة فيها معلوماً اذا كانت المنفعة لا تتفاوت وقوله ای مدة كانت اشارة الى انه يجوز طالبت المدة او قصرت لكونها معلومة۔ (الهداية ج ۳ ص ۲۹۲ کتاب الاجارات) لہ

معروف اجرت پر اجارہ کا حکم | سوال :- ہمارے ہاں تین مزدور پچاس روپے یومیہ کے حساب سے مزدور کی کرتے ہیں، چونکہ کام کے وقت میں صبح کے کھانے کا وقت ہوتا ہے اس لیے صبح کا کھانا ہمارے گھر سے ملتا ہے، درمیان میں رمضان المبارک کا مہینہ آگیا اب مزدوروں کا مطالبہ ہے کہ چونکہ رمضان المبارک میں صبح کا کھانا نہیں ملتا اس لیے بجائے پچاس کے ساٹھ روپے دیہاڑی ملنی چاہیئے، تو کیا ان مزدوروں کا یہ مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر ماہ رمضان المبارک میں یہ اجرت برضا و رغبت جانبین کی طرف سے مقرر ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ مقدار معروف ہو تو تب بھی درست ہے ورنہ بصورت دیگر یہ اجارہ فاسدہ کے حکم میں ہے جو صحیح نہیں۔

لہ قال العلامة اکمل الدین الیابرقی: ولا فرق بین طویل المدة وقصیرها عندنا اذا كانت بعیث یعیش الیہا انا قدان لان الحاجة التي جوزت الاجارة لها قد تمس الى ذلك۔
را منایة علی هامش فتح القدير ج ۸ ص ۸/ کتاب الاجارات

وَمِثْلُهُ فِي الْجَوْهَرَةِ النِّيرَةِ ج ۱ ص ۳۱ کتاب الاجارات۔

لما قال الشيخ سليم رستم بامره : لو استاجر احد اجير على ان يعمل يوماً يعمل
من طلوع الشمس الى العصر او الى الغروب على وفق عرف البلدة في شان العمل -
رشرح مجلة الاحكام لسليم، مادة ۲۹۵ ص ۲۴۲ الكتاب الثاني في الاجارة - الباب الرابع في
المسائل التي تتعلق بمدة الاجارة (۱)۔

سوال :- ایک ملازم نے مالک مکان سے پانچ سو روپیہ
کرایہ پر مکان لے لیا، چند ماہ بعد اس نے مالک مکان کو
سے کہا کہ میں تین ماہ کی چھٹی پر اپنے گھر جا رہا ہوں واپس آکر اس مکان کو دوبارہ کرایہ پر لوں
گا اور ملازم اپنا سامان اسی مکان میں رکھ کر چلا گیا، اب ان دونوں کے درمیان تنازع پیدا ہو
گیا ہے مالک مکان کا موقف یہ ہے کہ چونکہ تمہارا سامان اسی مکان میں پڑا رہا ہے اور جاتے
وقت تم نے عقد کو ختم بھی نہیں کیا تھا لہذا تمہیں ان تین ماہ کا کرایہ بھی ادا کرنا پڑے گا جبکہ ملازم
کا کہنا ہے کہ چونکہ میں نے جاتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ واپس آکر نئے سرے سے کرایہ پر لوں
گا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اجارہ ختم ہو گیا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں میں
سے کس کا موقف درست ہے؟ نیز کیا ملازم دکر ایہ دارم ان تین ماہ کا کرایہ ادا کرنے کا
شرعاً پابند ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق جب مدت کا تعین نہیں ہوا ہے صرف اتنا ہی
کہا گیا ہے کہ ماہانہ کرایہ پانچ سو روپے ہو گا تو اس صورت میں کرایہ دار اور مالک مکان ہر ایک کو
مہینہ کے انتہام پر ایک دوسرے کی موجودگی میں اجارہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہے، لہذا جب
ملازم نے واضح طور پر مالک مکان سے یہ کہہ دیا کہ چھٹیوں کے بعد واپس آکر میں اس مکان کو

لما قال العلامة قاضی خان: رجل استاجر اجيراً يوماً ما يعمل له كذا قالوا ان كان العرف بينهم انهم يعملون
من طلوع الشمس الى العصر فهو على ذلك وان كان العرف انهم يعملون من طلوع الشمس
الى غروب الشمس فهو على ذلك وان كانت العرف مشتركة فهو على طلوع الشمس
الى غروبها اعتباراً بالذکر اليوم - (الفتاوى قاضی خان مع السجدة ج ۳ ص ۳۳ کتاب الاجارات)
فصل في اجارة الدواب والضمان فيما يجب وفيما لا يجب (۲)۔
ومثله في الفتاوى الهندية ج ۴ ص ۱۲۱ کتاب الاجارة. البنا الثالث في الاوقات التي يقع عليها عقد الاجارة -

دوبارہ کرایہ پرلوں کا تو یہ اجارہ ملازم کے گھر جانے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا ہے لہذا یہ ملازم ان تین ماہ کا کرایہ دیتے کا یا بند نہیں ہے۔

لما قال العلامة سليم رستم يا زعم الله: لو استوجر عقاراً كل شهر بكذا من دون بيّات
عدد الاشهر يصح العقد في شهر واحد فقط وليفسد في بقية الشهور لجهالتها والاصل
انه متى دخلت لفظة كل فيما لا يعرف منتهاه تعين ادناؤه (در منتقى) لكن عند ختام الشهر
الاول لكل من الايجر والمستاجر فسخ الاجارة في اليوم وليلته من الشهر الثاني الذي يليه -
وشرح مجلة الاحكام سليم، مادة ٢٩٢ م ٢٢٢ كتاب الذي في الاجارات باب الرابع في المسائل التي تتعلق بمدة الاجارة هـ

سوال: آجکل بعض دوکاندار لوگ گاڑی والوں کو گاڑیوں کے ٹائرس کرایہ پر دینا

الجواب :- اجارہ نام ہے کسی چیز کے منافع سے اجرت کے عوض فائدہ حاصل کرنا، بشرطیکہ اس میں جملہ شرائط اجارہ موجود ہوں، اسلئے اگر صورت مسئلہ میں مدت اور کرایہ معلوم و متعین ہوں تو گاڑیوں کے ٹائر کرایہ پر دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

لما في مجلة الاحكام، يشترط ان تكون الاجرة معلومة - يشترط في الاجارة ان تكون المنفعة معلومة بوجه يكون مانعا للمنازعة - (شرح المجلة لرستم ياز. مادة ٢٥٠، ٢٥١، ٢٥٢، الفصل الثالث في شروط صحة الاجارة) ٢٥

له قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله : ومن استاجر داراً كل شهر يدبرهم
فالعقد صحيح في شهر واحد فاسد في بقية الشهور الا ان يسمى جملة الشهور معلومة -
(الهداية ج ٣ ص ٣٠٢ كتاب الاجارات - باب الاجارة الفاسدة)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ٨ مَكَاتِبُ الْإِجَارَةِ - بَابُ الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ -

ثم قال العلامة طاهرين عبد الرشيد البخاري رحمه الله: في شرح الطحاوي
عقد الاجارة لا يجوز الا ان يبيت البدل من الجانبين جميعاً اما
بيان المنفعة فباحدي معان ثلاثة بيان الوقت وهو الاجل و
بيان العمل وبيات المكان - (خلاصة الفتاوى ج ٣ ص ١٠٣،
الفصل السادس في الاجارة)

وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الرَّهْدِيَةِ ج ٣ ص ١٠٣ كِتَابُ الْإِجَارَةِ -

اجارہ پر لی ہوئی زمین میں ہونے والے درختوں کا حکم | سوال بہ ایک شخص نے کسی سے اس کی ملوکہ زمین دس بارہ سال

تک کاشت کرنے کے لیے اجارہ پر لے لی ہے، اب اس زمین میں درخت بھی ہیں تو کیا شرعاً یہ درخت مؤجر و مالک زمین کے ہیں یا مستاجر (کاشتکار) کے؟

الجواب :- اگر یہ درخت مالک زمین نے لگائے ہوں اور خدمت کاشتکار نے کی ہو تو یہ درخت مالک زمین کے ہوں گے اور خدمت کرنے والے کو خدمت کا معاوضہ ملے گا اور اگر درخت اجارہ دار نے مالک زمین کی اجازت سے لگائے ہوں تب بھی یہی حکم ہے اور اگر بلا اجازت مالک کے لگائے ہوں تو درخت اجارہ دار کے ہوں گے اور مالک زمین کو زمین سے انتفاع کا اجر مثل دیا جائے گا۔

قال العلامة محمد کامل الطرابلسی رحمہ اللہ :- وقد اطل صاحب التنقيح الكلام في تحقيق هذه المسئلة قال فالحاصل ان من زرع ارض غيره بلا اذنه على وجه الغصب فان كانت الامرض ملكاً اعدّها لبها للزراعة اعتبر العرف في الحصة ان كان ثمة عرف والا فان اعدّها لايجار فالخارج كله للزارع وعليه اجر مثلها لربها والا فان انتقصت فعليه النقصان والا فلا شئ عليه - (فتاویٰ کاملیة ص ۳۹ کتاب الاجارة) لہ

اجارہ کردہ چیز کی مرمت کا خرچہ مستاجر کے ذمہ لگانے کا حکم | سوال :- ہمارے علاقے میں زمیندار زمین کی کاشت

کے لیے زرعی مشینری اجارہ پر لیتے ہیں، مالک مشین اور زمیندار کے مابین عقد ہوتا ہے کہ آمدنی کا تیسرا حصہ مالک مشین کا ہوگا اور اگر مشین خراب ہو جائے تو مرمت کا خرچہ زمیندار

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فالحاصل ان من زرع ارض غيره بلا اذنه ولو على وجه الغصب فان كانت الامرض ملكاً واعدّها وبها للزراعة اعتبر العرف في الحصة ان كان ثمة عرف والا فان اعدّها لايجار فالخارج كله للزارع وعليه اجر مثلها لربها والا فان انتقصت فعليه النقصان والا فلا شئ عليه -

(تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۱۲ کتاب الغصب)

ومثله في رد المحتار ج ۴ ص ۱۹۵ کتاب الاجارة۔

کے ذمہ ہوگا، تو کیا اس طرح کا عقد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس قسم کا اجارہ دو وجوہ کی بناء پر فاسد ہے (۱) اس میں اجرت متعین نہیں ہے (۲) یہ کہ مشین کی مرمت مستاجر (زمیندار) کے ذمے لگائی گئی ہے، اور اس شرط کا لگانا اجارہ کو فاسد کرتا ہے لہذا مستاجر پر اجرت مستحی واجب نہیں بلکہ اجرت مثل واجب ہے، بشرطیکہ اجرت مثل مقرر کردہ کرایہ سے زیادہ نہ ہو ورنہ بصورت دیگر مقرر کردہ کرایہ لازم ہوگا۔

قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ، وکذا الواسطی جرداراً او حائناً سنة بعائة درهم علی ان یرقمها المستاجر کان علی المستاجر اجر المثل بالغاً ما بلغ لانه لما شرط المرممة علی المستاجر صارت المرممة من الاجر فیصیر الاجر مجهولاً فاما اذا کان فساد الاجارة بحکم شرط فاسد۔ (الفتاویٰ قاضیخان ج ۳ ص ۳۱ کتاب الاجارۃ۔ باب الاجارة الفاسدة) لہ

سوال :- ایک تین ماہ سے قبل نوکری چھوڑی تو تنخواہ نہیں ملے گی۔ اجارہ فاسد ہے

شرط پر نوکری رکھا کہ اگر تین ماہ سے قبل نوکری چھوڑ دے گا تو تنخواہ نہیں دوں گا، مگر اس شخص (نوکری) نے تین ماہ سے پہلے ہی نوکری چھوڑ دی، تو کیا یہ شخص نوکری کے ایام کی تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب :- اجارہ میں اس قسم کی شرائط لگانا صحیح نہیں، لہذا صورت مسئلہ میں ان دونوں کا اجارہ فاسد ہے، اس لیے نوکری کو اجرت مثل دیا جائے گا بشرطیکہ اجرت مستحی سے کم ہو۔

لہ قال العلامة محمد کامل الطرابلسی رحمہ اللہ: سئل عن استاجر داراً باجر مجهول هل تفسد الاجارة فالجواب نعم قال فی جامع الفصولین کل جهالة تؤثر فی البیع تؤثر فی الاجارة ویفسد بہا العقد سواء كانت الجهالة فی الاجرة والمدة او العمل المستاجر علیہ ویجب اجر المثل فی فاسدها ولا یجاوز بہا المسعی فی لا یجاوز المسعی لو علم الاجر ولا یجب بالغاً ما بلغ فلو استاجر بیتاً سنة بعائة علی ان یرقمها المستاجر فعلیہ اجر مثله بالغاً ما بلغ اذا المرممة لما شرطت علی المستاجر صارت من الاجر فجهل الاجر۔ (الفتاویٰ کاملیة ص ۱۹۹ کتاب الاجارة، مطلب تفسد الاجارة بجهالة الاجر) ومثله فی رد المحتار ج ۵ ص ۳۲ باب الاجارة الفاسدة۔

وفي الهندية: وان تكارها الى بغداد على انها ان بلغت بغداد فله اجر عشرة دراهم والا فلا شيء له فالاجارة فاسدة وعليه اجر مثلها بقدر ما سار عليها۔
(الفتاوى الهندية ج ۴، الفصل الثاني فيما يفسد العقد فيه لمكان الشرط) له

سوال :- ایک شخص اپنا تجارتی مال بذریعہ ٹرک اجارہ فاسد کی ایک اور صورت

بنوں سے لاہور لے جانا چاہتا ہے، ٹرک کے مالک اور مال والے کے درمیان معاہدہ کچھ اس طرح ہوا کہ ٹرک کے مالک کو راستے میں ٹیکس والوں کو ادائیگی رقم کی ذمہ داری قبول کرنے پر دس ہزار روپے ملیں گے ورنہ بصورت دیگر صرف پانچ ہزار روپے کرایہ کے ملیں گے۔ کیا ایسا عقد اجارہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- یہ اجارہ فاسد ہے اور اجارہ فاسد کا حکم یہ ہے کہ ایسی مزدوری جتنی اجرت مروج ہو وہ دی جائے گی اور جو کچھ طے ہوا ہے وہ نہ دیا جائے گا، لیکن اگر مروج زیادہ ہو اور فریقین کے درمیان طے شدہ اجرت کم ہو تو طے شدہ اجرت ہی دی جائے گی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: (تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما افسد البيع) مما مر (يفسدها) كجهالة ما جاور او اجرة او مدة او عمل وكشرط طعام عبد وعلف دابة ومرومة الدار او مغارمها وعشر او خراج او مؤنة۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۲۶/۲۷ باب الاجارة الفاسدة) له

سوال :- اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کو گائے یا بھینس کا بچہ جیوان کو نصف پر رکھنا اس شرط پر دے کہ وہ اس کی تربیت کرے اور پالے پوسے اور جب وہ بڑا ہو جائے تو اسے فروخت کر کے قیمت آپس میں برابر تقسیم کریں گے، کیا ایسا

له قال العلامة ابن نجيم: وان بلغت بغداد فله كذا والا فلا شيء له فمهي فاسدة وعليه اجر مثل ما سار عليها۔ (البحر الرائق ج ۲، ص ۳۱۲ باب الاجارة الفاسدة) ومثله في الجوهر النيرة ج ۱ ص ۳۱۲ باب الاجارة الفاسدة۔

له وفي الهندية: والاجارة تفسدها الشروط التي لا يقتضيها العقد كما اذا شرط على الجير الخاص ضمما ما تلف بفعله الخ (الفتاوى الهندية ج ۴، الفصل الثاني فيما يفسد العقد فيه) ومثله في البحر الرائق ج ۲، ص ۳۱۲ باب الاجارة الفاسدة۔

عقد اجارہ کرنا شرعاً جائز ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو پھر جواز کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟
الجواب:- یہ اجارہ قفیز الطحان کے حکم میں ہے، لہذا اس پر اجارہ فاسدہ کا حکم لگایا جائے گا۔ لعدم تعیین الاجرة وعدم تعیین المدة۔ جانہین کو چاہیے کہ مدت اور اجرت کی تعیین کریں اور مدت ختم ہونے کے بعد اجیر کو متعین قیمت کے عوض نصف گائے دی جائے۔
 وفي المہندیۃ: دفع بقرة الى رجل على ان يعلفها وما يكون من اللبن والسمن بينهما انصافاً قال اجارة فاسدة وعلى صاحب البقرة للرجل اجر قيامه وقيمة علفه ان علفها من علف۔ (الفتاویٰ المہندیۃ ج ۲ ص ۳۳۵ کتاب الاجارۃ۔ الفصل الثالث فی قفیز الطحان، وما هو فی معناه) لہ

سوال:- کیا مزدور کو مزدوری کے عوض میں زمین دینا جائز ہے جبکہ عقد میں رقم دینا طے کیا گیا ہو؟

الجواب:- عقد اجارہ کی اجرت میں ہر وہ چیز دینا جائز ہے جو مال متقوم ہو لہذا مزدور کو مزدوری میں زمین دینا جائز ہے اگرچہ ابتداء عقد میں رقم دینے کا معاہدہ ہی ہو چکا ہو۔

وفي المہندیۃ: وما صلح ان يكون ثمنًا في البيع كالتقود والمكيل والمؤن صلح ان يكون اجرة في الاجارة وما لا يصلح ثمنًا لا يصلح اجرة۔
 (الفتاویٰ المہندیۃ ج ۲ ص ۳۳۵ کتاب الاجارۃ فی الباب الاول) لہ

۱۔ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری: وفي فتاویٰ النسفی رجل دفع بقرة الى رجل بالعلف منها صفة وهي التي بافارسية كاوينم سود بان دفع على ما يحصل من اللبن والسمن بينهما نصفان فهذا فاسد والحارث كله لصاحب البقرة والاجارة فاسدة۔

۲۔ خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۳۵ کتاب الاجارات، وما يتصل به هذا۔
 ۳۔ ومثله في الفتاویٰ الیزدینۃ علی هامش المہندیۃ ج ۲ ص ۳۳۵ کتاب الاجارۃ۔ النوع الثالث فی الدواب۔
 ۴۔ قال العلامة خالد اتاسی: ما صلح بدلًا في البيع يصلح بدلًا في الاجارة۔
 (مجلة الاحکام مادة ۴۶۳ من ۲۶ فی بدل الاجارة)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۸ کتاب الاجارۃ۔

اجارہ میں زمیندار کو کاشت کی عام اجازت دینا | سوال :- اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی زمین باہیں طور عقداً اجارہ پر

دیدے کہ آپ جو چاہیں اس میں کاشت کریں، تو کیا از روئے شرع ایسا عقد کرنا جائز ہے؟
الجواب :- عقد اجارہ میں اگرچہ فصل وغیرہ کا تعین کرنا ضروری ہے بدون تعین کے اجارہ

فاسد ہوگا، لیکن اگر مؤجر نے مستاجر کو اس بات کی عام اجازت دی ہو کہ وہ جو چاہے اس میں کاشت کر سکتا ہے، تو اس صورت میں شرعاً یہ اجارہ صحیح اور درست متصور ہوگا۔

وفی الہندیۃ : ولابد فی اجارۃ الاراضی من بیان ما یستاجر لہ من الزراعۃ والغرس والبناء وغیر ذلک فان لم یبین کانت الاجارۃ فاسدۃ الا اذا جعل لہ ان ینتفع بما شاء کذا فی البدائع۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب الاجارۃ۔

الباب الخامس عشر فی بیان ما یجوز من الاجارۃ وما لا یجوز) لہ

اجارہ علی الاجارہ جائز ہے بشرطیکہ اپنے مؤجر پر نہ ہو | سوال :- بعض علاقوں میں آج ہے کہ ایک آدمی کسی زمیندار سے

نصف آمدن پر زمین اجارہ کرتا ہے اور پھر اس زمین کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ دو تہائی پر اجارہ کرتا ہے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا اجارہ پر لی ہوئی زمین کسی دوسرے شخص کو اجارہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مستاجر کے لیے اجارہ علی الاجارہ جائز ہے بشرطیکہ اپنے مؤجر کے ساتھ نہ ہو اور اجرت اولیٰ یا اس سے کم پر ہوں اور اگر اجرت اولیٰ سے زیادہ پر ہو تو اضافی رقم کو فقرا و پر تصدق کرے۔ ہاں دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں: اول یہ کہ اجارہ ثانیہ خلا جنس

لہ قال العلامة برہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ : ولا یصح العقد حتی یسمی ما یزرع

فیہا لانہا قد تستاجر للزراۃ ولغیرہا وما یزرع فیہا متفاوت فلا بد من التعین

کی لایقع المنازعۃ او یقول ان یزرع فیہا ما شاء لانہ لما فوض الخیرۃ الیہ

ارتفعت الجہالۃ المفضیۃ الی المنازعۃ۔ (الہدایۃ ج ۳ ص ۲۹۶ کتاب الاجارات)

باب ما یجوز من الاجارۃ وما یکون خلافاً فیہا)

وَمِثْلُهُ فِی قِتَاوِی الْکَامِلِیۃ ص ۱۹۱ کتاب الاجارۃ۔

پر ہو، دوم یہ کہ مستاجر اجارہ کی ہوئی چیز کی اصلاح کرے، مثلاً اگر مکان ہو تو اس کی مرمت اور سفیدی وغیرہ کرے یا زمین ہو تو اس کی نالیوں وغیرہ کو ٹھیک کرے۔ ان دو صورتوں میں اجارہ دوم اجارہ اول سے زیادہ پر بھی جائز ہے۔

وفي الهندية: واذا استاجر داراً وقبضها ثم اجرها فانه يجوز ان اجرها بمثل ما استاجرها او اقل وان اجرها باكثر مما استاجرها فهي جائزة ايضاً الا انه ان كانت الاجرة الثانية من جنس الاجرة الاولى فان الزيادة لا تطيب له ويتصدق بها وان كانت من خلاف جنسها طابت له الزيادة ولو زاد في الدار زيادة كما لو تد فيها وتداً وحفر فيها بيراً او اصلح ابوابها او شيئاً من حوائطها طابت له الزيادة۔
(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۲۵ کتاب الاجارۃ باب البيع في اجارة المستاجر)۔

مستاجر یا مؤجر کی موت سے اجارہ کا ختم ہونا | سوال :- اگر دو آدمیوں کے درمیان

چند سالوں کے لیے کوئی عقد اجارہ ہو جائے لیکن اسی مدت کے اندر مؤجر یا مستاجر کی موت واقع ہو جائے تو کیا اس کے بعد بھی عقد اجارہ باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب :- اگر متعاقدین نے عقد اجارہ اپنے لیے کیا ہو تو دونوں میں کسی ایک کے موت واقع ہوجانے سے عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا لہذا ان کے پسماندگان کیلئے عقد کی تجدید ضروری ہے۔

قال العلامة ابن عايدین: واذا مات أحد المتعاقدين وقد عقد الاجارة لنفسه انفسخت الاجارة۔ (الهداية ج ۳ ص ۳۱۳ کتاب الاجارة۔ باب فسخ الاجارة) ۲

۱ قال ابن عايدین: (قوله المستاجر ان يوجر المؤجر الخ) اي ما تلحقه بمثل الاجرة الاولى وان نقص فلو يكثر تصدق بالفصل الا في مسئلتين كما مر اول باب ما يجوز من الاجارة۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۹۱ مسائل شتى مطلب في اجارة المستاجر.... الخ) ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۱۲۵ کتاب الاجارات في الجنس الثاني۔

۲ قال العلامة ابوالبركات النسفی: وتنفسخ بموت أحد المتعاقدين ان عقد هال نفسه وان عقد هال غيره لا۔ (کنز الدقائق ص ۱۳ کتاب الاجارة)

ومثله في الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۸۳ کتاب الاجارة۔

جعلی سند پر بھرتی ہونے والے ملازم کی تنخواہ کا حکم | سوال :- حکومت نے سکولوں میں دینیات پڑھانے کے لیے اساتذہ

کی بھرتی کا اشتہار شائع کیا اور یہ شرط لگائی کہ امیدوار کسی دینی مدرسے سے فارغ التحصیل ہو، اس پر ایک شخص نے کسی دینی مدرسے کے مہتمم کو پیسے دے کر اپنے نام کی جعلی سند لے لی اور انٹرویو کے دوران پیش کر کے بھرتی ہو گیا۔ تو کیا اس طرح بھرتی ہونے والے اس استاد کو حکومت کی طرف سے جو تنخواہ دی جاتی ہے وہ اس کے لیے شرعاً حلال ہے یا حرام ؟

الجواب :- عقد اجارہ سے ملنے والی اجرت کی جلت کا دار و مدار اس کام کا اہل ہونے پر ہے، لہذا مذکورہ شخص اگر مقوضہ ڈیوٹی کا اہل ہو تو تنخواہ حلال ہوگی ورنہ حرام، لیکن دھوکہ دہی رشوت دینے اور جھوٹ بولنے کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوگا۔

قال العلامة ابن نجيم: واما ركنها فهو الايجاب والقبول والارتباط بينهما واما شرط جوازها فتلاثة اشياء اجر معلوم وعين معلوم وبدل معلوم ومحاسنها دفع الحاجة بقليل المنفعة واما حكمها فوقع الملك في البدلين ساعة فساعة -

(البحر المرائق ج ۸ ص ۸ کتاب الاجارة) ۱

امام مسجد میں اہلیت نہ ہو تو اسے معزول کیا جاسکتا ہے | سوال :- ایک شخص کافی عرصے سے ایک مسجد کا امام

چلا آ رہا ہے لیکن اب اس کے مقتدیوں میں سے بعض لوگ اسے امامت سے معزول کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ان کو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- مسجد کی امامت اجارہ کے حکم میں ہے، اگر اجیر میں ذمہ داری ادا کرنے کی صلاحیت نہ رہے تو اجارہ فسخ کرنا جائز ہے۔

قال العلامة طاهري بن عبد الرشيد البخاري: وفي الفتاوى الصغرى رجل استاجر

۱۔ قال العلامة ابن البزاز: لا يجوز عقد هاتحي يعلم البدل والمنفعة وبيان المنفعة باحد ثلاث بيان الوقت وهو الاجل وبيان العمل والمكان فالاجر ببيان التقدير -

(البزازية على هامش الهدية ج ۵ ص ۵ کتاب الاجارات)

وَمِثْلُهُ فِي خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۱۰ کتاب الاجارة -

رَجُلًا لِيَعْلَمَهُ حُرْفَةً كَذَلِكَ هَذِهِ السَّنَةُ فَمَضَى نَصْفَ السَّنَةِ وَلَمْ يَعْلَمْهُ شَيْئًا فَلِلْمُسَاجِرِ
 أَنْ يَفْسَخَ الْإِجَارَةَ - (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۲۱ کتاب الاجارۃ الفصل السابع فی فسخ الاجارۃ) لہ
امامت مسجد اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا حکم | سوال :- کیا مسجد کی امامت اور تعلیم
قرآن پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے
 یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ امام ابو حنیفہؒ طاعات پر اجرت لینے کو ناجائز کہتے ہیں، لیکن یہ اُس
 دور کی بات ہے جب اہل علم اور خادمین دین کی معاشی ضروریات بیت المال سے پوری کی جاتی
 تھیں لیکن بعد میں جب حکومتوں کی لاپرواہی کی وجہ سے یہ سلسلہ بند ہو گیا تو فقہاء کرام نے
 تعلیم قرآن اور شعائر دینیہ کے ضائع ہونے کے اندیشہ سے اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیدیا
 تاکہ دین کے یہ خادم دنیا کے دیگر کاموں سے ہٹ کر جمعی اور یکسوئی کے ساتھ دینی کام
 میں لگے رہیں۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ :- وبعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار
 علی تعلیم القرآن الیوم لانہ طهر التوائی فی الامور الدینیة ففی الامتناع یضیع حفظ القرآن
 وعلیہ الفتوی - (الہدایۃ ج ۳ ص ۱۲۱ کتاب الاجارات) لہ

لہ وفي المندیۃ : واذا استاجر اساذ یعلمہ هذا العمل فی هذه السنۃ فمضى نصف السنۃ فلم یعلمہ شیئاً فلم یستاجر ان
 یفسخ ما رایت روایۃ فی هذا لکن افتی الشیخ الامام علی الاسدیجانی فافیت انا ایضاً ، کذا فی الصغری -
 (الفتاویٰ المندیۃ ج ۴ ص ۱۲۱ کتاب الاجارۃ - الباب التاسع عشر)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْبَزَازِيَّةِ عَلَى هَامِشِ الْمَنْدِيَّةِ ج ۳ ص ۳۹ کتاب الاجارۃ نوع فی تعلیم القرآن والمحرر :-
 لہ قال العلامة ابن عابدین : علم ان عامة كتب المذهب متون وشرح وفتاوی کلمہا متفقہ علی ان الاستیجار
 علی الطاعن لا یصح عندنا واستثنی المتأخرون من مشائخ یلم تعلیم القرآن فجوزوا الاستیجار علیہ و
 عللوا ذلك فی شرح الهدایۃ و غیرہا بما مروا بالضرورة وهي خوف ضیاع القرآن لانه
 انقطع العطايا من بیت المال وعدم المحرم علی دفع بطریق الحسبۃ لیشتغلوا به معلون
 به بمعاشهم ولا یعلمون احداً ولیضیع القرآن فافیت المتأخرون بالجواز لذلك -

(تنقیح الحامدیۃ ج ۲ ص ۱۳۰ - الفتاویٰ علی جواز الاجارۃ علی تعلیم القرآن)

وَمِثْلُهُ فِي كَنْزِ الدَّقَائِقِ ص ۳۶۲ کتاب الاجارۃ -

نکاح خوانی پر اجرت لینے کا مسئلہ | سوال :- کیا نکاح پڑھانے پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نکاح پڑھنے پر اجرت لینا فقہاء کرام کے ہاں مختلف فیہ ہے، چونکہ اس میں ایک گونہ تعلیم و تلقین بھی ہے اور تعلیم و تلقین پر اجرت لینا مفتی بہ قول کے مطابق جائز ہے اس لیے فقہاء کرام نے اس میں اجرت کے جواز کو قول راجح قرار دیا ہے لہذا بناءً برائیں نکاح پڑھتے پر اجرت لینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

قال العلامة قاضیخان: اختلف المشائخ في الدلالة في النكاح هل يكون لها الاجر قال الشيخ الامام ابو بكر محمد بن الفضل لا اجر لها لانه لا منفعة للزوج من كلامها بغير عقد وانما منفعة الزوج في العقد والعقد ما قام بها وقال غيره من المشائخ لها اجر مثلها لان معظم الاخر في النكاح يقوم بالدلالة فان النكاح لا يكون الا بمقدمات تكون من الدلالة فكان لها اجر المثل بمنزلة الدلال في البيع فانه يستحق الاجر (الفتاوى قاضیخان ج ۳ ص ۲ باب الاجارة الفاسدة) له

اجیر خاص کو ڈیوٹی کے اوقات میں کوئی دوسرا کام کرنا جائز نہیں | سوال :- زید

ایک سکول ٹیچر ہے کیا وہ سکول ڈیوٹی کے دوران کسی قریبی مسجد میں امامت کا فریضہ سرانجام دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: سکول ٹیچر چونکہ اجیر خاص ہوتا ہے اور اجیر خاص کے لیے ڈیوٹی کے اوقات میں دوسری ملازمت کرنا جائز نہیں، ورنہ اس کی تنخواہ سے بقدر غیر حاضری کے کٹوتی کی جائے گی۔ البتہ چھٹی یا تفریح کے وقت میں اگر وہ کوئی دوسرا کام کرنا چاہے تو بلا شک کر سکتا ہے، تاہم مذکورہ بالا صورت میں اگر اس کا عمل تدریس متاثر نہیں ہے

۱۔ وفي الهندية: الدلالة في النكاح لا تستوجب الاجر وبه يفتي الفضلي في فتاوه وغیر من مشائخ زمانتنا كانوا يفتون بوجوب اجر المثل وبه يفتي كذا في جواهر الاخلاط -
(الفتاوى الهندية ج ۴ ص ۱۵۲ الفصل الرابع في فساد الاجارة اذا كان المتاجر مشغولاً لغيره)
ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۱۱ کتاب الاجارة -

ہوتا ہو تو امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحصكفي: وليس للخاص ان يعمل لغيره ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل فتاوى نوازل۔ راجد المختار علی صدر رد المختار ص ۶۶ باب ضمان الاجير له اجير خاص اپنا کام دوسرے آدمی سے نہیں کر سکتا | سوال:۔ زید ایک سکول ٹیچر ہے لیکن بجائے زید کے

اس کا بھائی عمرو سکول میں ڈیوٹی دیتا ہے، تو کیا زید کا ایسا کرنا جائز ہے؟
الجواب:۔ صورت مسئلہ میں زید اجیر خاص ہے اور اجیر خاص شرعاً کسی دوسرے شخص سے اپنا کام نہیں کر سکتا ورنہ کسی حادثہ کی صورت میں تمام تر ذمہ داری اس کی ہوگی، لہذا زید کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔

قال العلامة خالد اتاسي: الاجير الذي استوجب على ان يعمل بنفسه ليس له ان يستعمل غيره مثلاً لو اعطى احد جبة لحياط على ان يخطيها بنفسه بكذا درهم فليس للحياط على ان يخطيها لغيره بل يلزم ان يخطيها بنفسه وان خاطها لغيره وتلفت فهو ضامن۔ مجلة الاحكام، مادة ۲۴۵، الفصل الرابع في اجارة الادعي ۲۴۵
سوال:۔ اگر کسی علاقے کے سرکاری سکول میں طلباء نہ ہوں اور وہاں اساتذہ کا تقرر ہو چکا ہو جبکہ اساتذہ طلباء کی عدم موجودگی کی وجہ سے سکول حاضر نہیں ہوتے، تو کیا ان اساتذہ کو گورنمنٹ سے

الحال العلامة المرغيناني: وانما سمي اجير واحد لانه لا يمكنه ان يعمل لغيره لان منافعه في المدة صارت مستحقة له والاجر مقابل بالمنافع ولهذ ابقى الاجر مستحقاً وان نقص العمل۔ (الهداية ج ۳ ص ۳۳ کتاب الاجارات، باب ضمان الاجير)

ومثله في شرح مجلة الاحكام لسليم، مادة ۲۴۴ ص ۲۳۴ کتاب الثاني في الاجارة۔ الباب الاول
قال العلامة المرغيناني: واذا شرط على الصانع ان يعمل بنفسه فليس له ان يستعمل غيره لان المعقود عليه اتصال العمل في محل بعينه فيستحق عينه كالمثمن في محل بعينه۔ (الهداية ج ۳ ص ۲۹۶ کتاب الاجارات۔ باب الاجر متى يستحق)

ومثله في العناية على هامش فتح القدير ج ۸ ص ۲۱

تنخواہ لینا جائز ہے؟

الجواب :- سکولوں کے اساتذہ اجیر خاص کے حکم میں ہوتے ہیں لہذا سکولوں میں باقاعدگی کے ساتھ حاضر ہونے کی وجہ سے ہی تنخواہ کے مستحق ہوں گے، بصورت دیگر عدم طافری کی وجہ سے تنخواہ لینے کے مستحق نہیں ہوں گے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ :- والاجیر الخاص الذی يستحق الاجرة بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كمن استوجر شهرًا للخدمة او لرعى الغنم۔
(الهداية ج ۳ ص ۳۸ کتاب الاجارات۔ باب ضمان الاجير)۔

سوال :- ایک ملازم کے لیے مفوضہ ڈیوٹی کے علاوہ کوئی اور کام کرنا جائز نہیں

ملازم ہے، عموماً عصر کی نماز کے وقت افسران بالاک جانے سے گراؤنڈ میں حاضر ہونے کا حکم ہوتا ہے، چنانچہ ایک طرف نماز باجماعت کی فضیلت اور دوسری جانب افسروں کا حکم ہوتا ہے اور کبھی کبھی تو نماز عصر سے پہلے گراؤنڈ میں پہنچنے کا حکم ملتا ہے، اس صورت میں اگر چند فوجی جوان مل کر کمرے میں ہی جماعت سے نماز پڑھ لیں تو عند اللہ گنہگار تو نہیں ہونگے؟

الجواب :- ایسے شخص کے لیے ڈیوٹی کے معین وقت پر پہنچنا ضروری ہے، تاہم اگر مسجد کی جماعت نہ ملے تو چند مل کر کمرے میں ہی جماعت سے نماز پڑھ لیں تو درست ہے، لیکن فرض نماز چھوڑنا بھی جائز نہیں اور نہ ہی وقت سے پہلے نماز پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ ملازم کو ڈیوٹی کے اوقات میں فرائض کے علاوہ دیگر امور میں مشغول رہنا صحیح نہیں ہے۔

وفي الهندية : وفي الفتاوى الفضلى رحمه الله :- اذا استاجر رجلاً يوماً ليعمل كذا فعليه ان يعمل ذلك العمل الى تمام المدة ولا يشتغل بشئ اخر سوى المكتوبة

له قال العلامة ابوالبركات النسفی رحمه الله :- والخاص يستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كمن استوجر شهرًا للخدمة او لرعى الغنم۔
(کنز الدقائق ص ۳۶ کتاب الاجارات۔ باب ضمان الاجير)

ومثله في الجوهرة النيرة ج ۳ ص ۳۲ کتاب الاجارة۔

وفي فتاوى اهل سمرقند قد قال بعض مشائخنا رحمهم الله تعالى ان له يؤدى السنة
ايضاً والتفقوا انه لا يؤدى نقلاً وعليه الفتوى كذا في الذخيرة - (الفتاوى الهندية ج ۳
كتاب الاجارة - الباب الثالث في الاوقات التي يقع عليها عقد الاجارة) ۱

مال چوری ہونے کی صورت میں اجیر خاص پر ضمان کا حکم | سوال: زید ایک دوکان
کا مالک ہے اور دوکان

کا کاروبار چلانے کیلئے اس نے ایک منشی رکھا ہوا ہے، منشی سے کسی نے دھوکے سے مال
چوری کر لیا تو کیا منشی چوری ہونے والے مال کا ضامن ہوگا یا کہ زید یہ نقصان برداشت کرے گا؟
الجواب: اجیر خاص کے ہاتھوں میں مال بحکم امانت ہے اور چوری کی صورت میں امین
پر ضمان نہیں، لہذا صورت مسئلہ میں چوری ہونے والا مال کا منشی ضامن نہیں ہے بلکہ سارا بوجھ
زید پر ہے۔ تاہم اگر اس چوری میں منشی ملوث ہو تو ضمان لیا جائے گا۔

قال العلامة خالد اتاسي: والاجير الخاص امين حتى انه لا يضمن المال الذي تلف في
يده غير صنعه وكذا لا يضمن المال الذي تلف بعمله بلا تعد ايضاً -

(مجلد الاحكام، مادة ۶۱ ص ۳۲۹ الفصل الثالث في ضمان الاجير) ۲

۱۔ قال العلامة ابن عابدین: رقبه وليس للخاص ان يعمل لغيره بل ولا ان يصلي النافلة قال في
التارخانية وفي فتاوى لفضلي واذا استاجر رجلاً يوماً يعمل كذا فعليه ان يعمل
ذلك العمل الى تمام المدة ولا يشتغل بشئ اخر سوى المكتوبة وفي فتاوى سمرقند
وقد قال بعض مشائخنا رحمهم الله تعالى له ان يؤدى السنة ايضاً و
اتفقوا انه لا يؤدى نقلاً وعليه الفتوى - رد المحتار ج ۶ ص ۶۱ باب ضمان
الاجير، مطلب ليس للاجير الخاص ان يصلي النافلة)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَدِ الْاَحْكَامِ مَادَّةُ ۲۳۶ ص ۱۲۰ كِتَابُ الْاِجَارَةِ فِي بَيَانِ مَا يَدْخُلُ فِي الْبَيْعِ بَدْنِ ذَكَرٍ مَرْجُوحٍ وَمَا لَا يَدْخُلُ -
۲۔ قال العلامة ابن عابدین: قال في جامع القصولين استوجر رجلاً لحفظ خان او حوانيت
فضاع منها شئ قيل ضمن عند ابی یوسف و محمد لوضاع من خارج الحجره لانه اجير
مشترك وقيل لا في الصحيح وبه يفتى لانه اجير خاص -

(رد المحتار ج ۶ ص ۶۱ باب ضمان الاجير، مطلب في الحارس والخانات)

وَمِثْلُهُ فِي الْهُدَايَةِ ج ۳ ص ۳ كِتَابُ الْاِجَارَاتِ، بَابُ ضَمَانِ الْاِجِيرِ -

ٹیوب ویل کا پانی اجارہ پر دینے کا حکم | سوال :- اگر ٹیوب ویل کے مالک اور مالک
کہ مالک زمین اپنی زمین کے لیے پانی کے عوض ٹیوب ویل کے مالک کو پچاس روپے فی گھنٹہ دے
گا، تو کیا ایسا عقد شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں مدت اور اجرت دونوں متعین ہے اور جیہ اجرت اور
مدت متعین ہو تو ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، لہذا ایسا معاملہ کرنا درست ہے۔
قال العلامة ابن بن باز الكردي: ولا يجوز عقد هاتحي يعلم البذل والمنفعة وبيان
المنفعة باحداث ثلاث بيان الوقت وهو الاجل وبيان العمل والمكان فالجريد بيان
التقد وهو على غالب نقد البلد - الفتاوى البرازية على هامش الهندية ج ۵
كتاب الاجارات الاول في المقدمة له

دینی مدارس کے لیے کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں | سوال :- بعض دینی مدارس
کے ہتھمیں حضرات کسی شخص کو

چندہ کے لیے بھیج دیتے ہیں جبکہ ان کے درمیان یہ طے ہوتا ہے کہ جمع ہونے والے چندہ
میں سے تیسرا حصہ اس سفیر کو ملے گا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- عقد اجارہ میں یہ ضروری ہے کہ اجرت متعین ہو چونکہ صورت مسئلہ
کے عقد اجارہ میں اجرت متعین نہیں اس لیے یہ عقد فاسد ہے،
البتہ سفیر کو مدرسہ میں لازم رکھ کر اس کی ستواہ مقرر کیا جائے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: تفسد الاجارة بالشروط المخالفة

له قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله: في شرح الطحاوي
عقد الاجارة لا يجوز الا ان يبين البذل من الجانبين جميعاً اما بيان
المنفعة فباحدي معان ثلاثة بيان الوقت وهو الاجل وبيان العمل و
بيان المكان اما الاجران كان دراهم او دنانير فالشرط بيان القدر -

در خلاصۃ الفتاوی ج ۳ ص ۱۲۱ کتاب الاجارات، اما الاول في المقدمة... الخ
ومثله في مجلة الاحكام، مادة ع ۲۵ ص ۲۵۲ الفصل الثالث في شروط صحة الاجارة -

لمقتضى العقد فكل ما افسد البيع (مصامر ريفسدها) كجهالة ما جاور واجرة -
 (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۶۱۱ باب الاجارة الفاسدة) لہ

مدرسین دینی و عصری مدارس کیلئے چھٹیوں کی تنخواہ لینا جائز ہے | سوال پر مدرس
 میں ایک معروف

طریقہ ہے کہ مدرسین حضرات شعبان کے شروع سے لے کر شوال کے آخر تک چھٹیوں پر ہوتے
 ہیں، اس کے علاوہ سال کے درمیان میں بھی کبھی تو باجارت مہتمم اور کبھی بغیر اجازت کے
 چھٹی کر لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود مہتممین حضرات ان کو باقاعدہ تنخواہ دیتے ہیں، اس کی
 شرعی حیثیت کیلئے؟

الجواب: ایام تعطیلات ایام عمل کے تابع ہوتے ہیں اس لیے چھٹیوں کی تنخواہ لینا
 ناجائز نہیں ہے، جب مدرسہ کے مہتمم اور معین کے درمیان شرائط طے شدہ ہوں تو دونوں ان
 شرائط کے پابند ہوں گے لیکن اس میں معین چندہ کی اجازت قولاً یا حالاً ضروری ہے اس لیے کہ
 مہتممین حضرات ان معین کے وکیل ہوتے ہیں اور اگر معین کی اجازت و رضا نہ ہو تو مہتمم اپنے
 گھر سے تنخواہ دے گا۔ البتہ بیماری، عجز یا اور دوسری ضروریات کی چھٹیوں کے بارے میں
 اگر مدرسہ کا کوئی مدون قانون ہو تو اس پر عمل درآمد ہوگا ورنہ جو عمل اور رویہ اہل مدارس
 کے نزدیک معروف ہو اس پر عمل ہوگا اور معروف یہ ہے اساتذہ سے چھٹیوں کی تنخواہ
 نہیں کاٹی جاتی، تاہم جانبین پر لازم ہے کہ تنخواہ دیتے اور لیتے وقت اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ
 کے سپرد کریں۔

قال العلامة ابن نجيم المصري: ومنها البطالة في المدارس كايام الاعياد ويوم عشاء

لہ قال العلامة ابن نجيم المصري: وقد ضبطه الشيخ ابوالحسن الكرخي في مختصره فقال
 اذا كان ما وقع عليه عقد الاجارة معجهاً لاف في نفسه ادنى اجرة او في مدّة الاجارة او
 في العمل المستاجر عليه فالاجارة فاسدة وكل جهالة تدخل في البيع
 فتفسده من جهة الجهالة فكذلك هي في الاجارة۔ اص

(البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۱ باب الاجارة الفاسدة)

ومثله في فتاوى كاملية ص ۱۹۲ کتاب الاجارة۔

وشهر رمضان فی درس الفقہ لمارہا صریحۃ فی کلاھم والمسئلۃ فیہ علی وجہین فان
کانت مشروطۃ لم یسقط من المعلوم شیء والا فینغی ان یلحق ببطالۃ القاضی و
قد احتذو فی اخذ القاضی ما رتب من بیت المال فی یوم بطالۃ۔

(الاشیاء والنظائر ص ۹۵) ۱۷

مسلمان کا کفار کے ساتھ نوکری کرنے کا حکم | سوال :- آجکل اکثر مسلمان امریکہ، برطانیہ

اور جاپان وغیرہ ممالک میں نوکری کی غرض سے جاتے ہیں اور وہاں کافروں کے ساتھ نوکری کرتے ہیں، کیا کسی مسلمان کو کفار کے ساتھ نوکری کرنا جائز ہے؟

الجواب :- اسلام نے ایک مسلمان کی عزت و عظمت کا بہت خیال رکھا ہے اس لیے مسلمانوں کو بھی اپنی عزت نفس کا خیال رکھنا چاہیے، اس بناء پر جس نوکری میں ایک مسلمان کی تذلیل و تنقیص ہوتی ہو تو وہ اس کو نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن اگر ایک مسلمان کو کسی کافر کے ہاں کوئی ایسی نوکری ملتی ہو جس میں اس کی اہانت اور ذلت نہ ہوتی ہو تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اگرچہ خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکا سانی :- ولو استأجر ذمی مسلماً لیخدمہ ذکر فی الاصل
انہ یجوز واکرہ للمسلم خدمة الذمی اما الکراهۃ فلان الاستخدام استدلال فکان
اجارة المسلم نفسه متہ اذ لا لنفسه وليس للمسلم ان یدل نفسه خصوصاً
بخدمۃ الکافر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۸۹ فصل واما شرائط الرکن ۲) ۱۷

۱۷ قال العلامة ابن عابدین :- حیث کانت البطائیة فی یوم الثلاثاء والجمعة وفي رمضان والعیدین یجوز کذا لو بطل فی
یوم غیر معتمد لتحریر درس لا اذ انص الوقف علی تقیید الدفع بالیوم الذی یدرس فیہ۔ قال الفقیہ ابواللیث
من یأخذ الاجر من طلیۃ العلم فی یوم لا درس فیہ ارجو ان یکون جائزاً۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۱۶ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَجْلَةِ لِرِسْتَم بَارَكَ - الْمَادَّةُ ۲۹۵ ص ۲۷۷ الفصل الرابع في اجارة الادبي

۱۷ قال العلامة قاضی خان :- مسلم آجر نفسه من نصرانی ان استأجره لعل غیر الخدمة جاز وان آجر نفسه
للمخدمة قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل لا یجوز و ذکر القدر انہ یجوز لیکرہ الہ خدمة

الکافر۔ (الفتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۱۸ کتاب الاجارات)

وَمِثْلُهُ فِي خلاصۃ الفتاوی ج ۳ ص ۱۲۹ کتاب الاجارات، الفصل العاشر فی الخطر والاباحة۔

ریڈیو کی مرمت پر اجرت لینے کا حکم | سوال :- ریڈیو جو کہ عموماً گانے بجانے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن بسا اوقات اس میں قرآن مجید کی تلاوت، دینی تقاریر اور خبریں بھی نشر کی جاتی ہیں، اگر وہ خراب ہو جائے تو کیا اس کی درستگی پر ملکیت کو اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ریڈیو اپنے اصل کے لحاظ سے ناجائز نہیں ہے اس کو اصلاحی، سائنسی، معلوماتی اور تربیتی مقاصد کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے اور جو چیز فی نفسہ برائی کے لیے نہ ہو مگر لوگ اس کو برائی کے لیے استعمال کرتے ہوں تو فقہاء نے اس کی خرید و فروخت اور اس پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے، ہاں اگر کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اس کو (ریڈیو کو) گانے بجانے اور خرافات کیلئے استعمال کرتا ہے تو اس کی مرمت بھی ناجائز ہے اور اس پر اجرت لینا بھی ناجائز ہے۔

قال العلامة ابن بزاز الكردي: ولا تجوز الاجارة على الغناء والنوح ولو عمل لاجر له۔ (البزازية على هامش السهنية ج ۵ ملك نوع في المتفرقات وفيه الاجارة على المعاصي) لہ۔

سوال :- ہمارے علاقے میں بعض لوگ بیل کی گائے سے چھتی کرانے پر اجرت لینا گائے کی چھتی کرنے کے لیے بیل پالتے

ہیں اور اس پر متعین اجرت لیتے ہیں، کیا یہ اجرت لینا جائز ہے؟

الجواب :- اجرت کے جواز کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہو وہ اس شخص کی ملکیت ہو، چونکہ صورت مسئلہ میں گائے کا حمل ٹھہرانا کسی کے بس کی بات نہیں اس لیے اس پر اجرت لینا جائز ہے، اس کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے۔

قال العلامة ابن نجيم:۔ یعنی لا يجوز اخذ اجرة عسب التيس لقوله عليه (والسلام)

لہ قال العلامة الحسكفي: لا تصح الاجارة لعسب التيس (وهو نزوة على الاناث (و) لا لاجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاهي) ولو اخذ بلا شرط يباح۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۸ مطلب في الاستيجار على المعاصي) وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۲ ص ۱۸۹ كِتَابُ الْإِجَارَةِ۔

ان من السحت عسب التيس ومهر البغي ولا نه عمل لا يقدر عليه وهو الاحبال فلا يجوز اخذ الأجرة عليه ولا اخذ المال بمقابلة العار وهو نجس لا قيمة له فلا يجوز والمراد هنا استيجار التيس لينذو على الغنم ويعجلها باجرت

(المحرر الرائق ج ۸ ص ۱۹۱ باب الاجارة الفاسدة) ۱۷

فوٹو گرافی پر اجرت لینا | سوال :- فوٹو گرافی کی شرعی حیثیت کیا ہے اور اس کو ذریعہ معاش بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- کسی بھی جاندار کی تصویر بنانا یا بنوانا سخت گناہ کا کام ہے، البتہ اگر ضرورت یعنی عمرہ یا حج کے لیے پاسپورٹ وغیرہ بنوانے کے لیے (کے موقع پر مگر بھی اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة مرغینانی رحمہ اللہ :- ولا يجوز الاستيجار على الغنم والنوح وكذا سائر المملوكة لانه استيجار على المعصية والمعصية لا تستحق بالعقد۔

(الهداية ج ۳ ص ۳۰۳ کتاب الاجارات) ۱۸

قلنگ وصول کرنا | سوال :- بعض علاقوں میں مال مویشی والے لوگ کسی پہاڑ یا زمین پر جا کر قیام کرتے ہیں اور اپنے مویشیوں کو چراتے ہیں جبکہ گاؤں والے یا

ماسکان اراضی "قلنگ" کے نام سے کچھ رقم ان سے وصول کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟
الجواب :- اگر قلنگ خود روگھاس کا معاوضہ ہے تو پھر جائز نہیں کیونکہ اس میں مالک کی محنت کو کوئی دخل نہیں، اور اگر مملوکہ زمین یا پہاڑ پر رہائش اور قیام کرنے کا معاوضہ ہو تو باقاعدہ عقد اجارہ کی صورت میں یہ مال جائز رہے گا۔

۱۷ قال العلامة ابن عابدین: (قوله لا تصم الاجارة لعسب التيس) لانه عمل لا يقدر

عليه وهو الاحبال - رد المحتار ج ۶ ص ۵۵ مطلب في الاستيجار على المعاصي)

ومثله في الهداية ج ۳ ص ۳۰۳ کتاب الاجارات۔

۱۸ قال العلامة ابوالبركات النسفي: ولا يجوز على الغنم والنوح والملاهي۔

(كنز الدقائق ص ۳۶۲ کتاب الاجارات)

ومثله في رد المحتار ج ۶ ص ۵۵ مطلب في الاستيجار على المعاصي۔

ما قال العلامة ابن عابدینؒ: وتصحر اجارة ارض لبناء وغرس وسائر الانتفاعات
كطبخ آجر ونحوه ومقيل ومراح والمقيل مكان القيلولة والمراح بالضم مأوى لماشية
حتى تلزم الاجرة بالتسليم اسكن زراعتها ام لا۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۱۰ باب ما
يجوز من الاجارة وما يكون خلافاً فيها) ۱

سوال :- جناب مفتی صاحب! کیا بینک کی چوکیداری کرنا
شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بینکوں کا موجودہ نظام اگرچہ سودی نظام ہے جو شرعاً ممنوع ہے، مگر
چوکیداری کا تعلق چونکہ براہ راست بینک کے سودی معاملات سے نہیں ہے، اس لیے
بینک کی چوکیداری میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر ہو سکے تو اجتناب ہی کیا جائے۔

وفی الہندیۃ: مسلم آجر من محوسی لیوقد النار لا بأس بہ کذا فی الخلاصۃ۔
والفتاویٰ الہندیۃ ج ۴ ص ۴۲ الفصل الرابع فی فساد الاجارة اذا کان المستاجر ۲

سوال :- کیا بینک کی ملازمت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- چونکہ آج کل اکثر بینکوں میں سودی کاروبار کا طریقہ

رائج ہے جبکہ قرآن و سنت میں سود کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں اور سودی معاملات
کے لکھنے، لکھوانے اور شہادت دینے والوں کو بھی سود خوروں کے برابر قرار دیا ہے، اس بناء
پر بینک کا ملازم یا نوکارتین میں سے ہوگا یا شاہدوں میں سے ہوگا جو کہ لعنت کے زمرے میں

۱ ما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: فاذا عرفت ذلك تطهر لك صحة الاجارات
الواقعة في زماننا من ان يستأجر الارض مقبلاً ومراحاً قاصداً بذلك الزام الاجر
لتمكن منها مطلقاً سواء شملها الماء وامكن زراعتها ام لا۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۸۱ باب
ما يجوز من الاجارة وما يكون خلافاً فيها) ۱

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ مَجْلَةِ الْاَحْكَامِ، تَحْتَ الْمَادَّةِ ۲۸۲ م ۲۷۱ ابنا الرابع في المسائل۔۔۔ بمدة الاجارة۔
۲ ما قال العلامة سراج الدين: آجر لنفسه من محوسی لیوقد له النار لا بأس۔ (فتاویٰ سراجیۃ
علی هامش القاضیخان ص ۲۱۱ کتاب الاجارة۔ باب ما یکرہ من الاجارة وما لا یکرہ) ۱
وَمِثْلُهُ فِي خُلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۳ ص ۱۲۹ کتاب الاجارة۔ الفصل العاشر فی الحضرة والباحة۔

داخل ہے، اس لیے بینک کی ملازمت سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

لما ورد في الحديث : لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الربوا وموكله
قال قلت وكاتبه وشاهديه قال اتما نحدث بما سمعنا۔ (صحيح مسلم ج ۲ ص ۲۴۲ باب الربوا) ۱
خلافت شرع کام کرنے کی اجرت لینا | سوال :- کیا حجامت کا پیشہ اختیار کرنا
جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس میں داڑھی کو

مونڈنے اور انگریزی طرز کے بال بناتے پڑتے ہیں اور اس پر اجرت بھی لی جاتی ہے۔ اس
مسئلہ میں قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب :- حجامت کا پیشہ اختیار کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ برے بال
خلافت شرع بنانا اور داڑھی منڈھانا گناہ ہے اور گناہ کے کام پر کٹا جائے، لہذا اس قسم کے ناچار گناہوں سے
پرہیز ہی کیا جائے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: ولا يجوز الاستيجار على شيء ممن الغنا
والنوح والمزمار۔ (خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۱۶ کتاب الاجارات جنس اخر فالتفرقا) ۲

تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے | سوال :- اگر برکت، بیماری سے شفا یا کسی مصیبت
سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کی کوئی

آیت لکھ کر تعویذ بنادیا جائے تو کیا اس پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہاء کرام کی عبارات سے
معلوم ہوتا ہے کہ تعویذات پر اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ تعویذ خلافت شرع امور کے
لیے نہ ہو۔

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الربوا وموكله قال قلت وكاتبه وشاهديه قال اتما
نحدث بما سمعنا وقال هم سواد۔ (مشکوٰۃ المصابيح ج ۲ ص ۲۴۲ باب الربوا)

وَمَثَلُهُ فِي الصَّيْحَمِ الْبُخَارِيُّ ج ۲ ص ۱۸۱ کتاب اللباس باب من لعن المصور۔
قال العلامة مرغینانی: ولا يجوز الاستيجار على اغناء والنوح وكذا سائر الملاهي لانه استيجار
على المعصية والمعصية لا تستحق بالعقد۔ (المعدية ج ۳ ص ۳۱ باب الاجارة الفاسدة)
وَمَثَلُهُ فِي رد المختار ج ۶ ص ۵۵ باب الاجارة الفاسدة۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: لان المتقدمين المانعين الاستيجار مطلقاً جواز الرقية بالاجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوی لانها ليست عبادة محضة بل من التداوی۔
رد المحتار ج ۶ ص ۵۷۵ باب الاجارة الفاسدة۔ مطلب تحریر فی عدم جواز الاستيجار۔ الخ

دلالی کی اجرت لینا جائز ہے | سوال: جناب مفتی صاحب! آجکل کاروباری طبقوں میں دلالی کا رواج بہت زیادہ ہے اور اس پر اجرت

بھی لی جاتی ہے، تو کیا دلالی کی اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: دلالی پر اجرت لینا اگرچہ فقہاء کے نزدیک مختلف فیہ ہے مگر مجبوری کو مد نظر رکھتے ہوئے قول جواز پر فتویٰ دیا گیا ہے بشرطیکہ اجرت معین ہو اور دیگر مفاسد سے خالی ہو۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفي الدلال والسمسار يجب اجر مثل وما تواضعوا عليه ان في كل عشرة دنانير كن ذاك حرام عليهم۔ وفي الحاوی سئل محمد بن سلمة عن اجرة السمسار فقال ارجوا انه لا بأس به وان كان في الاصل فاسد الكثرة المتعامل وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس اليه كدخول الحمام۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۶۳۷ باب الاجارة الفاسدة۔ مطلب في اجرة الدلال)۔ لہ

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: واما حديث الرهط الذين رتقوا الديغا بالقاتعة واخذوا جعلاً فسألوا النبي صلى الله عليه وسلم فقال احق ما اخذتم عليه اجر اكتب الله فمعتاه اذا رقيتم به كما نقله العيني في شرح البخاري عن بعض اصحابنا وقال ان الرقية بالقرآن ليست بقربة اى لان المقصود بها الاستشفاء دون الثواب۔
(تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۱۳۹ كتاب الاجارة)

وَمِثْلُهُ في صحيح البخاري ج ۲ ص ۸۵۲ باب الرقي بالقرآن والمعوذات)
لہ قال العلامة طاهرين عبيد الرشيد البخاري: وفي الاصل اجرة السمسار والمغاري والحمامي والصكالك وما لا تقدر فيه للوقت ولا مقدار لما يستحق بالعقد لكن للناس فيه حاجة جازوان كان في الاصل فاسداً۔ (خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۱۱۶ كتاب الاجارات۔ جنس اخواني لمتفرقات)
وَمِثْلُهُ في الاشباه والنظائر ج ۳ ص ۱۳۱ كتاب الاجارات۔

ہڑتال کے دنوں کی تنخواہ لینا جائز ہے | سوال: اسکولوں کے اساتذہ نے حکومت کو اپنے کچھ مطالبات پیش کئے لیکن حکومت

نے ان کے مطالبات ماننے سے انکار کر دیا، بار بار کی یاد دہانی کے باوجود بھی حکومت نے نہ مانا تو اساتذہ مجبور ہو کر ہڑتال کر دی اور طالب علموں کو پڑھانا چھوڑ دیا لیکن خود سکولوں میں باقاعدگی سے حاضری دیتے رہے، تو کیا ان ہڑتالی اساتذہ کے لیے ہڑتال کے دنوں کی تنخواہ لینا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- چونکہ جمہوری حکومتوں میں ملازمین کو ہڑتال کرنے کا قانونی حق حاصل ہوتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں ان ہڑتالی اساتذہ کے لیے ہڑتال کے دنوں کی تنخواہ لینا جائز ہے، نیز اساتذہ چونکہ اجیر خاص کے حکم میں ہوتے ہیں اور ابھر صرف حاضری دینے سے بھی تنخواہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

قال العلامة خالد اتاسی: لو استوجرا استاذ لتعليم علم او صنعة وسميت الاجرة فان ذكرت مدة انعقدت الاجارة صحيحة على المدة حتى ان الاستاذ يستحق الاجرة بوجوده حاضراً أمهيئاً للتعليم تعلم التلميذ او لم يتعلم - (مجلة الاحكام، مادة ۵۶، ۳۵ كتاب الاجارة - الفصل الرابع في اجارة الأدمى) ۱۵

مریض کی تشخیص کرنے پر ڈاکٹروں کی فیس کا حکم | سوال:- آجکل پرائیویٹ ہسپتالوں کی بہتات ہے جہاں ڈاکٹر حضرات مریض کی صرف تشخیص کی بھاری فیس لیتے ہیں، کیا مریض کی تشخیص پر ڈاکٹروں کا بھاری فیس لینا جائز ہے؟

الجواب:- مریض کی تشخیص پر ڈاکٹروں کا فیس لینے میں کوئی قباحت نہیں۔
قال العلامة خير الدين الزيلعي: سئل في رجل دام في انفه اتفاق مع طبيب على

۱۵ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وهو الموافق لتصريح المتون بانه يستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل - (رد المحتار ج ۶ ص ۶۷ باب ضمان الاجير - مطلب ليس للاجير الخاص ان يصلى النافلة) ومثله في الفتاوى الكاملة ۱۹۵ كتاب الاجارة - مطلب في اجير الخاص -

مداواته وجعل له اجرة ولم يضرب لذلك مدة وداواه فما الحكم لجاب للطبيب اجرة مثله وما اتفق في ثمن الادوية لفساد الاجارة على الوجه المذكور -

(فتاویٰ خیریہ علی ہامش تنقیح الحامدیہ ج ۲ ص ۱۸۲ کتاب الاجارة) لہ

اجارہ پر لی ہوئی زمین میں اقبون کاشت کرنا | سوال :- ایک شخص نے کسی کو اپنی زمین
اجارہ پر دیدی، متاجر نے اس میں
اقبون کاشت کر دی، تو کیا اس پر اجرت لینا جائز ہے؟

الجواب :- صورت مشولہ کے مطابق اس طرح زمین پر اجرت لینا حرام نہیں ہے، جیسا کہ
فقہاء کی عبارات سے واضح ہے، کیونکہ مالک زمین نے ترکہ پ معصیت کے لیے زمین تو نہیں
دی ہے جبکہ اقبون کی ایک خاص مقدار کا ادویات میں استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

قال العلامة قاضی خان: ولا بأس لمسلم ان يواجر حارة من ذمی يسكنها وان
شرب فيه الخمر او عبد فيه الصليب او ادخل فيه الخنازير فذلك لا يلحق
المسلم - (فتاویٰ قاضی خان مع سراجیہ ص ۱۸۲ کتاب الاجارات، باب الاجارة الفاسدة) لہ

عذر کی صورت میں اجارہ فسخ کرنا | سوال :- متاجر یا مؤجر میں سے اگر کوئی اجارہ فسخ
کرنا چاہے تو شرعاً اس کی کیا تفصیل ہے؟

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: سئل في رجل به دار في ظهرة اتفق مع طبيب
على مداواته وجعل اجرة ولم يضرب له مدة وداواه ويريد الطبيب اجرة مثله فما اتفق
في ثمن الادوية فهل له ذلك (الجواب) نعم والمسئلة في الخيرية من الاجارة -

(تنقیح الحامدیہ ج ۲ ص ۱۵۱، ۱۵۲ کتاب الاجارة)

وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُخْتَارِ ج ۶ ص ۸۱ باب فسخ الاجارة - مطلب فسق المستاجر ليس عذراً في الفسخ -

لہ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمہ اللہ: واذا استاجر لذي من المسلم
داراً ليسكنها فلا بأس به وان شرب الخمر او عبد فيه الصليب لم يلحق المسلم شيء
كما لو اجر داره من فاسق يعص الله فيها - (خلاصة الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۵۱ کتاب
الاجارات - للفصل العاشر في الخطر والاباحة)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۴ ص ۲۵ الفصل الرابع في فساد الاجارة اذا كان المستاجر - الخ

الجواب :- مؤجر یا مستاجر میں سے کسی ایک کو بھی اگر واقعاً عذر پیش آئے تو وہ بکطرفہ طور پر اجارہ فسخ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے بار برداری کے لیے جانور کرایہ پر لیا تھا پھر اس کی آنکھیں ضائع ہو گئیں جس کی وجہ سے وہ جانور بیکار ہو گیا تو اس صورت میں میں مستاجر اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

وفي الهندية: وإذا تحقق العذر ومست الحاجة الى النقص هل يتفرد صاحب العذر بالتفقد او يحتاج الى القضاء والرضاء اختلف الروايات فيه والصحيح ان العذر اذا كان ظاهراً يتفرد وان كان مشتبهاً لا يتفرد كذا في فتاوى قاضي خان۔
والفتاوى الهندية ج ۲ ص ۵۸ کتاب الاجارة۔ الباب التاسع عشر

في فسخ الاجارة بالعذر

سوال :- کسی مدرسہ کا مہتمم اپنے ایک مدرس کو تعلیمی سال کے درمیان میں اس وجہ سے فارغ کرنا چاہتا ہے کہ تمہاری پڑھائی سے طلباء مطمئن نہیں ہیں جبکہ مدرس کا کہنا ہے کہ مہتمم خود یا دوسرے مدرسین میرے درس میں آکر دیکھیں، اگر واقعاً وہ میری تدریس میں نقص محسوس کریں تو بے شک مہتمم صاحب مجھے تدریس سے فارغ کر دیں ورنہ بصوت دیگر میری بے عزتی سے باز رہیں، اس قضیہ میں شرعی فیصلہ سے مستفید فرمائیں، مہربانی ہوگی؟

الجواب :- اگر مدرس واقعی تدریس کرنے کا اہل نہ ہو تو مہتمم مدرسہ کو اجارہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہے تاہم اس میں صرف مہتمم کے بیان کا اعتبار نہیں ہے کہ مدرس تدریس کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس میں مدرس کی بات معقول نظر آتی ہے کہ خود مہتمم صاحب میری اہلیت کا جائزہ لیں یا کسی دوسرے مدرس سے فیصلہ کروائیں، عام مدارس کے قواعد و ضوابط کے روشنی میں کسی مدرس کو دوران سال فارغ کرنا مروت کے خلاف ہے۔

وفي الهندية: اذا استأجر تذا ليعلمه هذا العمل في هذه السنة فمضى نصف السنة فلم

لے قال العلامة بن نجيم: الاجارة عقد لازم لا تنفسخ بغير عذر الا اذا وقعت على استهلاك عين الاستكتاب

فلا صاحب الورق فسخها بلا عذر۔ (الاشباه والنظائر ج ۳ ص ۱۱ کتاب الاجارة)

ومثله في قاضيان على هامش الهندية ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الاجارة۔ فصل فيما تنقض به الاجارة وما تنقض به

یعلمہ شیئاً فللمستاجر ان یفسخ۔ (فتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۳۱۵ کتاب الاستاجرة فی باب البیع مشرقی قسح الاجارة بالعمدہ)۔
سوال :- زید نے ایک دوکان جو کہ دو مچھائیوں کی ملکیت ہے، دس سال کیلئے اجارہ پر لی ہے اور سارا کرایہ پیشگی

ادا کر دیا ہے اور فریقین کے مابین یہ شرط طے پائی ہے کہ ان دس سالوں کے درمیان مالک دوکان نہ تو دوکان فروخت کریں گے اور نہ ہی رہن پر دیں گے، لیکن پانچ سال کے بعد ایک مچھائی نے اپنا نصف حقہ زید کے ہاتھ فروخت کر دیا، اب زید یہ دعویٰ کرتا ہے کہ چونکہ طے شدہ دس سال کا معاہدہ ختم ہو چکا ہے اس لیے اب نئے سرے سے دوبارہ معاہدہ ہوگا اور مجھے آٹھ ہزار ماہانہ کرایہ دو گے، تو کیا اس طرح زید کو معاہدہ اول فسخ کرنے اور کرایہ بڑھانے کا شرعاً حق پہنچتا ہے یا نہیں؟
الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق مالک دوکان کی بیع نافذ ہے لیکن دس سال ختم ہونے سے پہلے نہ تو مشتری اس پر قبضہ کر سکتا ہے اور نہ ہی مالک دوکان کرایہ دار کو نکال سکتا ہے اسی طرح از سر نو کرایہ بڑھانے کا معاہدہ کرنا بھی بے جا ہے۔ البتہ دس سال پورا ہونے کے بعد بیع بھی نافذ العمل ہوگی اور کرایہ بھی بڑھایا جاسکے گا۔

قال العلامة خالد اتاسی: لو باع الآجر لما جور بدون اخذ المستاجر كان البيع نافذاً بين البائع والمشتري وان لم يكن نافذ بحق المستاجر حتى انه بعد انقضاء مدة الاجارة يلزم البائع في حق المشتري وليس له الامتناع عن اخذ المبيع الا ان يطلب تسليمه له من البائع قبل انقضاء مدة الاجارة الخ۔ (مجلد الاحکام، مادہ ۵۹ ص ۳۱۵ الفصل الثانی فی تصرف العاقدین فی المأجور بعد العقد)۔
 اقل العلامة ابن یزاز: استاجر معلماً لتعليم ولده القرآن والحرفة في سنة قمضت ستة اشهر ولم يعلم شيئاً له فسح الاجارة۔ (فتاویٰ ابن رازیة علی ہاشم الہندیہ ج ۵ ص ۳۹ کتاب الاجارة۔ نوع فی تعلیم القرآن والحرف) و مثله فی الاشباه والنظائر ج ۳ ص ۱۳۹ کتاب الاجارة۔

لہ قال العلامة محمد کامل الطرابلسی: سئل عن استاجر داراً ثم باعها لآخر حتى تبطل اجارة بهذا البيع فالجواب انه رفع للخير لعل مثل هذا السؤال فاجاب عليه بما نصه لا يبطل الاجارة بهذا البيع بالاجماع وحكم البيع انه موقوف يصح ينفذ وليس بغير المشتري فسح والمشتري بالخيار علم ولم يعلم في الاصح۔ وفي الخانية يتوقف على الاجارة المستاجر في اصح الروايات۔

(فتاویٰ کا ملیہ ۱۹۴ کتاب الاجارہ، مطلب استاجر داراً ثم باعها كان البيع موقفاً)

و مثله فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۳۹ کتاب الاجارات۔

میوزک سنٹر کے لیے دوکان کرایہ پر دینے کا حکم | سوال :- آجکل اکثر میوزک سنٹر کے لیے مخصوص دوکانیں بنائی جاتی ہیں اور پھر کرایہ پر دی جاتی ہیں کیا یہ کرایہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- معاصی کے امور کے لیے مکان یا دوکان کرایہ پر دینے میں چونکہ گناہ میں اجیرینات شریک نہیں اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکان یا دوکان کے اجارہ لینے میں کوئی قباحت نہیں جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ اجارہ قبیح ہے تاہم چونکہ اس میں تعاون علی الاثم کا ایک گونا گونا موجود ہے اس لیے اس قسم کے افعال قبیحہ کے لیے مکان یا دوکان کو اجارہ (کرایہ) پر دینا کراہت سے خالی نہیں۔

وفی الہندیۃ ، و اذا استاجر الذمی من المسلم داراً یسکنها فلا بأس بذلك وان شرب فیہا الخمر او عید فیہا الصلیب او ادخل فیہا الخنا ذیر ولم یلمح المسلم فی ذلک بأس لان المسلم لا یؤاجر ہا لذلک انما آجر ہا للمسکنی کذا فی المحیط۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۵ الفصل الرابع فی فساد الاجارۃ اذا کان المستاجر مشغولاً بغيرہ)۔

پگڑی دے کر دوکان یا مکان کرایہ پر لینے کا حکم | سوال :- آجکل کاروباری لوگوں میں یہ رواج عام ہو گیا ہے کہ ایک بھاری رقم جس کو عرف میں پگڑی کہا جاتا ہے، دے کر دوکان کرایہ پر لیا جاتا ہے۔ کیا پگڑی دے کر دوکان کرایہ پر لینا جائز ہے؟

الجواب :- دوکانات یا دیگر کاروباری مکانات پر پگڑی دینے کی دو صورتیں ہوتی ہیں: (۱) پگڑی اگر دوکاندار کو بصورت رشوت یا رین دی جاتی ہو تو مالک دوکان اور کرایہ دار دونوں

لے قال العلامة سراج الدین رحمہ اللہ : آجر بیتاً لیتخذ فیہ بیت نار او بیعة او کنسۃ او یباع فیہ الخمر لا بأس بہ عند ابی حنیفۃ خلافاً لہما۔ (فتاویٰ سراجیۃ علی ہامش قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب الاجارۃ۔ باب ما یکرہ من الاجارۃ وما لا یکرہ) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۱۱ کتاب الاجارۃ۔ الفصل العاشر فی الحضرة والباحۃ۔

کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲) اور اگر اجرت معجلہ کی صورت میں ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة محمد خالد تاسی رحمہ اللہ: تلزم الاجرة بالتعجيل یعنی لو سلم المستاجر الاجرة نقداً ملکها الاجر وليس للمستاجر استردادها سواء كانت الاجارة منجزة او مضافة۔ [الہندیہ]۔ (مجلۃ الاحکام، مادۃ ۲۶ ص ۲۶۱ الفصل الثانی فی بیان المسائل المتعلقة بسبب لزوم الاجرة وکفیۃ استحقاق الاجرة) ۱۔

آفات کی وجہ سے اجرت ساقط ہوتی سوال: ایک شخص نے دس کنال زمین اجارہ پر لے کر اس میں گندم کاشت کی، اس کے

بعد حکومت نے قریبی قصبے کو سیلاب سے بچانے کے لیے اس زمین سے بہت ساری مٹی اٹھالی جس سے زمین کو بہت نقصان پہنچا اور فصل بالکل تباہ ہو گئی، تو اس صورت میں اجارہ کی رقم موجر کو دینا پڑے گی یا کہ نہیں؟

الجواب: حکومت کے مٹی اٹھانے کی وجہ سے اگر یہ زمین ناقابل کاشت ہو گئی ہو تو ناقابل کاشت ہونے کے بعد والی مدت کی اجرت ساقط ہو جائے گی اور ناقابل کاشت ہونے سے قبل کی اجرت ساقط نہ ہوگی۔

قال العلامة ابن بدین عا^۱ فاذا استاجر للزراعة فاصطلم الزرع آفة وجب منه ما قبل الاصطلام وسقط ما بعده۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۶۱ باب ضمان الاجير۔ مبحث اختلاف الموجر والمستاجر) ۲۔
قال العلامة ابن نجيم^۳ في شرح الطحاوي الاجرة لا تخلو اما ان تكون معجلة او مؤجلة او منجزة او مسكوتا عنها فان كانت معجلة فان له يملكها وله ان يطالب بها وان كانت مؤجلة فليس له ان يطالب بالبعد الاجل وان كانت منجزة فله ان يطالب عند كل نجم۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۵۸ كتاب الاجارات) ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۱۰۳ كتاب الاجارة۔

۲۔ قال العلامة ابن اليزاد الكردي^۳ استاجر أرضاً للزراعة فزرعها وصاب الزرع آفة او غرق الارض فعليه الاجر على الكمال ولو غرق قبل الزرع فلا اجر عليه قال في المحيط والفتاوى على انه اذا بقي بعد هلاك الزرع مدة لا يتمكن من إعادة الزراعة لا يجب الزراعة الاجر على المستاجر والا يجب اذا تمكن من زراعة مثل الاول۔

(البرزانية على هامش الہندیۃ ج ۵ ص ۵۹ باب الثالث فی الضیاع والعقار) ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۱ باب التاسع عشر فی فسخ الاجارة بالعذر۔

سوال :- ایک آدمی نے کسی دوسرے آدمی سے بیس ہزار روپے سالانہ اجارہ سے عقدِ اجارہ بھی فاسد ہوتا ہے جن شروط سے بیع فاسد ہوتی ہے انہی شروط دیئے اور یہ شرط لگائی کہ اگر مستاجر میعاد پوری ہونے سے قبل زمین چھوڑنا چاہے تو بھی مالک زمین کو پانچ ہزار روپے پورے دینے پڑیں گے، تو کیا ایسا اجارہ شرعاً درست ہے ؟

الجواب :- یہ اجارہ شروطِ فاسدہ کی وجہ سے درست نہیں ہے کیونکہ اس میں تعیینِ مدت نہیں ہے، ہاں اگر اقالہ کا وعدہ صلب عقد میں ہوا ہے تو ناجائز نہیں ہے لیکن بقدرِ مدت کے رقم ملے گی۔

قال العلامة ابی عابدین رحمہ اللہ یرتفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما افسد البيع (مما مر ريفسدها) كجهالة ما جاور او اجرة او مدة او عمل وكشرط طعام عبد و علف دابة و مرممة الدار او مغارمها و عشرا و خراج او مؤونة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۱ باب اجارة الفاسدة) لہ

سوال :- گودام سے چوری ہونے والے مال میں چوکیدار پر ضمان نہیں | جہاں مختلف

لوگوں کا غلہ اور دیگر سامان رکھا ہوتا ہے وہاں سے اگر کسی کا سامان گم ہو جائے تو ضمان کس پر ہے جبکہ گودام کی حفاظت کے لیے چوکیدار بھی موجود ہے ؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ میں گودام کے چوکیدار پر ضمان نہیں ہے اور نہ ہی مستاجر ضامن ہے۔

قال العلامة سليم رستم با رحمہ اللہ : قال فی جامع الفصولین استوجر

العلیہ السلام علامہ محمد کامل الطرابلسی، ففی التنبیہ و شرحہ للعلانی تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما افسد البيع یفسدھا كجهالة ما جاور او اجرة او مدة او عمل الخ رفاوی کا ملیہ ص ۱۹۲ کتاب الاجارة۔ مطلب تفسد الاجارة یا شترائط التمیم ونحوہ۔ ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۲ کتاب الاجارة۔ باب الاجارة الفاسدة۔

رجل لحفظ خات او حوانيت فضا ع شى قيل يضمن عند ابي يوسف و محمد
لوضاع من خارج الحجرة لانه اجير مشترك وقيل لا في الصحيح وبه
يفتى لانه اجير خاص الا يرى انه لو اراد ان يشغل نفسه في صنع آخر
لم يكن له ذلك ولو ضاع من داخلها بان نقب اللص فلا يضمن -

(شرح مجلة الاحكام مادة ۳۲۹ الفصل الثالث في ضمان ماله)

کسی سفارت خانے سے ویزہ کے نکلوانے پر رقم لینا جائز نہیں | سوال ایک
شخص کسی غیر ملکی

سفارت خانے سے ویزہ لینا چاہتا ہے جس پر کل دس ہزار روپے خرچ آتا ہے، لیکن چند
وجوہات کی بنا پر وہ ویزہ لینے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اب ایک دوسرا آدمی اُسے یہ کہتا
ہے کہ اگر تم مجھے تیس ہزار روپے دے دو تو میں تمہارے لیے ویزے کا انتظام کر
سکتا ہوں، اور دونوں کے درمیان تیس ہزار روپے پر معاہدہ ہو گیا، تو کیا اس صورت
میں یہ رقم لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر ویزہ اس شخص کا حق بنتا ہو مگر بغیر رشوت کے حاصل نہیں کر سکتا، ہو
تو پھر دینے والے کے لیے رشوت حرام نہیں ہے البتہ لینے والے کے لیے حرام ہے
ہاں اگر اس آدمی کو باقاعدہ طور پر ایک یا دو دلوں کے لیے اجیر بنا دیا جائے تو پھر لینے
اور دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: اهل بلدة ثقلت عليهم المئونات فاستاجروا
رجالا باجر معلوم ليذهب الي السلطان ويرفع القصة ليخفف عنهم السلطان
نوع تخفيف واخذ الاجر من عامة اهل البلدة من الاغنياء والفقراء قالوا
ان كان بحال لوذهب الي بلدة السلطان يتھيا له اصلاح الامر في يوم او يومين

العلامة ابن البرزاز الكردي: نقب حانوت رجل واخذ متاعه لايضمن حارس الحوانيت
على ما عليه الفتوى لان الامتعة معروسة يا بوايها ومحيطانها والحارس يجرى الابواب

(البرزازية على هامش الهندية ج ۵ ص ۹۲ نوع المتفرقات)

ومثله في تنقيح الحامدية ج ۱۱ كتاب الاجارة -

جازت الاجارة وان كان بحال لا يحصل المقصود في يوم او يومين وانما يحصل في
مدة فان وقتوا الاجارة وقتاً جازت الاجارة وله كل المسمى وان لم يوقتوا فسد
الاجارة وكان له اجر المثل على اهل البلدة على قدر مؤنتهم ومنافعهم۔
(فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۱۸۱ باب الاجارة الفاسدة)

مسئلہ فقیر السطان کا حکم جناب مفتی صاحب اہمارے علاقے میں آٹا پیسنے والی
مشینیں عام ہیں، لوگ آٹا پسوانے کے لیے گندم وغیرہ
لاتے ہیں اور مالک مشین نقد کی بجائے بیسواں یا تیسواں حقہ آٹا پیسنے کے عوض اجرت کے
طور پر لیتے ہیں، کیا ایسا اجارہ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ صورت قبیلہ فقیر السطان سے ہے یعنی کسی ایسی چیز کو اجرت
میں متعین کرنا ہے جو اجیر کے عمل سے وجود میں آتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس قسم کے اجارہ سے منع فرمایا ہے، اس کے صحیح یا ناجائز ہونے پر بہت سی
صورتیں موقوف ہیں، ہاں اگر بغیر تعین کے اسی جنس سے پہلے یا بعد میں اجرت دی جائے تو
بالاتفاق جائز ہے۔ شارح بلخ نے لہجے علاقہ میں ابتداء عوام و خواص کی بناء پر روٹے
کے بارے میں جواز کا فتویٰ دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں اس کا ذکر ہے۔ لیکن
آج کل چونکہ کثیر بلاد میں یہ طریقہ مروج ہے مگر فقیر السطان کا مسئلہ جوں کا توں رہے گا۔
عرف کی وجہ سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

لہ وفي الهندية في الكبرى اهل بلدة ثقلت عليهم مؤنات العمل فاستاجروا رجلاً
باجرة معلومة ليذهب ويرفع امرهم الى سلطان الاعظم ليخفف عنهم بعض الحيف
واخذ الاجرة من عامتهم غنيهم وفقيرهم ذكروها فقالوا انه ان كان بحال لوذهب
الى بلد السلطان تهيأ له اصلاح الامر يوماً او يومين جازت الاجارة وان كان
بحال لا يحصل ذلك الامدة فان وقتوا الاجارة وقتاً معلوماً فالاجارة جائزة والاجر
كله له وانه لو يوقتوا فهي فاسدة وله اجر مثله۔

والفتاویٰ السہندیہ ج ۴ ص ۵۲ الباب الثانی والثلاثون فی المتفرقات۔

وَمَثَلُهُ فِي شَرْحِ مَجْلَةِ الْأَحْكَامِ لِسُلَيْمِ رَسْتَمِ مَادَّةُ ۵۷ ص ۳۱ الفصل الرابع في اجارة الآدمي۔

قال العلامة برهان الدين الصرغيتا في رحمه الله: ومن دفع الى حائله
باعتد بالنصف فله اجر مثله وكذا اذا استاجر حملاً يحمل عليه طعاماً
سده فالاجارة فاسدة لانه جعل الاجر بعض ما يخرج من عمله فيصير
قضيير الطحان وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عنه -

(الهداية ج ۲ ص ۳۵۵ باب الاجارة الفاسدة كتاب الاجازات) له

مشاہی کی ایک عبارت کی وضاحت | سوال :- جناب مفتی صاحب! شاہی

مطلوب ہے :- عن المحيط ما اخذتہ الزانية ان كان بعقد الاجارة فحلل عند
ابی حنيفة لان اجر المثل في الاجارة الفاسدة طيب - کیا واقعی امام صاحب زنا
پر اجرت کو حلال سمجھتے تھے؟

الجواب :- اولاً تو امام صاحب کی طرف اس کی نسبت ہی صحیح نہیں اس لیے کہ
امام صاحب جیسی متقی اور پاکباز شخصیت یہ بات کیسے کہہ سکتی ہے کہ زنا جیسے قبیح عمل پر
اجرت لینا حلال ہے -

قال العلامة الرافعي: لما رقيه وبعيد عن الامام المعروف بالورع - (التقديرات
ج ۲ ص ۲۶۳ باب الاجارة الفاسدة) - البتة بصورة صحت توجیه یہ ممکن ہے کہ اجارہ میں اصل معقودہ علیہ
زنا نہیں بلکہ ایک امر مباح مثلاً گھر کا کام کاج ہے مگر اس کے ساتھ زنا بطور شرط ٹھہرائی جائے
جیسے اجارہ فاسد ہو جائے لیکن اصل عقد کی وجہ سے اجرت حلال ہے اگرچہ
اس کے ضمن میں زنا بھی ہوتا رہے -

له قال العلامة الحصكفي رحمة الله: ولو دفع غزلاً لاخر لينسجه له بنصفه اي بنصف
الغزل او استاجر بغلا ليحمل طعامه بعضه او ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه فسد في
الكل لانه استاجر به بجزء من عمله والاصل في ذلك نهيه صلى الله عليه وسلم
عن قضيير الطحان وقد مناه في بيع الوفاء والحيلة ان يفر من الاجر
اذا وليته قضييراً بلا تعيين ثم يعطيه قضييراً منه فيجوز -

(الدر المختار على صمد مراد المختار ج ۲ ص ۵۶۶ باب الاجارة الفاسدة)

ومثله في الهندية ج ۲ ص ۲۲۲ الفصل الثالث في قضيير الطحان -

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل یہ رواج عام ہے کہ اجارہ پر جانور پالتے کا طریقہ مالدار آدمی کسی تنگدست کے لیے جانور خریدتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم اسے پالو اس کا جو بچہ ہوگا وہ دونوں کا مشترک ہوگا۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے جواز کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ میں چونکہ اجرتِ مجہول ہے اس لیے یہ معاملہ درست نہیں، البتہ اس کے جواز کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مالدار آدمی جانور لے کر اس کی قیمت لگا دے اور پھر نصف نصف کرے اور چرانے والا اس کو قبول کر کے نصف قیمت ادا کرنے لگے تو اسے نصف قیمت کی ادائیگی سے بری کر دے اور پھر اس سے کہے کہ تم اس کی پرورش کرو اور اس سے ہونے والا بچہ ہم دونوں کا مشترک ہوگا، اگر وہ منظور کرے تب تو دونوں اس جانور کے بچے میں برابر کے شریک ہو سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

سوال :- کسی شخص نے مشروط میعاد سے قبل دوکان خالی کرنے پر کل میعاد کے کرایہ کا حکم ایک دوکان تین سال

کے لیے کرایہ پر لی، مالک دوکان نے کرایہ دار سے یہ طے کیا کہ چاہے تم اس میں پورے تین سال تک کاروبار کرو یا کم، کرایہ تین سال کا ہی ادا کرو گے، کرایہ دار نے یہ شرط قبول کر کے کاروبار شروع کر دیا، ایک سال کے اندر اندر دو مرتبہ دوکان سے چوری ہو گئی، کرایہ دار مالک دوکان اور اس کے بیٹوں پر شک کرتا ہے جبکہ اس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں کہ دعویٰ کو ثابت کر سکے۔ اور اب وہ اس عذر کی بناء پر دوکان خالی کرنا چاہتا ہے مگر مالک دوکان پورے تین سال کا کرایہ لینے پر مصر ہے، یاد رہے کہ مقررہ میعاد پوری ہونے پر دو سال باقی ہیں۔ تو کیا مالک دوکان بقیہ میعاد کے کرایہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب :- حسبِ معاہدہ اگرچہ دوکان کا مالک جملہ میعاد کے کرایہ کا حقدار ہے مگر عذر شرعی کی بناء پر دوکان خالی کرنے کے بعد والی میعاد کا کرایہ وصول نہیں کر سکتا اور نہ اس کو یہ حق حاصل ہے۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: یہ خالی کرنا اگر کسی عذر سے ہے تو کل کرایہ وصول نہ کیا جاوے گا ورنہ وصول کیا جاوے گا۔

(املاذ الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۸ کتاب الاجارہ)

رشوت کے ذریعے حاصل کیے ہوئے ٹھیکہ کی کمائی کا حکم | سوال :- ایک شخص نے رشوت
دے کر کسی کام کا ٹھیکہ حاصل
کیا، پھر شرعی حدود کی خلاف کیے بغیر وہ کام پورا کر کے کچھ کمایا، تو کیا یہ کمائی اس شخص کے لیے
حلال اور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- رشوت یا دیگر غیر شرعی طریقوں سے حاصل کیا ہوا ٹھیکہ یا کوئی بھی کام فی نفسہ
جائز نہیں، اور پھر شرعی حدود کی خلاف ورزی کیے بغیر وہ عمل کر کے کچھ کمانا اس عامل کیلئے
قابل اعتراض نہیں، اگرچہ رشوت دینا اور لینا حرام ہے۔

وفی الہندیۃ: سئل محمد بن مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ عن رجل سرق ما
واسالہ الی ارضہ وکرمہ فأجاب انہ یطیب لہ ما خرج بمنزلۃ رجل غصب
شعیراً وتیناً وسمن بہ دابة فانتہیجب علیہ مثل ما غصب وما زاد فی
الدابة طیب لہ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۴۵، ۳۴۶ کتاب الکراہیۃ، الباب
الثلثون فی المتفرقات)

کمیشن لینے کی شرعی حیثیت | سوال :- جناب مفتی صاحب! عصر حاضر میں کمیشن کا بہت رواج
ہے، مثلاً ایک کاریگر کسی شخص کے لیے دوکان سے سامان لیتے جاتا
ہے، وہ شخص کاریگر پر اعتماد کرتا ہے کہ میرے لیے عمدہ سامان کم قیمت پر خریدے گا۔ جبکہ بائع (دکاندار)
کاریگر کو کمیشن دے کر کم قیمت کا سامان اس پر ہنگے داموں فروخت کرتا ہے، شرعاً اس کمیشن کا
کیا حکم ہے؟

الجواب :- دوکاندار (بائع) طرف سے اس خریدار (کاریگر) کو کوئی رقم وغیرہ دینا ناجائز نہیں
ہے، تجارت کی طرف سے یہ اکرام تجارت کو فروغ دینے کیلئے کیا جاتا ہے اور یہ اصول تجارت میں شمار ہے
البتہ اس کاریگر کے لیے یہ رقم لینا اس وقت جائز ہے جبکہ وہ باقاعدہ تگ و دو سے وہ چیز خریدے اور
پہلے سے کمیشن لینے کی شرط نہ لگائے اور طمع سے دل کو خالی کرے، یعنی دل میں یہ فیصلہ کرے کہ اگر یہ
دوکاندار مجھے کمیشن نہ بھی دے تو میں سوائے طبعی بوجھ کے دیگر اثر سے متاثر نہ ہوں گا۔

قال العلامة ابن عابدین: ولو قضی حاجتہ بلا شرط ولا طمع فإهدی الیہ بعد
ذلك فهو حلال لا بأس بہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۲ فی اقسام الرشوة)

ولما قال العلامة الكاساني: والقياس في استئجار الطير بطعامها وكسوتها انه لا يجوز وهو قول أبي يونس
ومحمد الجهمالة الاجرة وهي لطعام والكسوة الا ان ابا خنيفة استحسن الجواز بالنص وهو قول غزوجل وعليه المولود
له رزقهن وكسوتهن بالمعروف من غير فصل بين ما اذا كانت الوالدة منكوبة او مطلقة وقوله وجل و
على الوارث مثل ذلك اي الرزق والكسوة وذلك يكون بعد موت المولود..... وقوله الاجرة مجهولة لكن الجهمالة
لا تمنع صحة العقد لعينها بل لافضاؤها الى المناذعة وجهالة الاجرة في هذا الباب لا تفضي الى المناذعة لان العادة
جرت بالمساحمة مع الاطوار والتوسيع عليهن شفقة على الاولاد فاشبهت جهالة القضاة من البصرة -

(ردائع الصنائع ج ۲ ص ۱۹۳ کتاب الاجارة. مطلب فيما يرجع الى المعقود عليه)

کام میں کاوٹ پیدا ہونے کے خوف سے ٹھیکیدار کا فہران بالا کو رشوت دینا سوال: جناب مفتی صاحب ادرج ذیل

مسئلہ کے متعلق قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں :-
(۱) ایک آدمی سرکاری ٹھیکہ لیتا ہے تو سرکاری آفیسر اس سے بارہ یا پندرہ فیصد ضرور کمیشن
لیتے ہیں اور اگر کوئی ٹھیکیدار کمیشن نہ دے تو اس کے کام میں رکاوٹ پیدا کر دیتے ہیں نیز سرکاری
آفیسر اس کمیشن کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کام کی نگرانی کرتے ہیں اپنا
وقت ضائع کرتے ہیں۔ ٹھیکیدار بامجبوری مذکورہ کمیشن دیتا ہے کیونکہ اس کا ذریعہ معاش یہی
ہے۔ تو کیا ٹھیکیدار کے لیے اس طرح ٹھیکہ لینا جائز ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں؟
(۲) روزہ کی خاطر اگر کوئی عورت ایسی گولی استعمال کرے کہ اس کا حیض رک جائے تو کیا روزہ
کی خاطر حیض روکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ٹھیکہ دینے کے بدلے جو افسران ٹھیکیدار سے کمیشن کے نام پر پیسے لیتے
ہیں وہ رشوت میں داخل ہے، کام کی نگرانی کرنا ان کا فریضہ منصبی ہے اس کے بدلے وہ حکومت
سے تنخواہ لیتے ہیں۔ لہذا اگر ٹھیکیدار ٹھیکہ لینے کا حقدار ہو اور بغیر رشوت کے اسے ٹھیکہ نہ دیا
جاتا، ہونو بحالت مجبوری اس کو تو رشوت دینا مقرر ہے مگر افسران بالا کیلئے لینا ہرگز حلال نہیں۔
ٹھیکیداری کرنا ایک مباح کام ہے اصول اور دیانتداری سے کرنا چاہیے۔

(۲) حیض بند کرنے کے لیے گولیاں استعمال کرنا کوئی ممنوع عمل نہیں اور نہ اس سے روزہ
پر کوئی فرق پڑتا ہے تاہم اگر طبی لحاظ سے ایسا کرنا مضر ہو تو اس سے اجتناب کرنا بہتر
مناسب ہے۔

امام مسجد کا حق امامت سے زیادہ چھٹیاں کرنا | سوال :- ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب مہینے میں دس دن غائب رہتے

ہیں اور بیس دن حاضر، جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ اتنی غیر حاضری کیوں کرتے ہیں؟ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ میں تمہارا امام ہوں یہ میرا حق ہے، تمہیں مجھ سے پوچھنے کا کوئی حق نہیں۔ تو کیا اتنی زیادہ غیر حاضریاں کرنا واقعی شرعاً امام کا حق ہے، اگر ہے تو کتنے دن تک امام غیر حاضری کر سکتا ہے؟ تفصیلی جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب :- ننخواہ دار شخص کی تعطیلات کا دار و مدار عرف پر مبنی ہے عرف میں جتنے ایام اس کی تعطیل کے ہوں گے اتنے دن چھٹی کرنا اس کا حق ہے، باقی عرف سے زیادہ چھٹیاں کرنا قابل گرفت ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ کے نزدیک سال بھر میں پندرہ دن تک کی چھٹی قابل معافی ہے۔ لہذا مذکورہ امام مسجد اگر سال یا مہینہ میں عرف (طے شد معاہدہ) کے مطابق غیر حاضر رہتا ہو تو اس کا مواخذہ کرنا درست نہیں اور اگر عرف سے زیادہ غیر حاضر رہتا ہو تو قابل گرفت ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: اما يترك الامامة لزيادة..... في الرسا يتيق اسبوعاً او نحوه او لمصيبة او لاستراحة فلا بأس به ومثله عفو في العادة والشرع۔ (رد المحتار بحوالہ عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۶۶۵ کتاب الاجارات)

نماز جنازہ پڑھانے کی اجرت لینا | سوال :- بعض علاقوں میں رواج ہے کہ جب کوئی امام مسجد کسی میت کا جنازہ پڑھائے تو میت

کے ورثاء اس کو ایک جوڑا کپڑے اور کچھ نقدی بھی دیتے ہیں، اُمراء کے علاوہ فقراء اور نادار لوگ بھی اس رسم کو پورا کرنے پر مجبور ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- کسی مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا یا پڑھانا فرض کفایہ ہے اور اس کا حکم

لے قال العلامة مفتی عزیز الرحمنؒ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام کو اپنی ضروریات یا راحت کیلئے ایک ہفتہ یا اس کے قریب یعنی پندرہ دن سے کم تک غیر حاضری عرفاً و شرعاً جائز ہے۔ پھر آگے تصریح کی ہے کہ ظاہراً مراد یہ ہے کہ اگر سال بھر میں ہفتہ دو ہفتے غیر حاضری ہو تو معاف ہے۔

(عزیز الفتاویٰ و فتاویٰ دارالعلوم دیوبند) جلد ۱ ص ۶۶۵ کتاب الاجارات

ہے کہ اس قسم کی مراعات ملازمین کے لیے حقوق ہیں کہ بغیر کسی ملازم کی اجازت و رضامندی کے کوئی اور ان مراعات کو حاصل نہیں کر سکتا، نیز قانونی تحفظ کی وجہ سے یہ حقوق ایک قیمتی سرمایہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، اس لیے متاخرین فقہاء کرام نے اس قسم کے (حق النزول) حقوق سے دستبردار ہو کر مالی معاوضہ لینے کو جائز قرار دیا ہے، حکومت کی گولڈن ہینڈ شیک سکیم کی حیثیت بھی انہی حقوق کی طرح ہے، اس لیے ملازمین کا اپنی مدت ملازمت ختم ہونے سے قبل استعفا دینے کے عوض سرکاری یا نیم سرکاری اداروں سے پیسے لینا جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: قوله ويفتي بجواز النزول عن الوظائف بمال
قال العلامة العيني: في فتاوه ليس للنزول شيء يعتمد عليه ولكن العلماء
والحكام مشوا ذلك للضرورة واشتراطوا مضامير المناظر مثلاً يقع فيه نزاع....
في باب القسم بين الزوجات انه سمع من بعض شيوخه الكبار انه يمكن ان يحكم
بصحّة النزول عن الوظائف الدينية قياساً على ترك المرأة قسمها لصاحبته لان كلا
منها محرر اسقاط.... واستدل بعضهم للجواز بنزول سيدنا الحسن بن علي رضي الله عنه
عن الخلافة لمعاوية رضي الله تعالى عنه على عوض وهو ظاهر ايضاً وهذا اولى مما قدمنا
في الوقف عن الخيرية من عدم الجواز ومن ان المفروع له الرجوع بالبدل بناء على ان
المذهب عدم اعتياض العرف الخاص وانه لا يجوز الاعتياض عن مجرد الحق لما علمت من
ان الجواز ليس مبني على اعتبار العرف الخاص بل على ما ذكرنا من نظائره الدالة عليه
وان عدم جواز الاعتياض عن الحق ليس على اطلاقه ورايت بخط بعض العلماء عن المفتي
ابي السعوي انه اُفتي بجواز احد العوض في حق القراء والتصرف وعدم صحّة الرجوع وبالمجمل فالمسئلة طيبة
والنظار متشابهة للبحث فيها مجال - (رد المحتار ج ۴ ص ۵۹۹) كتاب البيوع مطلب النزول عن الوظائف بمال

لما قال العلامة خالد اتاسي، اقول وعلى ما ذكره من جواز الاعتياض عن الحق المبحر بمال ينبغي ان يجوز
الاعتياض عن حق التقلى وعن حق الشرب وعن حق المسيل بمال لان هذه الحقوق لم تثبت لصحابها لاجل
دفع الضرر عنهم بل تثبت لهم ابتداءً بحق شرعي.... فاذا انزل عنه لغيره بمال معلوم ينبغي
ان يجوز ذلك على وجه الفراغ والصلى لا على وجه البيع كما جاز النزول عن الوظائف -

(شرح المجمل لخالد اتاسي ج ۲ ص ۲۸۱ كتاب البيوع قبل الفصل الثالث)

نائی رجحام کو دوکان کرایہ پر دینے کا حکم | سوال :- کیا کسی نائی رجحام کو دوکان وغیرہ کرایہ پر دینا جائز ہے؟ جبکہ یہ لوگوں کو جسے دار بھی موندتے اور بال یہودیوں کی طرح بناتے ہیں، حالانکہ ارشاد قرآنی ہے: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ الخ (یعنی گناہ کے کاموں میں کسی سے تعاون نہ کرو) اس لحاظ سے کسی نائی رجحام کو دوکان وغیرہ کرایہ پر دینے والا تعاون علی المعصیت کا مرتکب تو نہیں ہوگا؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب :- حجامت کا پیشہ ایک ضروری عمل ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، لیکن اس میں شرعی حدود و قیود کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے، اگر اس میں خلاف شرع عمل کیا جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی ناجائز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کام (رجحامت وغیرہ) کے لیے دوکان یا مکان کرایہ پر دینا بھی تعاون علی المعصیت ہے جو بنص قرآنی حرام ہے لہذا خلاف شرع حجامت بنانے والے نائی رجحام کو مکان یا دوکان کرایہ پر دینا صحیح نہیں اور نہ اس کی آمدنی درست ہے۔

اجارہ فاسدہ کے جواز کی صورت | سوال :- ایک شخص نے اپنی ٹیکسی کسی ڈرائیور کو اس شرط پر دی کہ تم اس کو چلاؤ جو منافع ہوگا اس میں ۶ فیصد میرا ہوگا اور ۴ فیصد آپ کا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شرعاً یہ اجارہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اجارہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ مقدار اجرت اور مدت وغیرہ متعین ہو، اگر کہیں اجرت یا مدت میں جہالت آجائے تو اجارہ فاسد ہو جائے گا اسلئے کہ جہالت مفسد فی الزراع ہوتی ہے اور عموماً جھگڑا اور فساد پیدا کرتی ہے۔ صورت مشولہ میں اجرت اگرچہ مجہول ہے جسکی وجہ سے اجارہ فاسد ہونا چاہیئے، مگر آجکل چونکہ اس طرح کے معاملات بکثرت ہوتے ہیں اور لوگ ایسے معاملہ کو مفسد فی الزراع نہیں بناتے، اسلئے مذکورہ معاملہ بھی درست ہے کیونکہ فساد نہ ہونے کی صورت میں معاملہ فی ذاتہ درست اور صحیح ہوتا ہے البتہ کسی فاسد وصف کی وجہ سے اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور جب اس فساد کی علت ختم ہو جائے تو وہ معاملہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے۔ فقہی ذخائر میں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں اور ویسے بھی عموم بلوی کی وجہ سے احکام تبدیل ہوتے ہی رہتے ہیں۔

لما قال العلامة الحنفی: الفاسد من العقود ما كان مشروعاً باصله دون وصفه۔

(الدر المختار علی صدر رمہ المختار ج ۶ ص ۳۵۱ باب الاجارۃ الفاسدۃ)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام
اس مسئلہ کے بارے میں کہ:-
مدرسہ کیلئے پورے سال کی تنخواہ کا حکم

کا اجیر ہوتا ہے، کیا اس کا وظیفہ سالانہ اجرت کی بنیاد پر ہوتا ہے یا ماہانہ اجرت کی بنیاد پر،
اس کی وضاحت فرمائیں؟

(۲) یہ کہ ایک مدرسہ کے مدرس کو مدرسہ کی مجلس شوریٰ نے اخلاقی جرائم میں ملوث ہونے اور
دیگر غیر اخلاقی حرکات کی وجہ سے مدرسہ سے نکال دیا ہے، تو کیا ایسا مدرسہ سال کے باقی دنوں
کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب: دینی مدارس کے مدرس کی حیثیت اجیر خاص کی ہے اور وہ اجرت کا تب
مستحق ہوتا ہے جب وہ مدرسہ کے عمل کے لیے اپنا آپ کو مدرسہ کے حوالے کر دے اور
ساتھ ہی اس میں مدرسہ کی طرف سے تفویض کردہ کام کرنے کی صلاحیت بھی ہو، اگر کسی وجہ سے اس
میں یہ صلاحیت مفقود ہو جائے اور وہ نااہل ثابت ہو جائے اور مدرسہ کی انتظامیہ اس کو نااہلیت
کی بناء پر ذمہ داری (ملازمت) سے سبکدوش کر دے تو وہ سال کے بقیہ دنوں کی تنخواہ کا حقدار نہ ہوگا
اور اگر مدرسہ کی انتظامیہ بلا ضرورت اور بغیر کسی معقول عذر کے اس کو قبل از وقت مقررہ سبکدوش
کر دے تو وہ سال کے باقی دنوں یا مہینوں کی تنخواہ کا حقدار ہے۔

(۲) لہذا صورت مسئلہ کے مطابق اگر مدرسہ کو اخلاقی جرائم اور دیگر ناپسندیدہ حرکات کی وجہ سے
مدرسہ سے نکالا گیا ہو تو اس کو سال کے باقی دنوں یا مہینوں کی تنخواہ کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا۔
اگرچہ دینی مدارس میں عرف کی بناء پر ایک مدرس اپنی پوری صلاحیت اور اہلیت کے ساتھ
سال بھر کا اجیر ہوتا ہے اور اگر مدرسہ کی انتظامیہ اس کو بلا ضرورت و بلا عذر کے نکالنا چاہے
تو اس مدرس کو بقیہ ایام کی تنخواہ دی جائے گی۔

لما فی مجلة الاحکام: الاجیر یرستحق الاجرة اذا کان فی مدة الاجارة حاضراً
للعمل ولا یشتراط عمله بالفعل ولكن لیس لہ ان یمتنع عن العمل واذا امتنع
لا یرستحق الاجرة۔ (رد المحتار فی شرح مجلة الاحکام ج ۱ ص ۵۸)

لما فی احسن الفتاویٰ: اگر مدرس کو واقعہ نااہلیت کی بناء پر معزول کیا گیا ہے تو وہ
شعبان تک کی تنخواہ کا مستحق نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۲۸۶)

وفی احسن الفتاویٰ : طلباء کو کم ہونے کا عذر قابل قبول نہیں، اگر مستہم نے بلا ضرورت مدرس رکھا ہے تو پورے سال کی تنخواہ اپنے پاس سے دے کیونکہ عقد تدریس مسانہہ ہے۔

(احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۲۹۵)

وهكذا فی احسن الفتاویٰ : مدرسین سے عقد مسانہہ ہے لہذا بہر صورت ابتداء سوال سے انتہاء رمضان تک پوری تنخواہ دی جائے گی۔ (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۲۸۲)

یہاں یہ یاد رہے کہ احسن الفتاویٰ سے مؤخر الذکر جوابات کا مقصد یہ ہے کہ مدرس میں صلاحت اور اہلیت ہونے کے باوجود اہل اہتمام اس کو بلا وجہ شرعی معزول کریں تو مابعد کے مہینوں کی تنخواہ کا مدرس حقدار ہے، ورنہ نا اہلیت کی وجہ سے برطرفی کی صورت میں مابعد کے مہینوں کی تنخواہ نہیں۔

ایام تعطیل کی تنخواہ کا حکم | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ دینی مدرسہ کے ایک مدرس نے مدرسہ کی سالانہ تعطیلات کے بعد مدرسہ کی انتظامیہ کو اپنا استعفا پیش کر دیا۔ تو کیا عند الشریعہ اور قوانین مدارس دینیہ کی رو سے یہ مدرس ایام تعطیل کی تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب : فقہاء کرام نے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدرس ایام تعطیل کی تنخواہ کا مستحق ہے، مگر اس کے لیے فقہاء کی عبارتوں سے چند شرائط بھی معلوم ہوتی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ مدرس کے ساتھ پہلے سے یہ طے نہیں کیا گیا ہو کہ آپ کو ایام تعطیل کی تنخواہ نہیں ملے گی، جو کچھ تنخواہ تمہارے لیے مقرر ہے وہ صرف ایام تدریس ہی میں تمہیں دی جایا کرے گی۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مدرس ایام تعطیل کے بعد بھی کام کرنے (تدریس) کا ارادہ رکھتا ہو اور اپنی طرف سے کام کو چھوڑے بھی نہیں۔

تو جب یہ دو شرطیں موجود ہوں تو پھر مدرس ایام تعطیل کی تنخواہ کا مستحق ہے، کیونکہ یہ تعطیلات بھی ایک طرح سے تدریس ہی کے حکم میں ہیں کہ ان میں آئندہ تدریس کے لیے مدرس کو آرام اور استراحت ملتی ہے جو آئندہ کام کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اگر تقرری کے وقت ہی مدرس سے یہ طے کر لیا جائے کہ آپ کو صرف تدریس کے دنوں کی تنخواہ

ملے گی ایام تعطیل کی نہیں تو اس صورت میں مدرس ایام تعطیل کی تنخواہ کا حقدار نہیں ہوگا ، شرعی قانون یہ ہے کہ الشرط املتک — اسی طرح اگر عرف وہاں منتظمین مدارس کا یہ ہو کہ عام مدرسین اور ملازمین کو تعطیلات کے دنوں کی تنخواہ نہ ملا کرتی ہو تو اس صورت میں بھی ایام تعطیل کی تنخواہ نہیں ملے گی کہ المعروف کالشروط اور العادة محكمة ۔

نیز اگر کوئی مدرس مزید کام کرنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوئے خود استعفا پیش کر کے کام کرنا چھوڑ دے تو پھر بھی وہ تنخواہ کا مستحق اس بنا پر نہیں ہے کہ نہ تو تدریس کا کام اس نے کیا ہے نہ تعطیلات آئندہ کے لیے کام کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں ۔

در مختار (جلد ۲ صفحہ ۵۲۵) میں ہے : وهل يأخذ المدرس أيام البطالة كعبد و رمضان ؟ لمراً وينبغي الحاقه بطلالة القاضي واختلفوا فيها ولا حزم انه يأخذ لاته لا استراحتہ (اشباه عن قاعدة العادة محكمة ام)

علامہ شامی اس عبارت کے تحت لکھتے ہیں : قال في الاشباه وقد اختلفوا في اخذ القاضي ما في بيت المال في يوم ابطالة فقال في المحيط انه يأخذ لانه يستريح لليوم الثاني وقيل لا ام وفي المنية القاضي يستحق الكفاية من بيت المال في يوم البطالة في الاصح وفي الوهبانية انه الاظهر فينبغي ان يكون كذلك في المدرس لان يوم البطالة للاستراحة وفي الحقيقة تكون للمطالعة والتحرير عند ذوى المهمة — والدر المختار جلد ۳ صفحہ ۵۲۵ ان عبارتوں میں استحقاق کے لیے علت استراحت بیان کی گئی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ استحقاق اس وقت ہوتا ہے جب آئندہ کام کرنے کا ارادہ ہو اور کام کو خود نہ چھوڑے تو تعطیل کا حکم چونکہ تدریس کا ہوگا اور علمائے سمجھا جائے گا کہ مدرس تعطیل کے ایام میں برسرکار ہے اور گویا وہ تدریس ہی میں مشغول ہے اس لیے وہ تنخواہ کا بھی مستحق ہوگا ۔

صورت مسئلہ میں چونکہ مدرس نے خود استعفا دے کر آئندہ کام نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اس لیے تعطیل کے ایام اس کے حق میں آئندہ تدریس کے لیے ممد و معاون ثابت نہیں ہو سکتے ہیں اور حقیقتاً تدریس میں مشغول بھی نہیں ہے اس لیے ایام تعطیل کی تنخواہ کا بھی مستحق نہیں رہے گا ۔

سوال : کیا قرأتیں علمائے کرام کے آجل بعض دینی مدارس میں بھی داخلہ و امانہ فیس کا حکم ؟
 سالانہ یا امانہ فیس لی جاتی ہے کیا یہ خیراً جائز ہے جبکہ فیس کی رقم سے

طلبہ کی بودوباش اور مدرسہ کے مدرسین اور دیگر ملازمین کی تنخواہوں کا انتظام کیا جاتا ہے
 الجواب :- یہ کوئی جبری معاملہ نہیں بلکہ داخلہ لینے والے کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس شرط کو منظور کر کے داخلہ
 یا شرط نامہ منظور کر کے داخلہ نہ لے۔ اور نہ یہ اجرت ہے بلکہ اس کی حیثیت چنڈہ کی ہے اور چنڈہ میں شرط لگانا جائز
 ہے۔ کہانی امداد الاحکام ۶۰۲/۳۔ الجواب :- جائز ہے کیونکہ یہ اجرت نہیں اور چنڈہ ہے اور
 چنڈہ میں شرط جائز ہے کیونکہ اس سے جبر لازم نہیں آتا جس کو منظور نہ ہوگی اس کو عدم داخلہ کا اختیار ہوگا۔

اجرت الدلال پر اشکال کا جواب | سوال : جناب مفتی صاحب ! فتاویٰ حقانیہ ۲۰۰/۶ میں

دلالی پر اجرت لینے کو جائز لکھا گیا ہے۔ اسی پر مجھے اشکال
 پیدا ہوا ہے کہ دلالی پر اجرت قفیز اللطمان کی طرح ہے اسی لئے کہ ایک تو دلال جزاء من العمل
 ہے رہا ہے۔ اور دوم دلال قادر بقدرۃ الغیر ہے کیونکہ جب تک اس چیز کو دوسرا شخص خرید کا نہیں
 دلال فروخت کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ براہ کرم میری اس اشکال کو حل فرمائیں۔

الجواب :- دراصل دلالی کی اجرت کے جواز کا فتویٰ خلاف القیاس ہے۔ اور یہ فتویٰ عوام کی
 سہولت اور حاجت کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ لہذا قال ابن عابدین (قولہ او مدۃ) (لا ینما استثنیٰ

قال فی البرازیلہ اجارۃ السمسار والمناوی والحامی والصلاکی ما لا یقدم فیہ الوقت ولا رۃ
 العمل تجوز لہما کان للناس نہ خاتو یطیب الاجر لما جور لوقدہ اجر المثلہ (رد المحتار ۵/۳۲ کتاب العا)

سفارش پر اجرت لینے کا حکم | سوال :- اگر ایک شخص اپنے کسی جائز کام کے لیے
 کسی سے افسران بالا کے ہاں سفارش کرائے تاکہ وہ اس
 کام کو کر دیں، تو کیا سفارش کرنے والا شخص اپنے اس عمل (سفارش) پر اجرت کا مطالبہ کر سکتا
 ہے یا نہیں؟

الجواب : کسی کے جائز کام کی سفارش کرنا کار ثواب ہے، اس کے علاوہ دل غیر متقوم
 بھی ہے، اس لیے ان دونوں وجوہ کی بناء پر اجرت کا مطالبہ کرنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانوی : (الجواب) وجہ منع صرف اجرت علی الطاعۃ
 میں منحصر نہیں، یہ بھی احد الوجوہ ہے، دوسری وجہ منع کی اس عمل کا غیر متقوم عند الشرع ہونا
 ہے جیسا کہ فقہاء نے اجارہ اشجار التجفیف الثاب کو منع کہا ہے، پس شفاعت
 بھی غیر متقوم ہے۔ الخ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۲۲ کتاب الاجارہ)

ترین اجارہ پر دینے کی ایک قسم | سوال ۱۔ جناب مفتی صاحب! بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لوگ اپنی زمین کاشتکاروں کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ مثلاً دس کنال زمین پر ہر چھ ماہ بعد فی کنال پانچ من گندم اور پانچ من مکئی کاشتکار مالک زمین کو دے گا اور فصل کی کاشت پر اٹھنے والے اخراجات کاشتکار کے ذمہ ہوں گے اور اسے مکمل اختیار حاصل ہوگا کہ وہ جو فصل چاہے کاشت کرے، مگر مالک زمین کو وہ فصلانہ کے طور پر گندم اور مکئی دے گا۔ تو کیا ایسا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئلہ میں بیان کردہ صورت مزارعت کی نہیں بلکہ اجارہ کی ہے اور اجارہ میں ہر وہ چیز اجرت بن سکتی ہے جس کا تجارت میں ثمن بننا صحیح ہو، چونکہ گندم اور مکئی دونوں مال مقوم ہیں اسلئے ان کو اجرت قرار دینا صحیح ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی، وما یصلح ثمنًا یصلح اجرة۔ (الهدایۃ ج ۱ کتاب الاجارۃ) اور اسی طرح زمین کو اجارہ پر دینا بھی شرعاً درست ہے اس لیے کہ اجارہ کا مقصد کسی چیز سے فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: ایضاً، ویجوز استیجار الارض للزراعة لانها منفعة مقصوۃ وللمستأجر الشرب والطریق۔ (الهدایۃ ج ۱ کتاب الاجارۃ) مگر اس معاملہ میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ۱۔

۱۔ مدت اجارہ کا تعین ہو۔

۲۔ جو چیز کاشت کرنی ہو وہ بیان کر دی جائے یا کاشتکار کو مکمل اختیار دیا جائے جیسا کہ صورت مسئلہ میں درج ہے۔

۳۔ اجرت میں گندم یا مکئی کے ساتھ اسی زمین کی پیداوار کی قید نہ لگائی جائے اور نہ اس زمین کے کسی خاص حصے کی پیداوار کی شرط لگائے البتہ جو گندم یا مکئی اجرت کے طور پر یعنی ہو اس کی صفت اعلیٰ، ادنیٰ اور متوسط کا پہلے سے تعین کر لیا جائے تاکہ عقد اجارہ میں کوئی نامناسب حالات پیدا نہ ہو جائیں۔ (فقط واللہ اعلم)



جار المكافآت بالمكافآت من غيره

کتاب الشفعة

(شفعہ کے احکام و مسائل)

شفعہ کے حقدار | سوال :- از روئے شرع شفعہ کرنے کا حق کس کو حاصل ہے؟
الجواب :- شریعت مقدسہ نے سب سے پہلے شریک فی نفس المبیعہ کو شفعہ کا حقدار قرار دیا ہے، اس کے بعد شریک فی حقوق المبیع کو جبکہ آخر میں جارہمسایہ کو شفعہ کا حقدار ٹھہرایا ہے۔

لما قال الشيخ ابوالحسن احمد بن محمد البغدادی القدوری : الشفعة واجبةٌ للمخلیط في نفس المبيع ثمَّ للمخلیط في حق المبيع كالشرب والطريق ثمَّ للجار۔
 (مختصر القدوری ص ۱۲ کتاب الشفعة) لہ

تبادلہ میں حق شفعہ کا اثبات | سوال :- اگر کوئی شخص اپنی زمین کے کسی قطعہ کا دوسرے شخص کی زمین سے تبادلہ کرے تو کیا اس تبادلہ سے حق شفعہ ثابت ہوگا یا نہیں؟ اگر شفعہ زمین کو لینا چاہے تو اس کے ذمہ زمین کی ادائیگی لازم ہوگی یا قیمت دینا ہوگی؟

الجواب :- جہاں تک شفعہ کے اثبات کا مسئلہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ عقار کے تبادلہ میں ہر ایک کو شفعہ کا حق حاصل رہتا ہے، اس لیے کہ حق شفعہ کے تمام تر وجوہات یہاں بھی موجود ہو سکتے ہیں، تاہم زمین ذوات القیم ہونے کی وجہ سے زمین کی جگہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی : ومن اشترى داراً يعوض

لہ قال العلامة ابوالبركات محمود النسفی : وتجب للمخلیط في نفس المبيع ثم في حق المبيع كالشرب والطريق ان كان خاصاً ثم للجار والملاحق۔

(کنز الدقائق ص ۲۰ کتاب الشفعة)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى صَدْرِ رَدِّ الْمَخْتَارِ ج ۶ ص ۲۱۹-۲۲۰ کتاب الشفعة۔

اخذها الشفيع بقيمتها لانه من ذوات القيم وان باع عقاراً بعقار
اخذ الشفيع كل واحد منهما بقيمة الآخر لانه بدله وهو من ذوات القيم
فياخذ بقيمتها - (الهداية ج ۲ ص ۳۹۶ كتاب الشفعة) ۱

حق شفعہ کو فروخت کرنا | سوال :- اگر شفیع مشتری سے حق شفعہ کے عوض
مال طلب کر کے اپنا حق شفعہ چھوڑنے پر آمادگی ظاہر

کرے تو شفیع کے لیے مشتری سے ایسی رقم لینے کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟
الجواب :- حق شفعہ کے باق کرنے کے عوض رقم لینا حرام اور واجب الرد
ہے کیونکہ یہ حق مجرد ہے جس کے لیے حذر سے صرف ضرر و زائد جہول شفعہ ہے تاہم اگر شفیع ایسی
حرمت پر اقدام کرے تو اس سے حق شفعہ ساقط ہو کر مشتری کی ملکیت خریدی ہوئی
جائیداد میں مٹو کر ہو جاتی ہے۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني : وان صالح من شفيعه على
عوض بطلت شفيعته ورد العوض - (الهداية ج ۲ ص ۴۰۲ كتاب الشفعة) ۲
قبل البیع مصالحت سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا | سوال :- اگر باقاعدہ خرید و فروخت

معاہدہ کر کے مصالحت کی ہو تو کیا بیع کے بعد دوبارہ شفیع کو دعویٰ شفعہ کا حق حاصل
ہے یا نہیں ؟

الجواب : حق شفعہ کا ثبوت بیع پر مرتب ہوتا ہے، قبل البیع چونکہ اس کی

۱۔ قال الشيخ ابوبکر بن علي الحداد اليميني : ومن اشترى داراً بعوض اخذ الشفيع
بقيمتها لانه من ذوات القيم وان اشترىها بمكيل او موزون اخذها بمثله لانه
من ذوات الامثال - (الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۳۲۱ كتاب الشفعة)
وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى صَدْرِهِ دَلِيلُ الْمَخْتَارِ ج ۲ ص ۲۳۱ كتاب الشفعة -

۲۔ قال العلامة ابوالبركات محمود النسفي : وتبطل بالصلم عن شفيعته على عوض
وعليه ردّه - (كنز الدقائق ص ۴۰۵ كتاب الشفعة)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۱۸۴ الباب التاسع فيما يبطل به حق الشفعة -

کوئی حقیقت نہیں ہوتی اس لیے خرید و فروخت سے قبل ایسی مصالحت اسقاط شفعہ پر مؤثر نہیں بلکہ بیع کے بعد شقیع کو بدستور حق شفعہ حاصل رہے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین ابوبکر الکاسانی: ولا يصح تسليم الشفعة قبل البيع لانه اسقاط الحق واسقاط الحق قبل وجوبه ووجود سبب وجوبه حال۔ (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۱۹ کتاب الشفعة) ۱

متعدد شفعاء میں سے بعض کے اسقاط سے دوسرے متاثر نہیں ہوتے | سوال اگر

شفعہ کا حق رکھتے ہوں اور ان میں سے بعض اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں تو کیا اس سے دوسرے شرکا پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ حق شفعہ میں ہر مقدار کا استحقاق مستقل ہوتا ہے، ان میں سے کسی ایک کے اپنے حق سے دستبردار ہونے سے دوسرے مقدار کا حق زائل نہیں ہوتا بلکہ قبل القضاء کسی ایک شریک کا اسقاط کرنے سے دیگر تمام شرکاء کو فائدہ ہوگا جس کی رو سے دوسرے شرکاء اس کے مجملہ حق شفعہ کے مقدار ہوں گے۔

لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی: ولو اسقط بعضهم حقه قبل القضاء لهم كان من بقی ان يأخذ الكل لان السبب لاستحقاق الكل قد وجد.... بخلاف ما اذا اسقط حقه بعد القضاء حيث لا يكون له ان يأخذ نصيب التارك لانه بالقضاء قطع حق كل واحد منهم في نصيب الآخر۔

(تبیین الحقائق ج ۵ ص ۲۲ کتاب الشفعة) ۲

۱۔ و ذکر فی الہندیۃ: تسلیم الشفعة قبل البیع لا یصح ویعد کاصح۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۱۸۲ الباب التاسع فیما یبطل به الشفعة)

وَمِثْلُهُ فِي مَشْرَحِ الْمَجْلَةِ لَشَيْخِ سَلِيمٍ وَسْتَمَّ يَزِيدُ مَادَّةً ۵۷۳۔

۲۔ قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی: (اسقط بعضهم حقه) من الشفعة (بعد القضاء) فلو قبله فلن يبقی أخذ الكل لنوال المزا حمة وليس لمن بقی أخذ نصيب التارك لانه بالقضاء قطع حق كل واحد منهم في نصيب الآخر۔ (الدر المختار علی مدرد المختار ج ۶ ص ۲۲ کتاب الشفعة)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّاغِقِ شَرْحِ كَنْزِ الدَّقَائِقِ ج ۷ ص ۱۲۸ کتاب الشفعة۔

دھوکہ دہی سے حق شفیع متاثر نہیں ہوتا | سوال :- بسا اوقات بائع اور مشتری باہم رقم ظاہر کرتے ہیں جس کی وجہ سے بیعہ کا لینا شفیع کے لیے ممکن نہیں رہتا۔ اس صورت میں اگر شفیع ناقابل تحمل قیمت کی وجہ سے شفیع چھوڑ دے اور بعد میں کسی معتبر ذریعہ سے ان کا دھوکہ ظاہر ہو کر اصل قیمت معلوم ہو جائے تو کیا سابقہ اسقاط کے بعد بھی شفیع اپنا حق شفیع استعمال کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- ایسے دھوکے سے حق شفیع کے اسقاط پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جب بھی شفیع پر بائع اور مشتری کے دھوکہ کی حقیقت ظاہر ہو تو سابقہ اسقاط کا اعتبار نہیں رہتا اب بھی شفیع اپنا حق استعمال کر کے مشتری سے بیعہ لے سکتا ہے۔

لما قال الامام ابو الحسين احمد بن محمد البغدادی القنوری : واذا بلغ الشفیع انها بیعت بالف فسلم الشفعة ثم علم انها بیعت باقل من ذلك او بجنطة او شعیر قیمتھا الف او اکثر فتسلیمہ باطل وله الشفعة۔ (مختصر القنوری ص ۱۶۲ کتاب الشفعة)۔

مشترکہ زمین کا کچھ حصہ خریدنے سے حق شفیع ساقط نہیں ہوتا | سوال :- ایک کے مابین مشترکہ ہے، ان میں سے ایک نے دوسرے ساتھی کا حصہ خرید لیا تو باقی شرکائے اس پر حق شفیع کا دعویٰ کر دیا، تو کیا از روئے شرع یہ مشتری اپنے دیگر شرکاء کے ساتھ حق شفیع میں شریک ہوگا یا بسبب شراک اس کا حق ساقط متصور ہوگا ؟

الجواب :- مشترکہ زمین میں کسی شراکت دار کا حصہ خریدنا کوئی ایسا فعل نہیں جس سے مشتری کی بیزاری سمجھی جائے، بلکہ بسا اوقات کسی زمین یا گھر کی خریداری سے حق شفیع کا اثبات مقصود ہوتا ہے اس لیے خریدار دوسرے شفعاء کے ساتھ شفیع

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی : واذا بلغ الشفیع انها بیعت بالف درهم فلم تعلم انها بیعت باقل او بجنطة او شعیر قیمتھا الف او اکثر فتسلیمہ باطل وله الشفعة۔ (الہدایۃ ج ۴ ص ۲۰۵ کتاب الشفعة) ومثله فی کنز الدقائق ص ۲۰۵ کتاب الشفعة۔

میں شریک رہے گا۔

لما قال العلامة برهان الدين المرعيني: واذا اجمع الشفعاء فالشفعة
بينهم على عدد رؤسهم ولا يعتبر اختلاف الاملاك -

(الهداية ج ۲ ص ۳۸۹ کتاب الشفعة) ۱۷

وقف شدہ زمین پر کسی کو شفعہ کا حق نہیں | سوال :- اگر کوئی شخص اپنی جائیداد

جزوی یا کلی طور پر کسی مسجد یا مدرسہ کے لیے باقاعدہ وقف کر دے تو کیا اس سے اس کے شرکاء یا ہمسایہ کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب :- حق شفعہ کے ثبوت کے لیے مالی معاوضہ کا ہونا بنیادی شرائط میں سے ہے، وقف میں یہ حقیقت مفقود ہوتی ہے، اس میں واقف کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی ضمانت اور خوشنودی کا حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لیے مسجد مدرسہ یا کسی دوسرے رفاہی ادارہ کے لیے وقف کی ہوئی چیز پر کسی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة شمس الدين محمد بن عبد الله القمري تاشي: الشفعة تملك البقعة
جبر على المشتري بما قال عليه ولا شفعة في الوقف -

(تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۲۱۶، ۲۲۳ کتاب الشفعة) ۱۸
برساتی نالے سے حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا | سوال :- کیا وہ خشک نالہ جس میں صرف
بارش کا پانی بہتا ہو اسے حق شفعہ ثابت

لما قال الشيخ ابوالحسن احمد بن محمد البغدادي القدری: واذا اجمع لشفعاء فالشفعة بينهم على
عدا رؤسهم ولا يعتبر باختلاف الاملاك - (مختصر القدری ص ۱۶۲ کتاب الشفعة)
ومثله في شرح مجلة الاحكام للشيخ سليم رستم باز مادة ۵۶۶ مادة ۱۰۱۳ -

۱۹ لما قال الشيخ سليم رستم باز: الشفعة هي تملك الملك المشتري لما قام على المشتري
من الثمن - (شرح مجلة الاحكام مادة ۹۵ ص ۵۳۷)

وقال ايضا: ولا تجرى الشفعة في السفينة وسائر المنقولات وعقار الوقف والارض
الامير - (شرح مجلة الاحكام مادة ۱۰۱۷ ص ۵۶۸)

ومثله في كنز الدقائق ص ۴۰۳ وتنقيح الحامدية ج ۲ ص ۱۸۲ کتاب الشفعة -

ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت نے جہاں کسی کو شریک فی حقوق المبیع میں شفعہ کا حق دیا ہے وہاں اس میں یہ شرط بھی رکھی ہے کہ حقوق خاص انہی کا منتفاع ہو۔ چونکہ خشک نالے میں یہ شرط مفقود ہے اس لیے اس سے حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة ابوالبركات احمد بن محمود النسفی: تجب للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع كالشرب والطریق ان كان خاصاً۔ (کنز الدقائق ص ۲۴ کتاب الشفعة) ۱۷

سوال: طلب مواثبت واثمہا کی جملہ ذمہ داریوں کے ناپائے کے بعد طلب نصومت میں کتنی مدت تک

تاخیر سے ایسے حق پر اثر نہیں پڑتا؟

الجواب: مفتی بہ قول کی رو سے بغیر کسی معقول عذر کے ایک مہینہ تک تاخیر کرنا قابل تحمل ہے، اتنی مدت میں اپنے حق کے حصول سے غفلت اختیار کرنا حق چھوڑنے کے مترادف ہے، نیز بلا وجہ اتنی تاخیر کرنا بسا اوقات مشتری کی ایذا رسانی کا باعث بنتی ہے۔

لما قال العلامة فخرالدین عثمان بن علی الزلیعی: قال شیخ الاسلام الفتویٰ الیوم علی أنه اذا اُخِرَ شهراً اسقطت الشفعة لتغیر احوال الناس فی قصد الاضرار بالغير۔ (تلبین الحقائق ج ۵ ص ۲۲ کتاب الشفعة) ۱۸

۱۷ لما قال العلامة سلیم رستم باز: والثانی ان یکون خلیطاً فی حق المبیع کاشتراك فی حق الشرب الخاص والطریق الخاص۔

(شرح مجلة الاحکام مادة ۱۰۰۸ ص ۵۶۳)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرَجَةِ الْمُخْتَارَةِ عَلَى صَدْرِهِدَا الْمُخْتَارِ ج ۶ ص ۲۲ کتاب الشفعة۔

۱۸ وَذَكَرَ فِي الْهِنْدِيَّةِ: عَنْ مُحَمَّدٍ وَذَفَرٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ أَسْهَلَ وَتَرَكَ الْمَخَاصِمَةَ شَهْرًا مِنْ غَيْرِ عَذْرٍ تَبْطُلُ شَفَعَتُهُ وَالْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۱۴۳ الباب التاسع فيما يبطل به الشفعة)

وَمِثْلُهُ فِي تَنْقِيحِ الْحَامِدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۸۲ کتاب الشفعة۔

غیر مسلم کو حق شفعہ حاصل ہے | سوال :- ہمارے گاؤں میں ایک عیسائی صاحب جا بیدا ہے اس کے قریب ایک مسلمان نے اپنی زمین کسی دوسرے مسلمان پر فروخت کی، اب اس غیر مسلم عیسائی نے اُس زمین پر شفعہ کا دعویٰ کر دیا ہے، تو کیا کسی غیر مسلم کو مسلمان کی زمین پر شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام نے جس طرح ایک مسلمان کو شفعہ کا حق دیا ہے تو اسی طرح کافر غیر مسلم کو بھی شراکت یا جوار کی وجہ سے بیعہ پر شفعہ کا حقدار قرار دیا ہے، اس لیے صورتِ مسئلہ میں اُس عیسائی کا دعویٰ شفعہ درست ہے۔

قال العلامة الكاساني رحمه الله: أما اسلام الشفيع فليس بشرط لوجوب الشفعة فتجب لاهل الذمة فيما بينهم وللذمي على المسلم لان هذا حق التملك على المشتري بمنزلة الشراء منه والكافر والمسلم في ذلك سواء لانه من الامور الدنيوية - (بدائع الصنائع ج ۵ فصل شرائط الشفعة) -

سوال :- جناب مفتی صاحب! آج سے تقریباً ۱۴، ۱۵ سال پہلے میں نے ایک قطعہ زمین خریدا تھا، اب اس پر ایک نوجوان (جس کی عمر بھی ۱۴، ۱۵ سال کے لگ بھگ ہے) شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے اور میرا غالب گمان یہ ہے کہ جس وقت میں نے زمین خریدی تھی یہ لڑکا اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا، کیا اس لڑکے کو حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب :- آپ کی خریداری کے وقت اگر یہ لڑکا پیدا ہو چکا تھا تو اس کو بالغ ہونے تک شفعہ کا حق حاصل ہے، اور اگر پیدا نہیں ہوا تھا لیکن ماں کے پیٹ میں تھا پھر بھی شریعت اسلامی اس کو شفعہ کا حق دار قرار دیتی ہے بشرطیکہ آپ کے زمین خریدنے

لہ قال الشيخ وهبة الزحيلي: وثبتت الشفعة عند المالكية والشافعية والظاهرية للذمي الكافر على المسلم كما قال الحنفية..... والتفق الفقهاء على ان الشفعة تثبت للذمي على الذمي - (الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۸۳ المبحث الثالث الشفيع) ومثله في الباب شرح الكتاب (الميراثي) ج ۲ ص ۴۴ کتاب الشفعة -

اور بچے کی ولادت میں کم از کم چھ ماہ کی مدت ہو اور اگر اس سے زیادہ ہو تو پھر حق شفیع باطل ہے۔

وفي الهندية : والحمل في استحقاق الشفعة والكبير سواء فان وضعت
لاقل من ستة اشهر منذ وقع الشراء فله الشفعة وان جاءت به ستة
اشهر فصاعد منذ وقع الشراء فانه لا شفعة له لانه لم يثبت وجوده
وقت البيع - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۱۹۱ الباب الثاني عشر في شفعة الصبي) -

حق شفیع بن بلوغ تک موقوف ہوگا | سوال :- جناب مفتی صاحب! میری

صغیر سنی میں میری زمین کے قریب کچھ
زمین فروخت ہوئی تھی، اُس زمانے میں میرا کوئی ولی نہیں تھا اور اب میں بالغ ہو چکا
ہوں تو کیا اس زمین پر مجھے شرعاً حق شفیع حاصل ہے یا نہیں؟ جبکہ ایک صاحب نے
مجھے کہا ہے کہ مدت طویلہ گزر جانے کی وجہ سے آپ کا حق شفیع باطل ہو چکا ہے مہربانی
فرما کر شریعت کے مطابق میری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب :- شریعت اسلامی میں یہ ہے کہ جب شیفع نابالغ ہو تو اُس کے
باپ دادا کو شیفع کے لیے حق شفیع کا مطالبہ کرنا چاہیئے لیکن جس کا کوئی بھی ولی نہ ہو تو
تو یہ حق اُس کے سن بلوغ تک باقی رہے گا۔ اسی طرح اگر حقیقتاً اُس وقت آپ کا کوئی
ولی نہیں تھا اور آپ اب بالغ ہوئے ہیں تو آپ کو شفیع کا حق حاصل ہے، ایسی صورت
میں مدت طویلہ کا گزرنا آپ کے حق شفیع کو باطل نہیں کرتا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : الجواب نعم وفي الاصل الوصي
يطلب الشفعة للصغير ويقوم مقامه في لوازمها كالات والجد..... فان لم
يكن له احد من هؤلاء فهو على شفعته اذا ادرك فاذا ادرك وقد

له قال العلامة محمد الشہیر الطوروی رحمہ اللہ : صح تسليمهم الشفعة من
الاب والوصي والوكيل يعني ان الحمل والصغير في استحقاق الشفعة كالكبير
لاستوائيهما في سببه فيقوم بالطلب والاخذ والتسليم من يقوم مقامهما الخ

(البحر الرائق ج ۸ ص ۱۲۶ في اخذ كتاب الشفعة)

ثبت له خيار البلوغ والشفعة - اه (تتبع الحامدية ج ۲ ص ۱۸۲ کتاب الشفعة) له
سوال :- کیا بیع فاسد میں شفعہ کو شفعہ کا حق حاصل کیا نہیں؟
الجواب :- شفعہ کے لیے ضروری ہے کہ بیعہ بائع کی ملکیت
 سے کلی طور پر نکل چکا ہو، بیع فاسد میں بیعہ چونکہ بائع کی ملکیت میں حق قسح کے اسقاط تک
 باقی رہتا ہے اس لیے حق قسح یا بیعہ کو واپسی کے اسقاط تک شفعہ کو شفعہ کرنے کا شرعاً
 اختیار نہیں۔

لما فی مجلة الاحکام تحت المادة ۱۰۲۶ : يشترط ان يزول ملك البائع عن
 المبيع بناء عليه لا تجرى الشفعة في البيع الفاسد ما لم يسقط استرداد البائع -
 (در الاحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۸۲ الفصل الثاني في بيان شرائط الشفعة) ۲
شفعہ کا ہبہ صحیح نہیں | **سوال :- کیا کوئی شخص اپنا حق شفعہ کسی پر فروخت یا**
ہبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- شفعہ ایک ایسا حق ہے جو نہ تو فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی بطور
 ہبہ کسی کو دیا جاسکتا ہے، اگر کسی نے ایسی کر دیا تو اس کا حق شفعہ اس سے ساقط ہو جائے گا۔
 قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : ویبطلها صحۃ منہا علی عوض ۳ و یبطلها

لہ قال العلامة علی بن محمد الجماعی : ذکر فی الخانیۃ ان الخصم هو الصغار فی طلب الشفعة لہم ولیم
 الاباء والاجداد علی الترتیب السالف فی فصل بیع وفي الاصل الوصی یطلب الشفعة للیتیم
 ویقوم بلوازمہا کالاب والجد وان لہر یکن واحد منہم فہو علی شفعتہ اذا ادرك
 وقال محمد لا تبطل الشفعة ویقدر علی الاخذ بعد البلوغ فاذا بلغ وقد
 ثبت له خيار البلوغ - (آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین ج ۲ ص ۲۲۱ فصل فی الشفعة)
 ۳ قال الشیخ وہبۃ الزحیلی : الشرط الثالث ان یکون العقد صحیحاً اتفق
 الفقہاء علی ہذا الشرط لان المطلوب هو زوال حق البائع فی المبيع
 فلا تثبت الشفعة فی المشتري شراء فاسداً -

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۵ ص ۸۲ البحت الخامس شروط الشفعتہ)
 ومثله فی الہندیۃ ج ۵ ص ۱۶ کتاب الشفعة - الباب الاول -

بیع شفعتہ مال۔ قال ابن عابدینؒ لانتہا لیست بحق متقدراً فی المحلل بل مجرد حق التملک فلا یصح الاعتیاض عنہ۔ (رد المحتار ج ۶ ملک کتاب الشفعة۔ باب ما یبطلها ۱۷)

بیع وفاء پر شفوع کا حکم | سوال :- کیا بیع الوفاء میں شفیع بلیعہ پر شفوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- شفوع کے لیے ضروری ہے کہ بلیعہ بائع کی ملکیت سے مکمل طور پر نکل جائے، چونکہ بیع الوفاء میں بلیعہ ابھی تک بائع کی ملکیت میں ہے اس لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بیع الوفاء میں شفیع کو شفوع کا حق حاصل نہیں ہے۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي: الشروط الاول: اخروج العقار عن ملك صاحبه خروجا باتا يجب ان يزول ملك البائع عن العقار المبيع من طريق البات النهائي۔ (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۵ المبحث الخامس شروط الشفعة) ۲۷

اموال منقولہ پر شفوع صحیح نہیں | سوال :- جناب مفتی صاحب! کیا اموال منقولہ میں حق شفوع ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب :- شفوع وہ حق ہے جو ایک شخص کو اموال غیر منقولہ میں خریداری یا تبادلہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے لہذا اموال منقولہ میں حق شفوع ثابت نہیں اس لیے کہ حق شفوع کی مشروعیت جس فلسفہ ضرر کی وجہ سے ہوتی ہے وہ یہاں مفقود ہے۔

وفي مجلة الاحكام تحت المادة ۱۰۱: يشترط ان يكون المشفوع ملكاً عقارياً

قال العلامة الميذاني رحمہ اللہ: وان صالح من حق شفعتہ على عوض اخذہ او باعہ اياه بطلت الشفعة لوجود الاعراض ويرد العوض لبطلان الصلح والبيع لانها مجرد حق التملک فلا یصح الاعتیاض عنہ لانه رشوة۔

(اللباب شرح الكتاب (الشہیر میذانی) ج ۲ ملک کتاب الشفعة)
۲۷ وفي الہندیۃ: ومنها زوال ملك البائع عن المبيع فاذا انزل فلا تجب الشفعة كما في البيع بشرط الخيار۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۱۶ کتاب الشفعة۔ الباب الاول)

بناءً عليه لا تعزى الشفعة في السفينة وسائر المنقولات وعقار الوقف والأراضي
الاميرية - (درر بحكام شرح مجلة الأحكام ج ۲ ص ۴۷۰، الفصل الثاني
في بيان شرائط الشفعة) له

قتل عمد کے عوض لی گئی زمین پر شفعہ کرنا | سوال :- ایک شخص نے کسی آدمی کو

قتل کر دیا، علاقائی جرگہ نے راضی نامہ
کرتے ہوئے قاتل کی طرف سے کچھ زمین اور ایک لاکھ روپے نقد مع سوڑہ مقتول کی اولاد
کو دینے کا فیصلہ کیا۔ اب اس زمین کے قریب ایک مال دار آدمی کی زمین ہے اور اس
نے عدالت میں شفعہ کا دعویٰ کر دیا ہے اور کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے اس زمین
کی قیمت ۶۰ ہزار روپے ظاہر کی جبکہ حقیقت میں وہ زمین تین چار لاکھ روپے کی
ہے۔ تو کیا اس طرح قتل عمد پر صلح کے عوض لی گئی زمین پر کسی کو شفعہ کرنے کا حق حاصل

ہے یا نہیں؟

الجواب :- ثبوت شفعہ کے لیے چونکہ مشفوع زمین کے عوض معاوضہ کا ہونا ضروری
ہے جو صورت مشولہ میں مفقود ہے، اس بناء پر فقہاء کرام نے قتل عمد کی صلح میں دی
ہوئی زمین پر حق شفعہ کو معدوم قرار دیا ہے، لہذا مذکورہ صورت میں بھی اس زمین پر کسی کو شفعہ
کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة على حيد، رحمه الله: والصلح عن دم العمد فلا تثبت
الشفعة لانه لو تثبت الشفعة فيه للزم ان يأخذ الشفيع أماً بقيته
او مجاناً ولا يمكن الاخذ بالقيمة لأن المالك لذلك العقار لم يملكه بقيته

له قال الشيخ وهبة الزحيلي: اتفق المسلمون على ان الشفعة حق
في العقار من دور وارضين وبساتين وبؤرو ما يتبعها من بناء وشجر واختلفوا
فيما عداها فقررت المذاهب الاربعة انه لا شفعة في منقول
كالحيوان والثياب والعروض التجارية اهـ - (الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۴۹۵
المبحث الثاني، محل الشفعة)

ومثله في اسباب شرح الكتاب ج ۲ ص ۴۲۲ کتاب الشفعة -

حتیٰ یستطیع الشفیع اخذہ بالقیمۃ۔ (در الاحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۷۷۲)
المادة ۱۰۲، الفصل الثاني في بيان شرائط الشفعة) لہ

حق مہر میں دی گئی زمین پر شفعہ کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص بوقت نکاح
اپنی بیوی کو حق مہر میں کچھ زمین دیدے
تو کیا اس زمین پر کسی کو حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب :- حق شفعہ کے ثبوت کے لیے معاوضہ مالی ہونا ضروری ہے جو یہاں
مفقود ہے اس لیے احناف کے ہاں حق مہر میں دی گئی زمین پر کسی کو شفعہ کا حق
حاصل نہیں ہے۔

قال العلامة ابوالحسن القدوری رحمہ اللہ : ولا شفعة في الدامر التي
يتزوج الرجل عليها او يخالع المرأة بها۔ (الكتاب الشهير بمختصر القدوری
على صدر الباب ج ۲ ص ۴۵ کتاب الشفعة) لہ

صلح میں دی گئی جائیداد پر شفعہ کا حکم | سوال :- ایک شخص نے کسی آدمی
پر ایک لاکھ روپے کا دعویٰ کیا جبکہ
مدعا علیہ اس سے منکر ہے، لیکن مدعی کچھ زور آور رہے، اس پر علاقائی جرگہ نے دونوں کے

لہ قال الشيخ وهبة الزحيلي : لكن اختلفوا في التملك بعوض غير مالي فالمهر وبديل
الخلع او اجر طيب او حمام مثلاً او اجرة دار او عوض في الصلح عن دم عمد
فقال الحنفية والحنابلة يشترط ان يكون عقد المعاوضة مال بمال فلا شفعة
اذا كان العوض غير مال كما في هذه الاحوال لان الشئ في المعاوضة
غير المالية يشبه الموهوب والموروث۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۸۲)
المبحث الخامس شروط الشفعة)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۱۶ کتاب الشفعة۔ الباب الاول۔

لہ وفي الهندية : ولا تجب الشفعة في دار جعلت مهر امرأة او اجرة او
عوض عتق ام۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۱۶ کتاب الشفعة۔ الباب الاول۔

وَمِثْلُهُ فِي الدرس المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۲۳۶ کتاب الشفعة۔ باب ما ثبت في
اولا ثبت۔

در بیان اس طرح فیصلہ کیا کہ مدعا علیہ مدعی کو پانچ کناں زمین دے گا، جو کہ مدعا علیہ نے مدعی کو دیدی ہے۔ اب ایک تیسرا آدمی اس زمین پر شفعہ کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کو شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: حق شفعہ کے ثبوت کے لیے اموال غیر منقولہ کا یا بھی معاملہ مال کے عوض ہونا ضروری ہے، صورت مسئلہ میں معاملہ مالی ہے اگرچہ ایسا مصالحاً ہی ہوا ہے لیکن اس کے باوجود تیسرے شخص کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔

قال العلامة الكاساني: ومنها عقد المعاوضة وهو البيع او ما هو في معناه فلا تجب الشفعة فيما ليس بيع ولا بمعنى البيع حتى لا تجب بالهبة والصدقة والميراث والوصية..... وتجب الشفعة في الدار التي هي بدل الصلح سواء كان الصلح على الدار عن اقرار او الكا وسكوت لوجود معنى المعاوضة -

ردائع الصنائع ج ۵ من کتاب الشفعة وجوب الشفعة لہ

طلب اشہاد کے وقت حدود اربعہ بیان کرنے کا حکم | سوال: اگر کوئی شخص طلب اشہاد گواہوں کے

سامنے کر رہا ہو تو کیا اس کو بیعہ پر حق شفعہ کے اثبات کی وجہ اور بیعہ کا حدود اربعہ بیان کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ جب شفیع طلب مواثبات کے بعد گواہوں کے سامنے طلب اشہاد کر رہا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیعہ کا حدود اربعہ اور اپنا تعلق بیان کرے تاکہ بات میں کوئی پوشیدگی باقی نہ رہے۔

قال العلامة عبد الرحمن شيخ زادة: اويشهد على المشتري ولو غيذى يدان يقول له اطلب منك الشفعة في دار اشتريتها من فلان حدودها كذا او انا شقيعتها بالشركة في الدار والطريق لم بالجوار يدار حدودها كذا فسلمها

لہ وقی الہندیۃ: منها عقد المعاوضة وهو البيع او ما هو بمعناه فلا تجب الشفعة بما ليس بيع ولا بمعنى البيع..... وكذا تجب في الدار المصالح عنها عن اقرار -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ من کتاب الشفعة - الباب الاول)

لی فلا بد ان یبیین حدود الدارین مع کل واحدة من مراتب الثبوت .

(مجمع الانهر ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب الشفعة) ۱۷

طلب اشہاد میں تعدد شہداء کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! کیا طلب اشہاد کے لیے گواہوں کا ہونا ضروری ہے یا نہیں، اور کیا اس میں بھی دیگر معاملات کی طرح تعدد شہداء و دیگر شرائط کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- طلب مواثبت کے بعد شفع کے لیے ضروری ہے کہ وہ گواہوں کے سامنے بیع کے پاس یا بائع و مشتری میں سے کسی کے سامنے اپنے شفعہ کو طلب کرے مگر گواہوں کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ دو شرطوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے، (۱) یا تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا ضروری ہے۔ (۲) یا پھر عدالت کی شرط لازمی ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک کوئی شرط ضروری نہیں، متاخرین نے امام صاحبؒ کی رائے کو مفتی یہ قرار دیا ہے۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي : ويشترط في هذا الطلب ان يكون على قور الطلب الاول والاشهاد عليه بان يشهد الشفيع على رغبته بالشفعة رجلين او رجل وامرأتين .
(الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۸۲۹ مراحل طلب الشفعة) ۱۷

۱۷ قال العلامة علي حيدر: اويقول خطأ بالمشترى سواء كان المشتري قابضاً المشفوع ام كان غير قابض في حضور نصاب الشهادۃ من الشهود انك اشتريت العقار المحدود بالفلاية وبما انني خليط في حق البيع مثلاً فانا شفيعها وقد طلبت الموثبة وانني اطلبها الآن ايضاً وانتم ايها الشاهد ان اشهدا . (درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۴۹۲ تحت المادة ۱۰۳ الفصل الثالث) ۱۷
قال العلامة الكاساني رحمه الله : هل تشترط فيه العدد والعدالة اختلف اصحابنا فقال ابو حنيفة يشترط احد هذين اما العدد في الخبر رجلان او رجل وامرأتان واما العدالة . وقال ابو يوسف ومحمد لا يشترط فيه العدد ولا العدالة .

(ردائع الصنائع ج ۵ ص ۵۱ فصل بيان ما يتأكد به حق الشفعة)

وَمَثَلُهُ فِي مَجْمُوعَةِ قَوَانِينِ اِسْلَامِ ج ۷ ص ۲۲۲ کتاب الشفعة .

حق شفیعہ میں شریک فی الشرب مقدم ہے | سوال :- ایک جگہ زمین کا ایک

نے حق شفیعہ دائرہ کر دیا ہے مگر دونوں کے اسباب مختلف ہیں، ان میں سے ایک آدمی بائع کے ساتھ راستے میں شریک ہے اور دوسرا پانی میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو ان دونوں میں سے کس کو شفیعہ کا صحیح حقدار سمجھا جائے گا؟

الجواب :- شفیعہ کے ثبوت کے لیے اگرچہ دونوں اسباب مساوی ہیں لیکن باعتبار ضرر راستے کا شریک زیادہ مقدم ہے۔ اس لیے علماء نے شریک فی حق الشرب کو رکاب کے حق میں شریک پر مقدم کیا ہے، لہذا صورت مسئلہ میں پانی کا شریک حق شفیعہ میں دوسرے پر مقدم ہے۔

فی مجلۃ الاحکام تحت المادة ۱۰۶ :- حق الشرب مقدم علی حق الطريق۔
قال العلامة علی حیدر : تحتہا یعنی حق الشرب وحق الطريق وان كانا مستاوین من حیث کونہما من اسباب الشفعة لکن فی حال اجتماعہما یقدم حق الشرب علی حق الطريق۔ (در الاحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۲ ص ۶۶ قبل الفصل الثانی فی بیان شرائط الشفعة) لہ

مہر مسمیٰ کے عوض میں ملنے والی زمین شفیعہ کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب!

حق مہر میں پچاس ہزار روپیہ لکھوا دیا، اب عورت نے حق مہر کا مطالبہ کیا ہے تو شوہر نے نقدی نہ ہونے کی وجہ سے بیوی کو کچھ زمین دے دی، اس پر اس کے شوہر کے بھائی نے جو اس کے ساتھ اس زمین میں شریک ہے حق شفیعہ کا دعویٰ کر دیا ہے، تو کیا اس کو شرعاً شفیعہ کا حق حاصل ہے؟

لہ قال العلامة ابواہیم الحبلی رحمہ اللہ : لو شاركه احد فی الشرب و آخر فی الطريق فصاحب الشرب اولیٰ من صاحب الطريق۔

(الدر المنتقى علی هامش مجمع الانهر ج ۲ ص ۴۲ کتاب الشفعة)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَجْلَةِ لِخَالِدِ الْاِتَّاسِي ص ۸۵۲ الْمَادَّةُ ۱۰۶ قبل الفصل الثانی۔

الجواب :- حق مہر میں بیوی کو جو زمین دے دی جائے اگرچہ بشرعاً اس پر شفعہ ثابت نہیں ہوتا، مگر صورت مسئلہ میں معاملہ الگ ہے، یہ زمین عورت کو اس بیچاس ہزار روپے نقد حق مہر کے عوض دی گئی ہے جو کہ ایک مالی معاملہ ہے، اس لیے شوہر کے بھائی کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔

وفي الهندية: ولو تزوجها على مهر مسخي ثربا عها بذلك المهر دارا تعجب للشفيع فيها الشفعة وكذلك اذا تزوجها على غير مهر وقرض لها القاضي مهرًا ثربا عها بذلك المفروض تجب للشفيع فيها الشفعة۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۱۶۲ کتاب الشفعة۔ الباب الاول) لے

تحفہ کے عوض میں ملنے والی زمین پر شفعہ کرنے کا حکم | سوال :- ایک شخص اپنے دوست کیلئے تحفہ میں امریکہ کا ویزہ لایا تو دوست

نے شکریہ کے طور پر اپنی جائیداد میں سے کچھ اس کے نام میں کر دی، واہب کے بھائی کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے اس پر شفعہ کر دیا، تو کیا واہب کے بھائی کو شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟
الجواب :- ہبہ کی ہونی زمین پر اگرچہ شفعہ صحیح نہیں مگر صورت مسئلہ میں چونکہ معاملہ مالی ہے اس لیے فقہاء کرام نے شفعاء کو حق شفعہ کے ثبوت کی تصریح کی ہے بشرطیکہ جانبین نے اپنے اپنے موہوبہ پر قبضہ کر لیا ہو۔

قال العلامة الكاساني: لا تجب بالهبة والصدقة والميراث والوصية وان كانت

الهبة بشرط العوض فان تقابضا وجبت الشفعة لوجود معنى المعاوضة عند التقابض۔

(بدائع الصنائع ج ۵ فصل شرائط وجوب الشفعة) لے

قال العلامة ابن عابدین: اذ جعلت بدل مهر المثل او المسخي عند العقد بعد تثبت فيه الشفعة لانه

مبادلة مال بمال لانه بدل عا في ذمته من المهر۔ (رد المحتار ج ۶ کتاب الشفعة۔ باب تثبت هي فيه ولا تثبت)

وَمِثْلُهُ في بدائع الصنائع ج ۵ کتاب الشفعة، فصل في شرائط وجوب الشفعة۔

لے وفي مجلة الاحكام تحت المادة ۱۰۲۲: الهبة بشرط العوض في حكم البيع بناء عليه

لو ذهب وسلم احد داره المملوكة لآخر بشرط العوض يكون جارة الملاصق شفعيا۔

(درمہ الحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۴۷۷ الفصل الثاني في شرائط الشفعة)

وَمِثْلُهُ في درمہ الحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۴۷۷ الفصل الثاني في شرائط الشفعة۔

زمین کا تبادلہ کرنے پر حق شفیعہ ثابت ہے | سوال :- جناب مفتی صاحب! دو زمینوں کا تبادلہ کیا اور دونوں کے شفعا بھی موجود ہیں، اب ان دونوں میں سے کس زمین پر شفیعہ کیا جاسکتا ہے؟

الجواب :- چونکہ دونوں بد لین اموال غیر منقولہ ہیں اور معاملہ بھی مالی ہے اس لیے دونوں کی زمین قابل شفیعہ ہے لہذا دونوں کے شفعا کو حق شفیعہ حاصل ہے۔

قال العلامة الكاساني: منها معاوضة المال بالمال فلا تجب في معاوضة المال بغير المال ومنها معاوضة عين المال بالمال فلا تجب في معاوضة عين المال بماليس بعين المال - (بدائع الصنائع ج ۵^{۱۱} فصل شرائط وجوب الشفعة) ۱۷

بجسیت کر ایہ دار کسی کا حق شفیعہ ثابت نہیں ہوتا | سوال :- اگر کوئی شخص اپنا کمرے جو بد اخلاق اور بد کردار ہو تو کیا اس کا پڑوسی جو کہ اس کے ساتھ کرایہ کے مکان میں رہتا ہو اس پر شفیعہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہ حنفی میں شفیعہ کے استحقاق کے لیے شفیع کا اپنے ذریعہ شفیعہ کا مالک کا مالک ہونا ضروری ہے۔ صورت مسئلہ میں شفیع چونکہ مکان کا اصلی مالک نہیں بلکہ کرایہ دار ہے اس لیے اس کو شفیعہ کا حق حاصل نہیں۔

قال العلامة الكاساني: ملك الشفيع وقت الشراء في الدار التي ياخذها بالشفعة لا سبب الاستحقاق جوار الملك والسبب انما ينعقد سبباً عند وجود الشرط - (بدائع الصنائع ج ۵^{۱۲} فصل شرائط وجوب الشفعة) ۱۷

قال الشيخ وهبة الزحيلي: وان بيع عقار بعقار (مقايضة) وكان شفيعهما واحداً اخذ الشفيع كل واحد من العقارين بقيمة الآخر لانه بدل وهو من ذوات القيم فياخذ بقيمة وان اختلف شفيعهما ياخذ شفيع كل منهما ماله فيه الشفعة بقيمة الآخر -

(الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۸۱ المبحث الرابع في احكام الشفعة)

۲ قال الشيخ وهبة الزحيلي: اتفق الفقهاء على شرط كون الشفيع مالكا ما يشفع به قبل البيع واختلفوا في استمرار الملك حتى القضاء بالشفعة على رأيين فقال الحنفية يشترط استمرار ملك الشفيع حتى يقضى له بالشفعة ۴۱ - (الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۸۲ المبحث الخامس شروط الشفعة الشرط الرابع)

رجسٹری یا انتقال نہ ہونے کی صورت میں شفعہ کا حکم | سوال :- ایک شخص نے زمین فروخت کی لیکن ابھی تک قانونی طور پر باضابطہ رجسٹری نہیں ہو سکی، تو کیا شفعہ کا حق دار اس زمین پر شفعہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلامی نقطہ نظر سے بیع ایجاب و قبول سے تام ہو جاتی ہے، مروجہ قانون کے مطابق رجسٹری یا انتقال کی ضرورت نہیں، شفعہ کے لیے نفس ایجاب و قبول ہی کافی ہے۔

وفی مجلۃ الاحکام تحت المادة ۱۰۲: الشفعة لا تثبت الا بعقد البيع البات الصحيح۔
رد رس الاحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۲ ص ۷۷ الفصل الثاني في شرائط الشفعة له
مشتري کے مرنے سے شفعہ کا حق شفعہ باطل نہیں ہوتا | سوال :- ایک آدمی مثلاً زید مگر عمر کو اس کی ٹمبر نہ ہوئی اور اس دوران میں زید کا انتقال ہو گیا، ایک ہفتہ بعد عمر کو زمین خریدنے کی خبر ہوئی، اب عمر و شفعہ کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ میت پر شفعہ کرے یا اس کے وارثوں پر؟
الجواب :- واضح رہے کہ مشتری د خریدنے والے کے مرنے سے شفعہ کا حق شفعہ باطل نہیں ہوتا بلکہ شفعہ کا دعویٰ کرنا بدستور باقی ہے، البتہ مشتری کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء سے حق شفعہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

قال الامام القدوري: واذا مات المشتري لم تسقط الشفعة۔

رمختصر القدوري ص ۹۲ کتاب الشفعة

۱۔ قال الشيخ وهبة الزحيلي: الشرط الاول خروج العقار عن ملك صاحبه خروجا باتياجب ان يزول ملك البائع عن العقار المبيع من طريق البيع البات النهائي اللازم الذي لا خيار فيه۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۸۱ المبحث الخامس شروط الشفعة)
۲۔ وفي الهندية: ولا تبطل بموت المشتري وللشفيع ان يأخذ من ورثته۔ الخ
(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۸۲ الباب التاسع فيما يبطل به حق الشفعة بعد ثبوته وما لا يبطل) ومثله في الهداية ج ۴ ص ۴۲ کتاب الشفعة، باب ما تبطل به الشفعة۔

شفیع برابر ہوں تو دونوں شفعہ کا حق رکھتے ہیں | سوال :- ایک گھر دو گھروں کے درمیان واقع ہے، تینوں گھروں

کی پشت اور دروازے بھی ایک طرف ہیں اور راستہ بھی سب کا ایک ہے، اب درمیان والا گھر ایک پڑوسی نے خرید لیا ہے تو کیا دوسرا پڑوسی شفعہ کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں دوسرے پڑوسی کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے اور شفعہ کرنے کے بعد یہ خریدار ہوا گھر دونوں پڑوسیوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔

وفی الہندیۃ: ولو ان رجلاً اشتوی داراً وھو شفیعھا تحرّجاء شفیع مثله قضی القاضی بنصفھا وان جاء له شفیع اخر ولی منہ فان القاضی یقضی له بجمیع الدار وان جاء شفیع دونہ فلا شفعۃ له۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۱۷۸ ایاب السباسب فی الدار اذا بیعت ولہا شفعاء)

کسی کے حق شفعہ کو ختم کرنے کے لیے اصل رقم سے زائد لکھوانا | سوال :- آجکل مکان یا زمین کی خرید و فروخت میں یہ بات

عام ہے کہ مشتری بیعہ پر کسی کے شفعہ کرنے کے خوف سے بائع سے اصل رقم سے کئی گنا زائد رقم مثلاً دو لاکھ کی بجائے چار لاکھ روپے لکھوا لیتا ہے اور بائع بھی اس پر راضی ہوتا ہے۔ تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں مشتری کا ایسا کرنا شفعہ کے حق شفعہ کو دھوکہ اور فریب سے ساقط کرنے کے مترادف ہے اس لیے اس کا یہ عمل موجب گناہ ہے۔

لما قال العلامة تظواحد العثماني: اس طرح کرنا جائز نہیں ہے۔ (امداد الاحکام ج ۳ ص ۱۶۳)

لما قال العلامة الحصاقي: وكن لو كان الشريك غائباً فطلب الحاضر يقضى له بالشفعة (كلها) ثم اذا حضر وطلب قضى له بها (فلو مثل الاول قضى له بنصفه ولو فوقه فبكله ولو دونه منعه الخ۔ قال العلامة ابن عابدین: تحت قوله (فلو مثل الاول) ای لو كان الذي حضر مثل الاول كشريكين او جارين الخ۔ (الدالمختار علی صدر رد المحتار جلد ۶ ص ۲۲۲ کتاب الشفعۃ)

وَمَثَلُهُ فِي خَلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۴ ص ۲۵۵ کتاب الشفعۃ، الفصل الثاني في المقدمة :-

مسودہ قانون شفعہ پر مجلس شوریٰ میں گئی مقررہ

قانون شفعہ کا مسودہ ایوان میں پیش ہونے پر ۱۰ اپریل ۱۹۸۲ء کو دن بھر اس مسئلہ پر گرم بحث ہوئی کہ اس مسودہ کو عوام کے رائے سے حاصل کرنے کے لیے مشتہر کیا جائے اور آئندہ کسی موقع پر اسے زیر غور لایا جائے۔ مولانا سمیع الحق صاحب اس ضمن میں ایوان میں مختصر مگر پُر مغز اور مدلل تقریر کی جسے قانون شفعہ کے ساتھ مناسبت کے وجہ سے قادی حقایق میں شامل کیا جا رہا ہے۔

مرتبہ

جناب چیئرمین | مولانا سمیع الحق

مولانا سمیع الحق | یہ ایک اسلامی قانون کا مسودہ ہے اور یہ پہلا اسلامی قانون ہے جو اس ایوان میں آیا ہے، اصولی طور پر مجلس شوریٰ کا اہم مقصد اس ملک میں اسلامی قانون نافذ کرنا ہے، اور اس سہمت میں یہ ایک اہم آئٹم ہے۔ مجلس شوریٰ کے لیے جو رہنما اصول مقرر کیے گئے ہیں ان میں یہ ہے کہ ہم نے اسلامی نظام کے نفاذ کو تیز کرنے میں مدد دینا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس کے علاوہ بھی دو اور اسلامی قانون قاضیوں کے کورٹ اور دیت و قصاص کے متعلق تھے وہ بھی سینڈنگ کمیٹی کے نظر کرم سے مؤخر کر دیئے گئے ہیں۔ اور اگر اب اس مسودہ کی تاخیر اور التواء کے لیے بھی آج تحریک پیش کی جا رہی ہیں، تو اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو یہ افسوسناک معاملہ ہوگا اور اس کا بڑا خراب اثر پڑے گا۔ ہماری حالت تو اسلامی نظام کے نفاذ کے بارہ میں یہ ہو گئی ہے کہ

عسمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن

دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں

یہاں کچھ حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس مسودہ کو عوام کی استفہاد پر رائے کے لیے مشتہر کیا جائے، اگرچہ یہ مقصد پہلے بھی حاصل ہو چکا ہے، لیکن اس سلسلے میں میں عرض کرتا ہوں کہ کیا اسلام ہمیں یہ حق دیتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو نافذ کرنے کے لیے عوام سے

اجازت لی جائے اور اس کے بارے میں عوام سے استصواب کریں؟ خدا اور رسولؐ کے طے شدہ قوانین اور احکام کے بارے میں اسلام ہمیں ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ ہم اس کے بارے میں عوام سے پوچھیں۔ ہمارے عوام بہت اچھے ہیں لیکن اگر خدا نخواستہ عوام نے استصواب کے نتیجے میں کسی اسلامی قانون کو مسترد کر دیا، تو کیا یہاں حاکمیت عوام کی ہے یا حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے، یہ عوام والی بات کے دور سے تو ہم گزر چکے ہیں اور اس کا خمیازہ بھی ہم نے بہت بھگت لیا ہے۔ یہ اہم ترین مسئلہ ہے۔ تو اس لحاظ سے میری گزارش یہ ہے کہ اسے اہم ترین مسئلہ سمجھا جائے۔ یہاں ایک بزرگ نے کہا تھا کہ یہ اسلام کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ اس میں جان و مال اور جائیداد کے حقوق کے تحفظ اور اوروں کے ظلم و تعدی اور زیادتی سے بچنے کا سوال ہے۔ اسلام کی نگاہ میں مال اور جائیداد کا تحفظ اور کسی کے ظلم و زیادتی سے بچانا اور بچنا یہ ایک اہم ترین سوال ہے۔ تو اس لحاظ سے میں تمام معزز ممبران سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ دینی جذبہ بر اور پوری گرمجوشی کے ساتھ اس مسودے کا خیر مقدم کریں اور اس پر بحث کریں۔ یہ پہلا مسودہ ہے جو عرصہ دراز کے بعد اسلامی قوانین پر مبنی یہاں آیا ہے۔ آپ سب خوش قسمت ہیں کہ آپ کے سامنے ایسا مسودہ آیا ہے، اس میں اگر کچھ خامیاں، خرابیاں اور اختلافات ہیں بھی تو وہ ترامیم کی شکل میں پیش کی گئی ہیں یا پیش کی جائیں گی اور ان کا ازالہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ ان معروضات کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(ریپوننگ دفاتی کونسل سیکرٹریٹ)

۱۲ اپریل ۱۹۸۲ء کے تمام کے نشست میں مولانا سمیع الحق نے شفعہ کے مسودہ پر تقریر کے، دفاتی کونسل کے سیکرٹریٹ کے قلمبند شدہ تقریر حسب ذیل ہے۔ (مرتب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

جناب چیئرمین! میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا، کافی حضرات اس موضوع پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ شفعہ کے اس قانون کے بارے میں کچھ بنیادی نکاتے اٹھائے گئے ہیں، میں ان کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ مجھ سے پہلے فاضل مقرر کا بنیادی نقطہ یہ تھا کہ قرآن مجید میں

شفعہ کے بارے میں احکام نہیں ہیں، تو یہ ایک بنیادی غلط فہمی ہے کہ شریعت اسلامیہ کا ماحذ صرف قرآن کریم ہے، حالانکہ شریعت کا بنیادی ماحذ جس طرح قرآن کریم ہے اسی طرح سنت نبوی بھی ہے۔ اگر ہم ہر چیز کو قرآن میں تلاش کریں گے تو ہمیں پانچ وقت کی نمازوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ قرآن کی کسی آیت میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ مغرب کے تین رکعت فرض ہیں اور کسی آیت میں یہ نہیں کہ فجر کے دو فرض ہیں اور عصر کے چار ہیں نہ ان مخصوص اوقات کا تفصیلات کے ساتھ ذکر ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے تفصیلات بھی قرآن کریم میں نہیں ہیں لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی ہے اور مقادیر بیان کئے ہیں۔

تو جناب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ چھوٹی سی چھوٹی بات جو حضورؐ نے فرمائی اور ہمیں متنبہ طریقہ سے پہنچ گئی اسے ہم قرآن کریم اور دین ہی کا حکم سمجھیں گے۔ ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے، ایک صحابی سے کسی قانون نے دریافت کیا کہ جسم کو کھرچ کھرچ کر اس میں رنگ بھرنے کا مسئلہ کیسا ہے، صحابی نے کہا کہ سختی سے منع ہے، قرآن میں اس کا حکم موجود ہے، قانون نے کہا میں اللہ سے لیکر والناس تک قرآن کریم پڑھتی ہوں اُس میں تو اس چھوٹے سے مسئلہ کا کہیں ذکر نہیں ہے، صحابی نے کہا کہ لو قذاتہ لوجدتہ اگر تم نے قرآن کو غور سے پڑھا ہو تو اس حکم کو وہاں پایا ہوتا۔ صحابی نے فرمایا قرآن کریم میں ہے: مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا کہ جو حکم تمہیں رسول نے دیا اس پر سختی سے عمل کرو اور جن باتوں سے آپؐ نے منع کیا ان سے منع ہو جاؤ۔ یہ ایک اصول ہمیں قرآن نے دیا ہے۔ اب اس مسئلہ میں حضورؐ نے جو رہنمائی دی ہے وہ بھی گویا قرآن ہی کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الحمد للہ قرآن کے ساتھ سنت کو بھی ہمارے آئین میں بنیادی ماحذ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد چونکہ کچھ ارکان نے شفعہ کے سلسلہ میں واضح احادیث کا مطالبہ کیا ہے تو ایوان کے سامنے بھی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ لاتا چاہتا ہوں جن میں ان ان افراد کی تفصیل موجود ہے جنہیں شفعہ کا حق دیا گیا ہے۔

مولانا یسوع الحق جناب والا! جاویداد میں شریک خلیط کا سب سے پہلا درجہ ہے، اس کے بعد جو حقوق میں شریک ہے اُس کا درجہ ہے، تیسرے نمبر پر جا رہے یعنی پڑوسی۔ تو یہاں سب سے پہلے میں شریک کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی حدیث کا مشہور کتاب مسلم شریف سے نقل کرتا ہوں، یہ امام مسلم کی کتاب ہے اور صحیح بخاری کی طرح اس کا درجہ ہے۔

عن جابر قال قضي رسول الله صلى الله عليه وسلم بالشفعة في كل شركة لم تقسم ربعة وحائطاً لا يصلح ان يبيع حتى يؤذن شريكه فان شاء اخذ وان شاء ترك فاذا باع ولم

یؤذنه فهو احق به۔ (الدراية في تخرج احاديث الهداية۔ حدیث ۳۸۸ کتاب الشفعة)
 (ترجمہ) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے فیصلہ دیا شفعہ میں مشترک حصہ میں جب تک وہ تقسیم نہ ہوا
 ہو خواہ وہ مکان ہو یا باغ تو اس میں شفعہ کا حق ہوگا شریک کو جو ملکیت میں شریک ہو، پھر اس
 میں قضی رسول اللہ کا لفظ ہے کہ صرف فرمایا نہیں بلکہ فیصلہ دیا حضورؐ نے، قضی کا مطلب فیصلہ دینا ہے
 جس کا ایک فاضل رکن نے مطالبہ کیا تھا۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے بھی ایک روایت نقل کی ہے۔
 لقوله عليه السلام، بالشفعة في كل ما لم يقسم فاذا وقعت الحدود و
 صرفت الطرق فلا شفعة۔ (الهداية ج ۲ ص ۳۸۴ کتاب الشفعة)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا ہر اس چیز میں فیصلہ کیا
 جو ہنوز تقسیم نہ کی گئی ہو اور شرکت باقی ہو لیکن جب اس کی حدود متعین اور راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو
 اب (برائے شرکت) شفعہ نہیں رہا۔

شفعة ان تمام جائیدادوں میں ہے جہت تک وہ تقسیم نہ ہوئی ہوں۔ آگے حضورؐ نے ایک جملہ فرمایا، فاذا
 وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة۔ مثلاً اگر چار بھائیوں کی مشترکہ زمین ہے اور انہوں نے اسے تقسیم
 کر لیا اور اس کی حد بندی کر دی یا حقوق میں اشتراک ہے اور راستے الگ کر دیئے گئے تو پھر اس پر شفعہ کا
 کوئی حق نہیں۔ اس سے ایک دوسری بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دو بھائیوں میں زمین مشترک تھی، اب اس
 ملکیت میں شراکت کی وجہ سے ان کو شفعہ کا حق تھا لیکن جب زمین تقسیم ہو گئی تو ان کا حق شفعہ نہیں رہا
 اب اگر رشتہ داری کی وجہ سے بھی ان کو شفعہ کا حق مل سکتا ہوتا تو حضورؐ یہ نہ فرماتے کہ اب حق شفعہ
 نہیں رہا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دو سکے بھائیوں میں یا باپ اور بیٹے میں بھی اگر زمین تقسیم ہو
 گئی تو پھر (برائے شرکت) شفعہ کا حق نہیں ہوگا کیونکہ ملکیت میں اب شراکت نہیں ہے، پھر جوار
 (پڑوسی) کی وجہ سے اگر وہ چاہے گا تو حق جوار کی وجہ سے اس کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا جس میں اجنبی اور
 رشتہ دار سب برابر ہیں۔ یہ تو شریک کے بارے میں حدیث ہے، اسی طرح جوار پڑوسی کے حق شفعہ
 کو دیکھئے۔ امام ابو داؤد کی کتاب سنن ابنی داؤد صحیح اور مستند ہے تمام مسلمانوں کے نزدیک
 اس میں حضورؐ سے روایت ہے کہ جارا لدا احق بدار الجار والارض جو مکان کا پڑوسی ہے
 یا جو زمین کا پڑوسی ہے وہ اس پڑوسی ہونے کی وجہ سے مختار ہے اگرچہ شریک فی الملک نہ ہو
 اور شریک فی الحقوۃ بھی نہ ہو مگر اس کا حق ہوگا۔ اب ترتیب کیلئے تینوں کی؟ وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ
 علیہ وسلم نے خود متعین فرمادی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا الشريك احق من الخليط

والخلیط احق من الشفیع۔ (ادکما قال)۔ (الہدایۃ ج ۴ ص ۳۸۸ کتاب الشفیعۃ)
یہاں اجتہاد کی باتیں ہو رہی ہیں مگر یہ اجتہاد کی باتیں نہیں، اجتہاد تو وہاں ہوگا جہاں حضور اکرمؐ
سے پوری راہنمائی نہ حاصل ہوئی ہو۔ تو حضورؐ نے تو سب کچھ فرمادیا، حقدار اور ان کی ترتیب بھی متعین کر دی
کہ ملکیت میں شراکت دار ہو ہوگا اس کا پہلا نمبر ہے خلیط سے، خلیط وہ ہے جس کے صرف حقوق ہوں۔
پھر فرمایا کہ الخلیط احق من الشفیع، جب خلیط اور پڑوسی کا مقابلہ آئے گا تو جو حقوق میں شریک ہے، جو
ملکیت میں شریک ہے ان کا حق پہلے ہوگا، اس کے بعد جو بھوار والا ہے اس کا حق ہے۔
اسی طرح سنن اربعہ ابوداؤد وترمذی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ
سے یہ روایت مذکور ہے :-

عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الجار احق بشفعة جاري ينتظر بها
وان كان غائباً اذا كان طريقها واحداً۔ (ابوداؤد، مستد احمد، ابن ماجہ،
ترمذی، دارمی)۔ (الدرایۃ فی تخریج احادیث، رقم حدیث ۸۸۹ کتاب الشفیعۃ)
(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی اپنے شفیع کا
زیادہ استحقاق رکھتا ہے، اگر وہ غائب (غیر موجود) ہو تو شفیع کے لیے اس کا انتظار کیا جائے
مگر یہ شفیع اُس وقت ہوگا جبکہ دونوں ہمسایوں کا راستہ ایک ہو۔
جو پڑوسی ہے اور اس کا تیسرے نمبر پر حق بنتا ہے تو اب وہ حقدار ہوگا یعنی لوگوں سے
رشتہ داروں سے اور مختلف طبقہ کے لوگوں سے اس کا انتظار کیا جائے اگر وہ موجود نہ ہو۔
ينتظر بها وان كان غائباً آگے یہ بھی فرمایا کہ جب راستہ ایک ہے تو اسے ترجیح دی
جائے گی۔

دوسری روایت حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی ہے جو کہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، وہ
فرماتے ہیں :-

عن ابی رافع مولى النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الجار احق بسقیۃ قبل یارسول اللہ
ما سبقہ قال شفیعہ۔ (الہدایۃ ج ۴ ص ۳۸۷ کتاب الشفیعۃ)
(ترجمہ) یعنی پڑوسی اس زمین کا قریب اور نزدیک ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے، صحابہؓ
نے سقیہ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ اس سے مراد شفیعہ میں اس کا استحقاق ہے، وہ
قرب کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے۔

اسی طرح ترمذی میں روایت ہے البخاری حق بشقعتہ — یہ میں نے مختصراً حضور کی چند روایات پیش کی ہیں کہ حضور نے ان تین شفعاء ہی میں حق شفعہ کو مخصوص، محدود اور محصور کیا ہے اب یہاں ایک سوال اٹھایا گیا کہ جس وقت یہ مسودہ عوام میں منتشر کیا گیا تھا کہ ان تینوں میں ہم کیوں محدود کریں جبکہ اوروں کی صریح مخالفت تو نہیں۔

جناب والا! یہاں مختلف حضرات تقریریں کرتے ہیں، ان کی تمہید عجیب جوش و خروش کی ہوتی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری تائید کی طرف آرہے ہیں، دلائل ہمارے حق میں دیتے ہیں اور آخر میں یکدم پلٹ جاتے ہیں، ان کی تقریروں میں تضادات ہوتے ہیں، آخر یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ شفعہ کے اس مسئلے میں کوئی ابہام یا کوئی پریشانی ہے ہی نہیں، کبھی وہ کہتے ہیں کہ یہ ان تین سے بھی زیادہ کو دیا جائے، کچھ حضرات کہتے ہیں کہ ان تین میں سے بھی کم کر کے ان کو محدود کیا جائے، تو سمجھ نہیں آتی کہ یہ ابہام اور پریشانیاں کس چیز سے پیدا ہو گئی ہیں؟ اب کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ چونکہ حضور نے اوروں کی نفی تو نہیں کی اور اتما کا کلمہ نہیں آیا۔ حالانکہ یہ ایک علمی اصطلاح ہے اور قواعد لغت کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ کلمہ حصر نہیں ہے، یعنی حضور اقدس نے یہ تو نہیں فرمایا انما الشفعة للشريك الخ کہ شفعہ ان تین تک محدود ہے کیونکہ انما حصر کا ہے اور وہ کلمہ نہیں اوروں کو بھی ملنا چاہیے۔ اور دلیل ان لوگوں نے یہ پیش کی ہے کہ آیت زکوٰۃ میں ہے کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ مصارف زکوٰۃ اللہ تعالیٰ نے انما کے کلمہ سے مخصوص کر دیئے ہیں، اب جو آٹھ مصارف ہیں ان میں ہم تو بیس اور دسویں مصرف کا اضافہ نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ ان لوگوں کی غلط فہمی ہے، ایک چیز کو محصور کرنے کے لیے انما کا حرف اور حصر کے کلمات ضروری نہیں ہوتے، الف لام اختصاص وہ بھی تخصیص کے لیے آتا ہے، جیسے الحمد للہ ہے، اب اس کا معنی یہ ہے کہ حمد اور تعریف دستائش ساری اللہ کے لیے ہے کسی اور کو ہم حمد میں شریک نہیں کر سکتے ورنہ وہ کفر ہو جائے گا حالانکہ یہاں انما تو نہیں۔ اب الحمد میں "ل" اختصاص کے لیے ہے۔ اسی طرح بعض اوقات ایک جملہ کا مقام مؤخر ہو جاتا ہے اور اس کو مقدم کر لیا جاتا ہے وہ بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے اور تخصیص ثابت کرتا ہے، مثلاً نَعْبُدُ اِيَّاكَ ہونا چاہیے تھا نمازیں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، مگر وہاں یہ کہا کہ اِنَّا نَعْبُدُكَ ہم خاص تیری عبادت کرتے ہیں کسی اور کی نہیں کر سکتے۔ یہ حصر کس چیز سے ثابت ہوا؟ اسی جملہ سے دوسری جگہ تھا لیکن وہاں سے پہلے آیا اور اس کو پہلے کر دیا۔ یہ تقدیم ماحقہ التاخیر کہلاتی ہے۔ اسی طرح اگر میں یہ کہوں کہ نہیں آیا اس ایوان میں مگر زید، تو یہ استثنا بھی حصر کے لیے مفید ہو گیا۔ ما جازتی من القوم الا زید۔ اور پھر یہ بھی ملحوظ ہے کہ حضور اقدس کے

زمانہ میں جب سارے حالات آپ کے سامنے تھے، حضورؐ اور صحابہؓ کے رشتہ دار بھی تھے اور مختلف طبقے موجود تھے، آپ کو پتہ تھا کہ تکلیف لاحق ہو سکتی ہے، مگر شفعہ کا حق ان لوگوں کو نہ دیا۔ آج کہا جاتا ہے کہ شفعہ کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کو نقصان سے بچایا جائے یعنی دفع ضرر مقصود ہے مگر یہ بھی ایک علمی اصطلاح ہے اسے حکمت کہتے ہیں علت نہیں کہتے، دفع ضرر حکمت ہے اور علت اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمت کے طور پر ایک چیز پیش کر دے مگر وہ علت نہیں ہوتی حکمت و مصلحت ہوتی ہے، علت ہوتی تو ہم دفع ضرر کو عام کر دیتے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں کہا گیا کہ ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کی گواہی کے برابر ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وجہ بھی بیان کر دی کہ شاید ایک خاتون بھولے تو دوسری اسے یاد کر سکتی ہے۔ فتد کر احد اہما الاخریٰ مقصد بھول سے بچنا ہے، وہ مقصد حاصل ہو گیا۔ اب اگر ایک خاتون بہت بڑی عالمہ ہے، اس کا حافظہ مسلم ہے ہمیں پتہ ہے کہ وہ نہیں بھولتی تو اس قانون کو بدل تو نہیں سکتے کہ اس ایک کی شہادت مرد کے برابر ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کو حکمت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نماز پڑھو تا کہ تم متقی ہو جاؤ۔ اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ میں نماز نہیں پڑھتا اس لیے کہ میں متقی نہیں بن سکتا لہذا نماز ہی چھوڑ دوں۔ نماز کی علت اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہ خطرات اوروں نے ظاہر کئے ہوں گے لیکن حضور اکرمؐ نے کسی کو یہ حق نہیں دیا، حضورؐ کی نظر بڑی وسیع تھی اور شفقت بھی سب سے بڑھ کر تھی۔

اب اگر ہم اس موضوع کو لیں کہ ضرر سے بچنا مقصود ہے تو پھر میرے خیال میں شفعہ کے جو قوانین انگریزی دور کے جاری ہیں ان کے تحت ایک دوکاندار اور کرایہ دار کو بھی حق ملنا چاہیے کیونکہ اس کو بھی ضرر ہے، اگر وہ دکان خالی کرتا ہے تو اس کو ضرر پہنچے گا تو کیوں نہ اس کو شفعہ کا حق دیا جائے، یا اگر کوئی کرایہ دار ہے اور وہ مکان خالی کرتا ہے تو اس کو بھی ضرر پہنچ سکتا ہے۔ آپ ایک ملازم رکھتے ہیں اور پھر کسی وجہ سے اپنا کاروبار چھوڑ دیتے ہیں تو نظریہ دفع ضرر کے تحت اس ملازم کو بھی شفعہ کا حق ہو گا؟ اسی طرح میں نے زمین بیچی تھی آج اس کا دوسرا شخص مالک ہے اس نے تیسرے کو بیچ دی، تو پہلا مالک یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا بھی حق، ہونا چاہیے کیونکہ میں بھی کسی وقت اس زمین کا مالک تھا۔ اس طرح یہ سلسلہ بڑا طویل ہو جائے گا، اسلئے ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر مزارعین کو حق دینے کا مسئلہ ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ کس طرح فرض کر لیا گیا کہ اگر میں نے زمین بیچ دی تو اس سے مزارع کو نقصان پہنچے گا اور شفعہ لازماً مزارع کو بے دخل کر دے گا، اگر مزارع محنت کرتا ہے، دیبا نندار اور با اصول ہے تو جس طرح میں نے اُسے رکھا تھا اسی طرح دوسرا خریدار بھی اسکی ایمانداری کی وجہ سے اُسے رکھ

لے گا۔ محنتی اور ایماندار ملازم کی تلاش تو ہر وقت رہتی ہے، لیکن اگر وہ محنت نہیں کرتا تو پھر تو مالک کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے نکال سکتا ہے۔ اسلام کی نظر میں مالک کو بھی ضرر سے بچانا ضروری ہے اور ملازم کو بھی بچانا ضروری ہے، ضرر سے سب کو بچانا مقصود ہے کسی ایک طبقہ کو نہیں، قانون میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی خاص فرد کا کیا ہوگا، کسی ایک طبقے کا کیا بنے گا، مفاد عامہ کو دیکھا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ ایک مجرم کو ۱۴ سال قید کی سزا دیتے ہیں اور اسے جیل میں ڈال دیتے ہیں تو پھر آپ کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس کے اہل و عیال پر کیا گزرے گی، وہ بھوکے پیاسے رہیں گے، ان کا کوئی کفیل نہیں ہوگا، پھر آپ کو یہ حق کہاں ہے کہ آپ اس کو جیل میں ڈالیں۔

ایک شخص قتل کرتا ہے اور عدالت کی طرف سے اُسے قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، تو آپ یہ نہیں دیکھیں گے کہ اس کے خاندان کا کیا بنے گا؟ اور انہیں کتنے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا؟ مفاد عامہ کو دیکھا جاتا ہے، پھر تو آپ پورے ہاتھ بھی نہیں کاٹ سکتے، اس لیے کہ اس کے اہل و عیال بھوکے رہیں گے اور اس کی ساری زندگی تکلیف میں گزرے گی، تو قانون مفاد عامہ کے لیے بنایا جاتا ہے۔

یہاں اس ایوان میں مزارع اور غیر مزارع، رشتہ دار اور فلاں اور فلاں یہ ایک معمہ بن کر رہ گیا ہے کہ گویا شریعت نے اس معاملہ میں کوئی رہنمائی کی نہیں! حالانکہ فقہ میں تمام تفصیلات موجود ہیں، خلافت راشدہ اور خلافت عباسیہ میں کئی کئی منزلیں مکانات اور عمارتیں موجود تھیں، یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ آج اٹھایا جائے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ یہ تین طبقے تو ہر دور میں شفعہ کے حقدار رہے ہیں، حضور اکرمؐ اسے لے کر انگریزی دور کے آخر تک کسی قانون میں، کسی دور حکومت میں، خلافت عباسیہ، خلافت عثمانیہ اور ہندوستان میں خلافت مغلیہ میں کسی اور کو یہ حق نہیں دیا گیا۔ جو حق حضورؐ نے دیا اس پر تمام صحابہ کرامؓ اور ائمہ کرامؓ نے اتفاق کیا، اسے کہتے ہیں تعامل امت۔ اب اگر ایک امام نے جاد کے حق کی مخالفت کر بھی لی لیکن دوسرے تو متفق ہیں۔ اس کو اصطلاح میں اجماع مرکب کہتے ہیں کہ ان تین سے زیادہ پر کسی کا اختلاف نہیں۔ پھر صحابہ کرامؓ کا دور آیا، ائمہ کرامؓ کا دور آیا، اہل بیت کا دور آیا لیکن کسی اور کو یہ حق نہیں دیا گیا۔

بہر حال میں اپنی باتیں سمیٹ کر عرض کروں گا کہ یہاں حاجی سیف اللہ صاحب نے ایک بات کہی اور مجھے افسوس ہے کہ انہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اگر ہر مسئلہ میں شریعت اور قانون میں فرقہ وارانہ اختلافات

کو ابھارا جائے گا تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا، تو جیمہات اور تشریحات میں اختلافات ہو سکتے ہیں۔ یہ تو آپ کے قانون دان اور وکلاء حضرات بھی ایک مقدمہ میں متفق نہیں ہو سکتے، جج صاحبان کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں تو ہر ایک کا فیصلہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ پھر تو آپ اس سارے نظام عدل کو بریا میں ڈال دیں، پھر تو آپ عدالتی نظام چلا ہی نہیں سکتے، تو اصول میں کبھی اختلاف نہیں رہا۔

ہمارے پاس اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ آئی ہے، اس کونسل میں شیعہ علماء، بریلوی اور دیوبندی علماء، جج، وکلاء اور جید عالم موجود تھے، ان سب نے متفقہ طور پر یہ رپورٹ پیش کی، شیعہ اور سنی حضرات کے کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مجھ سے خود شیعہ عالم علامہ رضی نے کہا کہ میں نے ایسا کوئی اختلافی جُملہ نہیں کہا۔ ہم سنی تو ان باتوں میں بڑے وسیع النظر ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے اسلامی فقہ کی عظیم کتاب ہدایہ ہے جس کا انگریزی ترجمہ یورپ میں پڑھایا جاتا ہے، اس میں تمام تفصیلات موجود ہیں کہ حق شفعہ کس کو ہے کس کو نہیں ہے، منقولہ جائیداد میں ہے یا غیر منقولہ میں ہے، پانی کی صورت کیا ہوگی، لفظوں کا نظام کیا ہوگا، اور ساری وضاحتیں اس میں موجود ہیں۔ مثلاً تین منزلیں عمارت کی صورت میں ایک شخص نیچلی منزل پر رہتا ہے، اوپر والی منزل کا راستہ تیسری منزل پر ہے، اس کی سیڑھیاں تیسری منزل والے پر آتی ہیں اور دوسری منزل والے کی سیڑھیاں الگ راستہ پر ہوں تو شفعہ کا حق وہ کہتے ہیں کہ پہلے والے کو ہوگا، اگر نیچے والے نے نیچے دیا تو پہلے والے کو ہوگا، اور اگر اوپر والے نے نیچے دیا تو نیچے والے کو ہوگا، درمیان والا متصل ہے، لیکن وہ چونکہ جار ہے، پڑوسی ہے تو حقوق میں شریک نہیں ہے اس کا نمبر تیسرا ہے۔ تو یہاں ایک جملہ اختلافات کا کہا گیا۔ اسلام کے قوانین کی نظروں میں فروعی اختلافات اور فرقے نہیں ہوتے، یہاں تک کہ مسلم اور غیر مسلم کی تمیز بھی نہیں کی جاتی۔ میرے سامنے ہدایہ کی کتاب ہے میں اس کتاب سے ایک جملہ پڑھ کر سناتا ہوں۔

والمسلم والذی فی الشفعۃ سواء یعنی مسلمان اور غیر مسلم شفعہ کے تمام حقوق میں برابر ہیں۔ اگر ایک عیسائی ہمارے پڑوس میں ہے اور جار کی ساری سہولتیں اسے حاصل ہیں اور دوسرا جو کہ مسلمان ہے اور ایک ڈگری درجہ اس کو بعد میں رہا ہے تو اس کو شفعہ کا حق نہیں ہوگا عیسائی کا درجہ پہلے ہوگا، کیونکہ احکام عام ہیں، سبب ہو شفعہ کا ہے اس میں مسلمان اور غیر مسلم برابر ہیں۔ صاحب ہدایہ کا قول ہے: للعمومات ولا نہما یستویان فی السبب والحکمۃ فیستویان فی الاستحقاق، اس لیے استحقاق میں دونوں برابر ہیں۔ اس سے قبل ایک دوست نے

اسلام میں غلامی کی بات پھیڑ دی تھی، یہ عجیب بات ہے، کیا یہ غلامی اسلام کے لیے ایک دھبہ ہے؟
 بات شفعہ کی ہوتی ہے تو مسئلہ غلامی کا پھیڑ دیا جاتا ہے، کل کوئی یہ کہے گا کہ اس زمانے میں حرمتِ خمر
 کی بات؟ کوئی یہ کہے گا کہ اس زمانے میں مخلوط ڈانس کی بات؟ (زور دالتالیاں) بھائی! اسلام نے
 تو غلاموں کو آسمان تک پہنچایا ہے، اسلام نے غلامی کو ختم کیا۔ اس شفعہ کے مسئلہ ہی کو لیجیے، اسی
 ہدایہ کا ایک اور جملہ شفعہ کے سلسلہ میں آتا ہے کہ: وَلِهَذَا يَسْتَوِي فِيهِ الذَّكَرُ وَالْأُنْثَى
 وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ وَالْبَاغِي وَالْعَادِلُ وَالْحُرُّ وَالْعَبْدُ إِذَا كَانَ مَا ذُوْنَا أَوْ مَكَاتِبًا -
 اور چھوٹا اور بڑا اس کے حق میں برابر ہیں، اور سننے کی بات آگے ہے کہ آزاد انسان اور غلام
 انسان بھی اس میں بالکل برابر ہیں۔ یعنی اسلام نے تو غلام کو بھی ان تمام قوانین میں آزاد کے برابر
 حق دیا ہے۔

تو جناب! میں ان گزارشات کے ساتھ، چونکہ کافی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، اپنی تقریر ختم
 کرتا ہوں۔



مسودہ شفعہ آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء

==اور==

دارالعلوم حقانیہ کی سفارشات و ترامیم

حکومت پاکستان نے نمبر ۳۲۷ (۲۲۲) آر۔سے، آئی۔آئی مجریہ ۱۳ دسمبر ۱۹۸۰ء کے تحت شفعہ آرڈیننس ۱۹۸۰ء کا مسودہ قانون رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کیا، اسلامی نظریاتی کونسل نے اس مسودہ کو دارالعلوم حقانیہ کے تجاویز اور اصلاحی ترمیمات کے لئے بھیجا، چنانچہ دارالعلوم حقانیہ کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد فرید صاحب، نائب مفتی حضرت مولانا غلام الرحمن صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے راہنمائی، مشورہ اور موجودگی میں اس مسودہ پر از روئے فقہ و شریعت نظر ثانی کے اور جہات جہات قابل اصلاح چیز نظر آئے اس کے اصلاح کر کے اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئر مین کے خدمت میں ارسال کیا، اور قانون شفعہ آرڈیننس میں کل ۱۳ سفارشات پیش کی گئیں۔ (مرتب)

بخدمت اقدس جناب چیئر مین صاحب اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے مرسلہ مسودہ شفعہ آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء کی بعض دفعات کے متعلق چند اہم تجاویز اسلامی نقطہ نظر سے ارسال خدمت ہیں، لیکن واضح ہو کہ یہ تجاویز صرف ان دفعات کے متعلق ہیں جو مفصل اور غیر مخدوش ہیں، ورنہ جو دفعات ہمارے لیے ناقابل فہم تھیں ان کے متعلق ہم جواب دینے اور رائے ظاہر کرنے سے قاصر ہیں۔

مثال کے طور پر ص ۲ پر دفعہ ۲ کی شق (۳) اور ایسے ہی ص ۹ دفعہ ۲ میں شق ۲ مخدوش اور مبہم ہیں جو ہمارے لیے قابل فہم نہیں ہیں اس لیے ان کے متعلق ہم رائے نہیں دے سکتے، نیز ان دفعات کے متعلق بھی ہم رائے نہیں دے سکتے جن کا تذکرہ مسودہ میں اجمالاً ہے اور تفصیلی حوالہ تعزیرات پاکستان پر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ص ۱۲ پر دفعہ ۳ کا مجموعہ ضابطہ دیوانی ۹۰۸ کا ایکٹ ۴۳۔ اور اسی صفحہ کی دفعہ ۱۳ ضابطہ دیوانی ۹۰۸ کا ایکٹ ۵۔ صفحہ ۱۳ پر دفعہ ۳۳ میں قانون میعاد سماعت ۹۰۸ کے ایکٹ ۹ میں شامل امور۔ اور ص ۱۴ کی دفعہ ۳۶ کی شق الف اور شق ۳۔ ان دفعات سے تعلق رکھتی ہیں جن کے مجمل ہونے کی وجہ سے ہم ان کے متعلق اسلامی نقطہ نگاہ سے رائے دینے سے قاصر ہیں اس لیے کہ تعزیرات پاکستان اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر غیر مبہم اور تفصیلی دفعات کے متعلق تجاویز پیش خدمت ہیں۔

(۱) اس مسودہ کے ص ۲ پر دفعہ ۲ کی شق ۴ میں ہے کہ کسی جائیداد غیر منقولہ کے بہتر انتظام کی غرض سے یا جائز طریقہ سے ذاتی استعمال میں لانے کے لیے تبادلہ کرنے کی صورت میں اگر ملک و ملک کی حیثیت اور غرض سے ہو تو پھر اس صورت کو حق شفعہ سے مستثنیٰ کرنا از روئے شرع درست نہیں بلکہ یہ بھی ان صورتوں میں سے ہونا چاہیے جن میں حق شفعہ شفیع کے لیے ثابت ہے۔

(۲) ص ۲ پر دفعہ ۲ کی شق (د) کے آخر میں یہ اضافہ بھی ضروری ہے کہ شفعہ اُس جائیداد میں بھی واجب ہوگا جو کسی صلح کی صورت میں اقرار، انکار یا سکوت میں دی جائے اور یا کسی جائیداد غیر منقولہ سے اقرار کی صورت میں صلح ہو جائے، اس کے لیے حوالہ ملاحظہ ہو:-
وتجب الشفعة في الدار التي هي بدل الصلح سواء كان الصلح عن الدار عن اقرار
ادانكار او سكوت وكذا تجب في الدار لمصالحه۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۱۹ کتاب الشفعة۔ الباب الاول)

ترجمہ ”اور شفعہ اس جائیداد غیر منقولہ میں بھی واجب ہوگا جو کسی صلح کے بدل میں دی جائے خواہ یہ صلح اقرار، انکار یا سکوت کی صورت میں ہو، اور نیز شفعہ اس جائیداد میں بھی واجب ہوگا جس سے اقرار کی صورت میں صلح ہو جائے۔“

۱۔ آرڈیننس کے مسودہ کی عبارت میں صلح کی وہ صورتیں جن میں شرعاً شفعہ ثابت ہے مذکور نہیں ہیں۔

(۳) مک دفعہ ۱۱ پر طلب مواثبت کی تعریف ”مجلس“ کے ساتھ یہ اضافہ بھی ضروری ہے۔
 ”اگرچہ اس مجلس میں یہ شفیع اکیلا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ طلب مواثبت شفیع کیلئے اس کے
 مطلع ہونے کے فوراً بعد ضروری ہے، اس طلب میں اس کے لیے کسی دوسرے لوگوں
 کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں۔“

لما قال العلامة ابن عابدین: وفي القهستانی يجب الطلب وان لم يكن عنده احد للا
 تسقط الشفعة ديانة وليتمكن من الحلف عند الحاجة كما في النهاية -
 (رد المختار ج ۵ ص ۱۱۱ کتاب الشفعة)

(ترجمہ) ”اور یہ طلب مواثبت اس کے لیے ضروری ہے اگرچہ اس کے ہاں کوئی بھی موجود
 نہ ہو تاکہ اس کا حق شفعہ دینا نہ ساقط نہ ہو جائے اور بوقت ضرورت قسم کھانے میں
 بھی سچا ہو کر قسم کھا سکے۔“

(۴) ایسا ہی مذکورہ مک کی دفعہ ۳ کی شق ۳ میں یہ تصریح کرنی بھی ضروری ہے کہ ”طلب اشہاد
 شفیع کی ذات سے خاص نہیں ہے بلکہ یہ طلب اشہاد شفیع بذات خود یا بوقت ضرورت
 رسالت یا وکالت بھی کر سکتا ہے۔“

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: اذا باع رجل وعلم بالشراء وهو في
 طريق مكة فطلب طلب المواثبة وعجز عن طلب الاشهاد بنفسه يوكل اخر حتى
 يطلب الشفعة فلو لم يفعل ومضى المدة بطلت شفيعته -

(خلاصہ الفتاوی ج ۴ ص ۲۵۶ کتاب الشفعة)

قال العلامة الحصكفي: وهذا الطلب لا بد منه حتى لو تمكن ولو بكتاب او رسو ول
 يشهد بطلت شفيعته - (الدر المختار علی هامش رد المختار ج ۵ ص ۱۱۱ کتاب الشفعة)
 (ترجمہ) ”یہ طلب اشہاد شفیع کے لیے ضروری ہے یہاں تک کہ یہ طلب اشہاد کسی خط یا کسی آدمی
 کو بھیج کر بھی ممکن ہو اور شفیع طلب نہ کرے تو اس کا حق شفعہ باطل ہوگا۔“

اور نیز اس دفعہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ طلب اشہاد یا بائع یا مشتری یا بیعہ ہر تینوں میں سے
 کسی ایک کے ہاں جو بھی اس کو میسر ہو کر سکتا ہے البتہ بائع کے ہاں اس وقت طلب اشہاد
 کرے گا جب تک بیعہ اس کے ہاں موجود ہو جبکہ مذکورہ دفعہ ۱۳ میں صرف بیعہ رجائیہ
 غیر منقولہ کے ہاں طلب اشہاد کی کفایت پر تصریح نہیں کی گئی ہے۔

لما قال العلامة الحسکفی: ثم يشهد على البائع لو عثر العقار في يده او على المشتري وان لم يكن ذائداً لانه مالك او عند العقار۔ (رد المحتار علی ہامش رد المحتار ج ۵ کتاب الشفعة ترجمہ) اور پھر شفیق یہ طلب اشہاد بائع کے ہاں کرے گا اگر مہینہ اس کی ملکیت میں ہو۔ اور یا مشتری کے ہاں کرے گا اگرچہ یہ مہینہ اس کے ہاں موجود نہ ہو کیونکہ وہ مالک ہے۔ اور یا جائیداد غیر منقولہ کے ہاں کرے گا۔“

(۵) ایسا ہی اسی صفحہ کی دفعہ ۳۱ کے عنوان تشریح کی شق ۴ میں بھی یہ اضافہ ضروری ہے کہ شفیق ہر دونوں کو طلب کرنے کے بعد جائیداد غیر منقولہ کے لینے کے لیے عدالت سے رجوع بغیر کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ کے اندر اندر ضرور کرے گا اور اگر بلا کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ میں دعویٰ دائر نہ کرے تو اس کا حق شفعہ اس ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی وجہ سے باطل ہوگا۔ قال العلامة ابن عابدین: وفي الجامع الحاق الفتوى اليوم على قول محمد ليتفرحوا بالناس في قصد الاصل۔ رد المحتار ج ۵ ص ۱۲۲ کتاب الشفعة (ترجمہ) ”لوگوں کے اپنے حقوق کے مطالبہ میں اصرار کو مدنظر رکھتے ہوئے آجکل فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کہ بغیر کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی وجہ سے حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔“

تاہم بصورت کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی صورت میں بھی حق شفعہ باطل نہیں ہوگا جیسا کہ رد المحتار جلد ۵ ص ۱۲۲ کی مذکورہ بالا عبارت سے چند سطر پہلے علامہ ابن عابدین رقمطراز ہیں:-

فلو عثر او سفر او عدم قاض يري الشفعة بالجار في بلدة لا تسقط اتفاقاً۔ رد المحتار ج ۵ ص ۱۲۲ کتاب الشفعة (ترجمہ)

(ترجمہ) ”اور بصورت واقعی عذر ہونے کے مثلاً بیماری یا سفر یا اس علاقہ میں قاضی کے نہ ہونے کی وجہ سے جو شفعہ بالجار کر سکے، تو ان صورتوں میں مہینہ سے زائد مدت بقدر عذر تاخیر کرنے سے بالاتفاق حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔“

بناء بریں صورت ص ۱۳ کی دفعہ ۳۳ پر میعاد سماعت جو کہ ساٹھ دن مقرر کی گئی ہے اگر اس میعاد سماعت سے مراد طلب خصومت یعنی عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کا وقت مراد ہو تو پھر ساٹھ دن تک تاخیر کرنے کے باوجود حق شفعہ کا باطل نہ ہونا مفتی بہ قول مخالف

ہے کیونکہ مفتی بہ قول صرف ایک ماہ تک ہے، اور اگر میعاد سماعت سے مراد حاکم کے لیے فیصلہ کرنے کی مدت مراد ہو تو پھر شریعت میں تحدید نہیں ہے بلکہ جتنا ممکن ہو سکے قاضی یا حاکم فیصلہ کر سکے گا۔^۱

(۶) صفحہ ۸ کی دفعہ ۱۶ کے آخر میں یہ اضافہ بھی ضروری ہے: ”گویا اسے یہ الاضنی بائع اور مشتری کے مابین معاہدہ بیع کی صورت میں ملے لہذا اس پر احکام بیع، اختیار ویت، عیب اور عند الاستحقاق شفیع کے لیے رجوع بالثمن کا حق بھی ثابت ہوگا البتہ ضمان غرور کا مطالبہ بصورت استحقاق شفیع نہیں کر سکتا“ اس لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ:-

واذا قضی القاضی او اسلم المشتري تثبت بينها احکام البیع من خيار مرويته وخيار عيب والرجوع بالثمن عند الاستحقاق الا ان الشفيع لا يرجع بضمان الغروا۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۱۷۶ کتاب الشفعة۔ الباب الخامس فی الحكم بالشفعة) (ترجمہ) ”اور جب قاضی یا حاکم شفیع کے حق میں فیصلہ کرے یا مشتری برضا خود بیعہ شفیع کو چھوڑ دے تو اب شفیع اور بائع کے درمیان یہ ایک معاہدہ بیع تسلیم ہوگا اور اس پر احکام بیع جاری ہونگے“ جس کی رو سے شفیع کے لیے اختیار ویت، عیب اور بصورت استحقاق رجوع بالثمن کا حق حاصل ہے، البتہ شفیع بائع پر بصورت استحقاق ضمان غرور کا حق نہیں رکھتا ہے یعنی شفیع بائع سے ضمان غرور کے مطالبہ کا مجاز نہیں ہے۔

(۷) صفحہ ۸ کی دفعہ ۱۷ میں شفیع کی موت کی صورت میں حق شفیعہ شفیع کے قانونی ورثاء کو منتقل کرنا خلاف فقہ حنفی ہے۔ بلکہ قاضی یا حاکم کا اس شفیع کے حق میں فیصلہ کرنے سے قبل اگر شفیع مر جائے تو اس کا حق شفیعہ باطل ہو کر شفیع کے ورثاء کو منتقل نہیں ہوگا، البتہ مشتری کی موت سے حق شفیعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ:-

واما الضرری فتحو ان بموت الشفيع بعد الطلبين قبل الاخذ بالشفعة فتبطل شفعتہ

۱۔ سرکاری مسودہ میں ساتھ دن کی میعاد سماعت مقرر کی گئی ہے جبکہ یہ میعاد نہ تو قرآن کی کسی آیت میں ہے نہ حدیث میں، اور نہ ہی یہ کسی فقیہ کا قول ہے، شرعاً اس کی یہ تفصیل سے جو تبصرہ میں ذکر کی گئی ہے۔
۲۔ مسودہ میں معاہدہ بیع کو مطلق رکھا گیا ہے جبکہ شرعاً ضمان غرور اس سے مستثنیٰ ہے۔
۳۔ جس ملک کی ۹۰ فیصد آبادی حنفی المسک ہو وہاں اس کے خلاف قانون سازی کرنا یقیناً مذہبی مداخلت کے مترادف ہے۔

وهذا عندنا ولا تبطل بموت المشتري وللشفيع ان ياخذ من وارثه -

(الفتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۱۸۲ کتاب الشفعة۔ الباب التاسع فيما يبطل به الخ) لے
ترجمہ ۱۔ اگر شفیع دونوں طلب و طلب مواثبت و طلب اتہاد کر کے فیصلہ ہونے سے قبل فوت ہو
جائے تو اس کی موت سے اس کا حق شفیع باطل ہوگا اور اس کے قانونی ورثاء کو منتقل نہیں ہوگا،
اور یہ ہمارا مذہب ہے، البتہ مشتری کی موت سے حق شفیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ شفیع مشتری
کے ورثاء سے یہ جائیداد شفیع کر کے لے سکتا ہے۔

بیزند کوہ آرڈر کے ص ۹ کی دفعہ ۲ سے بھی یہ دفعہ متصادم ہے کیونکہ اس دفعہ میں ہاں پر تصریح
ہے کہ حق شفیع ناقابل انتقال اور ناقابل تقسیم ہے۔

(۸) صفحہ ۹ کی دفعہ ۲۲ کی شق ۲ میں کسی قانون کے ساتھ شرعی قانون کا اضافہ ضروری ہے لہذا پھر اصل عبارت

یوں ہوگی: "اور یا مقام مقتدہ نے کسی شرعی قانون کے تحت حاصل کر لی ہو اس پر شفیع کا دعویٰ نہیں ہوگا۔"

(۹) صفحہ ۱۱ دفعہ ۲۲ میں مدعی سے زر شفیع جمع کرانے کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور زر شفیع جمع نہ کرانے کی

صورت میں شفیع کا دعویٰ خارج کرنا شریعت کے موافق نہیں ہے کیونکہ زر شفیع شفیع سے جمع کرانا

شریعت میں تو مطلوب نہیں اور برائے اعتماد عدالت استصواب رائے میں ممنوع نہیں لیکن اعتماد کی

صورت صرف زر شفیع کے جمع کرنے سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اگر شفیع کسی اور طریقے سے عدالت کو

مطہن کر کے اسے صرف کیفل ضامن دیکے تو پھر بھی دعویٰ شفیع صحیح ہوگا، قاضی یا حاکم اسکی باقاعدہ

سماعت کر کے فیصلہ کر سکتا ہے اور زر شفیع جمع نہ ہونے کی صورت میں دعویٰ خارج نہیں ہوگا تاہم شفیع

کو عقار کا قبضہ بغیر زر شفیع کی وصولی کے نہیں دیا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ الہندیہ)

ولا يلزم الشفيع احضار الثمن وقت الدعوى بل يجوز المنازعة وان لم يحضر الثمن

الى مجلس القاضى فاذا قضى له بالشفعة له احضار الثمن. ولو دفع الثمن بعد

ما قال ادفع الثمن اليه لا تبطل بالاجماع. (الفتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۱۸۲ کتاب

الشفعة۔ الباب الخامس الخ)

لہ قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ، اما الضروری فخوان يموت الشفيع بعد الطلبين قبل

الاخذ بالشفعة فتبطل شفيعته۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۲ کتاب الشفعة۔ فصل

بيان ما يبطل به حق الشفعة)

(ترجمہ) ”شیفیع پر دعویٰ شفعہ کے وقت زر شفعہ قاضی یا حاکم کے ہاں جمع کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ بغیر زر شفعہ کے حاضر کرنے کے دعویٰ کی سماعت کر سکتا ہے، البتہ فیصلہ کے بعد شفیع پر زر شفعہ جمع کرنا ضروری ہے۔ (اور چند سطر کے بعد فرماتے ہیں) اور اگر شفیع وعدہ کر کے وقتی طور پر زر شفعہ جمع نہ کرائے تو پھر بالاتفاق اس کا حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔“

(۱۰) صفحہ ۱۲ کی دفعہ ۲۹ پر مذکور اداروں کو حق شفعہ کے اسقاط کا جو حق دیا گیا ہے اس میں چونکہ حق تلفی کا بہت قوی امکان ہے، لہذا یہ اختیار مذکورہ اداروں کو نہیں دینا چاہیے بلکہ صفحہ ۹ پر دفعہ ۲۲ کے تحت جو استثناء کیا گیا ہے اس پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔

(۱۱) صفحہ ۱۳ دفعہ ۳۲ کے مطابق اطلاع نامہ کی صورت میں صرف اطلاع عامہ کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ اطلاع عامہ کے علاوہ رجسٹری منظور کرنے والا رجسٹرار یا انتقال کی تصدیق کرنے والا افسر مال کنٹریکٹ (واپسی رسید) رجسٹری یا انتقال کی اطلاع شریک خلیط اور چار خصوصی طور پر رجسٹری یا ہرکارے کی وساطت سے دینا ضروری قرار دیا جائے کیونکہ صرف اطلاع عامہ کی صورت میں حق تلفی کا قوی امکان موجود ہے۔ نیز مذکورہ اطلاع کو ایک ہفتہ تک محدود رکھنا صرف عدالت کی رائے ہے ورنہ شریعت میں یہ تحدید نہیں ہے۔

(۱۲) صفحہ ۱۵ کی دفعہ ۳۶ کی شق ۷ میں اس آرڈیننس کے اجراء سے قبل کئے ہوئے معاہدے بیع کے قابل سماعت ہوتے کے لیے صرف ۶۰ دن مقرر کرنا بھی عدالت کی ذاتی رائے معلوم ہوتی ہے، اس طرح غیر شرعی قانون کو شرعی قانون کا نام دینا بہت ہی خطرناک ہے۔

(۱۳) مذکورہ صفحہ ۱۵ کی دفعہ ۳۶ کی شق ۴ (د) کے تحت اس قانون سے جن مقدمات کو مستثنیٰ کیا گیا ہے یہ بھی محض عدالت کی اپنی رائے ہو سکتی ہے ورنہ بہتر تو یہی ہے کہ تمام مقدمات کا فیصلہ شرعی لحاظ سے ہو جائے



فان كانوا اكثر
من ذالك ففهم
شركاء في التلث

کتاب الشَّرْکَةِ

(شراکت کے احکام و مسائل)

سوال :- چند بھائی موروثی جائیداد میں
مشتکر طور پر اس طرح محنت کر رہے ہیں کہ ان کی
کمانی میں تمیز کرنا مشکل ہے، اب ان میں سے ایک بھائی دوسرے بھائیوں کی کمانی سے انکار کر رہا
ہے اور ان کو اس المال کے نفع سے محروم کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا یہ اقدام شرعاً درست
ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر تمام بھائی آپس میں ایسا کاروبار کر
رہے ہوں کہ ان کی محنت میں تمیز نہ ہوتی ہو بلکہ مکمل طور پر مشترکہ ہو تو اس محنت کے ذریعے
حاصل ہونے والے منافع میں تمام بھائی برابر کے حصہ دار ہوں گے کوئی بھی شریک پورے
مال کا دعویٰ نہیں ہو سکتا، لہذا صورت مذکورہ میں کسی ایک بھائی کو شرعاً یہ حق حاصل
حاصل نہیں کہ وہ اپنے دیگر بھائیوں کو ان کی محنت سے محروم کرے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : لو اجتمع اخوة يعملون في تركة ابيهم
ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرأي۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۳۲۵ کتاب الشَّرْکَةِ - فصل في الشَّرْکَةِ الفاسدة)

سوال :- چند آدمی مشترکہ طور پر کسی چیز کو خریدتے
مشتکر مال بذریعہ بولی خریدنے کا حکم
ہیں پھر آپس میں اس پر بولی کرتے ہیں کہ ہر شریک
زیادہ بولی دے گا تو وہ اس چیز کا مالک ہوگا، اس کے بعد زیادہ بولی دینے والا شریک دیگر شرکاء کو

له وقال العلامة سليم رستم باذ : فاذا كان سعيهم واحداً ولم يتميز ما حصله كل واحد منهم
بعمله يكو ما جمعه مشتركاً بينهم بالسوية ان اختلفوا في العمل والرأي۔

(شرح مجلة الاحکام تحت المادة ۱۳۶۱ ص ۲۵ کتاب العاشر)

ومثله في تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۹۵ کتاب الشَّرْکَةِ۔

اپنے اپنے حصہ کی رقم مع منافع کے واپس کرتا ہے، تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب:- صورت مذکورہ میں چونکہ تمام شرکا مشترکہ طور پر کوئی چیز خرید کر پھر آپس میں
 بیلام کرتے ہیں اور جو زیادہ بولی دیتا ہے مال اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے، لہذا اگر اس بیلام
 سے حاصل ہونے والی رقم کامیاب بولی دہندہ کے اپنے حصہ کے علاوہ دیگر شرکاء کے حصص کا
 عوض ہو تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہوگا اور اگر اپنا حصہ بھی بولی میں قیمتاً لیتا پڑے تو پھر جائز نہ ہوگا۔

لما قال العلامة سليم رستم باز: الشريك مغير ان شاء باع حصته من شريكه و
 انشأ باعها عن اجنبي بدون اذن شريكه راجع الى المادة ۲۱۵ لكن في صوخلط الاموال
 واختلاطها التي بينها في الفصل الاول لا يسوغ لاحد الشريكين الخ

(شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۰۸۸ ص ۶۰۸ الكتاب العاشر)

شریک کی موت سے شرکت کا ختم ہونا | سوال:- دو آدمی آپس میں مشترکہ
 کاروبار کرتے تھے کہ ان میں ایک کا انتقال
 ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ کیا شریک کی موت سے شرکت ختم ہو جاتی ہے یا برقرار رہتی ہے؟
 شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- شراکت کے دوران جب کسی ایک شریک کا انتقال ہو جائے تو شرکت خود بخود
 ختم ہو جاتی ہے اور دوسرا شریک فوت شدہ کے مال میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔
 لما قال العلامة فخرالدين عثمان بن علي الزيلعي: وتبطل الشركة بموت احد هما
 ولو حكماً..... ولا فرق بين ان يعلم موت صاحبه او لا يعلم لانه عزل حكماً۔

(تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۲۳ کتاب الشركة)

لما قال العلامة الحصكفي: وكل من شركاء المالك اجنبي في مال صاحبه فصحة بيع حصته
 ولو من غير شريكه بلا اذن الا في صورة الخلط لما اليهما كخطة لشعير وبناء وثمر وزرع۔
 (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۴ ص ۳ کتاب الشركة)

وَمِثْلُهُ: شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۰۸۸ ص ۶۰۸ الكتاب العاشر۔

۲ وقال في الهندية: وتبطل الشركة بموت احد هما علم به الشريك او لا۔
 (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۳۵ الباب الخامس في الشركة الفاسدة)

وَمِثْلُهُ فِي الشُّبْهِ عَلَى تَبْيِينِ الْحَقَائِقِ ج ۳ ص ۳۲۳ کتاب الشركة۔

مشترکہ کاروبار کے منافع کی تقسیم کا حکم | سوال :- دو آدمیوں نے آپس میں مشترکہ کاروبار شروع کیا، دونوں نے اپنا اپنا رأس المال جمع کیا، کاروبار شروع کرتے وقت ایک دوسرے کے ساتھ یہ شرط نہیں لگائی گئی کہ آپس میں منافع کس نسبت سے تقسیم ہوگا، جبکہ دوران کاروبار ایک شریک نے دوسرے کی نسبت کم مشقت برداشت کی، تو اس صورت میں مشترکہ کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع کی تقسیم شرعاً کس طرح ہوگی؟

الجواب :- صورت مذکورہ شرکتِ عنان کی صورت ہے اور یہ شرکت درست اور صحیح ہے اور چونکہ بوقت عقد کوئی شرط نہیں لگائی گئی ہے لہذا فقہاء کی تصریحات کے مطابق جب ایک شریک نے کام بھی نہیں کیا ہو اور ربح کے متعلق کسی کمی اور زیادتی کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہو ہو تو ربح (منافع) رأس المال کے مطابق تقسیم ہوگا اور اگر رأس المال دونوں کا برابر ہو تو منافع برابر ہوگا ورنہ رأس المال کی کمی بیشی کی صورت میں منافع بھی کم و بیش ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: والربح بینہما علی قدر رأس مالہما۔ (تنقیح العامدیۃ ج ۱ ص ۹۲ کتاب الشركة) لہ

مشترکہ زمین میں اپنا حصہ فروخت کرنے کا حکم | سوال :- اگر دو آدمیوں کے مابین زمین مشترکہ ہو اور غیر منقسم ہو تو اگر ان میں سے ایک آدمی اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو کیا شرعاً اس کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایسی زمین جو دو آدمیوں کے مابین مشترکہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو اپنے حصہ میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے، لہذا صورتِ مسئلہ میں ہر ایک حصہ دار اپنا حصہ

لہ وقال فی الہندیۃ: وما شرط جوازها تكون رأس المال عيناً حاضراً او غائباً عن مجلس العقد لكن مشارالیه والمساواة فی رأس المال لیست بشرط ویجوز التفاضل فی الربح مع تساویہما فی رأس المال کذا فی محیط السرخسی۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۱۹ الباب الثالث فی شرکت العنان)

ومثله فی رد المحتار ج ۲ ص ۳۱۲ کتاب الشركة۔

قبل از تقسیم فروخت کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة سليم رستم باز: يصح بيع حصة شائعة معلومة كالنصف والعشر من عقار مملوك قبل الاقرار۔ (شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۲۱۳- کتاب العام ۱۰۰)
شرکاء کی غیر حاضری میں مشترکہ زمین پر کاشت کا حکم | سوال :- ایک زمین چند آدمیوں کے مابین مشترکہ ہے

اور ہر سال بعض لوگ اس میں مختلف فصلیں کاشت کرتے ہیں جبکہ ان شرکاء میں سے چند غائب ہیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض شرکاء کے غائب ہونے کی صورت میں اس مشترکہ زمین میں کاشت کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر یہ زمین شرعی ملک سے مشترکہ ہو تو غائبین کے حصص میں کاشت کرنا ان کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہر ایک اپنے اپنے حصہ ملکیت میں کاشت کرے گا، تاہم اگر دلائل غائب کی اجازت موجود ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وفي القنية عن واقعات الناطقي ارض بيدهما فغاب احدهما فاشترى به ان يزرع نصفها ولو اراد ذلك في ذلك العام الثاني يزرع ما كان زرع۔ (تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۹۱ کتاب الشركة ۱۰۰)

لما قال العلامة محمود بن اسماعيل الشهير بابن قاضي سماوة: ما بيعه فقسماً قبل ان يفسد او لا وكل قسم على وجهين اما ان باع عن اجنبي او من شريكه فالوجع الاول وهو البيع من اجنبي على منفيين واما ان كان لكل فباع نصفه او كان بين اثنين فباع احدهما نصيبه فالبيع جائز في المواضع كلها۔ (جامع الفصولين ج ۲ ص ۸۲ الفصل الحادي والثلاثون في مسائل البيع واحكامه) ومثله في تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۲۴۶ کتاب البيوع باب الخيار۔

۱۰ وقال في الهندية: وفي الارض له ان يزرعها كلها على المفتي به ان كان الزرع ينفعها فاذا جاء شريكه فزرعها مثل تلك المدة وان كان الزرع يتقصها او الترك يتفعا فليس له ان يزرعها۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۲۱ کتاب الشركة۔ الباب السادس في المتفرقات ومثله في البحر الرائق ج ۵ ص ۱۶۴ کتاب الشركة۔)

مشترکہ مال کسی کو عاریتہ دینے کا حکم | سوال :- یہاں ہمارے علاقہ میں ایک عالم دین کا انتقال ہو گیا ہے اور ترکہ میں کچھ اموال رہ

گئے ہیں، ورثاء میں اس کے چند بیٹے ہی ہیں، کیا ان میں سے کوئی ایک اپنے باپ کے متروکہ مال سے کسی کو عاریتہ کچھ دے سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کے دوسرے بھائی اس وجہ سے اُس پر ناراض ہیں؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ میں باپ کے متروکہ اموال چونکہ اس کے تمام بیٹوں کے مابین مشترکہ ہیں اس لیے کوئی بھی شریکِ مشترکہ اموال میں دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر کوئی چیز کسی کو عاریتہ نہیں دے سکتا، کیونکہ شرکاء کے حقے ایک دوسرے کے ساتھ ودیعت (امانت) ہوتے ہیں۔

قال العلامة سليم رستم باز: حصّة احد الشريكين في حكم الوديعة في يد الآخر فاذا اوجع احدهما المال المشترك عندا اخر بدون اذن فتلف كان ضامنا حصّة شريكه - (شرح مجلّة الاحکام، تحت المادة ۱۰۸۷ کتاب العاشر)۔

مشترکہ جائیداد میں بلا اجازت شریک تصرفات کرنے کا حکم | سوال :- دو حقیقی بھائیوں کی کچھ

مشترکہ زمین تھی، ان میں سے ایک بھائی نے دوسرے بھائی کی غیر موجودگی میں ساری زمین فروخت کر دی، جب دوسرے بھائی کو پتہ چلا تو اس نے زمین فروخت کرنے سے انکار کر دیا، تو کیا اس دوسرے بھائی کا انکار شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- مذکورہ جائیداد ان کی زر خرید ہو یا ارث کے ذریعہ انہیں ملی ہو تو اس میں کسی ایک بھائی کا تصرف دوسرے کی اجازت کے بغیر درست نہیں اس لیے یہ بیع ناراض بھائی کے حصہ کی اراضی میں نافذ العمل نہیں ہے۔

لما قال العلامة المرعيني: فشركة الاملاك العين يرثها رجلان وليست بانيهما

له قال العلامة ابن عابدین: نعم والسرفي ذلك ان اشريك حكمه في حصّة شريكه حكم المودع - (تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۸۷ کتاب الشريكة) ومثله في فتاوى الكاملية من كتاب الشريكة -

فلا يجوز لاحدهما ان يتصرف في نصيب الآخر الا باذنه وكل واحد منهما في نصيب صاحبه كالا جنبي - (الهداية ج ۳ ص ۶۲۲ کتاب الشریکۃ) ۱۔

مشترکہ دیوار کی تعمیر کے اخراجات کا حکم | سوال :- دو آدمیوں کے مابین ایک مشترکہ دیوار تھی جس کی مخدوش حالت کے پیش نظر اس کو گرا دیا گیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کی دوبارہ تعمیر کا خرچہ مشترکہ ہو گا یا گرانے والے پر ہو گا؟

الجواب :- قواعد فقہیہ کی رو سے مشترکہ دیوار کی تعمیر کے جملہ اخراجات اور تاوان دونوں کے ذمہ ہو گا کوئی ایک فریق اس کے اخراجات کا ذمہ دار نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : وفي جامع الفصولين حائط بينهما

وخيف سقوطه فاراد احدهما نقضه وابى الآخر يجبر على نقضه ونصف قيمة البناء لو انفق بلا امر القاضى ونقل هذا الحكم في شرح الوهبانية عن الذخيرة في مسئلة انهدام السفلى وقال انه الصحيح المختار للفتوى -

(۴۱ المختار ج ۲ ص ۳۳۳ کتاب الشریکۃ مطلب فيما اذا من العاشر ص ۲)

اقرار سے شرکت کا ثبوت | سوال :- ایک آدمی کا کسی کے ساتھ زمین کا تنازعہ عدالت میں چل رہا تھا اُس نے اپنے ایک خاص آدمی سے کہا کہ تم بھی اس دعویٰ میں میرے ساتھ شریک ہو جاؤ اور جب میں مقدمہ جیت لوں گا

۱۔ وقال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: اي وكل واحد من الشريكين ممنوع من التصرف في نصيب صاحبه لغير الشريك الا باذنه لعدم تضمنها الوكالة - (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۵ کتاب الشریکۃ)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۳۸۵ کتاب الشریکۃ -

۲۔ وقال العلامة سليم رستم بازالبنافى رحمه الله: فطالب البناء ان يبنى باذن الحاكم ويرجع على شريكه بحصة من نفقة البناء -

(شرح مجلة الاحكام - المادة ۳۱۸ ص ۳۱۸ کتاب العاشر)

وَمِثْلُهُ فِي جَامِعِ الْفُصُولِينَ ج ۲ ص ۲۱۲ الفصل الرابع والثلاثون في الاحكام -

تو اس میں تمہیں بھی حصہ دوں گا، اب جبکہ مقرر نے مقدمہ جیت لیا ہے تو کیا مقرر اس کے ساتھ زمین میں شریک متصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں اس شخص نے خود ہی اپنے مقابل کے لیے ان الفاظ سے اقرار کیا ہے کہ ”تم بھی اس میں میرے ساتھ شریک ہو“ لہذا اس اقرار کی وجہ سے اس کا شریک کہ وہ شخص مذکورہ قطعہ اراضی میں شریک متصور ہوگا۔

لما قال العلامة المرغینانی: واذا اقر احد العاقل البالغ بحق لزمه اقراره بمجھولاً كان ما اقربہ او معلوماً۔ (الهدایۃ ج ۳ ص ۲۳ کتاب الاقرار)

مشترکہ زمین میں کسی ایک شریک کا پھلدار درخت لگانا | سوال :- ایک شخص

میں سے ایک نے باپ کی وفات کے بعد مشترکہ زمین میں ایک باغ لگایا، اب یہ باغ لگانے والا اس میں دوسرے بھائیوں کا حصہ نہیں مانتا، تو کیا از روئے شریعت اس باغ میں دوسرے بھائیوں کا حصہ بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں باپ کی وفات کے بعد مشترکہ زمین میں جس بیٹے نے باغ اور درخت لگائے ہوں تو یہ باغ اور درخت وغیرہ اسی کی ملکیت سمجھے جائیں گے خواہ دوسرے بھائیوں کی اجازت سے لگایا ہو یا بغیر اجازت کے، کیونکہ اجازت کی صورت میں زمین کی تقسیم کے دوران اگر یہ پھلدار درخت کسی دوسرے بھائی کے حصہ میں آئیں تو اسے ان درختوں کی قیمت ادا کرنی پڑے گی ورنہ اکھاڑنا ہوں گے۔

لما قال العلامة الحصکفی: (یعنی احدہما) ای احد الشریکین (بفید اذن الآخر) فی عقار مشترک بینہما (قطب شریکہ دفع بنائے قسم) العقار (فان وقع البناء) فی نصیب الباقي فیہا ونعمت (والاھدم) البناء

لہ وقال العلامة سلیم رستم باز البناء فی اللہ: المرأ مؤخذ باقرارہ۔

(شرح مجلۃ الاحکام۔ المادۃ ۹ ص ۵۵ المقالة الاولى)

وَمِثْلُہُ فی جامع الفصولین ج ۲ ص ۴۴ الفصل الثالث والعشرون۔

وحکم الغرس كذلك - (الدرا المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۸) کتاب القسمۃ (۱) لہ
 مشترکہ کتب شرکاء کی اجازت کے بغیر | سوال :- ایک عالم دین کا انتقال ہو گیا
 کسی کو عاریتہ دینا جائز نہیں | اور اس نے ترکہ میں کافی کتابیں چھوڑیں،
 ورثاء میں بالغ اور نابالغ دونوں موجود
 ہیں، ان میں ایک بڑا بیٹا گھر کے اخراجات کا ذمہ دار ہے، اب اگر کوئی شخص اس سے
 کوئی کتاب مطالعہ کے لیے مانگے تو اس کے لیے مشترکہ ترکہ میں سے کوئی کتاب دینا شرعاً
 جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں چونکہ ورثاء میں نابالغ اولاد بھی موجود ہے اور تمام
 ورثاء اس ترکہ کتب میں شریک ہیں جبکہ نابالغ اولاد کا مال باپ بھی کسی کو عاریتہ نہیں
 دے سکتا تو بڑا بھائی تو بطریق اولیٰ نہیں دے سکتا۔

لما قال العلامة سلیم رستم باز اللبانی: ليس للاب اعادة مال طفله لعدم
 البذل وكذا القاضي والوصي - (شرح مجلة الاحكام، المادة ۸۳۲ ص ۲۶۱) کتاب السادس (۲) لہ

مشترکہ ٹیوب ویل کے پانی سے کسی شریک کو روکنا جائز نہیں | سوال :- چند
 آدمیوں نے مشترکہ
 ٹیوب ویل نصب کرنے کے لیے کچھ پیسے اکٹھے کئے لیکن بد قسمتی سے جو جگہ انہوں نے
 ٹیوب ویل کے لیے منتخب کی تھی وہاں پانی نہ نکلا، ان میں سے ایک آدمی نے دوسری
 جگہ ٹیوب ویل کے لیے منتخب کی تو وہاں سے پانی نکل آیا، اب یہ آدمی باقی شرکاء کو
 پانی سے منع کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ یہ جگہ وہ نہیں جس کا انتخاب باہمی مشورہ سے

لہ وقال العلامة ابن عابدین: واذا بنی فی الارض المشتركة بغیر اذن الشریک لہ اَنْ
 یُنْقَضَ بناؤہ - (تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص ۱ کتاب الشریکۃ)
 ومثله فی فتاویٰ کاملیۃ ج ۵ ص ۵۳ کتاب الشریکۃ۔

لہ وقال العلامة محمد بن محمود: ذکر فی النوازل لیس لوالد الصغیر ان یعیر متاع ولده
 الصغیر - (احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۰۱ فی مسائل العاریۃ)
 ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۳۷۲ کتاب التاسع المتفرقات کتاب العاریۃ۔

ہوا تھا تاہم اس کے جملہ اخراجات مشترکہ رقم سے ادا کیے گئے ہیں، تو کیا اس کا یہ اقدام شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- بشرط صحت سوال جب مشترکہ مال سے ٹیوب ویل لگایا گیا ہے تو جملہ شرکاء اس سے استفادہ کے حقدار رہیں گے جبکہ کی تبدیلی سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ما قال العلامة سليم رستم باذ اللبنا في ^{الشرع} لا أحد اصحاب الحصص التصرف مستقلاً في الملك المشترك باذن الآخر لكن لا يجوز له ان يتصرف تصرفاً مضرراً بالتشريك - رشرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۰۷۱ من كتاب العشرة ^{الشرع}

مچھلی کا شکار کرنے میں شرکت کا حکم | سوال :- چند آدمی باہمی طور پر مچھلی کا شکار کرنے کے لیے معاہدہ کرتے ہیں، معاہدہ کے مطابق

ضروری نہیں کہ جملہ شرکاء محنت کریں تاہم آلات شکار کی خریداری مشترکہ مال سے ہوتی ہے اور ملازم کا ماہانہ خرچہ بھی مشترکہ طور پر برداشت کرتے ہیں، تو کیا شرکت کا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ مچھلی پکڑنے کی شرکت اور استیجار شرعاً ناجائز معاملہ ہے، لہذا مذکور صورت کا معاملہ بھی جائز نہیں اور اس میں مچھلی اس کا حق ہے جس نے پکڑی ہو تاہم اگر وقتی طور پر چند افراد اکٹھے ہو مچھلی کا شکار کریں اور آخر میں باہمی طور پر تقسیم کریں تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ما قال العلامة الشيخ البزاز رحمه الله: اشتركا في الاصطياد و نصبا شبكة او ارسلا كلباً لهما فالصيد بينهما انصافاً -

فتاویٰ البزازیة علی هامش الہندیۃ ج ۶ کتاب الشریکۃ

ما قال العلامة التمرتاشی رحمه الله: لا تصح شركة في احتطاب و

له وقال في الہندیۃ: ولا يجوز لآحدہما ان يتصرف في نصيب الآخر الا بامره وكل واحد منهما كالاجني في نصيب صاحبه -

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ کتاب الشریکۃ - الباب الاول -

و مثله في تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۸ کتاب الشریکۃ -

احتشاش و اصطیاد و استقار و سائر مباحات -

ز تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۵ کتاب الشركة - فصل فی الشركة الفاسدة

مشترکہ ایئر کنڈیشنز فروخت کرنے کا حکم | سوال :- چند ساتھیوں نے مشترکہ طور پر ایک ایئر کنڈیشنز خریدا اور

تمام ساتھی ایک ہی گھر میں اکٹھے رہتے تھے، اب ان میں سے کچھ ساتھی اس گھر کو چھوڑتے ہیں اور ایئر کنڈیشنز کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، تو کیا اس کی اول قیمت معتبر ہوگی یا مستعمل کی؟ کیونکہ ایئر کنڈیشنز غیر قابل قسمت چیز ہے؟

الجواب :- چونکہ ایئر کنڈیشنز غیر قابل قسمت چیز ہے اور مشترکہ طور پر خریدا گیا ہے اس لیے یہ تمام ساتھیوں کے مابین مشترکہ ہوگا، کچھ مدت گزرنے کے بعد اب اگر چند ساتھی اس گھر کو چھوڑنا چاہتے ہوں تو انہیں مستعمل ایئر کنڈیشنز کی قیمت کے لحاظ سے حصہ دیا جائے گا۔

لما قال العلامة فخر الدین حسن بن منصور الشہید بقاضینان : والعبد الواحد

والد ابنة الواحدة یباع ویقسم ثمنها لانها لا تحمل القسمة -

فتاویٰ خانیتہ علی هامش الہندیۃ ج ۳ ص ۳۵ کتاب القسمة

مشترکہ مال سے حج کرنے کا حکم | سوال :- زید اور عمرو دو بھائی ہیں اور مشترکہ گھر میں رہائش پذیر ہیں جب ان پر حج فرض ہوا تو

لما قال العلامة المرغینانی : ولا یجوز الشركة فی الاحتطاب والاصطیاد واما اصطادة کل واحد

منهما واحتطبه فهو له دون صاحبه - (الہدیۃ ج ۲ ص ۵۹۴ کتاب الشركة)

ومثله فی فتح القدیر ج ۵ ص ۲۰۹ کتاب الشركة -

لما قال العلامة الحصکفی : وفي الجواهر لا تقسم الكتب بین الوثائق ولكن یتفع کل بالمہایاة ولا

تقسم بالاوراق ولوبضاهم وكن الوکان کتاباً ذا مجلدات كثيرة ولوتراضیان تقوّم الكتب ویأخذ کل بعضہا بالقیمۃ لوکان بالتراضی جاز وإلا لا -

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۲۶۱ کتاب القسمة)

ومثله فی شرح مجلة الاحکام تحت المادة ۲۲ ص ۶۶۳ کتاب الاشریۃ -

زید چونکہ بڑا بھائی تھا اس لیے اس نے مشترکہ مال سے فریضہ حج ادا کیا، بعد میں دونوں جدا ہو گئے ہیں تو اب عمرو زید سے حج پر صرف شدہ رقم سے اپنے حصے کا مطالبہ کرتا ہے، تو کیا عمرو کا یہ مطالبہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- مذکورہ صورت چونکہ شرکت ملک کی ایک صورت ہے لہذا اس کا حکم یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنے میں اجنبی ہے اس لیے زید عمرو کا ضامن ہوگا اور اس کے ذمہ عمرو کا نصف دین شرعاً لازم ہے، لہذا عمرو زید سے اپنے حصے کا شرعاً مطالبہ کر سکتا ہے، تاہم اگر اس کی اجازت سے حج کیا ہو تو تبرع ہونے کی صورت میں دوبارہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین : ان كل واحد من الشريكين شركة ملك ممنوع من التصرف في نصيب صاحبه كغير الشريك من الاجانب الا باذنه لعدم تضمنها الوكالة۔
(تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۸۸ کتاب الشركة ۲۱)

مشترکہ زمین میں چشمہ کے پانی سے شریک کو منع کرنا جائز نہیں | سوال : زید اور عمرو کے مابین ایک

زمین مشترکہ تھی جس میں سے کچھ زمین بنجر اور کچھ قابل کاشت تھی، کچھ وقت تک دونوں اس سے فائدہ حاصل کرتے رہے، نیز اس زمین میں پانی کا ایک چشمہ بھی تھا، حال ہی میں زید عمرو کو اس چشمہ کے پانی سے منع کر دیا ہے، تو کیا زید کا عمرو کو چشمہ کے پانی سے منع کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر مذکورہ زمین کا مشترکہ ہونا میراث اور مسلم ہو تو زید کا عمرو کو چشمہ وغیرہ سے منع کرنا از روئے شریعت جائز نہیں ہے کیونکہ اس چشمہ میں جس طرح زید کا حق بنتا ہے اسی طرح عمرو کا بھی حق بنتا ہے، لہذا زید کا عمرو کے ساتھ یہ رویہ

لما قال العلامة سليم دستم باز، لاحد اصحاب الحصص التصرف مستقلاً في الملك المشترك باذن الآخر لكن لا يجوز له ان يتصرف تصرفاً مضرراً بالشريك۔ (مترج مجلۃ الاحکام، تحت المادة ۱۰۷۱ من کتاب العاشر) ومثله في الهداية ج ۲ ص ۵۹۹ کتاب الشركة۔

شرعاً درست نہیں۔

لما ورد في الحديث: المسلمون شركاء في ثلث في المال والكلام والناس۔

رسنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۳۶ کتاب البیوع۔ باب فی منع الما (۱) ط

اموال مشترکہ میں سے زکوٰۃ دینے کا حکم | سوال :- دو آدمیوں کے مابین مشترکہ کاروبار ہے، ان مشترکہ اموال

میں سے زکوٰۃ دینے کا کیا طریقہ ہے؟ نیز اگر ایک شریک ان اموال میں سے جن میں سے زکوٰۃ واجب ہو زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو اس کا دوسرا ساتھی اس کے زکوٰۃ نہ دینے سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- جب دو آدمیوں کی آپس میں کاروباری شراکت ہو تو ہر ایک اپنے حصہ سے زکوٰۃ دینے کا ذمہ دار ہے کسی ایک کی ذمہ داری دوسرے پر عائد نہیں ہوتی اور نہ ہی ایک شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ دینے کا مجاز ہے اور بلا اجازت شریک زکوٰۃ نکالنے کی صورت میں دوسرا شریک ضامن قرار دیا جائے گا، لہذا اگر دوسرا شریک زکوٰۃ ادا نہ بھی کرتا ہو تو کاروبار میں شریک رکھنے سے کوئی حرج لازم نہیں آتا، تاہم اگر زکوٰۃ نہ دینے والے کی محفل و مجلس اور باہمی اشتراک سے اس کے اعمال و اخلاق متاثر ہوتے ہوں تو پھر ایسی حالت میں اس شخص کے ساتھ کاروبار میں شرکت کرنے سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم: (والم يترك مال الاخوان باذنه) أي أحدهما لانه ليس من جنس التجارة فلا يكون كماله عنه فإذا أضافها لآل ان يأذن له۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۷ کتاب الشركة ط

ط قال العلامة سليم رستم بان: الما والكلام والتارمباحة والناس في هذه الاشياء الثلاثة شركاء۔ (شرح مجلة الاحكام۔ المادة ۲۳۴ ص ۶۷۹ کتاب العاشر ط

ومثله في الهداية ج ۲ ص ۲۸۵ کتاب الشركة۔

ط قال العلامة فخر الدين الزيلعي: (والم يترك مال الاخر) لا يترك كل واحد منهما نصيب صاحبه لانه لم يأذن له فيها لان الاذن بينهما وقع في التجارة والزکوٰۃ ليست منها۔ (تبيين الحقائق ج ۳ ص ۳۲۳ کتاب الشركة۔ فصل في الشركة الفاسدة ومثله في الهندية ج ۲ ص ۳۳۶ کتاب الشركة۔ الباب السادس في المتفرقات۔

اموال مشترکہ میں سے مہمان نوازی کا حکم | سوال :- ایک آدمی فوت ہو گیا، اس کے دو بیٹے رہ گئے، ایک بالغ جبکہ دوسرا نابالغ ہے، تو کیا یہ بالغ اور بڑا بھائی اموال مشترکہ میں سے مہمان نوازی کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اموال مشترکہ میں سے مہمان نوازی کرنا شرعاً درست نہیں، البتہ اگر دیگر بھائی بالغ ہوں تو ان کی اجازت سے مشترکہ اموال سے مہمان نوازی اور دیگر تبرعات کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ان كل واحد من الشريكين شركة ملحق
ممنوع من التصرف في نصيب صاحبه كغير الشريك من الاجانب الا باذنه
لعدم تضمنها الوكالة - (تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۸۸ کتاب الشركة)

مشریک کو شرکت ختم کرنے کا اختیار ہے | سوال :- چند آدمیوں نے مل کر
مشترکہ کاروبار شروع کیا اور سامان تجارت کی خرید و فروخت کرتے رہے، ان میں سے اچانک ایک مشریک نے شرکت سے انکار کر دیا کہ میں آپ کے ساتھ شرکت کا معاملہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ تو کیا دیگر شرکاء کے مشورہ کے بغیر کسی مشریک کے لیے شرکت کو فسخ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شرکاء میں سے ہر کسی مشریک کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دوسرے شرکاء کی اجازت اور مشورہ کے بغیر جب چاہے اپنی شرکت کو ختم کر دے، اس صورت میں اشیاء مشترکہ کی قیمت لگا کر اصل زر بقدر حصہ اور منافع بقدر شرح تقسیم کر لیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: اشترکوا واشتريا متعة ثم قال احدهما لا عمل

لما قال العلامة سليم رستم باز: لا حد اصحاب الحصص التصرف مستقلاً في
الملک المشترك باذن الاخر لكن لا يجوز له ان يتصرف تصرفاً مضرّاً بالشريك -
(شرح مجلة الاحکام تحت المادة ۱۰۷ ص ۶ کتاب العاشر)
ومثله في الهداية ج ۲ ص ۵۹۹ کتاب الشركة۔

معك بالشركة وغاب فباع الحاضر لا متعة فالحاصل للبائع وعليه قيمة المتاع لان قوله لا اعمل معك فسخ للشركة معه واحدهما يملك فسخها وان كان المال عرضاً بخلاف المضاربة وهو المختار - (رد المحتار ج ۴ ص ۲۲۵ کتاب الشركة) ۱۷

سوال :- ایک شخص نے اپنے بیٹے کے ساتھ کمپنی کا کاروبار شروع کیا اور اس میں کافی پیسے کمائے

اب سوال یہ ہے کہ یہ پیسے باپ اور بیٹے کے مابین مساوی تقسیم ہوں گے یا صرف باپ کی ملکیت شمار ہوں گے ؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں باپ اور بیٹے نے مشترکہ کاروبار سے جو پیسے کمائے ہیں وہ باپ کی ملکیت شمار ہوں گے کیونکہ بیٹا باپ کا معین اور مددگار ہوتا ہے لہذا باپ اپنی زندگی میں اس میں جو بھی تصرف چاہے کر سکتا ہے، تاہم اگر اس المال دونوں کا مشترکہ ہو اور معاہدہ بھی یہی ہوا ہو تو منافع بھی دونوں میں مساوی تقسیم ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : الابن والابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لہما شیء فاکسب کلہ للاب ان کان الابن فی عیالہ لکونہ معینالہ الا ترى انہ لو غرس شجرة تکون للاب -

(رد المحتار ج ۴ ص ۲۲۵ کتاب الشركة - فصل فی الشركة الفاسدة) ۱۸

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : وصورتہ اشترکاً و اشتریا امتعة ثم قال احدهما لا اعمل معك بالشركة ----- لان قوله لا اعمل معك فسخ للشركة معه احدهما يملك فسخها -

(البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۵ کتاب الشركة)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۳۳۵ کتاب الشركة -

ثم وقال في الهندية : ابْنُ وابْنِ يَكْتَسِبَانِ فِي صِنْعَةٍ وَاحِدَةٍ وَلَمْ يَكُنْ لِهَما مال فاکسب کلہ للاب اذا كان الابن في عیال الا ان لکونہ معینالہ -

(الفتاویٰ الهندية ج ۲ ص ۳۲۹ الباب التاسع فی شركة الوجوه)

وَمِثْلُهُ فِي فَتَاوَى الْکَامِلِيَّةِ ج ۱ ص ۵ کتاب الشركة -

مشترکہ زمین میں بلا اجازت شریک کے باغ لگانا | سوال :- ایک زمین دو آدمیوں کے مابین مشترکہ ہے جس میں ایک

شریک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر مالٹا کے پودے لگا دیئے، چند سال کے بعد جب پودے پھل دینے لگے تو شریک ثانی نے کہا کہ یہ پودے چونکہ مشترکہ زمین میں لگائے گئے ہیں اس لیے ان میں میرا بھی مکمل حصہ ہے لیکن شریک اول انکار کر رہا ہے، تو آیا اس کا یہ انکار شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ زمین دونوں شرکاء کے مابین تقسیم کی جائے گی، پودے لگانے والے کے حصہ میں اس کے پودے برقرار رہیں گے اور دوسرے شریک کے حصہ میں پودے لگانے والا اپنے پودے اکھاڑے اور اگر زمین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو پودے نہیں اکھاڑے جائیں گے اور دوسرا شریک پہلے والے کو ان پودوں کی قیمت ادا کرے گا۔

قال العلامة الحصکفی: بنی احدہما ای احد الشریکین بغیر اذن الآخر فی عمار مشترک بینہما فطلب شریکہ رفع بناءہ قسم العقار فان وقع البناء فی نصیب البانی فیہا ونعمت والاهدم البناء وحکم الغرس { الدر المختار علی صدر رد المختار } ج ۶ ص ۲۶۸ کتاب القسمة

کسی کی گائے بطور شریکت پالنا | سوال :- ایک شخص نے گائے خرید کر کسی دوسرے شخص کو اس شرط پر پالنے کے لیے

دے دی کہ دودھ سب تمہارا ہوگا اور اس سے جو بچے پیدا ہوں وہ میرے ہونگے، تو کیا اس قسم کی شرط لگانا اور ایسا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

لہ وقال الشیخ محمد الکامل الطرابلسی: ان الارض تقسم بینہما فما وقع فی نصیب غیر البانی یرفع..... وافقی شیخ آفندی فی غرس الاشجار من احد الشریکین فی الارض المشتركة بمثل ذلك (فتاویٰ کاملیہ ج ۱ ص ۵۳ کتاب الشریکۃ)

ومثله فی سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۲۷ باب فی ذرع ارض قوم بغیر اذن صاحبہا۔

الجواب :- مذکورہ صورت میں گائے کا دودھ اور اس کے بچے سب مالک کے ہیں اور پالنے والے کو اجرت مثل دی جائے گی کیونکہ یہ اجارہ فاسد ہے اور اجارہ فاسد میں کام کرنے والے کو اجر مثل ملتا ہے۔

لما قال الشيخ محمد كامل الطرابلسي رحمته الله: لا يصح ذلك وما حدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه واجر مثله كما في الرد۔

رفتاوی کاملیہ ص ۵۵ کتاب الشركة

مشترکہ زمین میں شرکاء کی اجازت کے بغیر مکان بنانا | سوال :- ایک غیر آباد مشترکہ ہے، ان میں سے ایک شریک نے بلا اجازت شرکاء کے اور تقسیم سے پہلے ہی اس میں ایک مکان تعمیر کیا، تو کیا اس شخص کا بغیر شرکاء کی اجازت کے مکان تعمیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- مشترکہ زمین میں کسی ایک شریک کا تصرف کرنا دیگر شرکاء کی اجازت پر موقوف ہے، اور صورت مذکورہ میں اس شخص نے چونکہ شرکاء کی اجازت کے بغیر اور قبل از تقسیم مکان بنایا ہے اس لیے اس کا یہ اقدام شرعاً درست نہیں۔

لما قال العلامة سليم رستم باز، اذ ابني احد الشركاء لنفسه في الملك المشترك القابل للقسمه بدون اذن الآخرين ثم طلب الاخذ بالقسمه تقسم فان خرج ذلك البناء في نصيب بانيه فيها وان خرج في نصيب الآخر فله ان يكلف بانيه هدمه ورفعته۔ (شرح مجلة الاحكام) الماده ۴۳۱ و ۶۲۴ م ۲

لما وقال في الهندية: وعلى هذا اذا دفع البقرة الى انساب الفلق يكون الحادث بينهما نصفين فما حدث فهو لصاحب البقرة ولذلك الرجل مثل العلف الذي علقها واجر مثله فيما قام عليها۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۳۵) الباب الخامس في الشركة الفاسدة م ومثله حاشية منحة الخالق على هامش البعوالرائق ج ۵ ص ۱۸۴ کتاب الشركة۔
وما قال الشيخ محمد كامل الطرابلسي: واذا ابني في الارض المشتركه بغیر اذن الشريك له ان ينقض بناؤه۔ (فتاوى کاملیہ ج ۵ کتاب الشركة)
ومثله في تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۸۸ کتاب الشركة۔

خود روگھاس مُشْرک ہوتا ہے | سوال :- ایک مشترکہ زمین جو کسی کی فاص
ملکیت نہیں گاؤں والوں میں سے ایک شخص
یہ چاہتا ہے کہ اس مشترکہ زمین میں اُگے ہوئے خود روگھاس کو زمین پر دے دے یا فروخت کرے
تو کیا اس شخص کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- خود روگھاس خواہ مملوکہ زمین میں ہو یا غیر مملوکہ زمین میں ہر حال میں وہ
کسی کی ملک نہیں ہوتا، لہذا مذکورہ بالا شخص کا یہ اقدام شرعاً درست نہیں ۔
لما ورد فی الحدیث : المسلمون شركاء فی ثلاث فی الماء سکلاہ والناس ۔
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۳۶ کتاب البیوع - باب فی منع الماء)

آمدن و اخراجات میں شریک بھائیوں کی کمائی کا حکم | سوال :- دو بھائی آپس میں
آمدنی اور گھر کے تمام اخراجات

میں شریک تھے، ان میں سے ایک بھائی انگلینڈ چلا گیا وہاں اس نے کافی مال جمع کیا اور آپس
آکر ایک مکان خریدا، اس بھائی کی عدم موجودگی میں دوسرا بھائی گاؤں میں ہی محنت مزدور
کر کے خود بھی کھاتا رہا اور اس کے اہل و عیال کو بھی کھلاتا رہا، لیکن جس بھائی نے مکان خریدا
ہے اب وہ اس میں دوسرے بھائی کے حصہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہا ہے، تو کیا شرعاً
یہ دونوں بھائی اس مکان میں برابر کے شریک ہوں گے یا جس بھائی نے خریدا ہے اس کا
ہی ہوگا ؟

الجواب :- مذکورہ صورت میں جو شرکت ہے وہ شرکت فاسدہ ہے، لہذا اگر
دونوں بھائیوں کے اموال آپس میں غیر متمیز ہوں تو ان میں مساوی انداز میں تقسیم ہوں
گے اور اگر دونوں کے اموال متمیز ہوں تو ہر ایک بھائی اپنے اپنے حصے کا حقدار ہوگا،
اور اس بھائی کے مکان میں دوسرے بھائی کو حصہ دینا کوئی شرعی امر نہیں بلکہ محض

لہ وقال العلامة سلیم رستم باذالبنا فی رحمہ اللہ : الماء سکلاہ والناس
والنابیۃ والناس فی ہذہ الاشیاء الثلاثۃ شرکاء ۔

شرح مجلۃ الاحکام، المادۃ ۳۳۴ ص ۶۴۹ کتاب العاشر

وَمِثْلُهُ فی الہدایۃ ج ۲ ص ۴۸۵ کتاب احیاء الموات ۔

رواجی امر ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: یؤخذ من هذا ما افتی به فی الخیریة فی زوج امرأة وابنها اجتماعاً دایراً واحدة واخذ کل منها یکتسب علی حدة ویجمعان معاً کسبهما ولا یعلم التفاوت ولا التساوی ولا التمییز فاجاب بانه بینهما سوية۔
(رد المحتار ج ۴ ص ۳۲۵ کتاب الشركة۔ فصل فی الشركة الفاسد)

مشترکہ ندی سے انتفاع کا حکم | سوال :- ایک ندی دو آدمیوں کے مابین مشترکہ ہے، ان میں سے ایک شریک دوسرے کو منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ اس ندی سے نفع نہیں اٹھا سکتے اور میں آپ کا اس میں حق نہیں مانتا، اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ شریک اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر اس ندی سے نفع حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر مذکورہ ندی کا مشترک ہونا مبرہن اور مسلم ہو تو ان شرکا میں سے ہر ایک اپنے اپنے حصہ میں مستقل تصرف کرنے کا مالک ہے اور ملک مشترک میں دوسرے ساتھی کی اجازت سے تصرف کرنے کا مجاز ہے۔

قال العلامة: لیم رستم باز: لاحدا صعب الحصص التصرف مستقلاً فی ملک المشترك باذن الآخر لکن لا یجوز لہ ان یتصرف تصرفاً مضرراً بالشریک۔
(شرح مجلة الاحکام۔ المادة ۱۰۷۱ من کتاب العاشر)

لہ وقال الشیخ محمد کامل الطرابلسی: فاذا کان سعیم واحد ولم یتمییز ما حصلہ کل واحد منهم یصلہ یكون ما جموعہ مشترکاً بینہم بالسوية وان اختلفوا فی العمل والرأی کثرة وصواباً کما افتی بہ فی الخیریة وما اشتراہ احدہم لنفسہ یكون لہ ویضمن حصۃ شریک لہ من ثمنہ اذ دفعہ من المال المشترك۔ (فتاویٰ کاملیۃ ج ۱ ص ۳۲۵ کتاب الشركة)
وَمِثْلُهُ فی تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص ۳۱۹ کتاب الشركة۔

لہ وقال العلامة ابن عابدین: ان کل واحد من الشریکین شركة ملک ممنوع من التصرف فی نصیب صاحبہ کغیر الشریک من الاجانب الا باذنه لعدم تضمنہا الوکالة۔
(تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص ۳۱۸ کتاب الشركة)

وَمِثْلُهُ فی الهدایۃ ج ۲ ص ۵۹۹ کتاب الشركة۔

سوال :- ایک آدمی کے پانچ بیٹے **مزدور جو کچھ کمائے وہ اسی کی ملکیت خاص ہوتا ہے** | ہیں جن میں سے ایک بیرون ملک

چلا گیا اور وہاں چند سال مزدوری کرنے کے بعد پھر اپنے وطن واپس آ گیا اور کچھ مدت گزرنے کے بعد اپنے بھائیوں اور والدین سے جدا ہو گیا، اس موقع پر اس نے یہ کہا کہ جو کچھ میں نے کمایا ہے وہ خاص میری ملکیت ہے جبکہ اس کے بھائیوں نے یہ کہا کہ نہیں تمہاری کمائی میں ہمارا بھی حصہ بنتا ہے تو کیا اس کے دوسرے بھائیوں کا یہ کہنا شرعاً درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :- شریعت کی رو سے کسی مزدور کی کمائی ہوتی رقم اُسی کی ملک خاص ہوتی ہے اور اُس کی اس کمائی میں کوئی بھی شریک نہیں، کیونکہ کمائی اور مزدوری کمانے والے کی ملک خاص ہوتی ہے، البتہ اُس پر مشترکہ مال سے جو کچھ خرچ کیا گیا ہو تو وہ واپس لیا جاسکتا ہے۔

لما قال الشيخ محمد كامل الطرابلسي: وان اختلفوا في العمل والرائي كثرة وصوابا لما اقتضى به الخيرية وما اشتراه احدثهم لنفسه يكون له ويضمن حصّة شركائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترك - فتاوى كاملية ج ۱ ص ۲۵۵ کتاب الشركة

سوال :- جناب مفتی صاحب! میری کپڑے **اولاد اور باپ کی مشترکہ تجارت میں اولاد کا حصہ** | کی دوکان ہے جس کا کل سرمایہ میرا پتلا ہے

دوکان میں نے پچاس ہزار روپے کے سرمائے سے شروع کی اور اب دوکان کا سرمایہ دس لاکھ روپے تک بڑھ گیا ہے، اس کاروبار کو ترقی دینے میں میرے دو بیٹوں نے بھی میرا ساتھ دیا ہے، دونوں بیٹے اس وقت سے لے کر آج تک اکٹھے رہے ہیں، اب ان میں سے ایک بیٹا جدا ہونا چاہتا ہے اور مجھ سے اس دوکان میں حصہ داری کا مطالبہ کرتا ہے۔ انتخاب سے شریعت مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل مطلوب ہے ؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق آپ کے بیٹے کاروبار میں آپ کے معاون تھے نہ کہ شریک، اس لیے ان میں سے کسی ایک بیٹے کو بھی دوکان میں حصہ داری کے دعویٰ کا

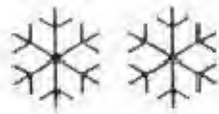
لما قال العلامة سليم رستم ياز: وما اشتراه احدثهم لنفسه يكون له ويضمن شركائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترك وكل ما استدانه احدثهم يطالب به وحده -

(شرح مجلة الاحكام - المادة ۱۳۶ ص ۲۵۵ کتاب العاشر)

ومثله في تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۹۶ کتاب الشركة -

شرعاً کوئی حق نہیں، اور اگر آپ اس بیٹے کو کچھ بھی نہ دیں تو شرعاً آپ پر کوئی گناہ نہیں تاہم بہتر یہ ہے کہ اس بیٹے کو بھی احساناً کچھ نہ کچھ دے دیا جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ابّ وابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیء ثم اجتمع لهما مال یكون کلمه للاب اذا کان الابن فی عیالہ واجاب خیر الرملی عن سوال اخر بقوله حیث کان من جملة عیالہ والمعتین له فی امورہ واحوالہ فجميع ما حصله یکره وتعبه فهو ملک خاص لابیه لاشیء له فیہ حیث لم یکن له مال. لو اجتمع له بالکسب جملة اموال لانه فی ذلک لابیہ معین۔ (فتاویٰ حامدۃ ج ۲ ص ۱۸۱ کتاب الشریک) اس صورت میں وہ سب باپ ہی کا خرچ ہوا اس سے زیادت کے رجوع کا حق کسی کو بھی نہیں۔ نیز اولاد کو اپنے سے علیحدہ کرنے کے لیے زید کو اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ اس سرمایہ کو ان میں تقسیم کرے بلکہ اولاد بائقین کو بدون کچھ سرمایہ دیئے بھی الگ کر سکتا ہے اور اگر ان کو کچھ سرمایہ دے کر الگ کرے تو یہ اچھا ہے اور اس صورت میں سب کو برابر سرمایہ دے اور نابالغوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھے بلوغ سے پہلے ان کو الگ نہیں کر سکتا۔ (امداد الاحکام ج ۳ ص ۳۱۶ کتاب الشریک)



لما قال العلامة ظفر احمد العثماني: (الجواب) زید نے جو اپنے لڑکوں کو کاروبار میں اپنے ساتھ شریک کیا ہے تو اسکی صورت کیا تھی؟ آیا زید نے ہر بیٹے کو کچھ رقم یا سرمایہ ہیبتہ دیدیا تھا، پھر وہ رقم یا سرمایہ کاروبار میں لگا کر لڑکا شریک تجارت ہوا یا باپ نے کسی بیٹے کو کچھ رقم ہیبتہ نہیں دی نہ سرمایہ دیا اور نہ بیٹوں کے پاس اپنی ذاتی رقم یا سرمایہ تھا جس کو ملا کر وہ کاروبار میں شریک ہوئے ہوں بلکہ بیٹے ویسے ہی بدون رقم دیئے کام کرنے لگے اور اس شرکت سے کام کو ترقی ہوئی۔ پس صورت اولیٰ میں تو یہ البتہ شرکت ہے اور ہر شخص اپنی رقم و سرمایہ کی نسبت سے اس وقت اصل وقوع میں مستحق ہوگا۔ اور صورت ثانی میں شرکت ہی نہیں بلکہ کل سرمایہ زید کی ملک ہے اور سب لڑکے اس کے معین شمار ہوں گے اور جس لڑکے پر زیادہ خرچ ہوا



۲۲۲

کتاب المضاربة

(مضاربت کے احکام و مسائل)

مضاربت کی حقیقت | سوال :- جناب مفتی صاحب! مضاربت کی کیا حقیقت ہے؟
الجواب :- مضاربت رُبت المال اور مضارب کے باہمی اشتراک کا وہ
 فائدہ مند معاملہ ہے جس میں رُبت المال کو اس کے مال کی وجہ سے اور مضارب کو محنت کی وجہ سے
 حصہ دیا جاتا ہے، ایسی حالت میں دونوں کے لیے اس معاہدہ کی پابندی ضروری ہوتی ہے جو
 شرعی قواعد و ضوابط کی روشنی میں ان کے درمیان طے پایا ہو۔

قال العلامة ابوالیرکات التفسی: هی شركة بمال من جانب والمضارب امین والتصرف
 وکیل وبالربح شریک وبالفساد اجیر وبالحلاف غاصب وباشتراط کل الرعم له مستقر
 وباشتراطه لرب المال مستبضع وانما تصم بماتصم به الشركة۔

(کنز الدقائق ص ۳۳۹ کتاب المضاربة) لہ

مضاربت میں منافع کی تعیین کرنا | سوال :- عمرو نے بکر کو دس ہزار روپے تجارت
 کے لیے دیئے اور بکر پر شرط عائد کر دی کہ آپ
 مجھے سالانہ ایک ہزار روپے دیں گے بقایا منافع جتنا بھی ہوگا وہ آپ کا ہوگا، تو کیا ایسا
 عقد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مضارب یا ربت المال کا کسی خاص مقدار میں منافع کا اپنے لیے متعین کرنا
 خواہ ماہانہ ہو یا سالانہ، مفسد عقد ہے، اس لیے ایسی صورت میں مضاربت فاسد رہے گی۔
 قال العلامة ابوبکر الکاسانی: ومنہا ان یکون المشر وطاکل واحد منہما

لہ قال العلامة القدوری رحمہ اللہ :- المضاربة عقد یقع علی الشركة فی الربح بمال
 من احد الشریکین وعمل من الآخر ولا تصم المضاربة الا بالمال الذی یتیان الشركة
 تصح بہ۔ (مختصر القدوری، کتاب المضاربة)

ومثله فی الہدایۃ ج ۳ ص ۲۵۶ کتاب المضاربة۔

من المضارب ورب المال من الربح جزاً شائعاً نصفاً او ثلثاً او ربعاً فان شرط اعداداً مقدراً بان شرطان يكون لاحدهما مائة درهم من الربح او اقل او اكثر والباقي للاخر لا يجوز والمضاربة فاسدة۔ (ردائع الصنائع ج ۶ ص ۸۵۶ فصل واما شرائط الركن في بعضها يرجع الخ) لہ

عقد مضاربت میں رأس المال کا نقدی ہونا ضروری ہے | سوال :- زید نے عمرو کے ہاتھ بیس ہزار روپے کا

مال فروخت کیا اور قیمت وصول نہیں کی بلکہ قرض رہنے دیا، بعد میں دونوں میں اس طرح کا عقد ہو گیا کہ زید نے عمرو سے کہا کہ اُن بیس ہزار روپوں کے ساتھ آپ تجارت کریں جو میرے آپ کے ذمے قرض ہے اور منافع کی صورت میں اولاً عمرو زید کو دو ہزار روپے ادا کرے گا اور بقایا رأس المال سے جو بھی نفع آئے گا وہ دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا، کیا مضاربت کی یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ مضاربت شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ عقد مضاربت میں مال کا نقد دینا ضروری ہے نہ کہ قرض کا مال، البتہ اس طرح کا عقد کرنا کہ رب المال کا کسی آدمی کے ذمے قرض ہو اور مضارب کو اجازت دے دے کہ آپ اُس قرض کو وصول کر کے اُس سے تجارت کریں تو یہ صورت درست ہے۔

قال العلامة المحقق :- واما المضاربة بدین فان على المضارب لربح جزوان على ثالث جاز، وكرة۔ (الدر المختار على صدر مراد المختار ج ۵ ص ۶۲۴ کتاب المضاربة) لہ

لہ وفي الہندیۃ: ومنها ان يكون نصيب المضارب الربح معلوماً على وجه لا تنقطع به الشركة في الربح كذا في المحيط۔ فان قال على ان لك من الربح مائة درهم او شرط مع النصف او الثلث عشرة دراهم لا تصح المضاربة كذا في محيط السرخسی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۸۴ کتاب المضاربة۔ الباب الاول في تفسيرها وركنها وشرائطها) ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب المضاربة۔

لہ وفي الہندیۃ: (ومنها) ان يكون رأس المال عيناً لا ديناً فالمضاربة بالديون لا يجوز حتى ان من كان له على آخر الف درهم فامره صاحب الدين ان يعمل بمضاربة لا يجوز المضاربة كذا في النهاية۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۸۶ کتاب المضاربة۔ الباب الاول في تفسيرها وركنها وشرائطها) ومثله في الہادیۃ ج ۳ ص ۲۵۸ کتاب المضاربة۔

مضارب کے نفقہ کا حکم | سوال :- دوران تجارت مضارب کی خوراک و پوشاک کا خرچہ کس کی ذمہ داری ہے ؟

الجواب :- مضارب مال کی تجارت اپنے شہر میں کرے تو اس کی خوراک وغیرہ کا خرچہ مال مضاربیت سے نکالنا جائز نہیں، ہاں اگر اپنے شہر سے باہر تجارت کرے تو خوراک و پوشاک کا خرچہ اور دیگر ضروریات زندگی مال مضاربیت سے پورا کرنے کی اجازت ہے۔

قال العلامة البوکی الکاسانی :- واما تفسیر النفقة التي في مال المضاربة فالكسوة والطعام والادام والشراب واجر الاجير وفرش بيتام عليه وعلف دابته التي يركبها في سفره ويصرف في حوائجه وغسل ثيابه ودهن المسراج والخطب ونحو ذلك ولا خلاف بين اصحابنا في هذه الجملة لان المضارب لا بد له منها فكان الاذن ثابتاً من رب المال دلالة -
(ردائع الصنائع ج ۶ ص ۱۰۶ فصل واما بيان حكم المضاربة) لہ

مضاربیت میں خسارہ کی ذمہ داری کا مسئلہ | سوال :- مضارب کی محنت کے باوجود اگر معاملہ فائدہ مند نہ رہے

اور مضارب کو آٹے دن ناکامی کا سامنا کرتے ہوئے کاروبار میں نقصان ہو رہا ہو جس کے نتیجے میں اصل رقم سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں تو ایسے حالات میں تاوان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے ؟

الجواب :- مضاربیت رب المال اور مضارب کے باہمی اشتراک عمل کا نتیجہ ہوتا ہے جس میں رب المال کے ساتھ مضارب کی محنت شامل ہوتی ہے، نقصان کی صورت میں دونوں کا متاثر ہونا ظاہر ہے، اگر رب المال کو مالی نقصان ہو کر تاوان پڑتا ہے تو مضارب کی بھی دن رات کی محنت ضائع ہوتی ہے، مالی نقصان کا بوجھ مضارب پر ڈالنا بے انصافی کے مترادف ہے، اسی لیے مضارب پر مالی نقصان کی ذمہ داری کی شرط کرنا مفسد ہے، جو نقصان ہو وہ پہلے منافع

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ :- وفي الاصل المضارب مادام يعمل في المصهر فنفقته في ماله وان كان المصهر كبير او هو قائم في جانب آخر للتجارة۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۸۹ الفصل الثالث في نفقة المضارب ومثونه)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَةِ الاحكام لروستم باز، مادة ۵۳، الفصل الثالث في احكام المضاربة۔

سے منہا کیا جائے گا، اگر اس سے بھی متجاوز ہو تو پھر رأس المال سے منہا کیا جائے گا۔
 قال العلامة الحسکفی: وفي الجملیة كل شرط یوجب جهالة فی الربح او یقطع
 الشركة فیہ یفسدھا والابطال الشرط كشرط الخسار علی المضارب۔
 رد المحتار مع رد المحتار ج ۵ ص ۶۳۸ کتاب المضاربة (۱)

مضاربت میں فریقین منافع کے حقدار کب بنتے ہیں | سوال: رب المال اور مضارب

دوسرے شہروں سے مال فروخت کرے گا اور منافع نصف نصف ہوگا، اب رب المال نے
 مضارب سے مال فروخت ہونے سے پہلے کہا کہ یہاں کے بھاؤ کے حساب سے درآمد کردہ
 مال میں بیس ہزار روپے منافع ہوتا ہے لہذا آپ مجھے دس ہزار روپے دے دیں، تو کیا
 رب المال کا ایسا مطالبہ کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب:۔ جب تک منافع کا ظہور نہ ہو جائے رب المال کو ایسا مطالبہ کرنا جائز نہیں
 اور منافع مال بیچنے کے بعد ہوتا ہے، اور اگر فریقین کے مابین اس طرح کا معاہدہ ہو چکا ہو
 تو یہ مضاربت فاسد ہے اس کو فوراً توڑ دینا چاہیے۔

قال العلامة ابن نجیم: وأشار المصنف الی ان للمضارب ان ینفق علی نفسه من
 مال المضاربة فی السفر قبل الربح والی اذہ لولہ یظهر الربح لا شیء علی المضارب۔
 البعالمالائق ج ۲ ص ۲۷ کتاب المضاربة (۲)

قال العلامة سلیم رستم باز رحمہ اللہ: الضرر والخسار یعود فی کل حال علی
 رب المال واذا شرط کونه مشترکاً بینہ و بین المضارب فلا یعتبر
 ذلک المشرط۔ شرح مجلة الاحکام مادة ۱۲۲۸ ص ۵۷ الفصل الثالث فی
 بیان احکام المضاربة (۳)

ومثله فی الہدایة ج ۳ ص ۲۵۸ کتاب المضاربة۔

قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: فاذا ظهر الربح فہو شریکہ بحصته
 من الربح۔ خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب المضاربة۔ الفصل الاول فی المقدمة (۴)
 ومثله فی رد المحتار ج ۵ ص ۶۵۸ کتاب المضاربة۔

حکومتی جرمانہ رب المال پر آئے گا یا مضارب پر | سوال :- زید نے عمرو کو دس ہزار روپے افیون کی تجارت کے لیے

دیئے، عمرو افیون خرید کر بڑی احتیاط کے ساتھ آ رہا تھا کہ راستے میں پولیس نے اُسے گرفتار کر کے مال بھی ضبط کر لیا اور تین ہزار روپے جرمانہ بھی لے لیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ تین ہزار روپے رب المال (زید) کے دئے ہوئے یا مضارب (عمرو) کے دئے، جبکہ افیون کی تجارت حکومت کی طرف سے سخت جرم ہے؟

الجواب :- نقصان جرم کی اگر مالک نے ذمہ داری قبول کر لی ہے تو مالک پر ضمان لازم ہے ورنہ مضارب پر آئے گا۔ البحر الرائق جلد ۲ ص ۲۷۱ میں ہے: ولا رجوع له فيما انفق في الخصومة لتقاضى الدين - جب دین (قرض) کے مقدمے کا خرچ مالک پر نہیں آتا ہے تو جرم کا ضمان کس طرح مالک پر آئے گا۔

وفي الهندية: الاصل ان ما يفعله المضارب ثلاثة انواع نوع يملكه بمطلق المضاربة وهو ما يكون من باب المضاربة وتوابعها ومن جملة التوكيل بالبيع والشراء للحاجة والوهن والارتهاق والاستئجار والادباج والايضاع والمساخرة ونوع لا يملكه بمطلق العقد ويملكه اذا قيل له اعمل برأيك وهو ما يحتمل ان يلحق به فيلحق به عند وجود الكالة وذلك مثل دفع المال مضاربة او شركة الى غيره وخط مال المضاربة بماله او بمال غيره ونوع لا يملكه لا بمطلق العقد ولا بقوله اعمل برأيك الا ان ينص عليه رب المال وهو الاستدانة - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۹۱ الباب الرابع فيما يملك المضارب من التصرفات ولا يملك له

له قال العلامة برهان الدين المرفيتاني رحمه الله: والاصل ان ما يفعله المضارب ثلاثة انواع نوع يملكه بمطلق المضاربة وهو ما يكون من باب المضاربة وتوابعها الخ (الى ان قال) ونوع لا يملكه لا بمطلق العقد ولا بقوله اعمل برأيك الا ان ينص عليه رب المال -

(الهداية ج ۳ ص ۲۶۵ فصل فيما يفعله المضارب)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۱۸۹ الفصل الثاني فيما يملك المضارب -

دوکان کے اخراجات مضارب پر عائد کرتا | سوال :- رب المال اور مضارب کے درمیان ایسا معاہدہ کرنا کہ نفع نقصان میں

باہم شریک ہوں یعنی ایک تہائی رب المال کا اور دو تہائی مضارب کا ہوگا، اس کے علاوہ دوکان کے اخراجات بھی مضارب کے ذمے ہوں گے، کیا ایسا معاہدہ کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- دوکان کے اخراجات رأس المال سے ادا کرنا جائز ہیں البتہ مضارب کو تاوان میں شریک کرنا ناجائز ہے اور مضارب پر تاوان کی ادائیگی مشروط کرنا بھی باطل ہے، تاوان کی صورت میں اگر مضارب قصور وار نہ ہو تو منافع سے منہا کیا جائے گا اور اگر منافع سے پوری ادائیگی ممکن نہ ہو تو رأس المال سے ادا کیا جائے گا۔

قال العلامة سليم رستم ياز: واذا تلف بعض مال المضاربة يحسب في اول الامر من الربح ولا يسرى الى رأس المال واذا تجاوز مقدار الربح وسرى الى رأس المال فلا يضمته المضارب سواء كانت المضاربة صحيحة او فاسدة۔

شرح مجلة الاحكام - المادة ۱۲۲۴ ص ۴۵۶/۴۵۷

مضاربت کے قواعد و ضوابط پر عرف کا اثر | سوال :- مروجہ کرنسی نوٹ مضاربت کے لیے کافی ہیں یا سونا چاندی خرید کر

دینا ضروری ہے؟

الجواب :- مروجہ کرنسی نوٹ چونکہ ثمن عرفی کے حکم میں ہیں اور معاشرہ میں ان سے خرید و فروخت کی جاتی ہے اس لیے مضاربت کے لیے ان کا دینا ہی کافی ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: المضاربة لا تجوز بغير الدرهم والدنانير مكبلاً كان او موزوناً او عروضا في قول ابى حنيفة و ابى يوسف رحمهما الله تعالى وقال محقق رحمه الله تجوز بالفلوس الرائجة عدداً وكلاً

الح قال العلامة المرغيناني: من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال لان الربح تابع رالى ان قال فان زاد الهالك على الربح فلا ضمان على المضارب لانه امين۔ (الهداية ج ۳ ص ۲۶۲ فصل في العزل والقسمة، كتاب المضاربة) ومثله في رد المحتار ج ۵ ص ۶۵۸ فصل في المتفرقات، كتاب المضاربة۔

تجوز بالذهب والفضة إذا لم تكن مضروبة في رواية الأصل (فتاویٰ خانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۱۶۱ کتاب المضاربة) ۱۰

سوال: مضارب کا رب المال سے جانور لینا حیوان کو مضاربت میں دینے کا حکم | بایں شرط کہ میں اس کو پالوں گا اور اس کی تسلی پیدا ہونے کی صورت میں موافق شرط تقسیم کریں گے، کیا مضاربت کی یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: حیوان کو مضاربت پر دینا عقد فاسد ہے، ہاں اگر حیوان کو دیتے وقت یہ کہہ دے کہ اس جانور کو بیچ دو اور اس رقم پر عمل مضاربت کرو تو یہ جائز ہے۔

قال العلامة سليم رستم بانما: بشرط ان يكون رأس المال مالا تصم به الشركة فلا يجوز ان يكون العقار والعروض والدين في ذمة رأس مال في المضاربة لكن ريت المال اذا أعطى شيئاً من العروض الى المضارب وقال بيع هذا واعمل بتمنه مضاربة وقيل المضارب وقبض ذلك المال وباعه واتخذ نقود ثمنه رأس المال للتجارة كانت المضاربة صحيحة - (مجلد الاحكام، مادة ۱۲۰۹ ص ۲۵۰ الفصل الثاني في شروط المضاربة) ۱۱

سوال: مضارب نے مال مضاربت سے خریدی ہوئی بکری کے دودھ کا حکم | باجائز رب المال بکری

۱۰ قال العلامة أبو بكر الحداد اليمني: (قوله ولا يصح المضاربة الا بالمال الذي يتيأت الشركة تصم به) يعني انها لا تصح الا بالدرهم والدنانير فاما القلوس فعلى الخلاف الذي يتيأت في الشركة وهو عند محمد تجوز المضاربة بها وعندهما لا تجوز - (الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۳۵ كتاب المضاربة)

وَمِثْلُهُ فِي عَيْنِي شرح كنز ص ۵۰۲ كتاب المضاربة -

۱۱ وفي الہندیۃ: لو دفع اليه عرض او عبد فيقال لبعه واقبض ثمنه واعمل به مضاربة قبلعه بدرهم او دنانير وتصرف قيمها اجازت المضاربة كذا في محيط السرخسي -

۱۲ الفتاویٰ الہندیۃ ج ۴ ص ۲۶۸ کتاب المضاربة: البنا الاول في تفسيرها وركنها وشرائطها وحكمها -

وَمِثْلُهُ فِي خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۱۸۸ كتاب المضاربة -

خریدی اب اس کا دودھ مضارب کی ملکیت ہوگی یا کہ رب المال کی؟
 الجواب :- دودھ، اون وغیرہ تمام کے تمام مال مضاربت یا ربح میں داخل ہے،
 ان کا استعمال بغیر اجازت کے ممنوع ہے۔ ان چیزوں کی قیمت حسب ضابطہ فقہاء کبھی تو
 رأس المال میں داخل ہوتی ہے اور کبھی ربح (منافع) میں۔

قال العلامة سليم رستم باز: المضارب أمين رأس المال في يده في حكم
 الوديعة اما من حيث تصرفه في رأس المال فهو وكيل رب المال واذا ربح كان
 شريكاً فيه - (مجله الاحكام - مادة ۲۸۱ الفصل الثاني احكام المضاربة) ۱

مضارب کا معاہدہ کے خلاف کام کرنا | سوال :- زید نے بکر کو بیس ہزار روپے
 عقد مضاربت پر کپڑوں کی تجارت کے لیے

دیئے، بکر نے خلاف معاہدہ تیل کی تجارت شروع کر دی اور اس میں خسارہ اٹھاتا پڑا، از
 روئے شرع شریف نقصان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

الجواب :- معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے پر نقصان کی تمام ذمہ داری بکر (مضارب) پر عائد
 ہوتی ہے لہذا بکر زید کو تمام رأس المال یعنی بیس ہزار روپے ادا کرے گا۔

وفي الهندية: ان خص له رب المال التصرف في بلد بعينه وفي سلعته بعينها
 تشقيد به ولم يجز له ان يتجاوز ذلك (الى ان قال) فان اخرج الى غير ذلك البلد
 فاشترى ضمن وكان ذلك له وله ربحه - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۹۷ الباب
 السادس فيما يشترط على المضارب من الشروط) ۲

۱ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري، فاذا ظهر الربح فهو شريكه بحصته
 من الربح - (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۱۸۸ كتاب المضاربة)
 ومثله في الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۲۵ كتاب المضاربة -

۲ قال العلامة سليم رستم باز، اذا خالف المضارب رب المال بعد ما نهاه بقوله
 لا تذهب بمال المضاربة الى المحل القلاقي ولا تبع بالنسيئة فذهب بمال المضاربة
 الى ذلك المحل ف تلف المال او باع بالنسيئة ف هلك الثمن كان المضارب ضامناً -
 (مجله الاحكام مادة ۱۳۲ ص ۵۵، الفصل الثالث في احكام المضاربة)

ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۶۵ كتاب المضاربة -

درسے کا فنڈ چندہ دہندگان کی اجازت سے مضاربت پر دینا | سوال: کیا مدرسے کا

درسہ مضاربت پر دینا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب:- اگر مدرسے کا فنڈ ضروریات مدرسہ سے زائد ہو تو چندہ دہندگان کی
اجازت اور متولیٰ ان مدرسہ کے مشورہ سے اس سے تجارت کرنا مریض ہے۔

وفي الهدية: القيم اذا اشترى من غلة المسجد حائوياً او داراً ان يستغل
وبيعاً عند الحاجة جاز ان كان ولاية الشراء۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۲)
الباب الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في سال الوقف عليه (لہ بیت
مال کی موجودگی میں مضاربت کو ختم کرنے کا حکم | سوال: زید نے خالد کو مضارب

اب کچھ وقت گزرنے کے بعد زید اپنے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہا ہے جبکہ
خالد کے پاس ابھی کچھ مال باقی ہے، تو کیا مال کی موجودگی میں زید اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا
ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر عاقدین مضاربت کو ختم کرنا چاہتے ہوں تو جب تک مال مضاربت
ختم نہیں ہوتا اس وقت تک رب المال اپنے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور نہ
مضارب کو معزول کرنے سے اس کے تصرفات ختم ہوں گے۔

لما قال العلامة المروغيتاني: واعلم المضارب بعزله والمال عروض فله ان
يبيعها ولا يمتعه العزل من ذلك لأن حقه قد ثبت في الربح انما يظهر
بالقسمة وهي تبني على رأس المال وانما ينفى بالبيع۔

والهداية ج ۳ ص ۲۶ کتاب المضاربة

لہ قال العلامة طاهري بن عبد الوشيد البخاري: الفاضل عن وقف المسجد يشترى
مستقلاً للمسجد حائوياً او داراً۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۲۳ الفصل
الرابع في المسجد وادقافه ومسائله)

ومثله في الخانية على هامش الهدية ج ۳ ص ۳۱۳ فصل في وقف المنقول۔

مضاربت ختم کرنے سے روکنے اور عقد مضاربت کیلئے تعین مد کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! ایک دو

مسئلوں کی وضاحت مطلوب ہے، مہربانی فرما کر قرآن و سنت کی رو سے جواب عنایت فرمائیں؟
 (۱) دو آدمیوں نے مل کر مضاربت کے عنوان سے کاروبار شروع کیا، ان دونوں کا معاملہ چار سال تک جاری رہا، اب ایک ساتھی دوسرے سے جدا ہونا چاہتا ہے جبکہ دوسرے ساتھی کا یہ کہنا ہے کہ جب تک میں اجازت نہ دوں تم مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے، کیا واقعی دوسرے ساتھی کو منع کرنے کا اختیار ہے؟
 (۲) ان دونوں نے عقد مضاربت کرتے وقت چار سال کی مدت بھی مقرر کی تھی۔ تو کیا مضاربت میں مدت مقرر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- (۱) عقد مضاربت فریقین میں سے جو بھی چاہے اور جس وقت چاہے ختم کر سکتا ہے مگر عقد فسخ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے ساتھی اس سے مطلع کر دیا جائے۔ لیکن اس فسخ کا اطلاق اس وقت صحیح ہوگا جب مال نقدی کی شکل میں موجود ہو، اگر مال اثاثہ عروض کی صورت میں ہو تو پھر مضارب کو اثاثہ فروخت کرنے کا موقع دیا جائے گا تاکہ اہل نفع متعین ہو جائے جس کیلئے عقد ہوا تھا۔

لما قال العلامة الكاساني: وأما صفة هذا العقد فهو أنه عقد غير لازم وبكل واحد منهما اعنى رب المال والمضارب الفسخ لكن عند وجود شرط وهو علم صا ويشترط ايضا ان يكون رأس المال عيناً وقت العقد دراهم او دنانير حتى لو نهى رب المال المضارب عن التصرف ورأس المال عروض وقت النهي لم يصح نهيه وله ان يبيعها لانه يحتاج الى بيعها بالدرهم والدنانير ليظهر لزج فكان النهي والفسخ اطلاقاً لحقه في التصرف فلا يملك ذلك وان كان رأس المال دراهم او دنانير وقت الفسخ والنهي صح الفسخ والنهي - (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۹۱ کتاب المضاربة)

(۲) اسی طرح عقد مضاربت کیلئے احناف کے ہاں وقت متعین کرنا بھی صحیح ہے۔
 لما قال العلامة الكاساني: ولنا ان المضاربة توكيل والتوكيل يحتمل التخصيص بوقت دون وقت - (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۹۶ کتاب المضاربة)

لہذا اگر صورت مسئلہ میں عقد مضاربت کا وقت بھی مقرر ہو اور سرمایہ بھی نقدی کی شکل میں ہو تو پھر دوسرے ساتھی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے ساتھی کو عقد مضاربت کے فسخ کرنے سے منع کرے یا روکے۔



فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ
 حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا
 حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا

قَالَ اجْعَلْنِي خَازِنَ
 الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ

کتاب الوکالة والكفالة

(وکالت کے احکام و مسائل)

نابالغ کو وکیل بنانا | سوال :- مساجد مدارس یا دوسرے رفاہی کاموں کے لیے چندہ کرتے وقت بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ گھروں سے عورتیں چھوٹے بچوں کو چندہ دے کر بھیجتی ہیں، تو کیا ایک نابالغ بچہ والدہ یا والد کی طرف سے کچھ رقم لے جا کر وکیل بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر بچہ سمجھدار ہو تو اس کو وکیل بنانے میں کوئی حرج نہیں تاہم مذکورہ صورت میں بچہ وکیل نہیں بلکہ صرف نمائندہ ہے جس کو فقہاء کرام رسول کے نام سے یاد کرتے ہیں اس لیے نابالغ بچوں کے ہاتھ خیرات وغیرہ بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة المرعيتاني: قال ويجوز ان يقبل في الهدية والاذن قول العبد والجارية والصبى لان الهدايا تبعث عادة على ايدي هؤلاء وكذا لا يمكنهم استصحاء الشهود على الاذن عند الضرب في الارض والمبايعة في السوق فلو لم يقبل قولهم يؤدى الى الخرج - (الهداية ج ۲ ص ۲۵۲ کتاب الكراهية) -

وکالت میں علم ہونا ضروری ہے | سوال :- بعض علاقوں میں نکاح پڑھاتے وقت رٹ کی سے باقاعدہ اجازت لینے کی بجائے کسی ایسے شخص کو وکیل مقرر کر کے ایجاب و قبول کرایا جاتا ہے کہ جس کے بارے میں رٹ کی کو علم تک نہیں ہوتا ہے، کیا کسی ایسے شخص کے ایجاب و قبول کو اعتبار دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- کسی کا وکیل بننے کے لیے موکل کی طرف سے باقاعدہ اجازت کا ہونا

لما قال العلامة الحصكفي: ويقبل قول المملوك ولوانثى والصبى في الهدية سواء اخبر باهداء المولى غيره او نفسه والاذن سواء كان بالتجارة او بدخول الدار. قال ابن عابدین تمته قال في المنع بان قال عبد او جارية او صبى هذه هدية اهداها اليك سيدي او ابني! فما يقبل قول هؤلاء فيها لان الهدية تبعث عادة على ايدي هؤلاء - (رد المحتار ج ۶ ص ۳۳۵ کتاب الكراهية) -

ضروری ہے، صورت مذکورہ میں ایسا نکاح نکاح فضولی کے حکم میں ہے، اگر لڑکی علم ہو جانے کے بعد اجازت دے دے تو نکاح منعقد ہے گا ورنہ نہیں۔

لما قال العلامة الكاساني: واصل هذا ان تصرفات الفضولي التي لها مجيز حالة العقد منعقدة موقوفة على اجازة المجيز من البيع والاجارة والنكاح والطلاق ونحوها فان اجاز يتفد والا فيبطل - (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۸ کتاب الوکالة الفصل الثالث)

نکاح میں نابالغ کی وکالت کا حکم | سوال :- ہمارے علاقے میں رواج ہے کہ شادی کے وقت جب نکاح پڑھایا جاتا ہے تو لڑکی سے اجازت لینے کے لیے کسی نابالغ لڑکے کو بھیجا جاتا ہے اور پھر اس لڑکے کا والد یا کوئی دوسرا رشتہ دار وکیل بن کر ایجاب و قبول کر لیتا ہے، تو کیا ایسی وکالت از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- شرعاً وکالت کے لیے وکیل کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے بنا بریں نابالغ لڑکے کی وکالت درست نہیں ہے، صورت مسئلہ میں نابالغ لڑکا چونکہ اخبار عن الوکالت کرتا ہے اس لیے لڑکے کا یہ اخبار عن الوکالت درست ہوتا ہے، اور اسی طرح یہ لڑکا رسول کے حکم میں ہے اور رسالت میں احکام لرسول کو رائج ہوتے ہیں نہ کہ رسول کو۔

قال العلامة محمد بن محمود الاسترغوثي: والحاصل ان الوكالة تثبت باخبار رجل واحد حرّاً كان عبداً عدلاً كان او فاسقاً صبيّاً او بالغاً - رجامع احكام الصفاد على هامش جامع الفصولين ج ۲ مسئلة الوكالة

توکیل میں فریق مخالف کی رضا مندی کا حکم | سوال :- اگر ایک شخص اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کرنا چاہے تو

لہ وقال العلامة ابن عابدين: وفي كل موضع لا ينفذ فعل الوكيل فالعقد موقوف على اجازة الموكل - (مراد المختار ج ۲ ص ۳۳۳ کتاب الکفاءة)

لہ وقال العلامة سليم رستم ياز: تعود حقوق العقد في الرسالة الى المرسل ولا تتعلق بالرسول اصلاً - (شرح المجلد الاحكام - م ۴۶۲ ص ۸۳ کتاب الوکالة)

کیا اس میں فریق مخالف کی رضا مندی ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب :- وکیل مؤکل کا نمائندہ ہوتا ہے اور یہ اس کا ذاتی حق ہے، اس لیے توکیل کا جواز فریق مخالف کی رائے پر موقوف نہیں۔ تاہم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وکیل کے ذریعہ کسی حق کے لزوم کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تقرری میں فریق مخالف کی رائے شامل ہو جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامة المرعینی رحمہ اللہ :- قال ابو حنیفہ رحمہ اللہ لا يجوز التوكيل بالخصومة من غير رضا الخصم الا ان يكون المؤكل مريضاً او غائباً مسيرة ثلاثة ايام فصاعداً وقال يجوز التوكيل بغير رضا الخصم وهو قول الشافعي رحمہ اللہ ولا خلاف في الجواز انما الخلاف في اللزوم - (الهداية ج ۳ ص ۱۷۱ کتاب الوكالة) لے

وکیل سے رقم ضائع ہونے کی صورت میں ذمہ دار کون ہوگا سوال کسی چیز کی خریداری

پر مقرر کردہ شخص سے اگر رقم گم ہو جائے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ کیا وکیل اس مال کا ضامن ہوگا یا سارا نقصان مؤکل کے ذمے آئے گا؟

الجواب :- کسی چیز کی خریداری پر مقرر کردہ شخص سے رقم اگر مطلوبہ چیز خریدنے کے بعد گم ہو جائے اور بائع کو ابھی روپے نہ دیئے ہوں تو اس کی ذمہ داری مؤکل پر عائد ہوگی اور وہ وکیل پر رجوع کا حق نہیں رکھتا ہے، اور اگر مؤکل نے وہ چیز خریدنے کے بعد رقم وکیل کو دی ہو اور بائع کو دینے سے قبل وہ گم ہو جائے تو اس کی ذمہ داری وکیل پر عائد ہوگی۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ : اذا رفع الثمن الى الانسان درهم فامر به ان يشتري بها جارية فاشترى ثم هلك ثمن قبل ان ينقص البائع يهلك من مال الامر فان رفع الامر الى الوكيل بعد

لے وقال العلامة سليم رستم باز اللبثاني : لكل من المدعى والمدعى عليه ان يوكل من شاء بالخصومة ولا يشترط رضا الآخر - (شرح المجلة الاحكام م ۱۵۱۶ منشأ الفصل الخامس في الوكالة بالخصوم ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۱۵۲ الفصل الرابع في الوكالة بالبيع -

ما اشترى فهلك قبل ان ينقض البائع يهلك من مال المأمور - (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۱۵۹)
 الفصل الرابع في الوكالة بالشراء ۱۵۷

وکیل پر ضمان کا حکم | سوال :- وکیل کا بیعہ خریدنے کے بعد اگر بیعہ راستہ میں کہیں ضائع ہو جائے تو یہ کس کا نقصان متصور ہوگا؟ وکیل یا موکل کا؟

الجواب :- وکیل چونکہ موکل کا نمائندہ ہوتا ہے اور وہ تمام تر ذمہ داری موکل کے فائدے کے لیے اٹھاتا ہے اس لیے بیعہ کی ہلاکت کا نقصان موکل کو اٹھانا پڑے گا۔
 لما قال العلامة المرغینانی: فان هلك البائع في يده قبل حياسته هلك من مال الموكل ولحق سقط الثمن لان يده كيد الموكل فاذا لم يحس به يصير الموكل قابضاً بيده - (الهداية ج ۳ ص ۱۸۴ کتاب الوكالة بالبيع والشراء ۱۵۷)

وکیل کا مدعی پر اقرار کرنا | سوال :- اگر مدعی علیہ کی طرف سے وکیل نے نمائندگی کرتے ہوئے مدعی کا حق تسلیم کر لیا لیکن مدعی علیہ اب بھی اس سے انکار کر رہا ہے، تو کیا وکیل کا کسی کے حق پر اقرار کرنا موکل (مدعی علیہ) کے حق میں لازم متصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- وکیل کا کسی کی نمائندگی کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف موکل کے دنیاوی مفادات کا تحفظ کرے بلکہ شرعی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اُسکے جائز حق کے بارے

۱۵۷ وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله: ولهم يذكروا المؤلف هنا حكم ما اذا وكله بشراء شيء ودفع الثمن اليه فهلك في يده قال في البرازية وفي جامع الفصولين دفع اليه الفأل اشترى به فاشترى وقبل ان يتقده للبائع هلك فمن مال الأمر وان اشترى ثم نقد الموكل فهلك الثمن قبل دفعه الى البائع عند الموكل يهلك من مال الوكيل -

(البحر الرائق ج ۷ ص ۱۵۶ باب الوكالة بالبيع والشراء)

۱۵۸ وقال العلامة ابن نجيم: فلو هلك في يده قبل حياسته هلك من مال الموكل ولحق سقط الثمن لان يده كيد الموكل فاذا لم يحس به يصير الموكل قابضاً بيده -

(البحر الرائق ج ۷ ص ۱۵۶ باب الوكالة بالبيع والشراء)

وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۴ ص ۱۵۸ الفصل الخامس في الوكالة بالشراء -

میں اقرار بھی کر سکتا ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں وکیل کا اقرار کرنا مدعی علیہ کے حق میں لازم متصور ہوگا بشرطیکہ یہ اقرار قاضی کے حضور میں ہو لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ حکم عام ہے خواہ قاضی کے حضور میں ہو یا کسی دوسری محفل میں ہو۔

لما قال العلامة المرغینانی: واذا اقر الوکیل بالخصومة علی مؤکله عند القاضی جاز اقراره علیه ولا یجوز عند غیر القاضی عند ابن حنیفة ومحمد رحمهما اللہ استئذاناً الا انه یرجع من الوكالة وقال ابو یوسفؒ یجوز اقراره علیه وان اقر فی غیر مجلس القضاء۔ (الهدایة ج ۳ ص ۱۹۵ باب الوكالة بالخصومة والقبض) لہ

توکیل بالنکاح میں شہادت ضروری نہیں | سوال :- لڑکی کی طرف سے نکاح کے معاملہ میں وکیل مقرر

کرنے کے لیے دو آدمی بھیجے جلتے ہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ فلاں عورت نے اس کو وکیل مقرر کیا ہے، ایسی حالت میں اگر ایک آدمی اجمالی گواہی پر اکتفا کرے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- توکیل شہادت پر موقوف نہیں بلکہ وکیل کو جب بالاعتماد ذرائع سے وکالت کی خبر پہنچے تو وکیل مٹوکل کے لیے تصرف کر سکتا ہے، صورت مذکورہ میں ایک وکیل کا بیان ہی کافی ہے تاہم اگر دونوں گواہی دیدیں تو کل کو کسی وقت بھی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : واعلم انه لا یشرط الشہادة

لہ وقال العلامة ابن نجیم: ولو اقر الوکیل بالخصومة عند القاضی صحح والا لان اقر علی مؤکله عند غیر القاضی لا یصح عندہما استحساناً وخرج بہ عن الوكالة وصحح ابو یوسفؒ اقراره مطلقاً وابطله زفر مطلقاً وهو القیاس لكونه ما موراً بالخصومة وهي منازعة والاقرار ضدها لانه مسالمة قال امر بالشئ لا یتناول ضده وجه الاستحسان التوکیل صحیح وصحته یتناول ما یملك وذلك مطلق الجواب دون احدہما عیناً فیصرف الیہ تحریراً للصحة۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۱۸۱ باب الوكالة بالخصومة والقبض) ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۱۸۱ کتاب الدعوی، الفصل الخامس۔

على الوكالة بالنكاح - (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب النکاح، باب الاولیاء الخ) لہ

مروجہ وکالت کو بطور پیشہ اختیار کرنا | سوال :- موجودہ دور میں وکلاء کی

قوانین کی رو سے مدعی اور مدعی علیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے طرفین سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں، تو کیا وکالت کو بطور پیشہ اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- واضح رہے کہ موجودہ ملکی قوانین میں سے جو قوانین شریعت اسلامیہ سے متصادم ہوں تو ان کے مطابق مقدمات کی پیروی کرنا اور فیصلہ کرنا اور ان پر معاوضات لینا تمام کے تمام غیر اسلامی ہیں، شریعت مقدسہ میں ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اتنا ہم ان کے ذریعے سے اپنے جائز حقوق لینا اور ظالم کے ظلم سے نجات حاصل کرنا مرخص ہے اور جو قوانین قوانین شریعت سے متصادم نہ ہوں تو ان کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس پر وکیل کا معاوضات لینا مرخص ہے اور جوازِ اجرت توکیل کے لیے یہ تاویل کافی ہے کہ واقعی وکیل جو اجرت لیتا ہے وہ ایک خاص وقت اور خاص دن میں مجبوس رہنے کی اجرت لیتا ہے جو کہ فقہاء کرام نے جائز قرار دیا ہے۔ الحاصل یہ کہ پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ وکیل جائز مقدمات کی پیروی کرتا ہو۔

لما قال الدكتور الشيخ وهبة الزحيلي : تصح الوكالة باجر وبغير اجر لان النبي صلى الله عليه وسلم كان يبعث عماله لقبض الصدقات ويجعل لهم عمولة فاذا تمت الوكالة باجر لزم العقد يكون للوكيل حكم الاجير اي انه يلزم الوكيل بتنفيذ العمل وليس له التخلي عنه بذا ون عذر يبيع له ذلك واذا لم يذكر الاجر صراحة حكم المعروف فان كانت ما جورة عادة كتوكيل المحامين وسماسرة البيع والشراء لزم اجرا مثل ويدفعه احد العاقلين بحسب العرف وان كانت غير ما جورة عرفاً كانت

لہ وفي الهندية : يصح التوكيل بالنكاح وان لم يحضره الشهود كذا في التاتارخانية ناقلًا عن خواهرزاده - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۹۲) الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيره ومثله في البحر الرائق ج ۳ ص ۱۳۴ کتاب النکاح، فصل : بعض مسائل الوکیل والنفوذ الخ

مجاناً وتبرعاً عملاً بالأصل في الوكالات وهوان تكون بغير أجر على سبيل
التعاون في الخير وهذا النوع لا يلزم فيه المضي في العمل بل للوكيل التخلي
عنه في أي وقت وهذا مذهب الحنفية والمالكية والحنابلة -

وقال الشافعية الوكالة ولو جعل جائزة أي غير لائمه من
الجانبيين - (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۴ ص ۵۸) تعريف الوكالة ومشروعيتها

وکیل کا دوسرے کو وکیل بنانے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے اپنا مال لاہور منڈی
میں فروخت کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا اور
اس نے اپنی طرف سے ایک دوسرے شخص کو وکیل بنا کر مال فروخت کرنے کے لیے لاہور روانہ
کر دیا، تو کیا وکیل اول کا دوسرے شخص کو وکیل بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر مؤکل نے اس کو عمومی وکیل مقرر کیا ہو کہ میرا مال فروخت کرو چاہے
تم خود جاؤ یا کسی اور کو بھیجو، تو اس صورت میں وکالت عمومی کی وجہ سے وکیل اول کا دوسرے
کو وکیل بنانا درست ہے، اور اگر مؤکل کی طرف سے عمومی وکالت نہ ہو تو پھر وکیل اول
کا یہ اقدام صحیح نہیں -

قال العلامة الكاساني: فان كانت عامة يملك ان يوكل غيره بالقبض لان
الأصل فيما يخرج مخرج العموم اجراءه على عمومته وان كانت خاصة
فليس له ان يوكل غيره بالقبض لان الوكيل يتصرف بتفويض الموكل
فيملك قدر ما فوض اليه - (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۵) فصل في حكم التوكيل له

له قال الشيخ وهبة الزحيلي: ان كانت الوكالة خاصة او مقيدة بان يعمل الوكيل
بنفسه لم يجز له توكيل غيره فيما وكل فيه وان كانت الوكالة مطلقة او
عامة بان قال له اصنع ما شئت جاز له توكيل الغير ويكون هذا
الغير وكيلاً مع الاول عن المؤكل - (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۴ ص ۱۶)
هل للوكيل توكيل غيره

گارنٹی سے کوئی چیز خریدنے یا بیچنے کا حکم | سوال :- ایک شخص مثلاً زید عمارتی ساز و سامان (مارڈ ویئر) کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے اور بعض کمپنیاں اپنا مال اس پر گارنٹی سے فروخت کرتی ہیں مثلاً پانی کی ٹینکیاں، ٹوٹیاں، پانی کے پائپ، سیلے، کدال وغیرہ۔ ان میں سے بعض اشیاء کی گارنٹی پانچ سال، بعض کی دس سال اور بعض کی گارنٹی اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جب زید کسی پر مذکورہ چیزیں بیچتا ہے تو اسی گارنٹی سے بچتا ہے، گارنٹی کی مدت میں اگر فروخت کردہ چیز خراب ہو جائے تو مشتری وہ چیز زید کو واپس کر دیتا ہے اور زید وہ چیز کمپنی کو بھیج دیتا ہے اور کمپنی والے اس کے عوض میں یا تو نئی چیز دیدیتے ہیں یا اس کو اسی یا نکل درست کر دیتے۔ اس طرح کرنے سے عام لوگ گارنٹی شدہ چیزیں خریدنے میں زیادہ رغبت ظاہر کرتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کی بیع از روئے شریع درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم نے ایک مولوی صاحب سے سنا ہے کہ یہ بیع مشروط ہونے کی بنا پر قاسد ہے۔ لہذا شریعت مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیلاً وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب :- دو رجحان ہیں بعض کمپنیاں اپنی مصنوعات کی خریداری پر گاہک کو سال دو سال یا الٹ ٹائم کی گارنٹی دیتی ہیں، یہ گارنٹی صورت کے لحاظ سے کفالتہ بدرک ہے۔ (درک کے معنی حصول صاحب یعنی پانے کے ہیں۔ یعنی اگر مشتری مبیعہ میں کوئی عیب پائے تو یا بیع اس کا کفیل ہوگا۔) (مصباح اللغات ص ۲۳۶)۔ جبکہ کفالتہ بدرکہ یا الاجماع صحیح ہے۔ اسی طرح خود کفالتہ میں بھی فقہاء کے ہاں توسع پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کفالتہ بلکہ اکثر معاملات کا تعلق عرف کے ساتھ ہے۔ آجکل کوئی چیز فروخت کرتے وقت گارنٹی دینا کاروبار کا ایک اہم جزو بن گیا ہے، چونکہ آجکل دو نمبر نقلی چیزیں عام تیار ہوتی ہیں جس کی وجہ سے گارنٹی دینا اور لینا ناگزیر ہو گیا ہے، اور ویسے بھی عام طور پر عالمی اور ملکی مشینوں میں ایک رواج سا بن گیا ہے کہ لوگ گارنٹی والی چیز بلا کسی حیل و حجت کے خرید لیتے ہیں، لہذا آجکل گارنٹی پر خرید و فروخت کرنا عرف اور عموم بلوئی کی وجہ سے جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

کما فی البدائع الصنائع : ولان الکفالة جوازها بالعرف - (جلد ۱ ص ۳)
وکما فی الہدایۃ : واما الکفالة بالمال فبجائزۃ معلوماً کالمکفول بہ الی ان قال او بما
یدرکک فی ہذا البیع لان مبنی الکفالة علی التوسع فیستحصل فیہا الجہالة وعلی
الکفالة بدرک الاجماع - (جلد ۳ ص ۱۱۶) وکما فی العنايۃ : تکفلت عنہ بمالك

عليه او بما يدرك في هذا البيع يعني من الضمان بعد ان كان ديناً صحيحاً لان مبنى الكفالة على التوسع فانها تبوع - وبعد اسطر: وعلى الكفالة بدرك بفتح المراء وسكونيها وهو التبعة دليل على جوازها بالمجهول لا يصح. وفيه إشارة الى نفى قول من يقول ان الضمان بالمجهول لا يصح لانه التزام مال فلا يصح مجهولاً كالشئ في البيع وقلنا الضمان بدرك صحيح بالاجماع وهو ضمان بالمجهول الخ والعناية على هامش فتح القدير ج ۶ ص ۲۹۸، ۲۹۹ - وكما في فتاوى قاضيان: رجل باع داراً وكفل رجل المشتري بما ادركه فيها من درك فآخذ المشتري بذلك عنه رهناً ذكر في الاصل ان الترهن باطل ولا ضمان على المرتقة والكفالة جائزة - (فتاوى قاضيان على هامش الهندية ج ۳ ص ۶)

وكيل کا منصب وکالت کے خلاف کرنے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہم نے ایک آدمی کو اپنی طرف سے گاڑی

خریدنے کا وکیل بنایا تھا کہ ہمارے لیے گاڑی خرید لو، اس نے کسی اور سے ہمارے لیے گاڑی خریدنے کی بجائے اپنی ہی گاڑی ہم پر بیچ دی۔ تو کیا یہ وکیل اپنی پچھلے ہمارے اوپر فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ ہمارے علم میں بھی نہ ہوا اور وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنی گاڑی آپ کو دی ہے اور ہم اس سے انکاری ہیں؟

الجواب :- وکالت ایک ایسا معاملہ ہے جس میں مؤکل اپنے وکیل پر اعتماد کر کے اپنی ذمہ داری اس کو سونپتا ہے، اس لیے وکیل کا اس معاملہ میں ایسا قدم اٹھانا جو منصب وکالت کے خلاف ہو اور اس میں دھوکہ دی کا شبہ ہو جائز نہیں، لہذا اس میں جو معاملہ سامنے آجائے وہ منعقد نہیں ہوگا۔ چونکہ صورت مسئلہ میں بھی دھوکہ دہی اور غرر کا عنصر موجود ہے اس لیے یہ معاملہ کالعدم ہے۔

لما في الدر المختار: حيث لم يكن مخالفاً دفعاً للغرر - قال ابن عابدین: تحت قوله دفعاً للغرر..... وفيه الوكيل بالبيع لا يملك شواهد لنفسه لان الواحد لا يكون مشترياً وبائعاً فيبيعة من غيره ثم اشتريه منه - (رد المحتار ج ۴ ص ۲۵) كتاب الوكالة (۴) تاہم اگر مؤکل کی طرف سے کئی اجازت ہو تو پھر ایسا کرنا جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: وان الموكل أنه يبيعه من نفسه او اولاده الصغار او ممن لا تقبل شهادته فباع منه جاز - (رد المحتار ج ۴ ص ۲۵) كتاب الوكالة (۴)

کتاب الحوالۃ

(حوالہ کے مسائل و احکام)

سوال ۱۔ ایک شخص پر قرض کی ادائیگی کے لیے قرض دہندہ کی طرف سے ایک سال کی مہلت دی گئی تھی، قرض خواہ نے وہ رقم ایک دوسرے شخص کے حوالہ کی، لیکن اب دائن محتال علیہ دوسرے شخص سے فوری ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے، کیا اس کو یہ اختیار حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب :- جو مہلت اور وقت مہیون (قرض خواہ) کو قرض کی ادائیگی کے لیے دی گئی تھی اسی مہلت کا اعتبار ہوگا لہذا دائن (قرض دہندہ) کا قبل از وقت قرض کی ادائیگی کا محتال علیہ سے مطالبہ کرنا بلا جواز اور بے جا ہے۔

لما قال العلامة کمال الدین محمد بن عبد الواحد: والمطلقة المؤجلة له، على رجل الف إلى سنة فأحال الطالب عليه إلى سنة كانت عليه إلى سنة ولو حصلت الحوالة مبهمه لم يذكر محمد رحمه الله وقالوا ينبغي أن تثبت مؤجلة كما في الكفالة لأنه تحمل ما على الاصيل بای صفة كان - (فتح القدير ج ۶ ص ۳۵۵ کتاب الحوالۃ)۔

سوال ۲۔ کیا کسی دوسرے شخص حوالہ میں دائن کی رضامندی ضروری ہے؟ کو قرض کی ادائیگی کے لیے حوالہ کرنے

له وقال العلامة ابن عابدین: قال الفتح تنقسم الحوالة المطلقة إلى حالة ومؤجلة فالحوالة ان يحيل الطالب بالف على المحيل حالة فتكون على المحتال عليه حالة لان الحوالة تحويل الدين فيتحول بصفة التي على الاصيل والمؤجلة ان تكون الف إلى سنة ولو ابهمها ما يذكر محمد وقالوا ينبغي أن تثبت مؤجلة كما في الكفالة -

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۲۹ کتاب الحوالۃ)

ومثله في منحة الخالق على هامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۸ کتاب الحوالۃ -

میں دائن کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- قرض کی وصولی میں تمام لوگ یکساں نہیں ہوتے اس لیے مدیون کا دائن کو کسی دوسرے آدمی کے حوالہ کرنے میں یہ ضروری ہے کہ اس کی رائے شامل ہو ایسا نہ ہو کہ کسی ایسے آدمی کو حوالہ کرے جس سے وصولی پر دائن قدرت نہیں رکھتا ہو جو اس کی رقم ضائع ہونے کے مترادف ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: وتصح الحوالة برضاء المصيل والمحتال والمحتال عليه - (الهدایة ج ۳ ص ۱۲۹ کتاب الحوالة) لہ

حوالہ کرنے کے بعد مدیون سے قرض کے مطالبہ کا حکم | سوال :- اگر ایک شخص اپنے قرض کی ذمہ داری کسی دوسرے شخص پر ڈال دے، کچھ مدت تک تو وہ دائن کے مطالبہ سے بے فکر رہا لیکن جب اس کو احساس ہوا کہ متعلقہ شخص بھی ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے تو کیا دائن مدیون سے اپنے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب دین کی ادائیگی کی ذمہ داری دائن کی رضامندی سے کسی دوسرے شخص پر ڈال دی جائے اور اس شخص نے یہ ذمہ داری قبول بھی کر لی ہو تو اب دائن مدیون سے قرض کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا بلکہ محتال علیہ سے جس نے ذمہ داری قبول کر لی ہے قرض کا مطالبہ کرے گا اور مدیون بری الذمہ متصور ہوگا۔

لما قال العلامة المرغینانی: واذا تمت الحوالة بری المصيل من الدین بالقبول وقال زفر لا یبرأ اعتباراً بالكفالة اذ کل واحد منهما عقد توثیق وقال ولا یرجع المحتال علی المصل الا ان یتوی حقه - (الهدایة ج ۳ ص ۱۲۹ کتاب الحوالة) لہ

لہ وقال العلامة القزاقی: وشروط لصحتها رضا الكل بلا خلاف الا في الاول - (تنویر البصائر علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۲ کتاب الحوالہ) - وَمِثْلُهُ فِي تَبْيِيحِ الْحَقَائِقِ ج ۴ ص ۱ کتاب الحوالہ - لہ قال العلامة الزبلي: وبرئ المصيل بالقبول من الدین وقال زفر لا یبرأ لان المقصود بها التوثیق وقال ثم اختلفوا فی البراءة فقال ابو یوسف یدبر عن المطالبة والدین وقال محمد یدبر عن المطالبة لا عن الدین - (تبیین الحقائق ج ۴ ص ۱ کتاب الحوالہ)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۱ کتاب الحوالہ -

سوال :- ایک شخص کسی دوکاندار سے قرض پر سودا
مجہول چیز کی ذمہ داری لینا خریدتا ہے لیکن دوکاندار کو اس پر اعتماد نہیں ہے
 ایک دوسرا شخص دوکاندار کو اعتماد دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ اس شخص کو قرض پر سودا دیدیا
 کرو اس کی جتنی رقم ہوگی اس کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں گا، تو کیا ایک مجہول چیز کی
 ذمہ داری اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی شخص کی طرف سے مال کی ذمہ داری لینا "کفالة" ہے جس میں
 بنیادی محرک اور عمل ہمدردی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے ایسے امور میں معمولی جہل قابلِ برداشت
 ہے لہذا صورتِ مسئلہ میں دوسرے شخص کا پہلے کی ذمہ داری قبول کرنا درست ہے۔

لما قال العلامة الموعظاني: اما الكفالة بالمال فحائزة معلوماً كان المكفول به
 مجهولاً اذا كان ديناً صحيحاً مثل ان يقول تكفلت عنه بألف او بمالك عليه او بما
 يدرك في هذا البيع لان مبنى الكفالة على التوسع فيتعمل فيه الجهالة وعلى الكفالة
 بالدرك اجماعاً وكفى به حجة - (الهداية ج ۳ ص ۱۱۱ کتاب الكفالة) لہ

سوال :- ایک شخص نے اپنے
کفیل اور مکفول عنہ کے مابین ضمن میں اختلاف قرض دہندہ کو قرض کی ادائیگی کے

لیے جو شخص کفیل مقرر کیا تھا اس کا مالک سے اس بات پر جھگڑا پیدا ہوا کہ مالک اس دس ہزار
 روپے مانگتا ہے جبکہ کفیل پانچ ہزار روپے کی ادائیگی پر مقرر ہے، کیا ایسی حالت میں مدیون
 کے دس ہزار روپے کے اقرار کرنے سے کفیل سے زیادہ رقم لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- مدیون پر دس ہزار روپے کی رقم اگر شواہد سے ثابت ہو جائے اور
 کفیل نے تمام تر رقم کی ذمہ داری قبول ہو تو تمام رقم کی ادائیگی کفیل پر لازم ہوگی

لہ وقال العلامة الكاساني: وكون المكفول به معلوم الذات في انواع الكفالات او معلوم القدر
 في الدين ليس بشرط حتى لو كفل باحد شئین غير عين يان كفل بنفسه اجل او بما عليه
 وهو الف جازو عليه احدهما ايهما شاء لان هذه جهالة مقدور الدفع بالبيان فلا
 تمتع جواز الكفالة - (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۹ کتاب الكفالة)
 ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص ۲۰۶ کتاب الكفالة۔

اور اگر گواہ ہوں تو کفیل کے قول کو اختیار دیا جائے گا، تاہم مکفول عنہ کا دعویٰ کفیل پر لازم نہیں بلکہ خود اس سے حسب اقرار رقم وصول کی جائے گی۔

لما قال العلامة المرغینانی: فان قال تكفلت بمالك عليه فقامت البينة يالف عليه ضمته الكفيل لان الثابت بالبينة كالثابت معاينة فيتحقق ما عليه فيصح الضمان به وان لم تقم البينة فالقول قول الكفيل مع يمينته في مقدار ما يعترف به لانه منكر للزيادة فان اعترف المكفول عنه باكثر من ذلك لم يصدق على كفيله لانه اقرار على الغير ولا ولاية له عليه ويصدق في حق نفسه لولايته عليها۔

(الهداية ج ۳ ص ۱۱۸ کتاب الکفالة) له
محتال علیہ کی رضامندی کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! میرا بھائی کچھ مقروض ہے اور اس نے قرض کی ادائیگی بغیر میری رضامندی کے

میرے حوالے کر دی ہے، تو کیا دائن مجھ سے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟
 الجواب:۔ حوالہ میں چونکہ محتال علیہ کی رضامندی ہے اس لیے بدون رضا اس پر قرض کے لیے رجوع کرنا درست نہیں لہذا یہ حوالہ صحیح نہیں اور دائن کا آپ سے قرض کا مطالبہ کرتا شرعاً درست نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی: شرط لصحتها رضا الكل بلا خلاف۔ قال ابن عابدین: قوله رضا الكل واما رضا الثالث وهو المحتال عليه فلانها الزام الدين ولا لزوم بلا التزام۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۲ کتاب الحوالہ)

له وقال العلامة ابن نجيم المصري: فان كفل بماله عليه فبرهن على الف لزمه لان الثابت بالبينة كالثابت عياناً ولا يكون قول الطالب حجة عليه كما لا يكون حجة على الاصيل لانه مدع ولا صدق الكفيل فيما اقرب محله ولا يتفد قول المطلوب على الكفيل اي وان لم يبرهن فالقول الكفيل فيما يقربه مع يمينته على نفى العلم لاعلى البينات كما في الايضاح ولا يكون قول المطلوب حجة عليه لانه اقرار على الغير۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۳ کتاب الکفالة)
 ومثله في فتح القدير ج ۲ ص ۳۰۳ کتاب الکفالة۔

۲۶۰



تجھاد کروا تھابو

کِتَابُ الْهِبَةِ

(ہبہ کے مسائل و احکام)

ہبہ میں عرف کا اعتبار ہے | سوال :- عمرو کے تین بیٹے ہیں اور تینوں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور تینوں مختلف شہروں میں ملازمت کے سلسلہ میں ہائس پڑے ہیں اور اپنی تنخواہوں میں سے ہر ماہ ایک مخصوص رقم اپنے والد کے نام بھیجتے ہیں اور والد اس رقم کو گھر کے مشترکہ کھاتہ میں خرچ کرتے ہیں، تو بیٹوں کی یہ کمائی باپ (عمرو) کے ملکیت ہے یا کہ اس کے بیٹوں کی ملکیت تصور کی جائے گی؟

الجواب :- اگر بیٹوں نے اپنی رقومات کے متعلق ہبہ وغیرہ کی تعیین نہ کی ہو تو قواعد کی رو سے المعروف کا مشروط کے تحت چونکہ عموماً اسی طرح بیٹے والدین کو بطور ہبہ رقم دیا کرتے ہیں اس لیے یہ رقم والد کی ملکیت تصور ہوگی۔

قال العلامة خير الدين الرملي: سئل فيما يرسله الشخص الى غيره في الاعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزم الوفاء به ام لا (اجاب) ان كان العرف قاضياً بانهم يريد فعونه على وجه البذل يلزم الوفاء به ان مثلياً فبمثله وان قيمياً فبقيمته وان كان العرف بخلاف ذلك بان كانوا يريد فعونه على وجه الهبة ولا ينظرون في ذلك الى اعطاء البذل فحكمه حكم الهبة في سائر احكامه فلا مرجوع فيه بعد الهلاك والاستهلاك والاصل فيه ان المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً. والسلام (فتاوى خيريه على هامش الفتاوى الحامدية ج ۲ مطلب هب ابن ابنه محمد د ۱) لہ

لہ قال العلامة محمد لد اتاسی: دفتی الفتاویٰ الخیریۃ مانصہ سئل فيما يرسله الشخص الى غيره في الاعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزم الوفاء به ام لا (اجاب) ان كان العرف بانهم يريد فعونه على وجه البذل يلزم الوفاء به ان مثلياً فبمثله وان قيمياً فبقيمته وان كان العرف بخلاف ذلك بان كانوا يريد فعونه على وجه الهبة ولا ينظرون في ذلك الى اعطاء البذل فحكمه حكم الهبة في سائر احكامه فلا مرجوع فيه بعد الهلاك والاستهلاك والاصل فيه ان المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً. (شرح مجلة الاحكام ج ۳۰ الباب الثالث في بيان احكام الهبة)

ومثله في فتاوى كالمية ص ۱۸۱ کتاب الهبة -

تملیک بھی ہبہ کے مترادف ہے | سوال :- اگر کوئی شخص ہبہ کرتے وقت تملیک کا لفظ استعمال کرے تو کیا اس صورت میں ہبہ اور

تملیک الگ الگ ہیں یا دونوں ایک ہیں ؟

الجواب :- لغت کے اعتبار سے تملیک عام ہے اور ہبہ خاص ہے لیکن موجودہ عرف میں تملیک اور ہبہ دونوں ایک دوسرے کے مترادف استعمال ہوتے ہیں اسلئے صرف لفظ تملیک سے بھی ہبہ ہی متصور ہوگا۔

قال العلامة الحصفی رحمہ اللہ : ہی تملیک العین مجاناً ای بلا عوض۔

الدائمین علیٰ صدقہ رد المحتار جلد ۵ ص ۶۸۷ کتاب المہبۃ (۱) لہ

نا قابل تقسیم اشیاء کے ہبہ کا حکم | جو اشیاء نا قابل تقسیم ہوں ان کا ہبہ کرنا کیسا ہے ؟

مثلاً ایک شخص نے اپنے جانور کو اس طرح ہبہ کیا کہ ایک حصہ اپنے لیے رکھا، تین حصے بیوی کو ہبہ کیے اور تین حصے بھائی کو ہبہ کئے، کیا اس شخص کا یہ ہبہ صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اشیاء کی دو قسمیں ہیں ۱۔ نا قابل تقسیم ۲۔ قابل تقسیم۔ اس لیے جو اشیاء قابل تقسیم ہیں ان کا ہبہ کرنا قابل تقسیم صحیح نہیں البتہ جن اشیاء کی تقسیم ممکن نہ ہو ان کا ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے لہذا صورت مسئلہ میں اس شخص کا ہبہ صحیح ہے۔

قال العلامة خوارزمی : ہبۃ المشاع فیما لا یقسم جائزۃ یعنی بدو مالا یحتمل القسمة ای لا یبقی منتفعاً بعد القسمة اصلاً کعب واحد وادایۃ واحدة۔

راکفایۃ فی زیل فتح القدیر ج ۷ ص ۴۸۸ کتاب المہبۃ (۲) لہ

لہ قال العلامة محمد اتاسی : المہبۃ تملیک مال لآخر بلا عوض۔

رمجلۃ الاحکام مائۃ ۸۳۳ ص ۴۶۲ کتاب السابع فی المہبۃ۔

ومثله فی کنز الدقائق ص ۳۵۲ کتاب المہبۃ۔

لہ قال العلامة قاضی خان : فیما لا یقسم کالعبد والداۃ والثوب والحمام یجوز ہبۃ المشاع من الشریک وغیرہ فی قولہم۔ (الفتاویٰ قاضیخان علی ہامش المہندیۃ ج ۳ ص ۲۶۷ کتاب المہبۃ فی فصل المشاع) ومثله فی الهدایۃ ج ۳ ص ۲۸۵ کتاب المہبۃ۔

قابل تقسیم اشیاء میں قبل از تقسیم ہر حصہ درست نہیں | سوال: زید کے آٹھ بیٹے، تین بیٹیاں اور دو بیویاں ہیں، اس نے اپنی زندگی ہی میں بیویوں اور بیٹیوں کو کچھ دیئے بغیر اپنی کل جائیداد کا $\frac{1}{4}$ حصہ پانچ بیٹیوں کو اور $\frac{1}{4}$ حصہ باقی لڑکوں کو ہبہ کر دی جو کہ الگ الگ ماؤں کی اولاد ہیں، کیا اس کے $\frac{1}{4}$ حصہ والے تین بیٹے دوبارہ بطریق شرعی میراث کی تقسیم کا حق رکھتے ہیں؟

الجواب: چونکہ کسی شخص کا اپنی زندگی میں اپنی اولاد پر مال تقسیم کرنا ہبہ ہوتا ہے اور تمام فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ قابل تقسیم اشیاء میں قبل از تقسیم ہبہ درست نہیں، پس صورت مسئلہ میں اگر زید نے سب بیٹیوں کا حصہ جدا کیا ہو اور قبضہ بھی دے دیا ہو تو یہ ہبہ درست اور نافذ ہے ورنہ مشترکہ جائیداد کا $\frac{1}{4}$ حصہ پانچ بیٹیوں کو اور $\frac{1}{4}$ حصہ تین بیٹیوں کو ہبہ کرنا درست نہیں لہذا زید کے مرنے کے بعد جملہ جائیداد دوبارہ تمام ورثاء پر تقسیم کی جائے گی جس میں بیٹیاں، بیٹے اور دونوں بیویاں بھی شریک ہوں گی۔

قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: وفي الاصل ومن شرائطها الهبة الافراز حتى لا يجوز هبة المشاع فيما يحتمل القسمة كالبيت والد الارض ونحوها وان كان لا يحتمل القسمة يجوز كالبنو والحمام والرحى - (خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۳۹)

كتاب الهبة - الفصل الثالث فيما يكون خطباء وفيما لا يكون (۱)

اجارہ پردی ہوئی زمین کا ہبہ کرنا | سوال: ایک شخص نے اپنی ایسی زمین بیٹے یا بیٹی کو ہبہ کی جس پر مدتوں

سے مزارع رکاشت کار (خیمہ زن) ہیں اور کاشتکار سے کیے ہوئے معاہدہ میں بھی ابھی کافی وقت باقی ہے، کیا ایسی صورت میں مؤہوب لے مزارع کو زمین سے بیدخل کر سکتا ہے یا نہیں؟

۱۔ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وذكر قبله هبة المشاع فيما يقسم لا تفيد الملك عند أبي حنيفة وفي القهستاني لا تفيد الملك وهو المختار كما في المصنعات - (رد المحتار ج ۵ ص ۶۹۲ کتاب الهبة)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۱۲۳ کتاب الهبة -

الجواب: کسی بالغ یا نابالغ بچے کو جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ہبہ کرنا صحیح اور درست ہے اور ہبہ سے ان کی ملکیت میں بھی داخل ہو جائے گی، مگر اجارہ پردی ہوئی زمین کے ساتھ مزارع و کاشتکار کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے زمین ناقابل تملیک ہوتی ہے جو کہ ہبہ کی صحت کے لیے بنیادی شرط ہے، اس لیے صورت منقولہ میں اس زمین کا ہبہ شرائط کے فقدان کی وجہ سے صحیح نہیں لہذا عدم صحت کی بناء پر مؤہوب لے کاشتکار کو بیدخل نہیں کر سکتا۔

قال العلامة محمد کامل الطرابلسی رحمہ اللہ: سئلت عن رجل وهب لابنہ الصغير داراً وفيها ساكن باجر هل تجوز هذه الهبة فالجواب انها لا تجوز قال في الهندية رجل وهب داراً لابنہ الصغير وفيها ساكن باجر قال يعني محمد لا تجوز۔ (فتاویٰ کاملیۃ ص ۱۸۱ کتاب الهبۃ) ۱۷

سوال: زید نے اپنی ملکیتی موہوبہ جائیداد کا سرکاری کاغذات میں انتقال کا حکم دس کنال زمین بکر کو ہبہ کر دی لیکن سرکاری کاغذات میں ابھی تک انتقال نہیں ہوا ہے، تو کیا بکر کو موہوبین کا مالک سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: ہبہ کی صحت کے لیے تین امور کا ہونا ضروری ہے (۱) ایجاب (۲) قبول (۳) قبض۔ لہذا اگر باقاعدہ طور پر ان تین امور کا لحاظ رکھتے ہوئے ہبہ ہو چکا ہو تو بلا شک و شبہ وہ زمین کا مالک ہے، سرکاری کاغذات میں انتقال ہونے یا نہ ہونے سے شرعاً ہبہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قال العلامة خالد اتاسی: تنعقد الهبة بالایجاب والقبول وتنتم بالقبول۔
 مجلة الاحکام مادة ۸۳۷ ص ۲۶۲ الفصل الاول في بيان المسائل المتعلقة بركن الهبة وقبضها ۱۸

قال العلامة عابد بن بدین: وفي المتن عند محمد رجل وهب داراً لابنہ الصغير وفيها ساكن باجر قال لا يجوز ولو كان بغير اجراء كان فيها يعني الوهب فالهبة جائزة كذا في التتارخانية۔

(منحة الخالق علی البحر الرائق ج ۷ ص ۲۸۸ کتاب الهبۃ)

ومثله في فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیۃ ج ۶ ص ۲۳۸۔

۲ قال الامام قدس سرہ: الهبة تصح بالایجاب والقبول وتنتم بالقبض۔ (مختصر القدوری ص ۱۴۳ کتاب الهبۃ) ومثله في كنز الدقائق ص ۳۵۲ کتاب الهبۃ۔

سوال :- تین بھائیوں نے بوقت تقسیم جائیداد اپنے ہبہ عمری ناقابل رجوع ہے

حقہ سے اپنی والدہ کو ضروریات پوری کرنے کیلئے دو کنال زمین دی تھی، والدہ نے مذکورہ دو کنال زمین اپنے نواسے خالد کو ہبہ کر دی، اب والدہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے زمین کو خالد سے واپس لینا چاہتے ہیں، تو کیا ان کو ایسا کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ معاملہ ہبہ عمری کا ہے، معمرہ (والدہ) مذکورہ دو کنال زمین کی خود مختار مالکہ بن گئی لہذا نواسے کو ان کا ہبہ کرنا جائز ہے اور بیٹوں کا رجوع کرنا مردود ہے۔

قال العلامة ابن نجيم: رواعمرتك هذا الشيء لان العمرى تمليك للحال فتثبت الهبة ويبطل ما اقتضاه من شرط الرجوع وكذلك لو شرط الرجوع صريحاً يبطل شرطه ايضاً۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۲۸۵ كتاب الهبة م ۱)

سوال :- زید نے موت اور عوض کی وجہ سے حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے

بکر کو اپنی زمین عوضاً ہبہ کر دی بعد میں اس کی وفات ہو گئی، اب تیس سال بعد زید کے ورثاء بکر سے اس زمین کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں، کیا ان کو شرعاً رجوع کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب :- عوض لینے یا متعاقبین میں سے کسی ایک کی موت کی وجہ سے حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے لہذا صورت مرقومہ میں زید کے ورثاء کو زمین واپس لینے کا حق نہیں پہنچتا بلکہ زمین بکر کی ملکیت رہے گی۔

قال العلامة ابو البركات النسفي رحمه الله: صبح الرجوع فيها ومنع الرجوع دمع نخرقه فالدهال الزيادة المتصلة كالغرس والبناء والسمن

له قال العلامة ابو بكر ابن حداد اليمنى رحمه الله: والعمرى جائزة للمعمر في حال حياته ولو رثته من بعد موته ومعناه ان يجعل دارة له عمرة واذا مات يرد لها عليه فيصم التملك ويبطل الشرط والهبة لا تبطل بالشرط الفاسدة۔ (الجوهرية النيرة ج ۲ ص ۱۸ كتاب الهبة) ومثله في الهداية ج ۳ ص ۲۸۴ كتاب الهبة۔

والمیسم موت احد المتعاقدين والعین العوض -

(کنز الدقائق ص ۳۵۴ کتاب الہبۃ) ۱۷

متعدد آدمیوں کا کسی ایک شخص کو کوئی چیز ہبہ کرنا | سوال :- جاوید اور خالد کا ایک مشترکہ گھر ہے، دونوں بخوشی د

رضا عامر کے نام ہبہ کرنا چاہتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- مشترکہ جائیداد میں بوجہ اشتراک کسی ایک شریک کا اپنا حصہ بغیر تقسیم کے کسی کو ہبہ کرنا صحیح نہیں لیکن جب شیوع کی یہ صورت درمیان سے نکل جائے تو پھر مشترکہ جائیداد کو اتفاق رائے سے ہبہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں، اس لیے صورت مسئلہ میں ہبہ کرنا درست اور صحیح ہے۔

قال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ: وھب اثنان دارا لواحد صحیح لعدم الشیوع۔

والدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۶۹۷ کتاب الہبۃ (۲)

ہبہ کے لیے ایجاب و قبول پر تلفظ ضروری نہیں بلکہ قرآن ہی کافی ہے | سوال :- زید کے

پانچ بیٹے ہیں جن میں سے تین بیٹوں عمر، بکر اور خالد کو عین حیات میں شادیاں کرا کے ہر ایک کو رہائش کے لیے الگ الگ گھر دے دیئے، زید کی عادت ہے کہ جو کچھ وہ کسی کو دے دیتا ہے تو واپس نہیں لیتا ہے، زید کے مذکورہ تینوں بیٹوں کے پاس اُس کے کچھ زیورات بھی ہیں، جب عمر نے اپنے والد (زید) کو وہ زیور واپس کرنا چاہا تو اس نے یہ کہہ کر زیور عمر کو واپس کر دیا کہ یہ

۱۷ قال الامام القدوری رحمہ اللہ: واذا وھب لاجنبی ہبۃ فله الرجوع فیھا الا ان یعوضہ عنھا او یزید زیادۃ متصلۃ او یموت احد المتعاقدين -

(مختصر القدوری ص ۱۴۲ کتاب الہبۃ)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۵ ص ۶۹۹ کتاب الہبۃ -

۱۸ قال العلامة المرفیانی: واذا وھب اثنان من واحد داراً جازلاً لھما سلماً جملۃ وھو قد قبضھا جملۃ فلا شیوع وان وھبھا واحد من اثنین لا شیوع عندی حنیفۃ۔ (الہدایۃ ج ۳ ص ۲۸۸ کتاب الہبۃ) وَمِثْلُهُ فِي کنز الدقائق ص ۳۵۴ کتاب الہبۃ -

زیرِ آپ کا ہی ہے اور جو زبور دوسرے بھائیوں کے پاس ہے وہ اُن کا ہے۔ اندریں صورت شرعی نقطہ نگاہ سے مذکورہ مکانات اور زبور وغیرہ پانچوں بھائیوں کے مشترکہ متصور ہوں گے یا صرف عمرو، بکر اور خالد کی ملکیت ہوگی؟

الجواب:- صورت مسئلہ میں جبکہ زید نے اپنے تین بیٹوں (عمر، بکر اور خالد) کو علیحدہ علیحدہ مکانات دیدیئے ہیں تو اگرچہ زید نے صراحتاً ہبہ کا لفظ نہیں کہا ہے لیکن ظاہر قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ ہبہ ہے اور ہبہ میں تملیکِ قریبہ کے لیے کافی ہے لہذا یہ شرعاً ہبہ ہے اس لیے زید کی وفات کے بعد اس میں بقایا ترکہ کی طرح میراث جاری نہ ہوگی بلکہ یہ ان تینوں بھائیوں کی ملکیت ہوگی اور اپنے والد (زید) کے باقی ترکہ میں پانچوں بھائی برابر کے شریک ہوں گے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: قلت فقد اذ ان التلطف بالایجاب والقبول لا يشترط بل تكفي لقرائن الدالة على التمليك كمن دفع لفقيه شيئاً وقبضه ولم يتلفظ واحد منهما بالشيء - رد المحتار ج ۵ ص ۸۸ - کتاب الہبۃ -

والدین کا اولاد کے مال کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے | سوال: سلمیٰ نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد اس کی تمام زمین اپنے دو بھائیوں کو ہبہ کر دی اور اپنی اکلوتی نابالغ لڑکی سکیٹہ کے لیے کچھ نہیں چھوڑا، اب جبکہ سکیٹہ بالغ ہو گئی ہے تو وہ اپنے والد کے ترکہ میں سے اپنے حصہ شرعی کا مطالبہ کرتی ہے، تو کیا سکیٹہ کا یہ مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی ماں اپنے شوہر کی جملہ زمین ہبہ کر چکی ہے؟

الجواب:- ہبہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ موہوبہ چیز واہب کی ذاتی ملکیت ہو اس میں کسی اور کا حصہ نہ ہو، شرعاً کسی دوسرے کا حصہ بغیر اس کی اجازت کے ہبہ کرنے کا کسی کو اختیار

له قال العلامة الكاساني رحمه الله: والاذن نوعان صريح ودلالة (الی ان قال) واما الدلالة فہی ان یقبض الموهوب له العین فی المجلس ولا ینہاها الواجب فیجوز قبضه استحصاناً - ردائع الصنائع ج ۶ ص ۱۲۲ کتاب الہبۃ فصل واما الشرائط فانواع بعضها یرجع الی نفس الوکن

ومثله فی مجلة الاحکام، ماده ۸۴۲ ص ۲۶۲ کتاب الہبۃ -

حاصل نہیں اگرچہ وہ اس کی اولاد ہی کیوں نہ ہو، بنا براین صورت مسئلہ میں سلمیٰ اپنا حقیقی میراث تو بھائیوں کو ہبہ کر سکتی ہے اپنی بیٹی (سکینہ) کا حصہ ہبہ نہیں کر سکتی، اس لیے سکینہ کا مطالبہ جائز اور صحیح ہے۔

قال العلامة قاضی خان، ولا يجوز للاب ان يهب شيئاً من مال ولده الصغير يعوض وغير عوض لانها تبرع ابتداءً - (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۲۸ فصل فی ہبہ الوالد لولدہ والعصبة للصغير، کتاب الہبۃ) طہ

شرط فاسد سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا | سوال :- بہن نے بھائیوں کو اپنی زمین بایں شرط ہبہ کر کے دیدی کہ اس موہو بہ زمین

کے عوض بھائی اُسے کچھ زمین دیں گے، کیا یہ ہبہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟
الجواب :- چونکہ یہ عوض مجہول القدر ہے اور شرط فاسد ہے لہذا ہبہ درست ہے اور بھائیوں پر عوض میں بہن کو کوئی زمین تینا لازم نہیں۔

قال العلامة الحسکفی، (او) حکمها انها لا تبطل بالشروط الفاسدة، فہبۃ عبد علی ان یعتقہ تصح ویبطل الشرط - (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۶۸۹ کتاب الہبۃ) طہ

مشروط ہبہ کا حکم | سوال :- زید نے بکر کو اس شرط پر زمین ہبہ دیدی کہ وہ تاحیات زید کی خدمت کرے گا، لیکن بکر نے کچھ عرصہ کے بعد زید کے خدمت کرتا چھوڑ دی، تو کیا خدمت نہ کرنے کی وجہ سے زید کو موہو بہ زمین کے واپس

الہ قال العلامة ابن البرز، لا يجوز الهبة لابنه الصغير ايضاً كما لا يجوز للبائع - (البرزية علی ہامش الہندیہ ج ۶ ص ۲۳ کتاب الہبۃ الجئس الثالث فی ہبۃ الصغير) ومثله فی رد المحتار علی الدر المختار ج ۵ ص ۶۸ کتاب الہبۃ۔

الہ قال العلامة ابن نجیم، والهبة لا تبطل بالشروط الفاسدة فدخل فيه كل عقد لا يبطل بالشروط الفاسدة كالنكاح والخلع والصدقة والصلح من دم العمد والعق قيصح ويبطل الاستئجار - (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹ کتاب الہبۃ - فصل ومن وهب امة الا حملها)

ومثله فی بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱ کتاب الہبۃ -

لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب :- خفیہ کے نزدیک اگرچہ ہیہ میں رجوع کرنا جائز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں لیکن جب ہیہ کسی شرط کے ساتھ معلق کر دیا گیا تو عدم شرط کی صورت میں رجوع کرنا بلا کراہت جائز ہے اگرچہ بالفاظ دیگر ہیہ منعقد ہی نہیں ہوا ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ : والدلیل علیٰ ہذا ما ذکر فی کتاب الحج اذا ترک المرأة مهرها علی الزوج علی ان یحج بہا وقبل الزوج ذلک ولم یحج بہا فان المهر علیہ علی حالہ والفتاویٰ علیٰ ہذا القول۔

[فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش المہندیہ ج ۳ کتاب الہبۃ ۲۸۲
فصل فی ہبۃ المرأة مهرها من الزوج - لہ]

سوال :- کیا واہب موہوب لہ سے ہیہ سے رجوع کرنے کا مسئلہ کی ہوئی چیز کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے

یا کہ نہیں؟

الجواب :- واہب اور موہوب لہ کی رضا مندی سے یا حاکم واپسی کا حکم کرے اور دوسرے موانع بھی موجود نہ ہوں تو رجوع جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں ورنہ بصورت دیگر رجوع کرنا حرام ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : (صح الرجوع فیہا بعد القبض) اما قبلہ فلم تتم الہبۃ (مع انتفاع مانعہ) الا فی (وان کره) الرجوع

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ : والہبۃ لا تصح بدوت الرضا وعلیٰ ہذا القول وہبت مہری منك علی ان لا تظلمنی وعلیٰ ان یحج بی او علی ان یهب لی کذا وان لم یکن ہذا شرطاً فی الہبۃ لا یعود المہر۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۹۶ کتاب الہبۃ - فی الجنس الشافی)

ومثله فی شرح المجلة للعلامة محمد خالد اتاسی ج ۳ ص ۳۶۸ کتاب الہبۃ الفصل الاول فی بیان المسائل المتعلقة برکت الہبۃ وقبضہا۔

(تحریماً) وقیل تنزیہاً نہا۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۶۹۸ کتاب الہبۃ۔
باب الرجوع فی الہبۃ) لہ

موہوبہ زمین کے فروخت کرنے کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! کیا موہوب لہ موہوبہ زمین کو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر باقاعدہ طور پر شرعی ہبہ ہو چکا ہے تو موہوب لہ اس کا خود مختار مالک ہے اور اس میں اس کو ہر قسم کے مالکانہ تصرفات کا حق حاصل ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: واما اصل الحكم فهو ثبوت الملك للموهوب له في الموهوب من غير عوض۔ (ردائع الصنائع ج ۶ ص ۱۲۴ فصل واما حكم الهبة فالكلام فيه في ثلاث مواضع) لہ

رشتہ داروں کو ہبہ کرنے سے حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے | سوال: والد اپنے بیٹے کے نام ہبہ کر دی ہے، تو کیا اب والد کو شرعاً رجوع کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی رشتہ دار کو اگرچہ ہبہ تملیک بلا عوض ہو چکا ہو تو اس صورت میں بھی رجوع جائز نہیں لہذا والد کو اپنی اولاد سے ہبہ واپس لینے کا حق حاصل نہیں۔

لہ قال العلامة محمد الداتاسی: للواهب ان يرجع عن الهبة والهدية بعد القبض برضى الموهوب له وان لم يرض الموهوب له راجع الواهب الحاكم وللحاكم فسخ الهبة ان لم يكن ثمة مانع من موانع الرجوع۔ (شرح مجلة الاحکام مادة ۸۶۲ ص ۲۴۵ الباب الثالث فی احکام الہبۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۳ ص ۲۴۵ فصل فی الرجوع فی الہبۃ۔
لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: رہی تملیک العین مجاناً ای بلا عوض۔
(رد المحتار ج ۵ ص ۶۸۷ کتاب الہبۃ)

وَمِثْلُهُ فِي كَنْزِ الدَّقَائِقِ ص ۳۵۲ کتاب الہبۃ۔

قال العلامة السرخس في رحمه الله: وإن وهب هبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها لقوله عليه السلام إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها رواه البيهقي (الهداية ج ۳ ص ۲۸۴ کتاب الهبة - باب ما يصلح رجوعه وما لا يصلح له)

اولاد کے ہبہ میں تفاضل کا حکم | سوال: کسی شخص کا اپنی اولاد کو ہبہ دینے میں کمی بیشی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں بحالت صحت و ہوش و حواس اپنی تمام جائیداد بعض اولاد کو ہبہ کر دی اور بعض کو محروم رکھا اور اس سے دوسروں کا اضرار اور ان کو بلا وجہ محروم کرنا مقصود ہو تو اگرچہ قضاء ہبہ نافذ رہے گا لیکن دیانتاً گنہگار ہوگا۔ اور اگر کسی شرعی عذر مثلاً اینداز سانی، ظلم و زیادتی اور نافرمانی کی وجہ سے محروم رکھا تو گنہگار نہ ہوگا بلکہ بقدر قوت سے زیادہ نہیں دینا چاہیے تاکہ اعانت علی المعصیت لازم نہ آئے لیکن قضاء ہر صورت میں ہبہ نافذ رہے گا، اور اگر کوئی وجہ تفاضل موجود نہ ہو تو مرد و زن کے درمیان تسویہ کرنا افضل ہے۔

قال العلامة ابن المیزان الكندي: الأفضل في هبة الابن والبنت التثليث كالميراث وعندنا ثلث في التضييق وهو المختار ولو وهب جميع ماله من ابنه جاز وهو أثر نص عليه محمد ولو خص بعض اولاده لزيادة رشد لا بأس به وإن كانا سوا ولا يفعل له وإن اراد أن يصرف ماله إلى الخير وإبنه فاستحق لأصرف إلى الخير أفضل من تركه له لأنه اعانه على المعصية وكذا لو كان ابنته فاستحقا لأعطيه أكثر من قوته۔ (البرازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۲۳۴ الجنس الثالث في هبة الصغير)۔

له قال العلامة ابوالبركات النسفي: فلو وهب الذي رحم محرم منه لا يرجع فيها۔ (كنز الدقائق ص ۳۵۵ کتاب الهبة)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَةِ الْأَحْكَام، مَادَّة ۸۶۶ ص ۲۴۶ کتاب الهبة الباب الثالث في أحكام الهبة۔

له قال العلامة القاضي خان: وروى المعلى عن أبي يوسف أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الأضرار وإن قصد به الأضرار سوى بينهم يعطى للأبنة مثل ما يعطى للأبن۔

(الفتاوى القاضي خان على هامش الهندية ج ۳ ص ۲۴۹ فصل في هبة الوالد لولده)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِق ج ۷ ص ۲۸۸ کتاب الهبة۔

اہل نہیں ہے اس لیے یہ تقسیم اور ہبہ درست نہیں ہے لہذا تمام وارثوں پر ترکہ از سر نو قاعدہ میراث سے تقسیم کیا جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : وہب فی مرضہ ولم یسلم حتی مات بطلت الہیۃ لانہ وان کان وصیۃ حتی اعتبر فیہ الثلث فهو ہبۃ حقیقۃ فیحتاج الی القبض - رد المحتار علی الدر المختار ج ۵ متک باب الرجوع فی الہبۃ (خروج) لہ

پوتے کو زمین ہبہ کرنے کے بعد خود اس پر قبضہ رہنے کا حکم | سوال : میرے باپ کا میرے دادا کی زندگی میں ہی انتقال ہو گیا تو دادا نے اکتال زمین میر نام کر دی لیکن یہ زمین دادا کی وفات تک ان کے قبضہ میں ہی رہی تو کیا اب میں اپنے چچوں سے زمین کا مطالبہ کر سکتا ہوں یا نہیں ؟
الجواب :- ہبہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ واہب موم ہو یہ شے کو موم ہو کر قبضہ میں دے دے جب تک ہبہ شدہ چیز پر قبضہ نہ کر لیا جائے اس وقت ہبہ نام نہیں ہوتا، صورت مشولہ میں چونکہ ہبہ نام نہیں ہوا ہے اسلئے دادا کی وفات کے بعد جملہ مال ان کے بیٹوں یعنی آپ کے چچوں کا ہے آپ کو شرعاً رجوع کا حق حاصل نہیں۔
قال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ : وان وہب لہ اجنبی تتم لقبض ولیہ وهو احد اربعة الاب ثم وصیہ ثم اجد ثم وصیہ - وقال ایضاً وتم الہبۃ بالقبض الکامل فیشرط القبض قبل الموت - (الدر المختار علی رد المحتار ج ۵ ۶۹۶، ۶۹۵ کتاب الہبۃ) لہ

لہ قال العلامة محمد خالد اتاسی رحمہ اللہ : واذا وہب واحد فی مرض موتہ شیئاً لاحد ورثتہ وبعد وفاتہ لم یجز سائر الورثۃ لا تصیر تلك الہبۃ - (شرح مجلۃ الاحکام - مادۃ ۸۷۹ ۸۸۳ الفصل الثانی فی ہبۃ المریض)
ومثله فی الہدایۃ ج ۲ ص ۶۵ کتاب الوصایا۔

لہ قال المفتی عزیز الرحمن : اس صورت میں ہبہ صحیح نہیں اور ورثہ میں تقسیم ہوگا۔
(عزیز الفتاویٰ الشہید بفتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۶۷ کتاب الہبۃ)

سوال :- ایک شخص نے کسی کو چوری کا ہبہ شدہ مال اصل مالک کو لوٹا نا واجب ہے۔
 بعد اس مال کا اصلی مالک بھی آگیا اور اس نے موہوب لڑ سے اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر اس نے یہ کہہ کر واپس کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ مال فلاں شخص نے مجھے ہبہ کیا ہے لہذا اتم اس مطالبہ کرو۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس شخص (اصلی مالک) کا موہوب لڑ سے اپنے مال کا مطالبہ کرنا درست ہے اور کیا اس کے ذمے مال واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر کسی نے چوری کا مال اپنے کسی دوست یا رشتہ دار کو ہبہ کیا ہو اور بعد میں اس کا اصلی مالک آجائے تو چوری کا موہوبہ مال اس کے اصلی مالک کو واپس کیا جائے گا اور اس کا دونوں سے مطالبہ کرنا درست ہے، البتہ جس کے پاس وہ مال موجود ہے اس پر واپس کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: (سوال) زید نے عمرو کی ایک چیز چرائی اور بکر کو ہبہ کر دی اور بکر نے خالد کو ہبہ کر دی، اب معلوم ہوا کہ زید نے چوری کی تھی، اس حالت میں شے مسروقہ کا ادا کرنا کس کے ذمے واجب ہوگا؟

(الجواب) جس کے پاس اب ہے اس پر رد واجب ہے اور اگر اس کو خبر نہ ہو تو جس کو خبر ہو اس پر خبر کرنا واجب ہے اور اگر اس صاحب خبر کو ہبہ میں بھی دخل ہے تو اس پر استخلاص اور استرداد میں بھی سعی واجب ہے۔ (امداد الفتاویٰ جلد ۳ ص ۵۷۲ کتاب الہبہ)

سوال :- جناب مفتی صاحب امیر بڑے بھائی قرائن بھی تکمیل ہبہ کے لیے کافی ہیں۔
 وہ رقم بیٹی کی شادی پر خرچ کر دی، اس بات کو تقریباً بیس سال گزر چکے ہیں اور اس دوران بڑے بھائی نے رقم کی واپسی کا تقاضا نہیں کیا۔ یہاں یہ یاد رہے کہ جب بڑے بھائی نے مجھے رقم دی تھی تو اس نے قرض یا واپسی کی کوئی تصریح یا وضاحت وغیرہ نہیں کی تھی اور نہ اس کو واپسی کی کوئی امید تھی، اب ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد مجھ سے اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کر رہی ہے۔ تو کیا شرعاً بھائی کی اولاد کا یہ مطالبہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- ہبہ کی تکمیل کے لیے اسباب و قبول یعنی ہبہ کی تصریح ضروری نہیں قرائن بھی تلفظ کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔ صورت مذکورہ کے مطابق بیس سال تک بھائی کا مطالبہ نہ کرنا،

اور رقم دے کر واپسی کی امید نہ رکھنا اور نہ ہی قرض کی تصریح کرنا، یہ سب چیزیں اس بات پر دال ہیں کہ آپ کو بڑے بھائی نے بیٹی کی شادی کے لیے جو رقم دی تھی وہ بطور ہبہ تھی، اس لیے اب اس کی اولاد کو رقم کی واپسی کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي: قلت فقد افاد ان التلفظ بالايجاب والقبول لا يشترط بل تكفي القرائن الدالة على التمليك لكن دفع الى الفقير شيئاً وقبضه ولم يتلفظ واحد منهما شيئا۔ (الدرا المختار على هامش رد المختار ج ۴ ص ۵۸ کتاب الہبۃ) ۱۷

سوال :- ایک عورت نے اپنا حق مہر بیوی کا ہبہ کر دہا ہے، حق مہر میں رجوع کرنا

شوہر کو ہبہ کر دیا، چند سال کے بعد کسی گھریلو ناچاک کی وجہ سے اب وہ عورت شوہر سے حق مہر کا مطالبہ کرتی ہے، تو کیا شرعاً اس کا یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- زوجین کا رشتہ قرابت داری کا رشتہ ہے، ان میں سے جو بھی دوسرے کو ہبہ کر دے تو بعد میں اس کو رجوع کرنے اختیار نہیں۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی جب بیوی نے ایک بار اپنا حق مہر شوہر کو ہبہ کر دیا تو اب اس کو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: وكذلك ما وهب احد الزوجين للآخر لان المقصود فيها الصلة كما في القرابة۔ (الہدیہ جلد ۳ ص ۲۷ کتاب الہبۃ) ۱۸

سوال :- بعض یورپی ممالک مثلاً برطانیہ میں نابالغ بچوں کے مال میں تصرف کرنا

بچوں کے لیے حکومت کی طرف سے کچھ وظیفہ مقرر ہوتا ہے جو صرف بچے کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرنے کے لیے ہوتا ہے، اب اگر والدین اس پر

۱۹ قال العلامة داماد آفتدی: قالوا لو وضع ماله في طريق ليكون ملكاً لرافع جازي فلا يشترط التصريح بالهبة۔ (الدرا المنتقى في شرح المنتقى في ذیل مجمع المنہر ج ۳ ص ۳۹ کتاب الہبۃ) ۲۰
و مشکئہ فی امداد الفتاوی ج ۳ ص ۲۶ کتاب الہبۃ۔

۲۱ لما في الهندية، اذا وهب احد الزوجين لصاحبه لا يرجع في الهبة وأن انقطع النكاح بينهما۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۴ ص ۳۸۶ کتاب الہبۃ، فصل رجوع في الهبة)

قبضہ کر کے اس سے کوئی چیز خرید کر اپنے کسی دوست یا رشتہ دار کو تحفہ کے طور پر دیدیں تو کیا شرعاً والدین کو یہ حق ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس طرح کریں تو کیا وہ ضامن ہوں گے یا نہیں؟

الجواب :- جو وظیفہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے حکومت مقرر کرتی ہے وہ صرف بچوں ہی کا حق ہے، اس کو صرف بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم پر خرچ کیا جائے گا، وظیفہ کی یہ رقم والدین کے ہاتھوں میں امانت ہوتی ہے، والدین کے لیے جائز نہیں کہ بلا غرضی اس کو اپنے اوپر خرچ کریں یا اپنے کسی رشتہ دار یا احباب کو تحفہ کے طور پر دیں، اگر وہ اس طرح کریں گے تو ضامن ہوں گے۔

لما قال العلامة المحقق: ولا يجوز ان يهب شيئاً من مال طفله ولو بعوض۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۷ کتاب الہبۃ قبل باب الرجوع فی الہبۃ) لہ

سوال :- جناب مفتی صاحب! میں بے اولاد شخص کا زندگی میں اپنا مال تقسیم کرنا ایک بیمار اور عمر رسیدہ آدمی ہوں، میری کوئی اولاد نہیں صرف بوڑھی بیوی ہے، جبکہ میرے دو بھتیجے ہیں، ایک بڑے بھائے کا بیٹا ہے اور دوسرا چھوٹے بھائی کا بیٹا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں ہی اپنا سرمایہ ان میں تقسیم کر دوں۔ آپ سے استدعا ہے کہ شریعت اسلامی کی روشنی میں اس بارے میں میری راہنمائی کریں؟

الجواب :- اگر آپ اپنا سرمایہ اپنی زندگی میں ہی اپنے ورثاء میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو شرعاً آپ کو اس کا اختیار ہے کہ جتنا جتنا چاہیں ورثاء میں تقسیم کر سکتے ہیں، لیکن اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے کل مال کا ہم حصہ اپنی بیوی کے نام کر دیں اور باقی مال کے دو برابر حصے کر کے ہر ایک بھتیجے کو ایک ایک حصہ دیدیں، اور اگر اس مال سے اپنے لیے بھی کچھ رکھنا چاہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ دونوں بھتیجوں کا

لہ لما قال العلامة اشرف علی التھانوی: ما یاب وغیرہ کو بچے کا مال کسی کو قرض دینا بھی صحیح نہیں بلکہ خود قرض لینا بھی صحیح نہیں۔ رہبشتی زیور ص ۳۹۹ بچوں کو دینے کا بیان، کتاب الہبۃ والاجارۃ

ان کے قبضہ میں دینا ضروری ہے ورنہ ہبہ تام نہ ہوگا۔

لما قال العلامة ابراہیم الحلبي: هي تملك عين بلا عوض وتصح بايجاب و قبول وتتم بالقبض الكامل فان قبض في المجلس بلا اذن صح وبعده لا بد من الاذن۔ (مستقى الايجاد على صدر مجمع الانهر ج ۳ ص ۲۸۹ کتاب الہبۃ)

سوال: جناب مفتی صاحب! صرف انتقال کر دینے سے ہبہ تام نہیں ہوتا

ہمارے والد صاحب نے سرکاری ملازمت کے دوران کچھ زمین خریدی تھی لیکن بعض قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے انہیں اس زمین کا انتقال اپنے دو بیٹوں کے نام کرانا پڑا مگر آخری دم تک زمین ان کے قبضہ میں نہیں دی، موت تک خود متصرف رہے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد اب وہ دونوں بھائی اپنے نام انتقال شدہ زمین کو اپنی موہوبہ زمین سمجھتے ہیں اور دوسرے بہن بھائیوں کو اس میں سے حصہ دینے کو تیار نہیں۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا شرعاً واقعی یہ انتقال شدہ زمین ان کی موہوبہ زمین ہے اور اس میں کسی دوسرے وارث کا کوئی حق نہیں؟

الجواب: ہبہ میں جس طرح ایجاب و قبول ضروری ہے اسی طرح ہبہ تام ہونے کے لیے موہوبہ چیز پر قابض ہونا بھی لازمی عمل ہے، بغیر قبضہ کے صرف ایجاب و قبول یا کاغذی قانونی کاروائی سے ہبہ تام نہیں ہو سکتا۔ بعینہ اسی طرح آپ کے والد صاحب نے خریدی ہوئی زمین قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے مصلحتاً اپنے دو بیٹوں کے نام انتقال کرادی اور آخری دم تک ان کے قبضے میں نہیں دی اس لیے ہبہ تام نہیں ہوا، موصوف کی وفات کے بعد سب ورثاء حصہ شرعی کے مطابق برابر کے شریک ہیں، جن دو بھائیوں کے نام صرف زمین کا انتقال ہو چکا ہے وہ دیگر ورثاء (بہن بھائیوں) کو ان کے حق سے محروم کرنے کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانوی: (الجواب) اس صورت میں عمرو نے محفوظ جائیداد کے واسطے ایک حیلہ کیا ہے، پس زید کسی طرح اس جائیداد کا مالک نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ تو استیلاؤ حاکم اس جائیداد پر پایا گیا کہ یوں کہیں کہ حاکم کی طرف سے زید کی ملکیت ہوگی اور نہ قبضہ زید کا اس جائیداد پر مالکانہ

پایا گیا۔ (امداد الفتاویٰ جلد ۳ ص ۲۱۲ کتاب الدعوی) لے

سوال :- زید کے باپ نے ایک ٹیکسی

موٹر کار خرید کر اس شرط پر زید کے حوالے کی کہ اس کے ذریعے مزدوری کر کے اپنے اہل و عیال کے لیے نان و نفقہ پیدا کرے مگر گاڑی میری ہوگی، اس معاہدے پر گواہ بھی موجود ہیں، اب جبکہ زید کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے تو وہ گاڑی پر قبضہ کر کے اپنے آپ کو اس کا اصلی مالک قرار دے رہا ہے اور دوسرے ورثاء کو حصہ دینے سے انکاری ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیان مذکورہ بالا کے مطابق کیا واقعی زید اس گاڑی کا واحد مالک ہے یا دوسرے ورثاء کا بھی اس میں حصہ شرعی ہے یا نہیں؟

الجواب :- بشرط صحت سوال زید اس گاڑی کا واحد مالک نہیں، والد کے انتقال کے بعد جملہ ورثاء اس میں برابر کے حصہ دار ہیں، اس لیے کہ والد نے ٹیکسی اس کو صرف منافع حاصل کرنے کے لیے خرید کر دی تھی، اس المال کو اس کے قبضے میں نہیں دیا تھا کہ جس کی بناء پر زید کو گاڑی کا مالک تصور کیا جاسکے، لہذا زید کا والد کے انتقال کے بعد اپنے آپ کو گاڑی کا واحد مالک سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

لے لما قال المفتی عبد الرحیم : (الجواب) والد اگر کسی مصلحت سے اپنے کسی بیٹے کے نام مکان خریدے تو وہ بیٹا محض اس کے نام پر خریدنے کی وجہ سے شرعی طور پر اس مکان کا مالک شمار نہ ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیہ جلد ۹ ص ۲۸۶ کتاب الہبتہ)



ليس على المستعير غير
 المغل ضمان ولا على
 المستورع غير المغل ضمان

کتاب الغصب

(غصب کے مسائل و احکام)

غاصب کا قبضہ | سوال :- کیا غاصب کا قبضہ از روئے شرع قبضہ سمجھا جائیگا؟
الجواب :- غاصب کے قبضے کا شریعت میں کچھ وزن نہیں اس طرح

جائیدادِ مفسوبہ میں غاصب کا تصرف کرنا بھی درست نہیں ہے۔ ہاں جب مالِ مفسوبہ کا نام تبدیل ہو جائے یا اس کا اعظم منافع ختم کر دیا جائے تو اس وقت وہ غاصب کا مال کہلائے گا جیسے کسی نے گندم چرائی اور اس سے روٹی پکائی، لیکن غاصب کو ضمان ادا کرنا پڑے گا اور ضمان ادا کرنے سے قبل مالِ مفسوبہ سے انتفاع لینا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ :- واذا تغیرت العین بفعل الغاصب حتی زال اسمها و اعظم منافعها زال ملک المفسوب منه عنها و ملکها الغاصب و ضمنها و لا یحل له الانتفاع بہا حتی یؤدی بدلہا۔
والہدایۃ ج ۳ ص ۳۴۲ کتاب الغصب۔ فصل فیما یتغیر بفعل الغاصب (۱)۔

مالک کو اطلاع کیے بغیر ادا بحق سے برأت کا حکم | سوال :- زید بکر کے ہاں محنت مزدوری کرتا ہے، اس دوران اُس نے بکر کی ایک قیمتی گھڑی چرائی، زید اب اپنے اس فعل پر ناوم ہے اور بکر بھی زندہ

لہ قال العلامة خالد اتاسی رحمہ اللہ :- اذا غیبر الغاصب المال المفسوب علی بصورتہ یتبدل بہ اسمہ ینکون ضامناً و ینبقی المال المفسوب لہ مثلاً لو کان المال المفسوب حنطۃ وجعلہا الغاصب بالطحن دقیقاً فانتہ یضمن مثل الحنطۃ و ینکون الدقیق لہ کما ان من غصب حنطۃ غیرہ و زرعہا فی ارضہ ینکون ضامناً للحنطۃ و المحصل لہ۔

(شرح مجلۃ الاحکام، مادۃ ۱۹۹ ص ۲۹۵ الباب الاول فی احکام الغصب)
و مثلاً فی الہندیۃ ج ۵ ص ۱۲ کتاب الغصب، الباب الثانی فی احکام المفسوب اذا تغیر بفعل الغاصب او غیرہ۔

ہے، لیکن واپس کرنے میں اگر بکبر کو بہتہ چل گیا تو زید کو خدشہ ہے کہ وہ میری بے عزتی کرے گا، اب زید کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے کہ بے عزتی بھی نہ ہو اور آخرت کے مواخذہ سے بچ سکے؟

الجواب:- کسی مسلمان کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا یا اس کو چوری کرنا حرام اور ناجائز ہے اور اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہے، اس لیے زید کو ہر حال میں گھڑی واپس کر دینی چاہیئے اور اگر ظاہراً واپس کرنے میں بے عزتی کا خطرہ ہو تو کسی خفیہ تدبیر سے پہنچا دی جائے، مالک کو اطلاع دینا ضروری نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ :- (قوله ویبرأ بدھا) ای رد العین المغصوبة الى المغصوب منه - (رد المختار ج ۶ ص ۱۸۲ کتاب الغصب، مطلب فی رد المغصوب - الخ) لہ

بلا اذن دوسروں کے جانور ذبح کرنے کا حکم | سوال :- اگر بوقت ضرورت کسی دوسرے شخص کے جانور کو بغیر اس کی اجازت کے ذبح کر لیا جائے اور بعد میں قیمت طے کر کے دے دی جائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا شرعاً ناجائز اور غصب ہے، مالک کو اختیار ہے کہ وہ زندہ جانور کی قیمت لے اور مذبوح جانور ذبح کے حوالہ کرے یا مذبوح جانور کو لے کر ذبح کی وجہ سے اس کی قیمت میں جو کمی آئی ہے وہ غاصب سے پوری کرے۔ البتہ اگر اذن عرفی موجود ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: قال فی العمادیة فی فصل ۳۲ ومن ذبح شاة غیرہ فعاکھا بالخیار ان شاء ضمنہ قیمتہا وسلمھا الیہ وان شاء اخذھا وغرمھا النقصان -

(تفتیح الحامدیة ج ۲ ص ۱۷۵ کتاب الغصب) لہ

۱۔ قال العلامة قاضی خان، غصید را ہم انسان من کیستہ ثم ردھا فی کسہ وھو یعلم یدراً۔ (فتاویٰ خانینہ علی ہامش الہندیہ ج ۶ مجلس آخر فی المتفرقات) - وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَدِ الْأَحْكَامِ لِمُسْتَمِ بَارٍ، الْمَادَّةُ ۸۹۲ ص ۴۹۲۔

۲۔ قال العلامة قاضی خان، رجل ذبح شاة الساطم فباعھا بالخیار ان شاء ترك المذبوح علیہ وضمنہ قیمتہا وان شاء اخذ المذبوح وضمنہ النقصان - (فتاویٰ خانینہ علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۲۲۵ کتاب الغصب) وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۲ ص ۳۷۸ کتاب الغصب -

مغصوبہ زمین کی واپسی کے بعد حاصل کردہ منافع کا حکم | سوال: زید نے بکر کی زمین غصب کر لی اور اس

سے دس سال تک پیداوار حاصل کرتا رہا جس کا ایک مخصوص حصہ مساجد اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کرتا رہا اور کچھ حصہ پیداوار کا اپنے استعمال میں لاتا رہا، کافی کوشش کے بعد بکر نے اپنی غصب کی ہوئی اپنی زمین زید سے واپس لے لی، تو کیا بکر زید سے رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کی ہوئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شرعاً کسی کا مال غصب کرنا اور اس سے انتفاع حاصل کرنا حرام ہے، زمانہ غصب میں جو کچھ بھی مغصوبہ سے حاصل ہوا ہو وہ مغصوب عنہ کا حق ہے۔ بنا براین بکر اپنی مغصوبہ زمین کی جملہ پیداوار کا مطالبہ کر سکتا ہے، اسی طرح مغصوبہ زمین کی بازیابی کے بعد مساجد اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کی ہوئی رقم کی واپسی کا بھی مطالبہ کر سکتا ہے مگر علاقے کے عرف کے مطابق غاصب کو اجر مزارعت دینا لازم ہوگا۔

وفي الهندية: وسئل شيخ الاسلام عطاء بن حمزة عن زرع ارض انسان ببذر نفسه بغير اذن صاحب الارض هل لصاحب الارض ان يطالبه بحصة الارض قال نعم ان جرى العرف في تلك القرية انهم يزرعون الارض بثلاث الخارج اربعة او نصفه او بشئ من مقدار شائع يجب ذلك القدر الذي جرى به العرف - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۱۲۲ الباب العاشر في زراعة الارض المغصوبة) ۱۷

۱۷ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: فالحاصل ان من زرع ارض غيره بلا اذنه ولو على وجه الغصب فان كانت الارض ملكاً واعدت لها ربها للزراعة اعتبر العرف في الحصة ان كان ثمة عرف والا فان اعدت لالايجار فالخارج كله للزارع وعليه اجر مثلها لربها والا فان انتقصت فعليه النقصان والا فلا شئ عليه -

(تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۱۷۲ کتاب الغصب)

ومثله في الفتاوى الكاملية ص ۲۰۹ کتاب الغصب -

سوال :- زید کی مملوکہ زمین میں ایک ٹیلہ ہے لوگ بغیر اجازت کے کسی کی زمین سے مٹی لانا اس سے مٹی لے آتے ہیں زید کسی کو منع بھی نہیں

کرتا، تو کیا زید کی اجازت کے بغیر اُس ٹیلے سے مٹی لانا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- اصول یہ ہے کہ کسی کی مملوکہ زمین سے مٹی وغیرہ لانا بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں، لیکن اجازت کے لیے صراحتاً کہنا ضروری نہیں قرینہ اجازت بھی کافی ہے۔ صورت مسئلہ میں چونکہ زید اپنی زمین سے مٹی لینے سے کسی کو منع نہیں کرتا تو یہ اجازت پر دال ہے، اس لیے اُس سے اجازت لیے بغیر بھی مٹی لائی جاسکتی ہے۔

قال العلامة الحصکفی: ولا سقی ارضه وشجره وزرعہ ونصب دولاب و نحوھا من نہر غیرہ وقناتہ وبئیرہ الا یا ذنہ لان الحق لہ فیتوقف علی اذنہ۔ (رد المحتار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۳۹۹ فصل الشرب) لے

سوال :- میں دو تین بار کراچی سے پشاور تک ریل میں بغیر

ٹکٹ کے آیا ہوں، اُس وقت مجھے کوئی خیال نہیں تھا کہ میں یہ کام ناجائز کر رہا ہوں، اب میں چاہتا ہوں کہ اس حق غیر سے کسی طرح اپنا ذمہ فارغ کر سکوں، مہربانی فرما کر اس سلسلہ میں میری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب :- بس یا ریل میں بغیر کرایہ ادا کیے سفر کرنا جائز نہیں، کرایہ کے پیسے ادا کرنا واجب ہے اور اگر کبھی بغیر کرایہ کے سفر کیا گیا تو اس کی ادائیگی اور ذمہ سے فارغ ہونے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس ادارے سے اتنی مسافت کا ٹکٹ خرید کر استعمال میں لائے بغیر اُسے ضائع کر دیا جائے تو اس سے حق ادا ہو جائے گا۔ جہاں تک آپ کے مسئلہ کا تعلق ہے تو آپ اس طرح کریں کہ جتنی بار آپ کراچی سے پشاور بغیر کرایہ ادا کیے آئے ہیں اتنی دفعہ کرایہ حساب کر کے اتنی مالیت کی ٹکٹ خرید کر اُسے ضائع کر دیں، اس طرح آپ کا ذمہ فارغ ہو

لے لما قال العلامة اشرف علی التھانوی: اس سے معلوم ہوا کہ بغیر اجازت مالک کے اپنے کھیت کو پانی دینا یا مٹی لانا جائز نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۵۲ کتاب الغصب)

جائے گا۔

لما قال العلامة اشرف على التهانوى: (الجواب) زید کو یہ دیکھنا چاہئے کہ میرے ذمہ کتنا کرایہ واجب ہے، اسی قدر داموں کا ایک ٹکٹ اسی ریلوے کا خرید کر اس ٹکٹ کو ضائع کرے اس سے کام لے، حق واجب کمپنی کا ادا ہو جائے گا۔ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۲۶ کتاب الغصب)

سوال: ایک صاحب کے مکان کے عقب (پچھوڑے) میں میری پر نالہ بند کرنے کا مسئلہ | مملوکہ زمین ہے اب میں اس پر مکان بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص کے مکان کا پر نالہ میری زمین کی طرف ہے میں نے اس کو پر نالہ بند کرنے کا کہا تو اس نے انکار کر دیا اور اصلاحی جرگہ میں میرے خلاف شکایت کر دی۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا مجھے شرعاً اس کا پر نالہ بند کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ جگہ واقعی آپ کی ملکیت ہے اور پر نالے کا پانی آپ ہی کی مملوکہ زمین پر گرتا ہو تو آپ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ آپ اس پر نالہ کو بند کر دیں، اور اگر پر نالہ کا پانی گرنے کی جگہ صاحب مکان کی ملکیت ہو تو پھر آپ کو پر نالہ بند کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: ومن اشترى بيتاً في دارٍ ومنزلاً أو مسكناً لم يكت له طريق الا ان يشتریه بكل حق هوله المرافقه او بكل قليل وكثير وكذا الشرب والمسيل۔ (الہدایہ جلد ۳ ص ۸۸ کتاب البیوع، باب الحقوق) لے



اصلاً قال الشيخ مولانا اشرف على التهانوى: مسیل یعنی پر نالہ و بدرو وغیرہ نکالنا حقوق ملک سے ہے جو شخص اس جگہ کا مالک ہے اس کو ہر طرح تصرف کا حق پہنچتا ہے، پس یہ شخص جو حق پر نالہ ہمسایہ کو زائل کرنا چاہتا ہے، اگر وہ پر نالہ گرنے کی جگہ اس شخص کی مملوک ہے اور اب تک بطور تبرع و احسان و رعایت ہمسایہ کو پانی ڈالنے کی اجازت دے رکھی تھی اور اب زائل کرنا چاہتا ہے اور پر نالہ بند کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے، اپنی ملک کا اختیار ہے اور اگر یہ جگہ ہمسایہ کی مملوک ہے تو اس شخص کو اس کا پر نالہ بند کرنا جائز نہیں کہ یہ غصب ہے۔

(امداد الفتاویٰ جلد ۳ ص ۲۲۵ کتاب الغصب)

کتاب الودیعة والعاریة (امانت اور عاریت کے مسائل و احکام)

امین کو امانت میں تصرف کا حق ہے | سوال :- کسی امین کو امانت میں تصرفات کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے ؟

الجواب :- امین پر امانت کی حفاظت لازمی ہے اس کی حفاظت کے لیے جو بھی تدبیر اختیار کرنا پڑے کر سکتا ہے مگر حفاظتی تدابیر کے علاوہ دیگر تصرفات کرنا جائز ہے بصورت ہلاکت ضامن ہوگا۔

وفی الہندیۃ : والودیعة لا تودع ولا تغار ولا توجر ولا ترهن وان فعل شیئاً منها ضمن کذا فی البحر الرائق - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۳۳۸ کتاب الودیعة)۔
امانت ضائع ہو جانے پر ضمان کا حکم | سوال :- زید نے عمرو کو کچھ رقم کاروبار کے لیے دیدی، عمرو کاروبار کے سلسلے میں سفر پر چلا گیا، سفر کے دوران اُس نے رقم اپنے رفیق سفر کو دے دی جس سے کسی وہ رقم چوری کر لی، تو کیا زید اب عمرو سے ضمان کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں ؟
الجواب :- چونکہ محمود سے یہ رقم برفاقت عمرو ضائع ہو گئی ہے لہذا ان دونوں میں سے کسی پر ضمان نہیں ہے، تاہم اگر عمرو محمود سے جدا ہو چکا تھا تو ہلاکت کی صورت میں عمرو زید کا ضامن ہوگا۔

قال العلامة سلیم رستم باز : ثم اعلم ان المستودع الاول انما یضمن اذا اودع الودیعة وھلکت بعد ان فارقھا واما قبلہ فلا ضمان علی احد لان الثانی قبض المال من ید امین کما سر والاول لا یكون بالدفع ضمیماً ما لم یفارق بمحضوا

۱۔ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ : والودیعة لا تودع ولا تغار ولا تجر ولا ترهن وان فعل شیئاً منها ضمن - (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹۱)
کتاب العاریۃ) - ومثلہ فی مجلۃ الاحکام، مادہ ۱۷۷، الباب الاول فی عمومۃ الامانۃ۔

رایہ فاذا قارق فقد ترك الحفظ الالتزام بالتزامه فيضمن بتركه. (مجمع الانهر)

(شرح مجلة الاحکام، مادة ۹۷ ص ۲۳۸) ۱۔

امانت پر اجرت لینے کا حکم | سوال :- امانت کی حفاظت کرنے پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر حفظ و دیعت کو مودع پر شرط کر کے اجرت مقرر کر دی جائے تو جائز ہے اور اس صورت میں اگر مودع سے شے امانت کسی ایسے عمل سے ضائع ہو جائے جس سے بچنا ممکن تھا تو مودع ضامن ہے ورنہ ضامن نہیں۔

وفي مجلة الاحکام : الوديعة امانة في يد الوديع فاذا هلكت بلا تعدٍ منه وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ لا يضمن ولكن اذا كان الايداع بأجرة فهلكت اوضاعا بسبب يمكن التحرز عنه لزم المستودع ضمانها (

شرح مجلة الاحکام۔ مادة ۹۷ ص ۲۳۸ في احکام الوديعة وضمانها) ۲۔

مودع کی وفات پر ورثاء کو مطالبہ کا حق ہے | سوال :- زید کی امانت بکر کے پاس رکھی ہوئی تھی کہ اچانک زید کی وفات ہو گئی، اس کے پسماندگان میں بیوی بچے ہیں لیکن ناقابل اعتماد ہیں، تو بکر یہ امانت کس کے حوالے کرے؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ میں زید کے ورثاء کے مطالبے پر امانت کی واپسی ضروری ہے

۱۔ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله : فاذا كان المودع لا يودع فان اودع فهلكت عند الثاني ان لم يفارق الاول لاضمان على واحد منهما وان قارقه ضمن الاول عند ابي حنيفة ولا يضمن الثاني. (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۷ كتاب الوديعة)

۲۔ ومثله في البزازیة على هامش الهندية ج ۲ ص ۲۸۹ كتاب الوديعة۔ الثاني فيكون افضاءة المودع قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله : وفي آخر كتاب الغصب من شرح الطحاوي المودع اذا شرط لاجر للمودع على حفظ

الوديعة صح۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۸۹ الفصل السادس في المتفرقات)

ومثله في الهندية ج ۲ ص ۳۷۳ الباب التاسع في المتفرقات۔

لیکن اگر یہ یقین یا غالب ظن ہو کہ ورثاء اس مال کو ضائع کر دیں گے تو پچیس سال کی عمر تک نہ دیا جائے۔

وفی الہندیۃ: واذا مات رب الودیعة فالوارث خصم فی طلب الودیعة
کذا فی المبسوط۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۵۲ الباب السابع فی رد الودیعة)

امانت کے ضائع ہونے کے خدشہ کی صورت میں فروخت کرنے کا حکم | سوال :- اگر کسی امانت کے بارے میں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور مالک تک رسائی بھی مشکل ہو تو ایسی صورت میں

امانت کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ کیا اسے فروخت کر کے رقم مالک کو دی جاسکتی ہے؟

الجواب :- امانت میں بنیادی طور پر مالک کے حقوق کی رعایت ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ امانت میں خیانت حرام اور ناجائز ہے، امانت مالک کو اصل حالت میں واپس کرنا مودع کی ذمہ داری ہے، لیکن یہاں کہیں امانت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی حالت میں مالک سے رابطہ کر کے اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے اور اگر کسی وجہ سے مالک سے رابطہ ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں حاکم وقت کو اطلاع دے کر تحفظ امانت کی صورت تلاش کی جائے، اور اگر حاکم وقت سے بھی رابطہ کی صورت میسر نہ ہو تو پھر اہل رائے سے مشورہ کر کے امانت کو فروخت کر کے اس کی قیمت مالک کے لیے محفوظ رکھی جائے۔ تاہم ان تمام صورتوں میں مالک سے ہمدردی کا جذبہ محرک رہے گا اور اگر حتی المقدور کوشش کے وجود امانت ضائع ہوگئی تو محافظ پر کوئی تاوان لازم نہیں۔

قال العلامة خالد اتاسی رحمہ اللہ :- اذا كان صاحب الوديعة غائباً
غيبته منقطعة بحيث لا يعلم موته ولا حياته يحفظها المستودع الى
ان يعلم موت صاحبها اما اذا كانت الوديعة ممتايفسدا لمكت
يبيعها المستودع باذن الحاكم ويحفظ ثمنها امانة عنده لكن اذا لم

الہ قال العلامة خالد اتاسی رحمہ اللہ، واذا مات المودع تسلم الوديعة لوارثته
(مجلۃ الاحکام مادة ۸۰۲ ص ۴۲۶ الفصل الثانی فی احکام الودیعة وضمانہا)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۵ ص ۶۶۶ کتاب الودیعة۔

یبيعها ففسدت بالملك لا يضمن - (مجلة الاحكام، مادة ۲۸۵، ۲۳۵ الفصل الثاني في احكام الوديعة)

عاریتہ دی ہوئی چیز کے واپس لینے کا حکم | سوال :- زید نے عمرو کو اپنی زمین

پھلوں کی کاشت کے لیے عاریتاً دی اور عمرو نو سال تک اس زمین سے پیداوار حاصل کرتا رہا، لیکن اب زید پیداوار میں حصہ مانگتا ہے اور زمین بھی واپس لینا چاہتا ہے۔ کیا از روئے شریعت زید کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنی زمین واپس لے؟ اور کیا زید پیداوار میں حصہ لینے کا حق دار ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ زید نے عمرو کو زمین عاریتاً دی ہے اس لیے زید کو اپنی زمین واپس لینے کا حق تو حاصل ہے لیکن اسکی پیداوار میں حصہ لینے کا حقدار نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: ولو اعار ارضاً للبناء والغرس صح (للعلم بالمنفعة روله ان يرجع متى شاء - رد المحتار ج ۵ ص ۶۸۳ کتاب العاریة) لہ

معیر یا مستعیر کی موت سے اعارہ فسخ ہوتا ہے | سوال :- رشید خان فریخان کی خدمت کرتا ہے، فریخان

نے خدمت کے عوض میں رشید خان کو دس کنال زمین دیدی، رشید خان زمین کی پیداوار سے فائدہ اٹھاتا رہا، اب جبکہ رشید خان بوڑھا ہو گیا ہے اور خدمت کرنے کے قابل نہیں رہا تو فرید خان نے مذکورہ زمین رشید خان سے لے کر اس کے بیٹے جاوید خان کو دے دی، کچھ وقت گزرنے کے بعد فرید خان کی جائیداد کسی وجہ سے حکومت نے

لہ وقی المہندیۃ: اذا كانت الودیعة شیئاً یغاف علیہ الفساد وصاحب الودیعة غائب فان رفع الامر الی القاضی حتی یبیعه جاز و هو الاولی وان لم یدفع حتی فسدت لاضمان علیہ لانه حفظ الودیعة علی ما امر بہ کذا فی المعیط -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۲۲ الباب الرابع، کتاب الودیعة)

ومثله فی فتاویٰ سراجیۃ علی ہامش قاضی خان ج ۲ ص ۳۵ کتاب الودیعة۔

لہ قال العلامة المرغینانی: واذا استعار ارضاً لیسبئی فیہا ولیغرس جاز وللمعیر

ان یرجع فیہا ویكلفہ قلع البناء والغرس - (الہدایۃ ج ۳ ص ۲۸ کتاب العاریۃ)

ومثله فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹۳ کتاب العاریۃ -

ضبط کر لی لیکن جاوید خان کی دس کنال زمین بدستور اس کے تصرف میں ہے۔ اب جاوید خان کا دوسرا بھائی سلیم خان دعویٰ پار ہے کہ چونکہ یہ زمین ہمارے والد صاحب کی ملکیت ہے اس لیے میں بھی اس زمین میں حقدار ہوں۔ کیا از روئے شرع سلیم خان کا اس زمین میں کچھ حق بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- معاملہ کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرید خان نے رشید خان کو جو زمین دی تھی وہ عاریتاً دی تھی نہ کہ بطور ملکیت، اس لیے کہ جب رشید خان بوڑھا ہو گیا تو زمین واپس لے کر اس کے لڑکے جاوید خان کو دے دی، لہذا معلوم ہو گیا کہ یہ دینا عاریتاً تھا نہ کہ بطور تملیک، اس لیے مذکورہ زمین اگر فرید خان زندہ ہو تو اس کی ملکیت ہے نہ کہ رشید خان اور بیٹوں کی، اور اگر فرید خان فوت ہو چکا ہے تو یہ زمین اس کے وارثوں کی ہے اور اعارہ بسبب اس کی وفات کے فسخ ہو چکا ہے۔

قال العلامة خالد اتاسی رحمہ اللہ: تنفسخ الاعارة بموت المعير والمستعير۔

(مجلة الاحکام۔ مادة ۸۰۴ ص ۲۳۸ الباب الثالث الفصل الاول) لہ

معیر اور مستعیر کا اجارہ اور عاریت میں اختلاف | **سوال:** زید نے بکر سے مکان کے لیے لکڑیاں حاصل کیں اور لکڑیاں واپس کرتے وقت بکر نے دعویٰ کیا کہ لکڑیاں اجارہ پر دی گئی تھیں نہ کہ عاریتاً، جبکہ زید کا کہنا ہے کہ لکڑیاں عاریتاً حاصل کی گئی تھیں، اب اس اختلاف کو حل کرنے میں ہماری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب :- اگر بکر گواہوں کے ذریعے سے یہ ثابت کر دے کہ زید نے لکڑیاں اجارہ پر حاصل کی تھیں تو زید اجرت دینے کا پابند ہوگا ورنہ عاریتاً پر محمول ہوگا اور کرایہ دینے سے بری ہوگا۔

لہ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: واذا مات المستعير او المعير تبطل الاعارة كما تبطل الاجارة بموت احد المتعافدين۔

فتاویٰ خانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۳۸۲ فصل فیما یضمن المستعیر

ومثله فی سراجیۃ علی ہامش فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۸۲ کتاب العاریۃ۔

وفي الهدية : واذا قال اعترني دابتك وهلك وقال المالك غصبتها مني
فلا ضمان عليه ان لم يكن ركبها فان كان قد ركبها فهو ضمان وان قال اعترني
وقال المالك اجر تكبها وقد ركبها وهلك من ركوبه فالقول قول الراكب ولا ضمان
عليه كذا في المحيط - (الفتاوى الهدية ج ۳ ص ۳۴۲ كتاب العارية، الباب الثامن في الاختلاف
الواقع في هذا الباب والشهادة فيه له

امانت رکھنے والا واپس نہ آئے تو امانت کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص کسی کے پاس کچھ رقم بطور امانت رکھے اور

وہ امانت لینے کے لیے واپس نہ آئے تو امین اس رقم کے ساتھ کیا کرے ؟
الجواب :- امین کو اگر امانت رکھنے والے کا اتنا پتہ معلوم نہ ہو پھر بھی اسے
چاہیے کہ کسی نہ کسی ذریعے سے امانت پہنچانے کی کوشش کرے ورنہ اسکی موت کی صورت میں
اس کے ورثاء کے حوالے کر دے، اور اگر کوشش کے باوجود اس کا یا اس کے ورثاء کا علم
نہ ہو سکے تو خود اس مال کو امانت رکھنے والے کی طرف سے صدقہ کر دے یا صدقہ کی کیفیت
کر جائے، البتہ اگر امین فقیر ہو تو خود بھی کھا سکتا ہے، اور اگر صدقہ کرنے کے بعد
مال مالک واپس آجائے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو امین سے اپنے مال کا مطالبہ کرے یا
صدقہ رہنے دے۔

قال العلامة الحسكي رحمه الله : فينتفع الرفع بها لوفقيراً ولا تصدق
بها على فقير ولو على أصله وفرعه وعرضه.... فان جاء مالها بعد التصدق
خير بيت اجازة فعله ولو بعد هلاكها وله ثوابها وتضمينه -
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۳ ص ۸۰-۸۹ كتاب اللقيط)

له قال العلامة خير الدين الرملي : وان قال اعترني وقال المالك اجر تكبها وهلك
من ركوبه فالقول قول الراكب ولا ضمان عليه كذا ذكره كثير من علمائنا -
رفناوى خيرية على هامش تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۲ كتاب العارية
ومثله في الهداية ج ۳ ص ۳۱۲ كتاب الاجارات -

مجبوری کے تحت امانت فروخت کرنے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! آج سے

پاس دو بوری گندم امانت رکھی تھی اور خود کہیں چلا گیا، اس کے بعد سے آج تک ہمارا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہے اور نہ ہمیں اس کے گھریار کا کوئی علم ہے، جبکہ اس کی گندم پڑی پڑی خراب ہو رہی ہے۔ ان حالات میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے اس کا کوئی حل بتائیں؟ کیا ہم اس گندم کو فروخت کر کے اس کی قیمت بطور امانت محفوظ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- بلا ضرورت شدیدہ کسی کی امانت میں تصرف کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا تاہم مجبوری کے تحت بہت سارے محظورات میں بھی گنجائش نکل آتی ہے۔ چونکہ صورت مسئلہ میں بھی ضرورت شدیدہ ہے اس لیے شرعاً آپ عدالت سے اجازت لیکر اس گندم کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اپنے پاس بطور امانت محفوظ رکھیں لیکن اگر عدالت تک سائی ممکن نہ ہو اور گندم کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو پھر چند مسلمانوں کے سامنے اسے فروخت کر کے رقم محفوظ رکھیں۔

لما فی الہندیۃ : وان كانت الودیعة شیئاً لا یمکن ان یواجبوا قاضی یا امرہ
بأن ینفق من مالہ یوماً او یومین او ثلاثۃ رجاء ان یحضر المالك ولا یامره
بالانفاق زیادة علی ذلک ہل بی یا مرہ بالبیع وامساک الثمن ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۲ کتاب الودیعة) لہ



اے وقال مولانا عبد الکریم : وفي العالمگیویۃ : وان كانت الودیعة شیئاً
لا یمکن ان یواجبوا قاضی یا امرہ بأن ینفق من مالہ یوماً او یومین
او ثلاثۃ رجاء ان یحضر المالك ولا یامره بالانفاق زیادة علی
ذلک ہل بی یا مرہ بالبیع وامساک الثمن ۔ اھ

وفي دیارتنا لا یمکن الرفع الی القاضی فجماعۃ المسلمین قائمۃ مقامہ ۔
اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں بکرے کو فروخت کر کے اس کی قیمت امانت
میں رکھنی چاہیے، مگر خود تنہا فروخت نہ کرے بلکہ چند معتبر مسلمانوں کی رائے سے فروخت

کرے ۔ (امداد الاحکام ج ۳ ص ۶۱ کتاب الودیعة)



من أحياء أرضها
مدينة فقهي له

کتاب احیاء الموات

(بنجر زمین کو آباد کرنے کے احکام و مسائل)

ایسی زمین آباد کرنا جس کے مالکان لاپتہ ہوں | سوال :- ایک قطعہ زمین قیام پاکستان

اسی وقت سے افغانستان چلے گئے تھے، اس کے بعد سے آج تک اس زمین کے ساتھ ان کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اب اگر کوئی اس زمین کو آباد کرے تو کیا وہ اس کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر واقعی یہ زمین کسی کی ملکیت نہیں اور عرصہ دراز سے غیر آباد پڑی ہے اور قریب کے دیہات کے مصالح و منافع اس سے متعلق نہیں تو حکومت کی اجازت سے جو بھی آباد کرے گا مالک بن جائے گا۔

لما ورد فی الحدیث : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ابحی ارضاً میتة فھی لہ۔

(سنن ترمذی ج ۱ ص ۲۵۶ باب احیاء الموات) لہ

اگر اذن امام نہ ہو تو احیاء موات میں ملکیت کے ثبوت کا حکم | سوال :- امام ابوحنیفہؒ

میں اذن امام شرط ہے، سوال یہ ہے کہ جہاں امام نہ ہو وہاں احیاء موات سے ملکیت کیسے ثابت ہوگی؟

الجواب :- احیاء موات کے لیے امام صاحب کے نزدیک حکومت کی اجازت ضروری ہے لیکن صاحبین کے نزدیک اذن امام شرط نہیں، اگرچہ اس مسئلہ میں راجح قول امام صاحب کا ہے لیکن جہاں امام نہ ہو تو صاحبین کے مذہب پر فتویٰ دیا جائے گا، یہ

لہ اخرجہ الامام ابو داؤد : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ابحی ارضاً میتة فھی

لہ ولیس لعرق ظالم حق۔ (ابو داؤد ج ۲ ص ۸ باب احیاء الموات)

وَمَثَلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۸ کتاب احیاء الموات۔

معاثر فی حالات کے زیادہ موافق ہوگا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی اذن امام شرط نہیں، ظاہر حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اخرجه الامام ترمذی: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیی ارضاً
میتة فھی له۔ (سنن ترمذی ج ۱ ص ۲۵۶ باب احیاء الموات) ۱۷

احیاء موات میں رائج قول امام ابو حنیفہ کا ہے | سوال :- ایک بخر زمین

بنایا ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ مذکورہ افراد اس زمین کے مالک نہیں بن سکتے کیونکہ انہوں نے حکومت سے باضابطہ اجازت نہیں لی ہے، سوال یہ ہے کہ حکومت کی اجازت کے بغیر احیاء موات سے ملکیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- بخر زمین کو قابل کاشت بنانے کے لیے بادشاہ وقت کی اجازت ضروری ہے یا نہیں، اس میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک بادشاہ کی اجازت ضروری ہے صاحبین کے نزدیک ضروری نہیں لیکن امام صاحب کا قول رائج ہے اور منون فقہ میں ہی قول مذکور ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: وقول اکامام هو المختار ولذا قدمه فی الخاتمة
والملتقى كعادتهما وبه اخذ الطحاوی وعليه الملتون۔

(رد المختار ج ۵ ص ۲۷۸ کتاب احیاء الموات) ۱۸

لیکن جہاں کہیں امام نہ ہو تو صاحبین کے مذہب پر فتویٰ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۷ قال العلامة الزیلعی رحمہ اللہ: وقالایملکہ من احیاء ولا یشرط فیہ اذن الامام
علیہ الصلوٰۃ والسلام من عمر ارضاً لیست لاحد فهو احق بہا۔

(تبیین الحقائق ج ۶ ص ۳۵۶ کتاب احیاء الموات)

وَمِثْلُهُ فِی الْهِنْدِیَّةِ ج ۳ ص ۳۸۶ کتاب احیاء الموات۔

۱۸ لما فی الہندیۃ: ومن احیاء باذن الامام ملکہ وھذا عند ابی حنیفۃ و
قالایملکہ من احیاء ولا یشرط فیہ اذن الامام..... والملک فی الموات
یثبت بالاحیاء باذن اکامام عند ابی حنیفۃ وعند ابی یوسف ومحمد یثبت
بنفس الاحیاء۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۸۶ کتاب احیاء الموات۔ الباب الاول۔

سوال آبادی جنگل کو آپس میں تقسیم کرنے سے لوگ اس کے مالک نہیں بن سکتے |

درخت داد جنگل ہے، اگر لوگ اس کو آپس میں تقسیم کر لیں تو کیا وہ اس کے مالک بن سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- ایسا درخت داد جنگل جو کسی کی ملکیت نہ ہو تمام لوگوں کے لیے مباح ہوتا ہے اس کے ساتھ تمام لوگوں کے منافع متعلق ہوتے ہیں ہر ایک کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوتا ہے اور اگر کوئی اس کو قابل کاشت بنائے تو وہ اس زمین کا مالک نہیں بن سکتا۔

لما فی الہندیۃ : وکذا اماکان خارج البلدة من مرافقها محتطباً لاهلها ومو
لهم لایکون مواتاً۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۲ کتاب احیاء الموات) لہ
ایسی زمین جس میں جنگل ہو موات میں داخل نہیں۔

سوال بعض بنجر زمین پر محض نشانات لگانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی |

لوگ کسی غیر آباد زمین کو اپنی ملکیت میں لانے کے لیے اس کے ارد گرد پتھروں کی دیوار بنادیتے ہیں تو کیا ایسی زمین پر صرف نشانات لگانے یا دیوار بنادینے سے کوئی اس کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- بنجر اور غیر آباد زمین کی ملکیت اس وقت ثابت ہوگی جب اس کو قابل کاشت بنالیا جائے، اس میں کھیتی باڑی کی جائے یا کسی قسم کی تعمیر کی جائے، کسی قسم کے نشانات لگانے یا پتھروں کی دیوار بنا کر حد بندی کرنے سے کوئی اس زمین کا مالک نہیں بن سکتا۔

قال العلامة الحصفی رحمہ اللہ : ومن حجار ضا ای منع غیرہ منها بوضع
لہ قال العلامة الحصفی رحمہ اللہ : ولا یجوز احیاء ما قرب من العامر بل یترو لم
ومطر حاً لخصائهم لتعلق حقہم بہ فلم یکن مواتاً وکذا الوکات محتطباً۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۸ کتاب احیاء الموات)
و مثله فی البدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۹ کتاب الاراضی

علامته من حجر او غيره ثم امهلها ثلث سنين دفعت الى غير قبلها هو الحق بها
وان لم يملكها لانه انما يملكها بالاحياء والتعمير لا بمجرد التحجير

(رد المحتار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۸ کتاب احیاء الموات)

غیر مملوکہ مشترکہ چراگاہ کی زمین آباد کرنے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی | سوال: ایک

والوں کے مابین صدیوں سے مشترکہ چراگاہ کے طور پر چلی آ رہی ہے اور یہ غیر آباد زمین
کسی کی ملکیت بھی نہیں ہے، اس کا کچھ حصہ بعض لوگوں نے کافی عرصے سے آباد کر کے
اُسے قابل کاشت بنایا ہوا ہے، اب اس مشترکہ زمین کی کل تقسیم ہو رہی ہے تو سوال
یہ ہے کہ کیا آباد شدہ زمین آباد کرنے والوں کی ملکیت ہوگی یا کل تقسیم میں اس کی تقسیم
بھی ہوگی؟

الجواب:- اگر اس زمین سے دونوں گاؤں کے لوگوں کی ضروریات مثلاً چراگاہ یا
محبطہ (جنگل) وغیرہ وابستہ ہوں تو یہ موات کے حکم میں نہیں، اُسے آباد کرنے کا کسی کو کوئی
حق نہیں اور نہ ہی محض آباد کرنے سے کسی کی ملکیت ثابت ہوگی، لہذا صورت مسئلہ میں
آباد شدہ زمین بھی کل تقسیم میں داخل ہوگی۔

لما فی الہندیۃ: وکذا ما کان خارج البلدۃ من مرافقہا محتطباً لاهلہا ومرعی
لہم لا یکون مواتاً حتی لا یملک الایام اقطاعہا۔ انتہی
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۸۶ کتاب احیاء موات) ۲

۱۔ قال العلامة المرغینانی: لان التجحیر لیس باحیاء لیمککہ بہ لان الاحیاء
انما هو العمارۃ التجحیر للاعلام۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۲۴۹ کتاب احیاء موات)
وَمِثْلُهُ فِي السُّنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۸۶ کتاب احیاء الموات۔

۲۔ قال العلامة التمرتاشی: ولا يجوز احياء ما قرب من العامر بل يترك مرعى
لهم ومطرحاً لحصائدهم لتعلق حقهم به فلو يكن مواتاً وكذا لو كان محتطباً۔
(تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۸ کتاب احیاء الموات)
وَمِثْلُهُ فِي الْبَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۱۹۲ کتاب الاكراضي۔

سوال :- اگر کسی علاقہ کی زمین بخر پڑی ہو

بخر زمین کو آپس میں تقسیم کر کے آباد کرنا اور وہاں کے سرکردہ افراد اس کو وہاں کے تمام افراد میں تقسیم کر دیں، اس کے بعد کچھ صاحب استطاعت اسے آباد کر لیں اور کچھ لوگ آباد نہ کر سکیں تو کیا آباد کنندگان کے لیے ان زمینوں کے حاصلات جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب :- ایسی تقسیم کے بعد جو آدمی بھی اپنے حصہ کی زمین کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا اور اس کے حاصلات اس کے لیے جائز ہوں گے کیونکہ یہ زمین حقیقت میں غیر آباد ہے صرف برائے نام سب لوگ اس میں شریک ہیں کہ اس علاقہ کی زمین ہے۔
واخرج الامام ابو داؤد: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احی ارضا میتة فھی لہ۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۸۱ باب احیاء الموات) لہ

سوال :- موجودہ معاشرہ میں بعض لوگ

احیاء موات کا حق ہر ایک کو حاصل ہے حجام، لوہار، ترکھان، جولاہا وغیرہ کا پیشہ اختیار کرنے والوں کو گھٹیا تصور کرتے ہیں اور اگر یہ لوگ کسی غیر آباد زمین کو آباد کر لیں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا حق نہیں، کیا ایسا کرنا اور کہنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- احادیث اور کتب فقہ میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ جو کوئی بھی کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا، کسی بھی فقیہ نے اس مسئلہ میں اس قسم کی تخصیص بیان نہیں کی۔ احیاء موات کے حکم میں تعمیم ہے۔ من اچلی ارضا میتة فھی لہ۔ (سنن ترمذی ج ۱ ص ۲۵۶ باب احیاء الموات) اس حدیث میں لفظ من عام ہے، اس عموم میں بلا دلیل تخصیص کرنا صحیح نہیں۔ فقہاء کرام نے بھی لفظ من استعمال کیا ہے: ومن احیاء یاذن الامام ملکہ (تبیین الحقائق ج ۶ ص ۳۵۶) بلکہ ذمی غیر مسلم بھی احیاء موات سے مالک بن سکتا ہے جبکہ حجام، جولاہا اور لوہار، ترکھان وغیرہ تو مسلمان ہیں۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: ویملکہ الذمی بالاحیاء

لہ اخرجہ الامام ترمذی رحمہ اللہ: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احی ارضا میتة

فھی لہ۔ (سنن ترمذی ج ۱ ص ۲۵۶ باب احیاء الموات)

ومثله فی الہدایۃ ج ۲ ص ۲۷۹ کتاب احیاء الموات۔

لما يملكه المسلم - (الهداية ج ۲ ص ۲۷۹ کتاب احیاء الموات) لہ

غیر آباد زمین کو آباد کرنے والا بلا شرکت غیرے اس کا مالک ہوتا ہے | سوال :- ہم نے
کوسترہ سال قبل آباد کیا تھا، کیا شرعاً اس میں ہمارے ساتھ کوئی اور شریک ہو سکتا ہے؟
الجواب :- اگر یہ زمین کسی کی ملکیت نہیں تھی اور نہ اہل قریبہ کے منافع اس کے ساتھ
والستہ تھے تو آپ بلا شرکت غیرے اس زمین کے مالک ہیں بشرطیکہ حکومت کی اجازت سے
آباد کی ہو، کیونکہ مردہ زمین کو آباد کرنے والا ہی اس کا مالک ہوتا ہے کسی کا بھی ایسی زمین
کے ساتھ حق متعلق نہیں ہوتا۔

لما ورد فی الحدیث : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیاء ارضاً میتة
فھی لہ - (سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۵۸ باب ما ذکر فی احیاء ارض الموات) لہ
(ترجمہ) جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا یعنی قابل کاشت بنایا وہ زمین اسی کی ہے۔

مفاد عامہ سے خارج رقبے کو آباد کرنے والا مالک متصور ہوتا ہے | سوال :- اگر
کسی علاقے
میں پہاڑی اور غیر آباد بنجر زمین کو وہاں کے رہنے والے لوگ آباد کر لیں تو کیا وہ
آباد کرنے سے اس کے مالک بن جاتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ علاقہ کے بعض باشندے لوگ ان
کی ملکیت کے ثابت ہونے کی مخالفت کرتے ہیں؟

الجواب :- جو پہاڑ کسی کی ملکیت نہ ہوں اور ان کا تعلق علاقے کے مفاد عامہ
سے بھی نہ ہو تو اس کو باقاعدہ حکومت کی اجازت سے آباد کرنے والا شریعت کی رو سے

لہ لما فی الہندیۃ : عند ابی یوسف و محمد ینبت بنفس الاحیاء۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۳۸۶ کتاب احیاء الموات)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۲۱ کتاب احیاء الموات۔

لہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیاء ارضاً میتة فھی لہ و لیس لعرق ظالم
حق۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۸۱ باب احیاء الموات)

وَمِثْلُهُ فِي فَتَحِ الْوُجُودِ حَاشِيَةِ ابْنِ دَاوُدَ ج ۲ ص ۸۱ باب احیاء الموات۔

اس کا مالک متصور ہوگا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسکفیؒ: اذا احیا مسلم ارضاً غیر منتفع بها ولیست بمملوكة لمسلم ولا ذی وھی بعیدة من القریة ملکها واعتبر محمد عدم ارتفاق اهل القریة وبه یفتی۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۸ کتاب احیاء الموات) ۱

غیر مسلم کیلئے احیاء موات کا حکم | سوال :- ہمارے علاقے میں ہندو اور سکھ بھی رہتے ہیں، انہوں نے حکومت کی اجازت سے گاؤں کی بنجر زمین کو آباد کیا اور اب اس میں مختلف فصلیں کاشت کرتے ہیں، تو کیا یہ زمین ان کی ملکیت متصور ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- موات کی احیاء کرنے والے کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں، اگر کوئی غیر مسلم بھی حکومت وقت کی اجازت سے علاقے کی بنجر زمین کو آباد کرے تو وہ اس کی ملکیت متصور ہوگی۔ اس لیے صورت مشولہ میں بنجر زمین کو حکومت کی اجازت سے آباد کرنے والے ہندو اور سکھ اس کے مالک متصور ہوں گے۔

قال العلامة الحسکفیؒ: اذا احیى مسلم ارضاً غیر منتفع بها ولیست بمملوكة لمسلم ولا ذی..... ملکها ان اذن له الامام فی ذلك وقال لا یملکها بلا اذنه وهذا لو مسلماً فلو ذمی شرط الاذن اتفاقاً۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۷ کتاب احیاء الموات) ۲

۱۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیاء ارضاً مہتةً فھی لہ۔

(سنن الترمذی ج ۱ ص ۲۵۶ باب ما ذکر فی احیاء ارض الموات)

وَمِثْلُهُ فی البدائع الصناع ج ۶ ص ۱۹۲ کتاب الاراضی۔

۲۔ قال العلامة المرغینانیؒ: ویملک الذی بالاحیاء کما یملک المسلم لان الاحیاء سبب الملك الا ان عندی حنیفةٌ اذن الامام من شرطه فیستویان فیہ کافی سائر اسباب الملك حتی الاستیلاء علی اصلنا۔

(الہدایۃ ج ۴ ص ۲۷۷ کتاب احیاء الموات)

موات کی تعریف | سوال :- جناب مفتی صاحب! موات کسے کہتے ہیں، اور کون کون سی زمینیں اس میں داخل ہیں؟

الجواب :- ہر وہ زمین جو گاؤں یا شہر سے باہر ہو اور اس پر کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ اس کے ساتھ کسی کا کوئی حق وابستہ ہو اور نہ وہ شہر یا گاؤں کے متعلقہ امور سے وابستہ ہو اس کو موات کہا جاتا ہے، لہذا جن زمینوں میں یہ شرائط پائی جائیں وہ موات میں داخل ہیں۔

قال العلامة الكاساني، فالارض الموات هي ارض خارج البلد لم تكن ملكا واحدا ولا حقالة خاصا فلا يكون داخل البلد مواتا اصلا۔

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۹۲ کتاب احیاء الموات)۔

سوال :- اگر کوئی شخص گاؤں کی بنجر زمین

میں اپنے نام انتقال کرا لے لیکن اسے آباد نہ کرے بلکہ کئی سالوں سے اسی طرح بنجر بنے دے تو کیا حاکم وقت یا اس کا نائب یعنی تحصیلدار وغیرہ وہی زمین کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے یا نہیں تاکہ وہ اس کو آباد کرے؟

الجواب :- موات کی ملکیت کے لیے ضروری ہے کہ حاکم وقت یا اس کے نائب (تحصیلدار وغیرہ) کی اجازت سے بنجر زمین پر قبضہ کر کے اسے آباد کرے یعنی قابل کاشت بنائے صرف اس پر قبضہ کرنا سبب ملک نہیں، اس لیے اگر حاکم وقت یا اس کا نائب وہ زمین کسی دوسرے شخص کو دینا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے تاہم

لے وفي الهندية، فالارض الموات هي ارض خارج البلد لم تكن ملكا واحدا ولا حقالة خاصا فلا يكون داخل البلد مواتا اصلا وكذا ما كان خارج البلدة من مزارعها محتطبا لاهلها ومرعى لهم لا يكون مواتا حتى لا يملك الامام اقطاعها وكذلك ارض الملح والقار ونحوها مما لا يستغنى عنها المسلمون ارض موات حتى لا يجوز للامام ان يقطعها عنها لاحد۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۸۵ کتاب احیاء الموات)

حاکم کو تین سال تک انتظار کرنا ہوگا۔

لما قال العلامة الحسکفی: ومن حجر الارض ای منع غیرہ منها بوضع علامة من حجر او غیرہ ثم اھملها ثلاث سنین دفعت الی غیرہ وقبلها هو احق بہا وان لم یملکها لانه اتما یملکها بالاحیاء والتعصیر لا بمجرد التحجیر۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۸۸ کتاب احیاء الموات) ۱

لیز موجب ملک نہیں | سوال: جناب مفتی صاحب! بعض دفعہ حکومت کسی بنجر قطعہ زمین کو سو سال یا اس سے کم و بیش مدت کے لیے کسی شخص کو لیز یا پٹہ پر دے دیتی ہے اور اس شخص سے سالانہ یا جملہ مدت لیز کی رقم بصورت اجارہ وصول کرتی ہے، اور معاہدہ یہ ہوتا ہے کہ اس مدت کے گزر جانے کے بعد یہ زمین حکومت کو واپس کر دی جائے گی۔ تو کیا لیز (پٹہ) پر زمین لینے والا آدمی اس زمین کا مالک بن جا سکتا ہے؟
الجواب: اجارہ و لیز موجب ملک نہیں، یہ آدمی صرف اتنی مدت تک ہی اس زمین سے انتفاع حاصل کر سکتا ہے جتنی مدت تک زمین لیز وغیرہ پر حاصل کی گئی ہو، مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد زمین حکومت کو واپس کی جائے گی، یہی وجہ ہے کہ لیز یا اجارہ پر زمین لینے والا شخص اسے فروخت نہیں کر سکتا۔

قال العلامة الحسکفی: وارضاء بشرط ان یشیها ان یحترثها او یکری انہا رہا العظام او یسرقنہا بقاء اثر هذه الافعال لرب الارض فلو لم یتق لم تفسد۔
قال العلامة ابن عابدین: تحت قوله (یشیها ان یشیها) فان کان اثرہ یتقی بعد انتہاء العقد یفسد لان فیہ منفعة لرب الارض والا فلا۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۸۸ کتاب الاجارۃ۔ باب الاجارۃ الفاسدة)

۱۔ قال العلامة المرغینانی: ومن حجر ارضاً ولم یعمرها ثلاث سنین اخذها الامام ودفعها الی غیرہ لانا الدفع الی الاول کان لیمرہا فتحصل المنفعة للمسلمین من حیث العشر والخراج فاذا لم یحصل بدفعه الی غیرہ تعصیلاً للمقصود لات التحجیر لیس باحیاء لیملکہ بہ۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب احیاء الموات)

سرکاری شاملات زمین پر کسی کے قبضہ سے احياء کا حکم [سوال :- ہمارے گاؤں کے قریب پرائی زمین ہے

جو کہ ارضِ موات یعنی شاملاتِ دیہہ ہے، اب ایک آدمی جو کہ دوسرے علاقہ سے آیا ہے اس شاملاتِ زمین کا کچھ حصہ اپنے نام پر انتقال کرا لیا ہے، کیا اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شاملاتِ زمین کا اپنے نام انتقال کرائے، واضح ہو کہ یہ زمین گاؤں سے تقریباً ۲ کلومیٹر دور ہے، اس بارے میں شرعی حکم صادر فرما کر ممنون فرمائیں؟

الجواب :- ایسی سرکاری شاملات جس سے اہل دیہہ کے مرافق متعلق ہوں، اس کا احياء درست نہیں ہے اور اسی وجہ سے ایسی زمین کسی کی بھی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اسے تمام اہل دیہہ کے منافع اور مرافق کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا اور اگر اہل دیہہ کا اس سے مشترکہ مفاد وابستہ نہ ہو تو اس کا احياء درست ہے مگر اس کے لیے اذنِ امام (یعنی حاکم وقت کی اجازت) شرط اور ضروری ہے۔

قال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ: اذا احيا مسلم ارضاً غیر منتفع بها وليست بمملوكة لمسلم ولا ذمی فلو مملوكة لم تكن مواتاً فلو لم يعرف مالکها فهي لقصة يتصرف فيها الامام — وهي بعيدة من القرية اذا صاح من باقصة العامر لا يسمع بها صوته ملكها عند ابي يوسف ان اذن له الامام في ذلك وهو المختار ان اذن له الامام في ذلك يملكها بلا اذنه الخ الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۰۶، ۳۰۷ کتاب احياء الموات (۱) لہ

لہ وفي الهندية: قال القدوري فساكان عادياً الى قدم خرابه لا مالک له او كان مملوكة في الاسلام لا يعرف له مالک بعينه وهو بعيد عن القرية — وبعد اسطر قال وملك في الموات يثبت باحياء ياذن الامام الخ

{ الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۸۶ }

{ کتاب احياء الموات }

ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر قبضہ کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں صورت

کہ ۱۹۴۷ء میں علاقہ کشمیر پر مسلمانوں نے حملہ کیا جس کے نتیجے میں کئی ہندو مارے گئے، کئی روپوش ہو کر بھاگ گئے، بعد ازاں مسلمانوں نے ان کے مال و متاع پر قبضہ کر کے اپنے استعمال میں لائے اور ان کے مکانوں، مندروں اور گرجوں وغیرہ کی چادریں اکھیڑ کر اپنے ملک میں لائے اور یہاں مساجد کی تعمیر میں ان کو استعمال کیا۔ اب ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ ہندوؤں کے متروکہ مکانوں اور مندروں وغیرہ کی چادریں مساجد کی تعمیر میں استعمال کرنا مسلمانوں کے لیے حرام ہے اور ایسی مساجد میں نماز یا جماعت ادا کرنا ناجائز ہے، اور ان چادروں کو ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے خرید بھی نہیں۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا ایسی چادریں اور اس طرح کا دیگر ساز و سامان مساجد کی تعمیر میں استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں اور ایسی مساجد عند الشریعت مسجد کا حکم رکھتی ہیں یا نہیں؟ نیز مسلمانوں کے لیے ایسی چادروں اور دوسرے سامان کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ فقہ حنفی کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب :- سب سے پہلے تو یہ بات تحقیق طلب اور قابل غور ہے کہ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں نے کشمیر میں ہندوؤں پر جو حملے کیے ہیں اس کو شرعاً جہاد کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک تو کتب فقہ سے جہاد کے متعلق جو کچھ ثابت اور معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر جہاد مقرر ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کا ہو جائے اور اسلام معزز ہو اور کفر کے تمام قواعد اور رسم و رواج نیست و نابود ہوں۔ بناء علیہ فقہاء کرام نے وجوب جہاد کے لیے چند شرائط لکھے ہیں: اول یہ کہ مسلمان اتنی تعداد میں ہوں کہ جس سے نشان و شوکت پیدا ہو۔ دوم یہ کہ ان کا خرچ بھی ہیا ہو۔ سوم یہ کہ ان کے لیے امن و حفاظت کی جگہ بھی ہو کہ کفار کے شر سے نجات حاصل ہو اور عند الحاجة کام آوے۔ اور اگر مسلمانوں کو یقین ہو کہ علیہ کفار کو ہوگا تو اس صورت میں جہاد فرض نہیں ہے ”جامع الرموز“ میں ہے: الجہاد فرض عین بشرط القدرة علی القتال والصلاح والنواد والواحدة..... انتہی۔ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: والثافت ان یرجوا الشوكة والقوة لاهل الاسلام وان كان لا یرجوا الشوكة للمسلمین فی القتال فانه لا یحل له القتال لما فیہ من القاء نفسه فی التهلكة۔

اسی طرح درختار، شامی اور فتح القدیر میں بھی مذکور ہے۔

اب اس تفصیل کی روشنی میں ۱۹۴۷ء میں ہندوؤں پر مسلمانوں کے حملوں کو اگر جہاد کہا جاوے اور اس دوران جو کچھ املاک کفار یعنی ہندوؤں کے اموال میں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگے وہ مال غنیمت ہے اور اس کا ذاتی استعمال میں لانا، خرید و فروخت کرنا، اور مساجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے اور وہ مساجد بہر حال شریعی مسجد ہوں گی اور ان میں نمازیں پڑھنا درست ہے۔ (فقط واللہ اعلم)

گاؤں یا شہر کے قریب بنجر زمین آباد کرنا | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے قریب ایک قطعہ اراضی بنجر

پڑا ہے جس میں گاؤں کے لوگ اپنے جانور وغیرہ چراتے ہیں اور اپنے مویشیوں کے لیے چارہ وغیرہ لاتے ہیں، اب ایک شخص تحصیلدار کی اجازت سے اس کو آباد کرنا چاہتا ہے جبکہ ایسا کرنے میں گاؤں کے لوگوں کی اکثریت کا نقصان ہے۔ تو کیا شرعاً یہ قطعہ زمین آباد کرنا جائز ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب :- کسی بنجر زمین کو آباد کرنا اور اس کو کارآمد بنانا ایک اچھا عمل ہے مگر اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ گاؤں یا شہر والوں کا نقصان نہ ہو، اسی طرح وہ زمین گاؤں یا شہر کے قریب نہ ہو کہ لوگ اس سے اجتماعی طور پر فائدہ اٹھاتے ہوں صورت مسئلہ کے مطابق یہ بنجر زمین چونکہ گاؤں کے قریب ہے اور گاؤں والے اس کو بطور چراگاہ استعمال کرتے ہیں اس لیے اس زمین کو تحصیلدار کی اجازت کے باوجود آباد کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں گاؤں والوں کا اجتماعی نقصان ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی، لا يجوز احياء ما تقرب من العامر ويترك مرعى لاهل القرية ومطرحاً لمصائد هم لتحقيق حاجتهم اليها حقيقتها او دليلها على ما بيناه فلا يكون مواتاً لتعلق حقهم بها بمنزلة الطريق والنهر۔ الخ (الهداية ج ۲ ص ۴۷۸ کتاب احياء الموات)

تحدید ملکیت زمین

انفرادی اور شخصی ملکیت

موجودہ دور میں معاشی اور اقتصادی بحالی کے اصول و قواعد دین اور حکام اسلام سے بعد ہے جب تک ہم اسلام کے عملاً بہترین اور ابدی اصولوں پر عمل پیرا رہیں گے منہ جیٹ قوم و ملک ترقی کے منازل طے کرتے رہیں گے۔ اسلام کے انہی زیرین اصولوں سے دوری ہی کا نتیجہ ہے کہ ملکیت خدا داد پاکستان میں متوکل اور سفید پوش طبقہ کے درمیان معاشی تفاوت کے وجہ سے اقتصادی زبوں حالی پیدا ہو چکی ہے اور پورا ملک اس وقت بحرانی کیفیت سے دوچار ہے ملک کی اکثر سیاسی جماعتوں اور حکمرانوں نے اپنے طوہر اس کا یہ حل نکالا کہ عارضی یا مستقل طوہر ملکیت زمین کے تحدید کر دی جائے اور اس کو قانونی شکل دینے کے لیے کوشش بھی کی گئی، جس پر علماء کرام نے حکومت کے اس موقف پر شرعی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مفتی حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ نے بھی ”تحدید ملکیت زمین کے دلائل کا ایک جائزہ“ کے عنوان سے ایک جامع مضمون لکھا جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی کہ اسلام میں اس کے کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے ”انفرادی اور شخصی ملکیت“ کے عنوان سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔ ماہنامہ الحق نے اسے ہر دو گرانقدر مفہمین کو شائع کیا، جنہیں اب افادہ عام کے لیے فتاویٰ کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے فتاویٰ حقانیہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

تحدید ملکیت زمین

دلائل کا ایک جائزہ

اسلام میں اسکا کوئی گنجائش نہیں

ملک کے متحمل اور فقراء کے درمیان معاشی تغاوت اور اقتصادی بد حالی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اللہ کے مقرر کردہ اصول اور احکام سے بعد ہوتا گیا۔ اموال کے حقوق ادا نہ ہوئے اور استحصال زر میں حلال و حرام کی تیز نہ کی گئی، نتیجہ میں وہ شدید بحران رونما ہوا جس سے پورا ملک دوچار ہے۔ اس کا علاج زمینوں کی ملکیت کی حد تک اکثر سیاسی جماعتیں یہ تجویز کر رہی ہیں کہ زمین کی ملکیت کی ایک خاص حد مقرر کی جائے۔ یہاں تک کہ بعض مذہبی جماعتوں سے بھی اس سلسلہ میں بے احتیاطی ہوئی اور عارضی طور پر یا مستقلاً تحدید ملکیت زمین کو اپنے منشوروں میں جگہ دی حالانکہ معاشی بے اعتدالی اور بد حالی کے فساد کا علاج تحدید ملک سے نہیں ہو سکتا۔ عملی اور واقعاتی تجزیہ کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو سکتی ہے۔ کہ اس علاج سے مرض تو زائل ہو نہیں سکتا۔ مگر دین میں بلا دلیل ایک گونہ تحریف و ترمیم کا ارتکاب ہو جائے گا۔ اور مسئلہ بھی اپنی جگہ لانیل رہے گا۔

اگر زمینداروں کے پاس سو سو سو ایکڑ زمین چھوڑ کر نژاد اس سے لے لی جائے اور حکومت اس نژاد زمین کو ملک کے تمام بے زمین افراد پر موافق ضرورت تقسیم کر لے تو ملک کی آبادی کے تناسب سے یہ محدود زمین ہر گز سب افراد تک نہیں پہنچ سکتی۔ بعض کو دی جائے اور بعض محروم رہیں۔ تو فساد اپنی جگہ قائم رہا۔ پھر اس تحدید شریعت کے کئی احکام مثلاً میراث و غیرہ منسوخ اور معطل ہو جائیں گے۔ پھر جبکہ لمبا اوقات ارباب اقتدار ایسے عارضی اور مصلحتی قوانین کو دائمی حیثیت دے دیتے ہیں تو قانون وراثت مستقل طور پر معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ تحدید سوشلزم

کیلئے سنگ بنیاد ہے، کیونکہ تحدید ہی کے دلائل سے سرے سے شخصی ملکیت میں نفی ہو سکتی ہے۔
(ج) جن نظائر اور شواہد کو کھینچ تان کر تحدید ملکیت کے لئے وجہ جواز بنایا جاتا ہے تاکہ روٹی
کا مسئلہ حل ہو سکے ٹھیک اسی طرح عزل، اسقاط حمل وغیرہ نظائر و شواہد کے بناء پر تحدید نسل
(خاندانی منصوبہ بندی) کیلئے بھی وجہ جواز نکالی جا سکتی ہے تاکہ روٹی کا مسئلہ حل ہو سکے۔ اگر وہ
تحدید جائز نہیں تو یہ کیوں جائز ہے؟

نظائر اور شواہد کا جائزہ | بعض حضرات نے حاکم وقت کو اقتصادی بد حالی دور کرنے
کے لئے تحدید ملکیت کے اصول بنانے کا اختیار دیا ہے

اور اسی ضمن میں کچھ دلائل پیش کئے ہیں۔ ہم اس کا بھی مختصراً جائزہ لینا چاہتے ہیں۔
(الف) اس میں شک نہیں کہ فقراء اور مساکین کو اگر ضروریات زندگی میسر نہ ہوں اور ہلاکت
کا خطرہ ہو تو حکومت ذخیرہ اندوزی کرنے والوں سے بھری طور پر غلہ وغیرہ لیکر فقراء کی حاجت
برآری کر سکتی ہے اور فقراء بھی براہ راست اضطراری حالت میں بغیر رضا مالک غلہ وغیرہ لیکر
اپنی ضروریات میں خرچ کر سکتے ہیں۔ مگر دونوں صورتوں میں لازمی ہے کہ تنگی اور ضرورت ختم ہونے
پر اس کے مالکوں کو معاوضہ دیا جائے۔ قال فی الدہر المختار لو خاف الامام علی اهل بلد الحلاک
اخذ الطعام من المتکرین و فرق علیہم فاذا وجدوا سعة ردوا مثله و من اضطر لماله غیرہ
و خاف الحلاک تناوله بلا رضاه و نقلہ الزلیعی عن الاختیار و اقترہ۔ (الدہر المختار ج ۱)
اور علامہ ابن حزم ظاہری نے بھی المملی ج ۵ ۵۵۲ میں لکھا ہے کہ اغنیاء پر فرض ہے
کہ فقراء کی ضروریات کو پورا کریں اور حاکم وقت کے لئے جائز ہے کہ اغنیاء کو اس بات پر مجبور
کرے علامہ کی اصل عبارت یہ ہے۔

و فرض علی اغنیاء من اهل کل بلد ان یقوموا بفقراءہم و یجبرہم السلطان
علی ذلك ان لم تقم الزکوۃ بہم و لانی سائر اموال المسلمین ہم فیقام لہم بما یشکلون من العتق
الذی لا یدمنہ و من اللباس للشتاء و الصیف بمثلہ ذلك و بمسکن ینتہم من المطر و الصیف
و الشمس و عیون المارة۔ انتہی۔

لیکن ابن حزم مالکان اموال کو معاوضہ دینے کا بھی قائل نہیں اور یہ اسکی تفروآت میں
سے ہے۔ الغرض ضرورت کے وقت اغنیاء کے اموال سے فقراء کی حاجت برآی ضروری ہے
مگر اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ بادشاہ وقت زمین کے قانونی مالکوں سے زمین چھین کر

بے زمین لوگوں کو زمین بھی فراہم کرے گا۔

ب۔ رہا ابو عبیدہ بن الجراح کا جہاد کے وقت پر تین سو ساتھیوں کو اپنا اپنا تمام توشہ اکٹھا کرنے کا حکم دینا (بخاری ص ۶۲۵) اور اس سے اپنا مدعی ثابت کرنا تو اس سے بھی تحدید ملکیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس واقعہ میں نہ تو یہ توشے ابو عبیدہ کی ملکیت بنائے گئے تھے اور نہ اوقات کی طرح غیر مملوکہ تھے۔ بلکہ ان میں ملکیت شخصی بہر حال باقی تھی اور اباہتہ کی شکل میں ایک دوسرے کے راشن سے فائدہ اٹھانے کا کہا گیا تھا۔ غزوہ خیبر میں مویق کا اکٹھا کر کے یکساں تقسیم کرنے کی بھی یہی حقیقت ہے۔

ج۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت بلالؓ کو دی گئی وادی عقیق کی زمین واپس لے لینے کو بھی تحدید ملکیت کیلئے پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ زمین غیر آباد (موات) تھی حضرت عمر نے صرف وہی حصہ اس سے واپس لیا جو انہوں نے آباد نہیں کیا اور جو آباد اور زیر کاشت لایا گیا تھا۔ اُسے واپس نہیں لیا (رواہ یحییٰ بن آدم عن عبد اللہ بن ابی بکر کذا فی "تعلیق علی الاموال") اور یہ اب بھی جائز ہے کہ جب ایک شخص تین سال کے اندر اندر ارض موات کو آباد نہ کرے تو حکومت وقت اس کو واپس لے سکتی ہے، کیونکہ ارض موات میں آباد کرانے سے قبل صرف قبضہ سے ملکیت ثابت ہی نہیں ہوتی، ہدایہ میں ہے:

فبقی غیر مملوک کما کان ھو الصبیح ایسی زمین غیر آباد ہونے کی وجہ سے مملوک

(ج ص ۴۳)

ہی نہیں ہوتی بلکہ غیر مملوک ہے۔

د۔ اس میں شک نہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجاہدین کی خوشی اور طیب خاطر سے قبیلہ ہوازن کے وفد کو ان کے قیدی واپس دے دیے تھے۔ (بخاری ص ۶۱) مگر اس سے بھی تحدید ملک کا جواز معلوم نہیں ہو سکتا، کیونکہ اولاً تو یہ احتمال موجود ہے کہ یہ واپسی تقسیم سے قبل ہوئی ہو۔ جیسا کہ ابن کثیر کی رائے ہے کہ:

وظاہر سیاق حدیث عمر و بن
شعیب الذہبی اور دہ محمد بن
اسحق عن اسیہ عن جیدہ
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ودالی ہوازن سبھم
قبلہ القسمة۔ (تاریخ ابن کثیر ص ۶۱)

حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ
حضور نے ہوازن کو ان کے قیدی
تقسیم سے پہلے پہلے واپس کر دیے
تھے۔

اس احتمال کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ ملکیت شخصی ثابت ہی نہیں ہوتی تھی، جبکہ تحدید ملکیت میں تو شخصی ملکیت کا ازالہ ہوتا ہے۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ واپسی تقسیم کے بعد ہوتی، جیسا کہ بخاری کی روایت وقد کنت استأنیت بکمرے معہم ہوتا ہے تو اس سے بھی حاکمانہ اور جبری طور پر ملکیت چھین لینے یا اسے محدود کر دینے کا جواز نہیں نکالا جاسکتا، اس لئے کہ یہاں واپسی طیب خاطر یعنی پوری رضا و رغبت سے ہوتی تھی اور اس طیب خاطر کی پوری رعایت اور تحقیق کر کے ایسا کیا گیا۔ اور ایسی واپسی اب بھی بالاجماع جائز ہے۔

پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ اکثر مجاہدین نے قیدیوں کو مفت واپس کیا اور جن افراد مثلاً اقرع بن حابس اور عیینہ اور ان کی قوم نے مفت واپس کرنے سے انکار کیا (البدایۃ والنہایۃ ص ۳۵۳) اور انہیں معاوضہ دینے کا وعدہ کیا گیا تو وہ عوض بھی قیمت اور ثمن نہیں تھا۔ کیونکہ اس وعدہ میں نہ ثمن کی مقدار معلوم تھی اور نہ اجل متعین تھا اور شریعت میں ایسی خرید و فروخت جائز ہی نہیں جس میں نہ قیمت معلوم ہو، نہ ادائیگی کی ميعاد، یہاں تک کہ اس معاملہ میں تو ثمن کی ادائیگی اور اس کا تحقق بھی غیر یقینی تھا، جس پر بخاری کے یہ الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ ومن احب منکم ان یکون علی حظہ حتی لغطیہ ایاء من اول ما یغنی اللہ علینا فلیفعل۔ (جو تم ہی سے چاہے کہ اگر ہمیں اللہ نے مال غنیمت ہی سے کچھ دیدیا تو انہیں ان کا معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔) ان الفاظ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ پس اس حدیث سے بھی تحدید ملک یا تبدیل ملک کا استدلال غیر صحیح ہے۔

۵۔ پانچویں دلیل تحدید ملکیت کے لئے فقہاء کرام کے قاعدہ تحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام کی پیش کی گئی ہے، یعنی کسی عام ضرر کے ازالہ کی خاطر ضرر خاصہ برداشت کیا جائے، لیکن اس قاعدہ سے بھی تحدید ملکیت کے جواز کا استنباط درست نہیں، کیونکہ اس ملک میں ہر بے زمین شخص کو تو تکلیف اور تنگی لاتی نہیں ہوتی، لاکھوں لوگ جو زمین کے مالک نہیں ہیں، مگر نہ تنگ ہیں نہ بھوکے بلکہ دیگر معاشی ذرائع کی وجہ سے آسودہ مال ہیں۔ ثانیاً کہ ضرر عام اگر موجود ہے تو دونوں طرف کو اور دونوں صورتوں میں ہے۔ البتہ طالبین تجدید مآ وہ لوگ ہیں جو سوشلسٹ اقوام اور نظریات سے متاثر ہیں۔ اور عموماً ان کے دلوں میں عدال و حرام کی تمیز اور آخرت کا احساس نہیں، مذہب ان کے نزدیک ثانوی حیثیت کا حامل ہے، پیٹ

بقیہ: تحدید ملکیت زمین | کے مسائل سے مذہب کو خاطر خواہ تعلق نہیں ٹالتا یہ کہ اس شروعیہ کے زمانہ میں جبکہ حکام و امراء عموماً بے دین خائن اور بد دیانت ہوتے ہیں۔ مفاد پرستی، رشوت ستانی، سفارش اور اقرباء پروری ان کا شیوہ ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کو اراضی کی تحدید اور تصرف کی باگ ڈور سپرد کر دینا درحقیقت قوم اور ملک کی تباہی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بیت المال اور اوقاف کے حکام پر خیانت کے اثرات ظاہر ہونے لگیں تو انہیں مسلمانوں کے اموال مصداقہ لینے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس طرح کرنا حکام کو حرام خوری اور خیانت کا دروازہ کھول دینا ہے۔ (درمختار مع رد مختار ج ۲ ص ۲۸۵)

الغرض تحدید ملکیت کے جواز میں جبکہ دینی و علمی لحاظ سے بیشتر فتنوں اور اقتصادی و مالی لحاظ سے بیشتر حق تلفیوں اور بد دیانتیوں کا خطرہ ہے تو کیوں بے احتیاطی سے کام لیں۔ فتنوں کا دروازہ کھولا جائے۔ لہذا تحدید ملکیت کے جواز یا حکومت کو اس کا حق دینے کا فتویٰ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اور میرا اس سے قطعاً اتفاق نہیں ہے۔

محمد فرید خاں دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ



انفرادی اور شخصی ملکیت

جذبہ نصیح و غیر خواہی کی بناء پر ”جماعت اسلامی“ سے ایک گذارش کرنی ہے جو کسی قومی و ملی موثر پر حکمت عملی کا سہارا لے لیتی ہے۔ حالانکہ ان کے قائد مودودی صاحب کے الفاظ میں ”کسی مقصد کی برتری کے لئے صرف مقصد کا اعلیٰ ہونا کافی نہیں بلکہ اس تک پہنچنے کے ذرائع اور خطوط بھی بے لاگ اور پاکیزہ ہونے چاہئیں“ مگر عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ مقصد برآری کی خاطر جماعت نہ صرف یہ کہ طریق کار کی صحت کا خیال نہیں رکھتی بلکہ دین کے ایک ایک اصول کو سیاست کے خراپہ چڑھا دیتی ہے۔ اس وقت جماعت اسلامی کا انتخابی منشور سامنے آچکا ہے۔ اس میں زراعت کے عنوان میں زمین کی ملکیت مغربی پاکستان میں سوا اور دوسوا کیڑ کے درمیان اور مشرقی پاکستان میں ۱۰۰ بجگہ تک محدود کر دی گئی ہے اور تمہیں یہیں کہا گیا ہے کہ ”غیر معمولی حالات میں ایسی غیر معمولی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں جو اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہوں“ قطع نظر اس بات کے کہ شریعت کا مذکورہ قاعدہ کن حالات اور کن غیر معمولی تدابیر پر منطبق ہوتا ہے۔ ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے نہ تو زمین کے بارہ میں کسی قسم کی تحدید کی ہے اور نہ دیگر اموال و املاک میں انفرادی اور شخصی ملکیت کی کسی قسم کی حد بندی گوارا کی ہے۔ جائز اور حلال ذرائع سے عینی بھی ملکیت حاصل کی جائے شریعت نہ صرف اسے جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت قرار دیتی ہے۔ قرآن و حدیث ایسے نصوص و شواہد سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم نہ تو حالات کی نزاکت اور وقت کی رو میں بہہ کر ان کی تاویل کر سکتے ہیں اور نہ سوشلزم کا ہوا کھڑا کر کے اس کے ڈر سے اسلام کے کسی مسئلہ میں تحریف اور تحدید کر سکتے ہیں۔ اسلام غیر محدود ملکیت سے نہیں روکتا، البتہ وہ مالک کو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کا پابند بنا کر ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت

ملکیت کی تحدید کرتا جاتا ہے، یہ زکوٰۃ و عشر، یہ صدقات اور ہبات اور سب سے بڑھ کر اسلام کا قانون میراث تحدید ملکیت نہیں تو اور کیا ہے مگر لا محدود و محدود بنانے کا یہ منصوبہ قدرت کا بنایا ہوا ہے۔ ہم اس میں اضافہ کر سکتے ہیں نہ کمی، ہم مجرموں اور معاشرہ کی حق تلفی کرنے والوں کا ہاتھ توڑ سکتے ہیں، مگر انہیں کسی حلال کمائی کے ایک پیسہ سے نہیں روک سکتے۔

حکمت عملی کی پالیسی ہمیں حالات کا مقابلہ اور خرابیوں کی اصلاح کرنی ہے۔ مگر یہ اصلاح ایسی نہیں کہ دین کے کسی اصول پر قینچی چلا کر فساد کا ایک اور دروازہ کھول بیٹھیں۔ دین کا مسئلہ بہر حال اپنی جگہ رہے گا۔ جماعت اسلامی اسے ہماری نا عاقبت اندیشی سمجھے یا کچھ اور ہم تو اس ”حکمت عملی“ کو بہر حال دین کے لئے زہر قاتل سمجھیں گے۔ اگر جماعت اسلامی غیر معمولی حالات کی وجہ سے ۲۰۰ ایکڑ تک زمین کی تحدید کو غیر معمولی تدبیر اور دین کے اصول سے غیر متصادم سمجھتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ کل سوشلسٹ اور کمیونسٹ اسی دلیل سے ملکیت زمین کا حق قطعی طور پر چھین کر اسے ”غیر معمولی تدبیر“ اور دین کے اصول سے ”غیر متصادم“ قرار نہ دے بیٹھیں، اگر جماعت کی طرف سے دین کے اصول کی کوئی واضح تشریح بھی ہو جائے تو معاملہ صاف ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی چاہا اس نے کسی چیز کو اصول اور پھر جب چاہا تو ”اسلام کے اصولوں سے غیر متصادم“، کافقوی لگا کر اسی اصول کو حکمت عملی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ آہ! اصول اسلام کی اس بے دردی سے پائمالی۔ جنگ آزادی میں جمہوریت اور پارلیمانی نظام کو لات اور منات کہا گیا، مگر بعد میں یہی چیز اصل الاصول بن گئی۔ عورت کی امارت اور حکومت کو بہر حال میں اسلام سے متصادم کہا گیا، پھر یہی چیز وقت کا اہم ترین جہاد قرار پایا، انتخابی جدوجہد کو خلاف شریعت کہا گیا، پھر یہی مشغلہ روزگار بن گیا، مقصد کے حصول کے لئے ذرائع کی تقدیس بہر حال میں قائم رکھنے پر زور دیا گیا، مگر پھر اس راہ کی ہر گری پڑی چیز کو گلے سے لگا کر رفیق جادہ منزل بتایا گیا، اور اب مسئلہ ملکیت زمین میں گودا سے

عارضی کہا گیا) ایک ایسا مؤقف اختیار کیا گیا جس کی مخالفت خود عمر بھر کا شیوہ بنا رہا تھا کالتی
 نقضت غزلہا من بعد قوتہ انکاثا معلوم نہیں جماعت کے عمائدین اس نئے اجتہاد
 اور حکمت عملی کی کیا توجیہ کریں، تاویل جو بھی مگر یہ نہیں ہونی چاہیے کہ فلاں فلاں جماعتوں
 نے بھی ایسا کیا اور فلاں بزرگ نے بھی ایسا کہا ہے۔ اگر ایک چیز کا برائی ہونا ثابت ہو جائے
 تو اس کے وزن میں اس بات سے کمی نہیں آسکتی کہ اور لوگ بھی ایسا کرتے ہیں، ایسی
 بات تو جرائم کی تاریخ میں بھی کسی نے نہیں کہی کہ میں اگرچہ مجرم ہوں مگر یہ تو ایک ایسا جرم ہے
 کہ صبح در شہر شمار روز کنند۔ اور نہ کسی عدالت نے مجرم کے اس مؤقف کو قابل تسلیم
 قرار دیا ہے۔ تعدیل صحائف اور دیگر علمی و فقہی مسائل اور اب لاہوری مرزائیوں کے بارہ
 میں جماعت کا یہی عذر گناہ سامنے آچکا ہے۔ مگر غلط بات غلط ہے خواہ اس کا کہنے والا
 کتنا بڑا آدمی کیوں نہ ہو یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اب رہا ملکیت شخصی کو سلب کرنا یا اسے
 محدود کرنا۔

شخصی ملکیت کے شواہد | تو جہاں تک اصل مسئلہ انفرادی اور شخصی ملکیت کا
 تعلق ہے، خواہ املاک منقولہ ہوں یا غیر منقولہ ہوں اسلام نے اسے انسان کا فطری حق
 بنایا ہے نہ تو اس کی تحدید کی جاسکتی ہے اور نہ عصر حاضر کے لادینی اقتصادی نظاموں کے
 علمبردار اس میں قطع برید کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے آیت اولم یردا لنا خلقنا لہم مما
 عملت ایدینا انعاماً فہم ہا ما لکون میں انسان کی شخصی ملکیت پر مہر ثبت کر دی ہے اور
 قرآن کی بے شمار آیتیں اس جملہ فہم ہا ما لکون رپس وہ اس کے مالک ہیں کی تائید
 کرتی ہیں۔ جو لوگ ان الارض للہ (زمین اللہ کی ہے) قسم کی آیات کو آگے پیچھے سے کاٹ

۱۔ مولانا مودودی نے ایک مکتوب میں لکھا تھا کہ لاہوری پارٹی کے مرزائی نہ
 مسلمان ہیں نہ کافر (س)

کراپنے مدعی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہاں متصلاً اللہ نے خود یورثہا من یشاء (وہ جسے چاہے زمین کا وارث بنا دے) یا اس کے ہم معنی الفاظ میں انفرادی ملکیت بیان کر کے ایسے لوگوں کا مذاق اڑایا ہے۔ قل اللہم مالک الملک کے ساتھ تو فی الملک من تشاء بھی ہے اور والذین یکنزوا الذہب والفضۃ کے ساتھ ولا ینفقوا نہا فی سبیل اللہ کی قید انسان کی انفرادی ملکیت کا اعلان کر رہی ہے، پھر وہ اسے اپنی ملکیت میں ہر جائز تصرف کرنے اور اسے اپنی ملکیت سے منتقل کرنے کا حق بھی دیتا ہے۔ چنانچہ بیع، شرا، ہبہ، تمبیک، اعتاق، تدبیر، کتابت، اجارہ، اعارہ، مزارعت، وقف، رہن، قرض، ہدقہ، وصیت، میراث وغیرہ اس تصرف کے شواہد عدل ہیں۔ اسی طرح وہ کسی دوسرے مسلمان کے مال و دولت میں ناجائز دست اندازی سے بچنے کو ایمان کی ازلیں علامت قرار دیتا ہے۔ ظلم و تعدی، چوری، ڈاکہ، خیانت، غصب، لوٹ کھسوٹ، جبر و استحصاں کو حرام قرار دے کر اسلام انسان کے شخصی ملکیت کا تحفظ کرنا چاہتا ہے۔ وہ یکساں طور پر سرمایہ دار اور غریب دونوں کو دلاتا کلو اعدا لکم بینکم بالباطل (ایک دوسرے کے مال کو ناحق نہ کھاؤ) سے مخاطب کرتا ہے۔ الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ والمحدث، (خبردار کسی ایک کا مال دوسرے کو بغیر اس کی مرضی کے حلال نہیں) ”ارشاد نبوی ہے“

سوشلزم کی بنیاد ظلم و استحصاں اور مادیت | پس جو لوگ سوشلزم کو تمام معاشی

خرابیوں کا مادہ سمجھتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اللہ بھیجے ہوئے عادلانہ نظام اسلام کے تمام اصول و فروع کو تہس نہس کرنا چاہتے ہیں، بلکہ وہ لوٹ کھسوٹ اور انسان کے تمام حقوق کی پائمالی و بربادی کا ایک ایسا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں جس میں نہ صرف غریب اپنے رہے ہے سکھ اور چین سے محروم ہو جائے بلکہ پوری قوم چند خونخوار دزدوں کی جماعت کے رحم و کرم پر رہ جاتی ہے، اسلام کے مذکورہ تمام اصول کو ایک طرف رکھ کر ایک لمحہ کے لئے فرض کر لیں کہ سوشلزم آجاتا ہے اور وہ پوری قوم کو حق ملکیت سے محروم کر کے اللہ کی دی ہوئی تمام دولت

اور وسائلِ معاش کو ایک پارٹی کے حوالے کر دیتا ہے، تو کیا وہ پارٹی انسانیت کو اس کے تمام حقوق و ملازمتیں گئی۔ اور کیا وہ پارٹی موجودہ معاشرہ ہی سے ابھر کر سامنے آئی ہوگی یا آسمان سے فرشتوں کی شکل میں اترے گی۔ لیکن اگر اس کی اٹھان اس معاشرہ سے ہو جس کا مشیتِ نمودار وار ۳۰۳ بد عنوان شہروں کی شکل میں سامنے آچکا ہے اور اس کا حل و عقد اس بیوروکریسی کے ہاتھوں میں ہو جو فائل کی سطح پر بڑے بڑے پراجیکٹ کھڑے کر کے پھر اسے مندر سیلاب بھی کر دیتی ہے، اور اس طرح کروڑوں روپے ہضم کر کے فائل داخل دفتر کر دیتی ہے۔ تو خدا لا ذرا سوچیے کہ ایسے لوگوں کا لایا ہوا سوشلزم یا کوئی بھی معاشی نظام انسان کے مال و جان اور اس کے حقوق میں مساوات قائم رکھ سکے گا۔ ہرگز نہیں۔ سوشلزم کی بنیاد تاریخ کی مادی تعبیر پر ہے جس میں نہ خوفِ خدا کی گنجائش ہے، نہ محاسبہِ آخرت کی، اور نہ کسی کو تنقید اور نصیحت کی۔

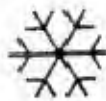
مساوات یعنی مواسات استحصال نہیں احتساب | اس کے مقابلہ میں اسلام ہے جو ایک ایسا معاشرہ تعمیر کرتا ہے جو ہر لمحہ اور ہر عمل میں خدا کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، آخرت کا محاسبہ اس کے دل میں رچا بسا ہوتا ہے، ہر فرد کو دوسرے پر ظلم و غصب اور ہر برائی سے روکنے کا پورا حق ہے، اور وہ امیر کو بھی چاہے تو تلوار سے درست کر سکتا ہے، وہ اگر اسلامی قلمرو کے دوسرے سرے پر کسی کتے کے بھوک و پیاس سے مرجانے کی خبر سنتا ہے تو اللہ کے سامنے جواب دہی کے تصور سے تڑپنے لگتا ہے وہ ہر انسان کی بھوک و پیاس کو اپنی حاجت سمجھتا ہے اور جذبہٴ ایثار سے خود فقیر رہ کر دوسروں کو اپنی متاع کا مالک بنا دیتا ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے معاشی مسائل کی بنیاد مساوات پر نہیں بلکہ مواسات پر رکھی، وہ معاشی ناہمواری کو جبر سے نہیں بلکہ ایمان اور یقین کی بیداری سے حل کرتا چاہتا ہے۔ اسلام نے ایسا معاشرہ قائم کیا خلافتِ راشدہ اس کی واضح مثال ہے۔

سوشلزم گھر گھر کا بھیدی | دوسری طرف سوشلسٹوں کے طور طریقے تھے، اور جبر و ظلم کی

اساس پر ایک ایسی عمارت اٹھائی گئی جو نصف صدی میں دم توڑتی نظر آنے لگی ہے۔ "تاریخ
کی اس مادی تعبیر" پر تازہ چاٹنا حال ہی میں روس کے سیکرٹری جنرل برزنیف نے یہ کہہ کر سید کیا
کہ روس میں سوشلسٹ نظام عملاً ناکام ہو چکا ہے۔ اور اس طرح فسادِ شاہدوں اہلہا
کا ایک نمونہ سامنے آگیا۔ — الغرض ہمارے پاس معاشی اور معاشرتی یگانگت کے لئے
اسلام جیسا نسخہ کیمیا موجود ہے، مگر افسوس اور صافسوس کہ نہ تو ہم نے اسے سمجھا
نہ پرکھا اور نہ کبھی آزمایا ومن لم یدق لم یدر۔

پھول نہ دیدند حقیقت رہا فسانہ زدند

سوشلزم عیار لیڈروں کا دایم فریب | ہماری اس بے علمی اور حقیقت سے بیخبری
سے موجودہ دور کے ابن الوقت سیاست دانوں نے خوب فائدہ اٹھایا بیچارے عوام
اسے اپنی ساری بربادیوں کا تریاق سمجھ کر ان کے پیچھے دوڑنے لگے اور اس حقیقت سے
غافل ہو گئے کہ چور اپنی کمین گاہ تک پہنچا کر رہی ہے پونجی سے بھی ہمیں محروم کر دے گا۔ بات
ناشائستہ سی ہے مگر مثال خوب چسپاں رہے گی کہ ہمارے علاقہ میں بچے کاختہ کراتے
وقت عموماً بچے کو ادھر ادھر کی بھول بھلیوں میں بہلایا جاتا ہے اور نقتنہ کا عین موقعہ ہوتا ہے تو
کہتے ہیں وہ دیکھو سونے کی پڑیا اڑ رہی ہے اور ابھی تیرے قدموں میں ہے۔ بچہ شوق
سے نگاہ اٹھاتا ہے اور ادھر اپنے جسم کے ایک حصہ سے محروم۔ تو ہمارے ہاں سوشلزم
کی مثال اُسی "سونے کی پڑیا" کی سی ہے جس سے عیار لیڈر خوب خوب فائدہ اٹھا
رہے ہیں۔ — (فروری سنہ)



کتاب المزارعت

(مزارعت کے احکام و مسائل)

مزارعت کی چند صورتیں | سوال :- ہمارے معاشرہ میں علاقائی سطح پر مزارعت کی مختلف صورتیں پائی جاتی ہیں۔ بعض علاقوں میں مالک زمین کو تخم کھینتی باڑی یا دوسرے اخراجات کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ کیا شرعی نقطہ نظر سے مالک زمین پر یہ ذمہ داری عائد کرتا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مزارعت کا معاملہ ظاہر روایت کی رو سے تین صورتوں میں جائز ہے :-
 (۱) زمین اور تخم ایک طرف سے ہو اور بیل و عمل (محنت) دوسری طرف سے۔
 (۲) زمین ایک طرف سے اور عمل و گائے و تخم دوسری طرف سے۔
 (۳) زمین، بیل اور تخم ایک طرف سے اور عمل (محنت) دوسری طرف سے۔
 ان جملہ تین صورتوں میں مزارعت کا معاملہ شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة ابوالحسن احمد بن محمد البغدادی القدوری : اذا كانت الارض والبذر لواحد والعمل والبقر لآخر جازت المزارعة وان كانت الارض لواحد والعمل والبقر لآخر جازت المزارعة وان كانت الارض والبذر والبقر والعمل لآخر جازت۔ (مختصر القدوری کتاب المزارعت)

فصل کی کٹائی کی ذمہ داری کا حکم | سوال :- بعض علاقوں میں مالک زمین کان بھی لگاتے ہیں کہ فصل کے تیار ہونے پر کاٹ کر صفائی کر کے مالک کے گھر پہنچائے گا، کیا

له قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : (وکان الارض والبذر للبذر والبقر والعمل للآخر) والارض له والباقي للآخر۔ (والعمل له والباقي للآخر) فهذه الثلاثة جائزة۔ (الدخائر علی مدرد المختار ج ۶ ص ۲۸ کتاب المزارعة) ومثله في الهداية ج ۳ ص ۳۱ کتاب المزارعة۔

کسان (مزارعہ) کیلئے ان شرائط کی پابندی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- ظاہر الروایت میں گنجائش نہ ہونے کے باوجود متاخرین علماء نے عرف کو مد نظر رکھتے ہوئے قاضی ابو یوسفؒ کی رائے کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ کسان (مزارعہ) پر فصل کاٹنے اور تیار کرنے کی ذمہ داری ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم فصل کو مالک زمین کے گھر پہنچانے کی ذمہ داری نشانہ ہی عام کتابوں میں نہیں ملتی البتہ اگر کسان بطور احسان یہ فریضہ سرانجام دے تو ایسا عمل طرفین کے باہمی تعلقات پر اچھے اثرات مرتب ہونے کا باعث بنتا ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین المصنفیؒ: (وصح اشتراط العمل) كحصاد و دیاس ونصف علی العامل وعند الثانی علی العامل وهو الاصح، وعلیه الفتوی۔

والدرا المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۲۸۲ کتاب المزارعت) لہ

سوال :- مالک زمین کی اجازت کے بغیر کسان فصل سے کوئی چیز لے سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی بعض چیزیں

بوقت ضرورت گھر لے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- مزارعت سے مراد اگر بٹائی کا نظام (مزارعت بالنصف وغیرہ) ہو تو مالک زمین کا شتکار کے ساتھ شریک ہے اور شراکت میں بغیر اجازت شریک کے کوئی چیز بھی اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ تاہم کسی معمولی چیز (جس کی عرف میں اجازت ہوم استعمال کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، اور اگر مزارعت سے مراد اجارہ ہو تو تمام آمدنی کسان کی ہوتی ہے اس لیے مالک زمین سے کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔

لہ لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ، (اقول) تلخص من هذا أن الصحيح صحة اشتراط العمل علی العامل وبہ صرح فی متن التنویر والمتلقی۔

(تنقیح الحامدیۃ ج ۲ ص ۲۰۵ کتاب المزارعة)

ومثله فی تبیین الحقائق ج ۵ ص ۲۸۳ کتاب المزارعة۔

لما رواه الامام علي بن عمر الدارقطني : عن عمرو بن يثرب قال شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع بمنى فسموته يقول لا يحل لامرء من مال اخيه شئ الا ما طابت به نفسه . انتهى

(سنن الدارقطني ج ۳ ص ۲۵ رقم ۸۹ کتاب البیوع) ۱۰

کاشتکار سے بطور ضمانت کچھ رقم رکھنا | سوال :- اگر مالک زمین کاشتکار سے کچھ رقم بطور زر ضمانت اپنے پاس رکھے تاکہ کاشتکار معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کر سکے اور مالک زمین بے جا نقصان سے بچ سکے : شرعاً زمین کے مالک کے اس اقدام کی کیا حیثیت ہے ؟

الجواب :- مالک زمین کے لیے بطور اعتماد کوئی چیز رکھنے کے بھانڈے کے نظام موجود ہیں تاہم شرعی رو سے یہ زمین رہن شمار ہوگی جس سے مرہن (مالک) مرہونہ سے استفادہ کا حق نہیں رکھتا، عموماً کچھ رقم بطور ضمانت رکھ کر مالک زمین اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے جس کا اسے شرعاً حق نہیں۔

لما قال العلامة قاضی خان : لو استأجر خياطاً ليحيط له ثوباً وأخذ من الخياط رهناً بالخياط جاز۔ انتهى (الفتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیۃ ج ۳ ص ۵۹۸ کتاب المزارع) ۱۱

مزارعت پر موت کے اثرات | سوال :- مزارعہ کی وفات پر اگر اولاد عقد مزارعت کو باقی رکھنا چاہتی ہو لیکن مالک زمین اس پر راضی نہ ہو تو کیا اس صورت میں مزارعہ کے ورثاء کو منوانے کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟

۱۲ لما ذكر الشيخ ولي الدين ابو عبد الله محمد بن عبد الخطيب : وعن ابي حرة الرقاشي عن عمه قال قال رسول الله صلى الله عليه الا لا تظلموا الا لا يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه۔ (مشکوٰۃ المصابيح ج ۱ ص ۲۵۵ باب الغصب والعادية، الفصل الثاني) ومثله في نصب الراية ج ۴ ص ۱۶۹ کتاب الغصب۔

۱۳ وفي الہندیۃ : لو استأجر خياطاً ليحيط له ثوباً وأخذ من الخياط رهناً بالخياط جاز۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۲۵ الفصل الثالث فيما يجوز الادتهان الخ)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ مَجْلَةِ الْأَحْكَامِ لِشَيْخِ سَلِيمٍ رَسْتَمٍ بَارِزٍ ص ۳۸۷ تَحْتَ مَادَّةِ ۱۰۷۰

الجواب :- عاقدین میں سے کسی ایک کی وفات سے مزارعت کا معاہدہ ختم ہو جاتا ہے تاہم جو فصل زمین میں موجود ہو تو اس کے پکنے تک انتظار کرنا ہوگا، البتہ اگر مزارعہ کے ورثاء فصل کو چھوڑنا چاہتے ہوں یا چھوڑنا چاہتے ہوں تو ان کو اس کے خلاف پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: بخلاف مالومات رب الارض والزراع بقل فان العمل فیہ جمیعاً علی العامل أو ورثتہ) لبقاء مدة العقد والعقد یوجب علی العامل عملاً یمتدح الیہ الی انتہاء الذراع کما مر ولومات قبل البذر بطلت ولا شیء لکریہ کما مر (الدر المختار علی مدخل مختار ج ۶ ص ۲۸۱، ص ۲۸۲ کتاب المزارعت) لہ

قدیم قبرستان میں زراعت کا حکم | سوال :- ایک قدیم قبرستان جس پر تیسوا سال سے زائد مدت گزر گئی ہے اور اس میں قبریں بھی دکھائی نہیں دیتیں ہیں، تو کیا ایسے قبرستان سے دوسرے فوائد مثلاً زراعت وغیرہ لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- کسی قبرستان کی قدامت کے لیے مدت کا کوئی تعین نہیں ہے، تاہم فقہاء کرام کی تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب قبریں اتنی پرانی ہوں کہ مردوں کے ابدان بظاہر اس سے متاثر نہ ہوتے ہوں تو اس صورت میں ایسے قبرستان کا دوسرے

لہ لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزلیعی الحنفیؒ: (وتبطل بموت احدهما) لانہما اجارة وہی تبطل بموت أحد المتعاقدين اذا عقد هالا نفسهما وقد بینا فی الاجارة وهذا علی اطلاقه ہو جواب القیاس وفي الاستحسان اذا مات أحد هما وقد ثبت الزرع یمقی عقد الاجارة حتی یمتدح ذلك الزرع ثم یبطل الباقی لان فی ابقاء العقد حتی یمتدحها مراعاة الحقیقین فیعمل العامل أو ورثتہ علی حاله فاذا قصد یقسم علی ما شوطا ولا ضرورة فی الباقی فتبطل ولومات رب الارض قبل المزارعة بعد ما کر ب الارض وحفر الانهار انتقضت المزارعة لانه لیس فی ذلك اتلاف مال علی المزارع ولا شیء للعمل بمقابلة العمل۔ انتہی (تبیین الحقائق ج ۵ ص ۲۸۲ کتاب المزارعة)۔
ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۶۲ کتاب المزارعة۔

مقاصد کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، اگر دوبارہ اس میں مڑے دفن کئے جائیں تب بھی اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر قبرستان ذاتی ہو تو اپنے حقے میں آبادی کرنا یا زراعت کے لیے استعمال کرنا بھی مریض ہے۔

لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی: ولوبلی المیت وصادقاً باجاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۲۶ کتاب المزارعة) **افیون کی کاشت کا حکم** | سوال :- افیون کی کاشت کا شرعی نقطہ نظر سے کیا حکم ہے؟

الجواب :- افیون ایک ایسی چیز ہے جس سے عصر حاضر میں خطرناک اور مہلک ترین نشیات (یعنی ہیروئن وغیرہ) تیار کی جاتی ہیں جس سے پوری دنیا تباہی اور بربادی کے پیٹ میں ہے اور اس کے مضر محض ہونے پر پوری دنیا متفق ہے، اس لیے اس کی کاشت اور خرید و فروخت کے جواز کے کوئی خاص دلائل نہیں پائے جاتے بلکہ عام اقوال اس کی حرمت کے مؤید ہیں۔ تاہم اگر افیون کا استعمال دوائی تک محدود ہو یا تخم افیون (نشخاش) حاصل کرنا مقصود ہو تو پھر ان ضروریات کے مطابق محدود پیمانے پر اس کی کاشت کی گنجائش پائی جاتی ہے لیکن معاشرہ میں یہ نیت بہت کم پائی جاتی ہے۔

لما قال العلامة شمس الدین محمد بن عبد اللہ التمر تاشی: ویحرم اكل الحشيشة والاقيون لكن دون حرمة الخمر۔ (تنزیل البصائر صدر رد المحتار ج ۶ ص ۴۵) **کتاب الاشربة** |

لما قال العلامة ابن نجیم المصری: ولوبلی المیت وصادقاً باجاز دفن غیرہ وزرعہ والبناء علیہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۵ کتاب المزارعة) **وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۱۶۷ کتاب المزارعة۔** **لما قال العلامة شيخ الاسلام ابو بكر بن علي الحداد اليمني:** ولا يجوز اكل الحشيشة والاقيون وذلك كله حرام۔ (الجوهرة النيرة ج ۲ ص ۲۷ کتاب الاشربة) **وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْكَامِلِيَّةِ ص ۲ کتاب الاشربة۔**

تبہا کو کی کاشت جائز ہے | سوال: سگریٹ یا نسوار کے لیے جو تبہا کو استعمال ہوتا ہے شرعی نقطہ نظر سے اس کی کاشت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- بعض فوائد کے باوجود جدید تحقیق کی رور سے اگرچہ تبہا کو نوشی کے مضر اثرات پائے جاتے ہیں لیکن کسی نتیجہ پر پہنچنا حال ثابت نہیں جس کی وجہ سے اس کو مضر محض شمار کر کے محرکات کی فہرست میں شمار کیا جائے، اس لیے فقہاء کے احوال سے اباحت کا حکم معلوم ہوتا ہے، دریں حال تبہا کو کی کاشت اور خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: (شرب الدخان) فانه لم يثبت اسكاره ولا تغير ولا اضرار بل ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة الاصل في الاشياء الاباحه۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۲۵۹ کتاب الاشربة) ۱

بھنگ کی کاشت کا حکم | سوال: بھنگ ایک نشہ آور بوٹی ہے جس کا بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، کیا اس کی کاشت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- بھنگ چونکہ نشہ آور اشیاء کی فہرست میں شامل ہے اس لیے اس کی خرید و فروخت اور مزارعت شرعاً ناجائز ہے۔

لما قال العلامة شمس الدین محمد بن عبد اللہ التمر تاشی: ويجوز اكل البنج والحشيشة والافيون لكن دون حرمة الخمر۔ (تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۲۵۷)

کتاب الاشربة، ۲

۱ قال العلامة المفتي محمد كامل بن مصطفى الطرابلسي: وقد حقق المتأخرون من اهل مذهبنا الحنفية انه (شرب الدخان) ليس بحرام وانما في تعاطيه الكراهية وقد منا ان احسن ما قيل فيه قول الامير رحمه الله وان خلت في الدخان والورع تركه۔ (الفتاوى الكاملية ص ۲۸۶ کتاب الکراہیۃ۔ مطلب فی حکم شرب الدخان) ۲
۲ قال العلامة شيخ الاسلام ابو بكر بن علي بن محمد الحداد اليميني: ولا يجوز اكل البنج والحشيشة والافيون وذلك كله حرام۔

(الجوهرة النيرة ج ۲ ص ۲۷ کتاب الاشربة)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى قَاضِي خَانَ عَلِي هَامِشِ الْهِنْدِيَّةِ ج ۳ ص ۲۳۱ کتاب الاشربة۔

سوال :- اگر مالک زمین (رب الارض) کاشتکار (مزارع) پر کھاد وغیرہ اس پر کھاد وغیرہ کے اشتراط سے مزارعت کا حکم بھی کاشتکار کی طرف سے ہو تو کیا ان امور کے اشتراط کی وجہ سے مزارعت فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- مزارعت میں جب تخم (بیج) مزارع کی طرف سے ہو تو کھاد جیسے امور کی اشتراط علی المزارع کی وجہ سے مزارعت فاسد نہیں ہوتی بلکہ متاخرین فقہاء کرام کے نزدیک صحیح ہوتی ہے اور فتویٰ بھی متاخرین فقہاء کے قول پر ہے۔

وفي الهندية : اذا شرط رب الارض والبذر من المزارع ان يسرقها قبل تقسد المزارعة عند المتقدمين ولا تقسد عند المتأخرين والفتاوى على قول المتأخرين - كذا في جواهر الاخلاط -

{ الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۴۷ کتاب المزارعة }
{ الباب الثالث في الشروط في المزارعة }

سوال :- جناب مفتی صاحب اہدایہ کی اس عبارت ”لا تجوز المزارعة والمساقات عند ابی حنیفہ“ کا کیا مطلب ہے؟ کیا واقعی امام ابو حنیفہ کے ہاں مزارعت کی جملہ انواع ناجائز ہیں؟ جبکہ احادیث مبارکہ مزارعت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

الجواب :- مزارعت کے مسئلہ کے بارے میں امام ابو حنیفہ کی طرف جتنے بھی اقوال منسوب ہیں اگر ان میں نظر عمیق سے غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ امام ابو حنیفہ کا ان اقوال سے مقصد مطلق عدم جواز کا نہیں بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ کوئی مالک زمین کاشتکاروں کی مجموعی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور ان کی محنت کو شیر مادر سمجھ کر ہڑپ نہ کر جائے، اسی طرح باہمی تنازعات اور جھگڑوں سے معاشرہ پاک و صاف ہو کیونکہ معاشرے میں جھگڑے عموماً اسی پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح مالک زمین عزیمت پر عمل کر کے اپنی زمین کسی غریب آدمی کو کاشت کیلئے مفت دیدے۔ اسلئے علامہ نور شاہ صاحب کشمیری نے حادی القدسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے: کرہا ابو حنیفہ ولعینہ اشد النہی۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۲۲۵ کتاب المزارعت)

پیشہ کے پانی سے منع کرنے کا حکم | سوال :- ہمارے گاؤں موضع بھکن ملکوت تحصیل ضلع ایبٹ آباد میں پینے کے صاف پانی کی سخت قلت ہے

ہماری خواتین کو چار کلومیٹر دور سے پانی لانا پڑتا ہے، جبکہ اتنے ہی فاصلے پر سرکاری جنگل میں پانی وافر مقدار میں نالے میں بہہ رہا ہے۔ ہم نے کوشش کر کے گورنمنٹ سے ایک سکیم منظور کرائی اور گاؤں کو پانی سپلائی کرنے کے لیے باقاعدہ ٹینکی تعمیر کر کے پائپ لائن بچھانے کا کام شروع کر دیا، ساتھ والے گاؤں کے لوگوں نے آگٹینکی توڑ دی اور پائپ لائن بھی اکھاڑ دی، ان کا موقف یہ ہے کہ اس جنگل پر ہمارے حقوق زیادہ ہیں اسلئے ہم اس کا پانی آپ لوگوں کو نہیں دیں گے۔ جبکہ پانی وافر مقدار میں ہے، دوسرے یہ کہ یہ پانی اس گاؤں والوں کے نہ تو پینے کے کام آتا ہے اور نہ ہی وہ اس اپنی زمینیں سیراب کرتے ہیں، یہ لوگ صرف اور صرف صد پر قائم ہیں۔ جناب عالی! قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرما کر ہمیں اس مشکل سے نکالیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب :- پانی، آگ اور گھاس سب مشترکہ اموال ہیں، کوئی بھی شخص کسی کو ان سے منع نہیں کر سکتا، تاہم جو اس پانی کے قریب ہو اولاً اس کا حق ہے اور جو اس سے زائد ہو وہ دوسرے لوگ بغیر اس کی اجازت کے استعمال کر سکتے ہیں، کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کو اس کے استعمال سے منع کرے۔ لہذا صورت مسئلہ کے مطابق سرکاری جنگل کا پانی آپ سب لوگوں کا مشترکہ پانی ہے ساتھ والے گاؤں کے لوگوں کا اس سے منع کرنا بے انصافی اور ناجائز ہے، ان کو شرعی حق نہیں کہ وہ آپ لوگوں کو اس پانی کے استعمال سے منع کریں۔

لما فی الہندیۃ : ماء البحار و لكل واحد من الناس فیہا حق الشفۃ و سقی الاراضی حتی ان من اراد ان یکرى نہرًا منها الی الارض لیرمیع من ذلک والثانی ماء الودریۃ العظام لجیحون و سیحون و دجلۃ و الفرات للناس فیہ حق الشفۃ علی الاطلاق و حق سقی الاراضی بان احی واحد ارضًا میتة و کرى منه نہرًا یسقیہا ان کان لایضر بالعامۃ و لا یکون نہوآفی ملک احد لانہا مباحۃ فی الاصل والاصل فیہ قولہ علیہ السلام الناس شرکاء فی ثلاث فی الماء و الکلاء و النار۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۲۸۲ مسائل الشرب)



وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ
 اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ

وَأَكُنَّا طَائِفَةٌ
 فَاصْطَلَا كَدُومًا

کتاب الذبائح

د ذبح کرنے کے احکام و مسائل

ذبح کے لیے اللہ کا نام لینا ہی کافی ہے | سوال :- اگر ایک شخص کوئی جانور ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنے کی بجائے دوسرے ایسے کلمات ذکر کرے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں استعمال ہوتے ہوں تو کیا اس سے ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- ذبیحہ کی حلت کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام لینا کافی ہے جس کی تخصیص مذکور بالا کلمات سے نہیں بلکہ ہر ان کلمات سے ذبح کرنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دال ہوں۔
لما قال العلامة التمریاشی: (والشرط فی التسمیة هو الذکر الخالص عن سوا الدعا) وغیرہ (فلا یحل بقوله اللهم اغفر لی) لانه دعا وسوال ینحلف الحمد لله وسبحان الله مریداً به التسمیة) فانه یحل۔ (تویر الیضا علی صدر المختار ج ۴ ص ۳۱ کتاب الذبائح) لہ
سوال :- مذبوحہ کی حلت کے لیے اگرچہ ذابح کے معاون ذابح کے لیے تسمیہ کا حکم | سوال :- اگرچہ ذابح کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص ذابح سے تعاون کر رہا ہو تو کیا اس کے لیے بھی ذابح کی طرح تسمیہ کہنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس کے تسمیہ ترک کرنے سے مذبوحہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب :- اگر معاون کی حیثیت اس درجہ کی ہو کہ ذابح کا کردار اس کے بغیر مکمل ہو، یہاں تک کہ چھری ہاتھ میں لے کر ذبح کرنے میں دونوں شریک کار ہوں تو ہر ایک کے لیے تسمیہ کہنا ضروری ہے اور ہر ایک مستقل ذابح شمار ہوگا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: وفيها اراد التضمینة فوضع یدہ مع ید القضا لہ لما قال الشیخ الاسلام ابو بکر بن علی الحدادی: وان قال بسم الله الرحمن الرحيم فهو حسن والشرط هو الذکر الخالص المجرد علی ما قال ابن مسعود جرد والتسمیة..... ولو قال سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله یوید التسمیة اجزء لان الماموم به ذکر الله علی وجه التعظیم۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج ۲ ص ۲۶۷ کتاب الذبائح)

فی الذبیح واعانہ علی الذبیح سہی کل وجوباً فلو ترکھا احدہما او ظن ان تسمیۃ احدہما
تکفی حرمة۔ (المنہاج علی صدر المختار ج ۶ ص ۳۳ کتاب الاضحیۃ) لہ

سوال :- ذبح فوق العقد کا حکم اور اس سے جانور کی علت و حرمت پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟
الجواب :- ذبح میں اصل چیز مہقوم، مری اور دو رگوں کا کاٹنا ضروری ہے جو عقد کے
نیچے جمع ہوتے ہیں اس لیے تحت العقد ذبح کرنا زیادہ بہتر ہے۔ تاہم اگر ماہرین ذبح یہ
کہیں کہ یہ اعضاء عقد کے اوپر کٹ جاتے ہیں تو بلاشبہ جانور حلال ہے لیکن احتیاط اسی میں
ہے کہ ذبح تحت العقد ہو۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: والذبیح بین الحلق واللبۃ وفي الجامع
الصغیر لا بأس بالذبیح فی الحلق کلہ وسطہ واعلاہ واسفلہ۔

(الہدایۃ ج ۴ ص ۳۵ کتاب الذبائح) لہ

سوال :- اگر کسی جانور میں
کسی جانور کا حرکت کرنا یا خون نکلنا باعث حلت ہے۔
نظاہر زندگی کے آثار نہیں
پائے جاتے ہوں لیکن ذبح کرنے کے بعد اس سے خون نکل آئے یا وہ حرکت کرے
تو کیا اس سے وہ جانور حلال تصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- جب کسی جانور میں ظاہری علامات حیات مفقود ہوں لیکن بوقت ذبح

لہ لما قال العلامة الفرغانی رحمہ اللہ: رجل اراد ان یضعی قوضع صاحب الشاة مع ید القضا
فی الذبیح واعانہ علی الذبیح حتی صار ذابحاً مع القصاب۔ قال الشیخ الامام رحمہ اللہ
تعالیٰ یجب علی کل واحد منہما التسمیۃ حتی لو ترک احدہما التسمیۃ لا تحل الذبیۃ۔
(الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۳۵۵ کتاب الاضحیۃ۔ فصل فی مسائل متفرقہ)

لہ قال العلامة علاؤ الدین المصطفیٰ رحمہ اللہ: وذکاة (الاختیار ذبیح بین الحلق
واللبۃ بالفتح) المنع من الصدر (وعروقه الحلقوم) کلہ وسطہ واعلاہ واسفلہ
اسفلہ وهو فجر النفس۔ (المنہاج علی صدر المختار ج ۶ ص ۲۹۲ کتاب الذبائح)
ومثلہ فی العنایۃ علی ہامش فتح القدیر ج ۸ ص ۲۱۲ کتاب الذبائح۔

حرکت کرے یا اتنا خون نکل آئے جتنا کہ زندہ جانور سے نکلتا ہو تو اس کی زندگی کیلے یہ علامت کافی ہے اور اس سے یہ جانور حلال سمجھا جائے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصفیؒ: ذبح شاة مریضة فتحرکت اوخرج الدم حلت واکلا لا یان لمرتد رجاته۔ قال ابن عابدینؒ (قوله او اخرج الدم) کما یخرج من الحی۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۰۸ کتاب الذبائح) لے

بوقت ذبح جانور کا سر تن سے جدا کرنا مکروہ ہے | سوال :- ذبح کرتے وقت اگر

کیا اس سے مذبوہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟
الجواب :- ذبح کرتے وقت ذبیحہ کا سر کٹ جانے سے ذبح پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا، اس کا گوشت حلال اور کھانے کے قابل ہے، تاہم جانور کے ٹھنڈا ہونے سے قبل اس کا سر کاٹنا بوجہ غیر ضروری تعذیب کے کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال اکامام ابوالمحسین احمد بن محمد البغدادیؒ: ومن بلغ بالسکین النحر وقطع الرأس کراه له ذلك وتوکل ذبیحته۔ (مختصر القدوری ص ۲۷ کتاب الذبائح) لے
بوجہ حادثہ سر کٹنے کے بعد جانور کا حکم | سوال :- اگر کسی جانور کا سر کسی حادثہ میں

تن سے جدا ہو جائے تو باقیماندہ بدن پر پھیری پھیرنے سے وہ جانور حلال ہوگا یا نہیں؟

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: رجل ذبح شاة او بقرة وتحركت بعد الذبح خرج منها دم مسفوح تحل وكذا ان تحركت ولم يخرج الدم او خرج الدم ولم يتحرك وفي شرح الطحاوی وخروج الدم لا يدل على الحيوة الا اذا كان يخرج كما يخرج من الحی۔ (خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۳۰۶ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْبِزَازِيَّةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَّةِ ج ۶ ص ۳۰۵ کتاب الذبائح۔
لے لما قال الامام عبد الله بن محمود بن مودور الموصلي ويكره ان يبلغ بالسكين النحر او يقطع الرأس وتوکل۔ (الاختیار علی تعلیل المختار ج ۵ ص ۱۲ کتاب الذبائح)
وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى صَدْرِ الدَّرِّ الْمَخْتَارِ ج ۶ ص ۲۹۶ کتاب الذبائح۔

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق سرکٹنے کے بعد وہ رگیں اگر باقی ہوں جن کو کاٹنے سے جانور حلال ہوتا ہو تو یہ جانور حلال نہ ہوگا صرف چھری پھیرنا کافی نہیں۔

لما قال العلامة ابن البزازی لکر دري : ولو انتزع الذئب رأس الشاة وبقیت حية تحل بالذبح بين اللبنة واللحمين ، وفيه شاة قطع الذئب اوداجها وهي حية لا تذکی لفوات محل الذبح - (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الہندیة ج ۶ ص ۳۰۸ کتاب الذبائح)

سوال :- اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے دانت یا ناخن وغیرہ سے ذبیحہ کا حکم کہ حلال جانور قریب المرگ ہو اور چھری وغیرہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے جانور کے مردار ہونے کا خطرہ ہو تو کیا دانت، ناخن یا کسی تیز دھار پتھر سے جانور کا ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی ہنگامی حالت میں چاقو یا چھری دستیاب نہ ہونے کی صورت میں ناخن، دانت یا تیز دھار پتھر وغیرہ سے جانور کا ذبح کرنا صحیح اور درست ہے بشرطیکہ ناخن اور دانت نکلے ہوئے ہوں ورنہ انگلیوں میں بڑھے ہوئے ناخن یا منہ کے دانتوں سے جانور ذبح کرنا جائز نہیں، لیکن انسان کے قابل احترام اجزا ہونے کی وجہ سے نکلے ہوئے دانتوں یا ناخنوں سے جانور ذبح کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة ابو عید اللہ محمد بن الحسن الشیبانی : ظفر منزوع أو قرن أو عظم أو سن منزوعة ذبح بلم فانہر الدم وأخرى الاوداج لم یکن بأکله بأس واکره هذا الذبح ، وان ذبح بظفر أو بسن غیر منزوعة فہی میتة - (الجامع الصغیر ص ۳۸۶ کتاب الذبائح)

لہ ذکر فی الہندیة : ولو انتزع الذئب رأس الشاة وهي حية تحل بالذبح بین اللبنة واللحمين شاة قطع الذئب اوداجها وهي لا تذکی لفوات محل الذبح - (الفتاویٰ الہندیة ج ۵ ص ۲۹ کتاب الذبائح - الباب الثالث فی المتفرقات)

لہ قال العلامة برہان الدین المرغینانی : ویجوز بالظفر والسن والقرن اذا کان منزوعاً حتی لا یكون بأکله بأس الا ان یکره هذا الذبح بخلاف غیر المنزوع لانه یقتل بالثقل فیکون فی معنی المنخنقة - (الہدایة ج ۴ ص ۳۳۶ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُهُ فِي الدرس المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۲۹ کتاب الذبائح -

مشیخی ذبیحہ کا حکم | سوال :- آجکل جدید سائنسی آلات سے جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے، شریعت مقدسہ میں مشیخی ذبیحہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- کسی جانور کو ذبح کرنے کے لیے شریعت مقدسہ نے چند شرائط رکھی ہیں :-
(۱) ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا (۲) بوقت ذبح تسمیہ پڑھنا (۳) تحت العقد ذبح کرنا۔
لہذا اگر جدید سائنسی آلات سے ذبح کرنے میں مذکورہ شرائط موجود ہوں تو ذبیحہ حلال ہوگا اور اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، بصورت دیگر ایسا ذبیحہ حلال نہیں اور نہ اس کا کھانا جائز ہے۔

لما قال الامام ابو الحسن احمد بن محمد البغدادی القدوری: وذبيحة المسلم والكتابي حلال ولا تؤكل ذبيحة المرتد والمجوسي والوثني والمجوس وان ترك التسمية عمداً فالذبيحة ميتة لا تؤكل وان تركها ناسياً أكل والذبح بين الحلق واللبة والعروق التي تقطع في الزكاة اربعة الحلقوم والمرى والودجان - (مختصر القدوری ص ۲۷۶ کتاب الذبائح) لہ

خاص مواقع کے ذبح کا حکم | سوال :- بعض دفعہ خاص اسباب کی موجودگی میں کوئی جانور ذبح کیا جاتا ہے، مثلاً بیمار کو جب صحتیابی ملے تو اس کے لیے جانور ذبح کیا جاتا ہے یا کسی اہم تقریب کے انعقاد پر ہمان نوازی کے لیے جانور ذبح کیا جاتا ہے، تو کیا ان خاص اسباب کی وجہ سے اس کی حلت پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- شریعت مقدسہ میں وہ ذبیحہ حرام ہے جو غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیا گیا ہو، مذکورہ بالا صورتوں میں غیر اللہ کا تقدس و تقرب نہیں بلکہ شکر الہی پیش نظر ہوتا ہے اس لیے اس ذبیحہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

لہ قال الامام عبد اللہ بن محمود بن مودود الموصلي: والزكاة الاختيارية وهي الذبح في الحلق واللبة والاضطارية وهي الجرح في اى موضع اتفق وشرطهما التسمية وكون الذابح مسلماً او كتابياً۔ (الاختيار لتعليل المختار ج ۵ ص ۹ کتاب الذبائح) ومثله في كنز الدقائق ص ۲۱۶ کتاب الذبائح۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ، ولو ذبح للضيف يحرم، وعلى هذا فالذبح عند وضع الجدار أو عروض مرض أو شفاء منه لا شك في حله لان القصد منه التصديق۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۰۹ کتاب الذبائح) لے

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم | سوال :- موجودہ دور کے عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- شریعت مقدسہ میں ذابح کا مسلمان یا اہل کتاب ہونا ضروری ہے، ایسے عیسائی اور یہودی اگر اپنے مذہب کی بنیادی تعلیمات کی پیروی کے دعویدار ہوں تو ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ تاہم موجودہ دور کی جدت پسندی کو مد نظر رکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ عیسائی اور یہودی ایسے عقائد و نظریات پر عمل پیرا ہیں جو ان کے مذہب کے بنیادی عقائد سے متضاد ہیں، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ان کا ذبیحہ کھانے سے احتراز کیا جائے۔

لما قال العلامة ابوالبرکات عبداللہ بن احمد التفسیؒ: حل ذبیحة مسلم و کتابی۔ الخ (کنز الدقائق ص ۲۱۶ کتاب الذبائح) لے

اہل تشیع کے ذبیحہ کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! کیا اہل تشیع کے ذبیحہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- علماء محققین کے نزدیک موجودہ دور کے اہل تشیع تعصب اور بغض و عناد کی وجہ سے ایسے عقائد کے معتقد ہیں جو موجب کفر ہیں، ایسے کفریہ عقائد رکھنے

لے قال العلامة المفتی محمد کامل بن مصطفى الطرابلسیؒ: وعلى هذا فالذبح عند وضع الجدار وعروض مرض وشفاء منه لا شك في حله لان القصد منه التصديق۔ (الفتاویٰ الکاملیة ص ۲۳۹ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُهُ فِي غَمَزِ عَيُونِ الْبَصَائِرِ شَرْحَ الْأَشْيَاءِ وَالنَّظَائِرِ لِحَمُودِي ج ۳ ص ۲۳ کتاب الذبائح۔ لے قال الشیخ ابوالحسنین احمد بن محمد البغدادیؒ: وذبیحة المسلم والکتابی حلال۔ (مختصر الفتاویٰ ص ۲۴۵ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُهُ فِي الْأَخْتِيَارِ لِتَعْلِيلِ الْمُخْتَارِ ج ۵ ص ۹ کتاب الذبائح۔

کی وجہ سے ان کے ذبیحہ کا حکم مُرتدین کا ہو کر کھانے کے قابل نہیں۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: الرافضي ان كان يسيئ الشيخين
ويلعنهما فهو كافر وان كان يفضل علياً علي ابى بكر وعمر رضي الله عنهم
لا يكون كافراً لكنه مبتدع۔ (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۸ کتاب الکراهية)

گائے کے گوشت کی حلت کا حکم | سوال :- بعض واعظین سے اکثر ایسی باتیں
سننے میں آتی ہیں جو گائے کے گوشت سے

نفرت دلاتی ہیں، کیا گائے کا گوشت کھانا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- از روئے شرع گائے ان حیوانات کی فہرست میں داخل ہے جو پیر بھاڑ
کر نہیں کھاتے اس لیے اس کی حلت میں کوئی شک نہیں فقہاء کی تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے
کہ گائے تو درکنار بلکہ اس کے پیٹ میں زندہ بچے کو اگر ذبح کیا جائے تو وہ بھی حلال ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدين: بقرة تعسر ولادتها فادخل ربها يده وذبح
الولد حل وان جرحه في غير محل الذبح وان لم يقدر على ذبحه حل وان
قدر لا۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۳ کتاب الذبائح)

پھوری کیے گئے جانور کے گوشت کا حکم | سوال :- پھوری کئے گئے یا کسی منصوبہ
جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت

کھانا جائز ہے یا نہیں؟

لما قال العلامة ملا علی القاری: قلت! وهذا في غير حق الرافضة الخارطة في
زماننا فانهم يعتصمون كفر اكثر الصحابة فضلاً عن سائر اهل السنة والجماعة فهم
كفرة بالاجماع بلا نزاع۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۱۳ کتاب الفتن)

وَمِثْلُهُ فِي شرح الفقه الاكبر ص ۲۷ الكبيرة لا تخرج المؤمن عن الايمان۔

لما قال العلامة الاستاذ محمد الشهيير بالطوري: لو ان بقرة تعسر عليها الولاد فادخل
صاحبها يده وذبح الولد حل اكله وان جرحها في غير موضع الذبح اذا كان لا يقدر على
ذبحه يحل وان كان يقدر لا يحل۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُهُ فِي الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۸ کتاب الذبائح۔ الباب الاول۔

الجواب :- حلال جانور کی حلت و حرمت کے احکام پر سرقہ اور غصب مؤثر نہیں ہوتے بشرطیکہ زانیح مسلمان ہو اور ذبح کے وقت ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تاہم سارق اور غاصب پر مالک کو اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن البزازی الكردي : غصب شاة وضحي بها ان اخذها مالکها وضمنه النقصان لا يقع عن الاضحية وان ضمنه قيمتها حية وقت عنها لانها صارت ملكاً من وقت الغصب - (الفتاوى البزازیة علی هامش الهندیة ج ۲ ص ۲۹۱ کتاب الاضحية)۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! خرگوش کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اہل تشیع اس کی حرمت کے قائل ہیں؟

الجواب :- شریعت مقدسہ نے خرگوش کو حلال جانور قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشی رحمه الله : (رو) حل (غراب الزرع) الذي يأكل الحب (والارنب والعقور) - (تنوير الابصار علی صدر المختار ج ۴ ص ۳ کتاب الذبائح)۔
سوال :- جناب مفتی صاحب! کوئے کی حلت و حرمت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- کوئے کو عربی میں غراب کہا جاتا ہے، فقہاء کرام کے اقوال سے

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري : اذا غصب شاة وضحي بها لا يجوز و صاحبها بالخيار ان شاء اخذها ناقصة ويضمنه النقصان ولا يجوز عن الاضحية وان شاة ضمنه قيمتها حية فتصير الشاة ملكاً للغاصب من وقت الغصب فيجوز عند الثلاثة رحمهم الله استحساناً - (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۳۱۶ کتاب الاضحية)۔

و مثله في الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳۰ الباب السابع في التضحية عن الغير۔

ثم واخرجه الامام ابو عيسى الترمذي في سننه : عن هشام بن زيد قال سمعتُ انساً يقول انقجتنا اربناً بمرا الظهران قسعي اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم خلقها فادركتها فاخذتها فاتيت بها ابا طلحة فذبحها بمروة فبعت معي بفخذها و بوركها الى النبي صلى الله عليه وسلم فاكله فقلت اكله قال قبله - (الجامع الترمذي ج ۲ ص ۸)

و مثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷۰ کتاب الذبائح۔ (کتاب الاطعمة باب ما جاء في اكل الارنب)

معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں (۱) بعض کوئے ایسے ہوتے ہیں جو صرف مردار اور
اور جس چیزیں کھاتے ہیں، غراب (کوئے) کی یہ قسم حرام ہے۔ (۲) دوسری قسم کے کوئے
وہ ہیں جو کھانے میں صرف دانے (پاکیزہ چیزیں) استعمال کرتے ہیں، مردار نہیں کھاتے،
ان کا کھانا حلال ہے۔ (۳) کوؤں کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کی خوراک حرام اور حلال سے
مرکب ہوتی ہے، یعنی مردار بھی کھا لیتے ہیں اور پاکیزہ چیزیں بھی۔ قاضی ابو یوسف اگرچہ
اس کی کراہت کے قائل ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے اور فتویٰ آپؒ ہی
کے قول پر ہے۔

لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزلیعی، والغراب ثلاثة انواع يأكل
الجيف فحسب فانه لا يؤكل ونوع يأكل الحب فقط فانه يؤكل ونوع يخلط بينهما
وهو ايضا يؤكل عند أبي حنيفة وهو العقق لانه كالديجاج وعن أبي يوسف
رحمه الله انه يكره لان غالب ما كوله الجيف والاول اصح - انتهى

(تبیین الحقائق ج ۵ ص ۲۹۵ کتاب الذبائح) لہ
سوال :- جناب مفتی صاحب ہد ہد کا گوشت کھانا
ہد ہد کھانے کا حکم از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام میں ہر اُس پرندے کا کھانا حرام ہے جو اپنی خوراک (شکار)
چیر بھاڑ کر کھاتا ہو، ہد ہد کا شمار چونکہ ایسے پرندوں میں نہیں ہوتا جو چیر بھاڑ کر کھاتے
ہیں اس لیے اس کے کھانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، تاہم بعض فقہاء کرام نے
اس کے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے اجتناب ہی بہتر ہے۔

لہ لما قال العلامة الاستاذ محمد الشہیر بالطوری رحمہ اللہ : والغراب
ثلاثة انواع نوع يأكل الجيف فحسب فانه لا يؤكل ونوع يأكل الحب فحسب
فانه يؤكل ونوع يخلط بينهما وهو ايضا يؤكل عند الامام وهو العقق لانه يأكل
الديجاج وعن أبي يوسف انه يكره اكله لانه غالب اكله الجيف والاول اصح۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۱۲۷ کتاب الذبائح)

ومثله في مجمع الانهر شرح الملتقى الا بحر ج ۲ ص ۱۵۲ کتاب الذبائح۔

لما قال الامام شيخ الاسلام ابو بكر بن علي بن محمد الحداد اليمنى: وكذا لا بأس
بأكل العقوق والهدهد والحمام والعصافير كان عامة اكلها الحب والثمار
والجوهرة النيرة ج ۲ ص ۲۹۹ كتاب الذبائح له
وقال العلامة ابن عابد بن رحمه الله: ويكره الصرر والهدهد -

رد المحتار ج ۶ ص ۳۰۶ كتاب الذبائح له

سوال :- کسی حیوان سے بدفعی کرنے سے اس
موطوء جانور چارپائے کا شرعی حکم | فعل کی قباحت اور حرمت سے قطع نظر اس کے
گوشت کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

الجواب :- کسی حلال جانور سے ایسے مکروہ فعل کے کرنے سے اس کا گوشت یادود
حرام نہیں ہوتا ہے، تاہم ایسے حیوان کی موجودگی اس غیر فطری عمل کے تذکر اور یاد دہانی کا
ذریعہ ضرور ہے، اس لیے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ ایسے جانور کو ذبح کر کے اس کا گوشت جلادیا
جائے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ شتاعت دائمی نہ رہے، تاہم کسی دور دراز علاقہ میں
لے جا کر فروخت کرنے سے بھی ایسے جانور کو دور کیا جاسکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن الهمام: (والذي يروى انه تذبح البهيمة وتحرق
ذلك لقطع امتداد التحدث به) كلاماً قيت قيتا ذى الفاعل به وليس بواجب
واذا ذبحت وهي مما لا تؤكل ضمن قيمتها..... وان كانت مما تؤكل اكلت وضمن
عند ابى حنيفة وعند ابى يوسف لا تؤكل - (فتح القدير شرح الهداية ج ۵ ص ۲۵
كتاب الذبائح) ۲

۱۔ قال الامام ابوالليث الشمرقندى الفقيه الكامل: ولا بأس بأكل العقوق عند ابى
حنيفة وكذا لا بأس بالهدهد - (الفتاوى النوازل ص ۲۳۶ كتاب الذبائح)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهَنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۲۹ كتاب الذبائح - الباب الثاني -

۲۔ قال العلامة ابن نجيم: والذي انها تذبح البهيمة وتحريم فذلك لقطع التحدث
به وليس بواجب قالوا ان كانت الدابة مما لا تأكل لحمها تذبح وتحرق لما ذكرنا وان كانت
مما تؤكل تذبح وتؤكل عند ابى حنيفة وقالوا تحرق هذا ايضاً - (بحر الرائق ج ۵ ص ۲۵ كتاب الذبائح)
وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۴ ص ۲۶ كتاب الحدود، مطلب في وط الدابة

یورپ کے ذبح شدہ جانوروں کے گوشت کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! بلادِ عرب میں نیوزی لینڈ، آسٹریلیا وغیرہ یورپی ممالک سے بند ڈبوں میں مرغی اور دیگر جانوروں کا گوشت آتا ہے اور ان ڈبوں پر یہ تحریر ہوتا ہے کہ حلال طریقے سے ذبح کیا گیا ہے، تو کیا ایسے گوشت کا استعمال کرنا جائز ہے؟

الجواب :- ایسے گوشت کے بارے میں اگر غالب گمان یہ ہو کہ اس کے ذابحین مسلمان ہیں اور انہوں نے اسلامی طریقہ سے ذبح کیا ہے تو فتویٰ کی رُو سے اس کا استعمال کرنا مخصص ہے مگر تقویٰ کی رُو سے اس سلسلہ میں عصر حاضر کی دیگر احتیاطیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے استعمال سے پرہیز ہی کرنا چاہیے۔

لما قال العلامة التمرتاشی رحمہ اللہ : ذکوة الاختیار ذبح اطلق واللہ.....
والمری والورجان..... وشرط الذابح مسلماً حلاً لا خارج الحرم..... والشرط فی التسمیة
هو الذکوة الخالص عن شوب الدعاہ۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۶ کتاب الذبائح) لہ
غیر فطری طریقہ کی پیداوار غیر ملکی گائے کا حکم | سوال :- بعض نسل کی گائیوں کے باپ
میں شہور ہے کہ ان کی نسل کشی کے لیے خنزیر کا مادہ منویہ بذریعہ ٹیسٹ ٹیوب یا بذریعہ طبی استعمال کیا جاتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا
ہے، ایسی گائے کو جرمنی یا غیر ملکی گائے کہا جاتا ہے۔ ایسی گائے کے گوشت کا شرعاً
کیا حکم ہے؟

الجواب :- حیوانات کی نسل مادہ سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ مادہ منویہ کا کوئی

لہ وفقی الہندیۃ : الاختیاریۃ فرکنہا الذبح فیما یدبح من الشاة..... والذبح هو
فری الاوداج ومحلہ ما بین اللبۃ واللعین..... منها ان یکون مسلماً او کتابیاً..... منها
التسمیۃ حالۃ الزکاة عندنا..... منها ان یرید بہا التسمیۃ علی الذبیحۃ.....
منہا قیام اصل الحیاۃ فی المستأنس وقت الذبح۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۸۵، ۲۸۶)
کتاب الذبائح۔ (الباب الاول)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْدَايَةِ ج ۲ ص ۲۲۳ کتاب الذبائح۔

اعتبار نہیں ہوتا، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بکری کے ساتھ کوئی درندہ چبھتی کرے تو بچہ ماں کے تابع ہوگا، لہذا صورت مسئلہ کے مطابق جرمنی کی مذکورہ گائے کو ذبح کرنا اور اس سے انتفاع حاصل کرنا یعنی اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله : فان كان متولداً من الوحشي والانسى فلعبدۃ للام فان كانت اهلية يجوز والا فلا حتى ان البقرة الاهلية اذا نزعها ثور وحشي فولدت ولداً فانه يجوز ان يضحي به وان كانت البقرة وحشية والثور اهلياً لم يجز لان الاصل في الولد اكام لانه ينفصل عن الام۔

ردائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹ کتاب الذبائح

بوقت ذبح عید التسمیہ چھوڑنے کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص جانور ذبح کرتے وقت قصداً و عمداً بسم اللہ چھوڑ دے

تو کیا یہ ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- احناف کے ہاں ذبح کرتے وقت بسم اللہ الخ قصداً و عمداً ترک کرنا ذبیحہ کے مردار ہونے کا سبب ہے، لہذا بوقت ذبح عمداً بسم اللہ ترک کرنے سے ذبیحہ نام ہو جاتا ہے جس سے کسی بھی قسم کا انتفاع جائز نہیں، نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ دوسروں کو کھلا سکتا ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمه الله : ان ترك التسمية عمداً لا يسمع الاجتهاد ولو قضى القاضي بجواز بيعه لا ينفذ۔

(الهداية على صدر فتح القدير ج ۸ کتاب الذبائح ص ۵۷)

لما قال العلامة ابوبکر الجصاص الرازي : الاقران حمارة اهلية لو ولدت من حمار وحشي لم يؤكل ولدها ولو ولدت حمارة وحشية من حمار اهلي اكل ولدها فكان الولد تابعاً لأمه دون أبيه۔ (احکام القرآن ج ۵ ص ۳ سورة النحل)

لما قال العلامة ابن عابدین : ولا تحل ذبیحة من تعمد ترك التسمية مسلماً او کتابياً لنص القرآن ولا نعتقاد الاجماع۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۲۹۹ کتاب الذبائح)

ومثله في الهداية ج ۳ ص ۲۳۵ کتاب الذبائح۔

حلال جانور کے حرام اجزاء | سوال: حلال مذبوہ کے بدن سے کون کون سے چیزیں کھانا حرام ہیں؟

الجواب: حلال جانور کا شرعی طریقہ سے ذبح ہونے کے باوجود اس کے سات متدرجہ ذیل اعضاء کا کھانا حرام ہے:- ۱۔ پتا ۲۔ مثانہ ۳۔ غدود ۴۔ فرج ۵۔ ذکر، ۶۔ خضیتین اور ۷۔ دم مسفوح۔

ما قال العلامة محمد بن حسن الشيباني: عن مجاهد قال كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة سبعة: المرار والمثانة والغدة والحيار والذکر والاثنيين والدم۔ انتهى۔ (كتاب الآثار ص ۱۷۹ باب ما يكره من الشاة الدم وغيره)

جانور کو گولی مار کر ذبح کرنا | سوال:- جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے قریب ایک جنگل ہے جس کو ہم لوگ بیلہ کہتے ہیں

گاؤں والے اس میں اپنے مال مویشی چھوڑ دیتے ہیں جس میں کبھی کبھی کوئی جانور وحشی بھی ہو جاتا ہے جو کسی طرح قابو میں نہیں آتا تو لوگ اس کو گولی مار کر گرا لیتے ہیں اور پھر اس کو ذبح کرتے ہیں۔ تو کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: گولی مار کر گرانے کے بعد اگر جانور میں جان باقی ہو اور فوراً اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہو گا ورنہ نہیں، البتہ کسی جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بلا وجہ گولی مارنا ظلم و زیارتی اور موجب گناہ ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وحل المذبوح بقطع اى ثلاث منها اذ للاكثر حکم الكل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۴ ص ۲۹۵ کتاب الذبائح)



له قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی: وأما بيان ما يحرم أكله من اجزاء الحيوان المأكول فالذي يحرم أكله منه سبعة الدم المسفوح والذکر والاثنيان والقبل والغدة والمثانة والمرارة۔ (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۲۳۲ کتاب الذبائح) ومثله في تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب الذبائح۔

خنزیر کی حرمت میں فلسفہ | سوال :- جناب مفتی صاحب! یہاں جاپان میں عموماً

خنزیر کا گوشت کھایا جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض مسلمان جو کہ عرصہ دراز سے یہاں مقیم ہیں وہ بھی استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گائے اور خنزیر کے گوشت میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا گوشت ایک ہی طرح کا ہوتا ہے بلکہ خنزیر کا گوشت گائے کے گوشت سے لذیف ہوتا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ اسلام میں خنزیر کا گوشت حرام قرار دینے کا کیا فلسفہ ہے؟

الجواب :- اسلامی نقطہ نظر سے کسی چیز کی حلت اور حرمت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اللہ تعالیٰ جس چیز کو حلال فرمادیں وہ حلال ہوتی ہے اور جس کو حرام فرمادیں وہ حرام ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں کسی کو قیاس آرائی کی اجازت نہیں کہ وہ ادھر ادھر صغریٰ و کبریٰ مل کر کسی چیز پر حلال یا حرام ہونے کا حکم لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف حیوانات کی طرح گائے کو بھی حلال قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الصَّائِغَاتِ أَثْنَيْنِ وَمِنَ الْمُعَرَّاثْنَيْنِ قُلُوبُ الدَّكَرَيْنِ
حَدَمَ أُمِّ الْأَنْثَيْنِ --- وَمِنَ الْبَقَرِ أَثْنَيْنِ قُلُوبُ الدَّكَرَيْنِ حَدَمَ أُمِّ الْأَنْثَيْنِ

(سورۃ الانعام پ ۱ آیت ۷)

(ترجمہ) ”آٹھ زروادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم، آپ کہہ دیں کہ کیا اللہ نے ان دونوں زروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو۔۔۔۔۔ اور گائے میں دو قسم، آپ کہہ دیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں زروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو۔“

مشہور مفسر قرآن علامہ ابن کثیر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

ثم بين اضافة الانعام الى غنم۔۔۔۔۔ الابل زكورها واناثها وبقركذلك وانه تعالى لم يحرم شيئاً من ذلك ولا شيئاً من اولادها بل كلها مخلوقة لبني ادم الاكل وركوباً وحملات وحلباً وغير ذلك من وجوه المنافع۔ (تفسير ابن کثیر ج ۲ ص ۸۳)

(ترجمہ) ”پھر اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی اقسام کو بیان کیا۔۔۔۔۔ حتیٰ کہ اونٹ اس کا زروادہ اور اسی طرح گائے بھی، بیشک اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اور ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی حرام نہیں کیا بلکہ یہ سارے کے سارے بنی آدم کے کھانے، سواری، بار برداری اور دودھ وغیرہ منافع کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔“

اس لیے گائے کے حلال ہونے میں شک کرنا صحیح نہیں — اور خنزیر کو بعض دیگر حیوانات کی طرح حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

قُلْ لَا آجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً
أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا۔ (سورۃ الانعام پ ۱ آیت ۷)
(ترجمہ) ”آپؐ فرمادیں کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں جو مجھ کو پہنچتی ہے کسی چیز کو حرام
کھانے والے پر جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سڑکا کہ
وہ ناپاک اور ناجائز ہے“

اور اسی پر امت کا اجماع ہے، علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں :-

”خنزیر نجس العین ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی

جائز نہیں“ (حیات الحيوان دارود، ج ۲ ص ۶۱ الخنزیر)

خنزیر کی حرمت پر قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، آثارِ صحابہ و تابعین اس کثرت سے دال
ہیں کہ کسی بھی مسلمان کے لیے ان کے ہوتے ہوئے اس کا کھانا حلال نہیں۔

شریعت جس چیز کو حرام کرتی ہے اس میں اس حکم کے علاوہ دیگر مضرات بھی ہوتے
ہیں جو انسانی بدن یا اس کے اخلاق کے لیے صحیح نہیں ہوتے۔ چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی
تھانویؒ خنزیر کی حرمت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

(۱) اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کابجاست خور، بے غیرت اور دیوث ہے،
اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر انسانی
بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہوگا کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی
انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد جانور کے گوشت کا اثر بھی
بد ہی ہوگا، جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور
کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے، پس جبکہ یہ امر مسلم
ہے کہ تغیر بدن و تغیر اخلاق کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے، لہذا ایسے
جانور کا گوشت کھاتے سے شریعت اسلام نے منع فرما دیا۔

(۲) خنزیر یعنی خوک نجاست کی طرف بہت زیادہ مائل ہے خصوصاً انسان کا فضلہ یعنی براز
اس کی خوراک ہے اس کا گوشت اسی نجاست سے پیدا ہوتا ہے، پس اس کا گوشت کھانا گویا

اپنی نجاست کھانا ہے۔

(۳) صاحب مخزن الادویہ فساد گوشت خوک اور اس کی حرمت کی تیرہ وجوہ ذیل میں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت فطرت انسانی کے برخلاف ہے، وہ لکھتے ہیں کہ :-
 ”گوشت خوک موار خلط غلیظ است و مورت حرص شدید و صداع مزمن،
 دواذ الفیل، و اوجاع المفاصل و فساد عقل و زوال مزوت و غیرت و حمیت و
 باعث فحش است و اکثرے از فرق غیر اسلامی آل رومی خورند و قبل از ظہور
 نور اسلام گوشت آل را در بازار ہامی فروختند و بعد ازاں در مذہب اسلام
 حرام و بیع آل ممنوع و موقوف گردید بسیار کثیف و بد ہیئت است۔“
 (احکام اسلام عقل کی نظریں ص ۲۱)

(۴) سور کا گوشت ایک بیماری کا باعث بنتا ہے جو کہ آنکھوں کی ایک بیماری ہے اور اس کا نام ٹرکن اوکسس ہے جو کہ صحرائی آب و ہوا میں بہت جلد اثر کرتی ہے۔
 باقی رہا مسئلہ گائے وغیرہ کا تو مولانا اشرف علی تھانویؒ اس بارے میں فرماتے ہیں :-

(۱) یہ سارے جانور دراصل مزاج انسانی کے موافق اور ستہرے و معتدل المزاج ہوتے ہیں اس لیے حلال ٹھہرائے گئے ہیں اور ان جانوروں کو خدا تعالیٰ نے بہیمۃ الانعام فرمایا ہے، اور اسی توافق و اعتدال کے سبب دنیا میں زیادہ تر انہیں جانوروں کا گوشت بتی آدم استعمال کرتے ہیں، فطرت انسانی اس امر کی مقتضی ہے کہ جیسا کہ بنی آدم کی خوراک کا کچھ حقہ نباتات سے ہوتا ہے ایسا ہی کچھ حقہ اس کا حیوانات سے ہو، اور اس کی خوراک کے لیے حیوانات بھی وہ مقرر ہونے مناسب تھے جو اس کے مزاج کے موافق ہوں لہذا اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔

(۲) جبکہ انسان جامع جلال و جمال ہے تو اس کی خوراک میں بھی جلال و جمال دونوں کا ہونا مناسب تھا لہذا انسان کی خوراک کے لیے وہ جانور مقرر ہوئے جن میں جمال و جلال ہر دو صفات موجود ہیں۔ (احکام اسلام عقل کی نظریں ص ۲۱)

مزید تفصیل کے لیے ”حیات الحيوان“ از علامہ دمیری رحمہ اللہ کی طرف مراجعت کریں، مسلمان کے لیے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہی کافی ہے۔ (بہوالموفق والمعين)

سوال: جناب مفتی صاحب! کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ کچھوا کھانے کا حکم دریائی جانور سب پاک ہیں اس لیے کچھوا کھانا بھی جائز ہے، جبکہ کچھ لوگوں کے نزدیک اس کا کھانا درست نہیں، شریعتِ مطہرہ کے احکامات کی روشنی میں بتائیں کہ کچھوا کھانا حلال ہے یا حرام؟

الجواب: - احناف کے نزدیک دریائی جانوروں میں سے فقط بھلی حلال ہے، باقی سب حرام، لہذا کچھوا رشتہ منافی کھانا بھی حرام ہے۔

قال العلامة الموصیانی: ولا یوکل من حیوان الماء الا السمک۔

(الہدایۃ ج ۳ ص ۱۱۱ کتاب الذبائح)

سوال: - بعض اوقات میرے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ شریعتِ مقدسہ نے جو شیر، بچھ، گیدڑ وغیرہ درندوں کو حرام قرار دیا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے اور کس فلسفہ کے تحت یہ درندے حرام قرار دیئے گئے ہیں؟

الجواب: - ایک مسلمان کے لیے کسی چیز کے بارے میں حلت و حرمت کا اعتقاد کسی فلسفے کے تحت نہیں ہونا چاہیے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے ماننا ضروری ہے اللہ تعالیٰ کسی چیز کے بارے میں حلت و حرمت کا حکم بغیر کسی حکمت کے نہیں فرماتا۔

چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سارے درندے جانور جن کی مرثشت و فطرت میں پنجوں سے پھیلنا اور صولت سے زخم پہنچانا اور جن میں سخت دلی ہے سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیرے کے بالے میں فرمایا ہے: "او یا کل احد یعنی کیا بھیرے کو بھی کوئی انسان کھاتا ہے یعنی اس کو کوئی نہیں کھاتا۔ وجہ حرمت ظاہر ہے کہ ان جانوروں کے کھانے سے انسان میں درندگی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی طبیعت اعتدال سے خارج ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں رحم نہیں ہوتا، اسی واسطے ہر شکاری پرندے کے کھانے سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔" (احکام اسلام عقل کی نظر میں ص ۲۵ کتاب الاکل والشرب)



کتاب الصيد (شکار کرنے کے احکام و مسائل)

سوال :- بعض علاقوں میں مچھلی یا پرندوں کے شکار جال سے شکار کرنا جائز ہے | **جواب :-** جال سے شکار کرنا جائز ہے | اس کے لیے جال استعمال کیا جاتا ہے جس میں عموماً پرندوں کو سبز باغ دکھا کر پکڑا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ دھوکہ دہی کے دائرہ میں ہو کر شکار پر اس کا کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- شکار قرآن و حدیث کی رو سے مباح ہے، ایسے مباح امر کے حصول کے لیے کسی جیلہ کا اختیار کرنا شرعاً ممنوع نہیں، جال سے شکار کرنا کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے فقہاء کی عام عباریں اس کے جواز پر دال ہیں۔

لما قال العلامة قاضی خان: رجلٌ حفَر في ارضه حفيرةً فوقَ فيها صيداً فجاء رجلٌ واخذه قال الصيد يكون للأخذ وان كان صاحب الارض اتخذ تلك الحفيرة لاجل الصيد فهو احق بالصيد - (الفتاوى قاضی خان علی هامش الہندیہ ج ۳ ص ۳۵۹ کتاب الصيد والذبائح) لہ

سوال :- بندوق یا غلیل سے کیا ہوا شکار اگر ذبح نہ ہو سکے تو اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟ اگر بندوق یا غلیل کی گولی سے شکار زخمی ہو کر مر جائے تو کیا یہ جرح ذبح کے لیے کافی ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز خود جرح نہ ہو بلکہ زور

لہ قال العلامة ابن البرزازی الکوردی: کن نصب فسطاطاً بارض صید فی ارض رجل او انکسر جلدہ فیہا او وقع فیہ بحيث لا یقدر علی البراح فاخذہ انسان ونازعہ صاحب ان کان صاحب الارض بحيث لو مَدَّ یدہ یصل الیہ فهو وان کان بعیداً لا یصل الیہ لو مَدَّ یدہ فهو للأخذ - (الفتاوی البرزازیة علی هامش الہندیة ج ۶ الباب الخامس فی تمییک الصيد) وَمِثْلُهُ فی الہندیة ج ۵ ص ۴۱۸ الباب الثانی فی تمییک ما بہ الصيد الخ۔

سے شکار کو زخمی کرے اور وہ اس سے مر جائے تو یہ موقوفہ کے حکم میں ہو کر حلال نہیں ،
بندوق اور غلیل کی گولی خود جارح نہیں بلکہ عموماً جانور اس کے زور پر شیر سے زخمی ہوتا
ہے اس لیے اس کی حلت کے لیے یہ جرح کافی نہیں تاہم اگر حیوان میں کچھ حیات باقی ہو اور
اس کو ذبح کر لیا جائے تو پھر کھانے میں کوئی حرج نہیں ۔

لما قال العلامة قاضی خان : ولا يحل صيد البندق والجرو والمعارض والعصا
وما أشبه ذلك وان حرق ذلك - (الفتاویٰ قاضی خان علی ہاشم الہندیہ ج ۳)
کتاب الصيد والذبايح له

سوال : مجروح شکار اگر چند لمحے زندہ رہے
جواب : مجروح شکار کا ذبح کرنا ضروری ہے |

اس کی حلت کے لیے زخمی ہونا ہی کافی ہے یا اس کا ذبح کرنا ضروری ہے ؟
الجواب : مجروح شکار جب کچھ دیر زندہ ہو یا کم از کم اضطراری موت سے بچ
سکتا ہو تو شرعاً ذبح کرنا ضروری ہے کیونکہ جرح ذبح اختیاری کے حکم میں ہے اور یہ
اس وقت کارآمد ہے جب تک ذبح اختیاری قابل عمل نہ ہو ۔

لما قال العلامة البکر الكاساني : وقال اصحابنا رحمهم الله لو جرحه السهم او الكلب
فادركه لكن لم يأخذ به حتى مات فان كان في وقت لو اخذ به يمكته ذبحه فلم يأخذ حتى مات لم يؤكل لان
الذي يحصره مقدور عليه فخرج الجرح من ان يكون ذكاة - (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۵۸۱ باب الصيد)
له عن ابراهيم بن عدي بن حاتم قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رميت فسميت فخر
فكل وان لم تغرق فلا تأكل ولا تأكل من المعارض الا ما ذكيت ولا تأكل من البندق الا ما ذكيت - (رواه احمد)
رنيل الاوطار ج ۸ ص ۱۲۳ کتاب الصيد باب النهی عن الرمی بالبندق وما فی معناه)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار على الدر المختار ج ۶ ص ۱۱۱ کتاب الصيد ۔

له قال العلامة علاؤ الدین الحصفی : (ولا بد من ذبح صيد مستأنس لان ذكاة الاضطرار
انما يصار اليها عند العجز عن ذكاة الاختيار وكفى جرح لعنم كبقر وغنم (توحش) فيجرح
كصيد (او تعذر ذبحه) كان تردى في بئر أو نذا وصال حتى لو قتل المصول عليه مريداً
ذكاته حل - (الدر المختار على مدارد المختار ج ۶ ص ۳۰۳ کتاب الذبايح)

وَمِثْلُهُ فِي البحر الرائق ج ۸ ص ۱۱۱ کتاب الذبايح ۔

شکار کا کٹا ہوا عضو کھانا جائز نہیں | سوال :- اگر شکار کرتے وقت تیر یا کسی اور تیز دھار آلہ سے زندہ جانور سے کوئی عضو الگ ہو جائے اور بعد میں وہ جانور ذبح کر لیا جائے تو اس کٹے ہوئے عضو کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- جب کسی زندہ جانور سے اس کا کوئی عضو آلہ شکار سے کٹ کر الگ ہو جائے تو اس جانور کے ذبح کرنے سے وہ عضو حلال نہیں ہوتا اس لیے اس الگ شدہ عضو کو کھانا شرعاً درست نہیں۔

لما قال العلامة ابو بكر بن علي الحداد اليماني: قوله واذا رمي صيداً فقطع عضواً منه أكل الصيد لما بيناه ولا يؤكل العضو لقوله عليه السلام ما بين من ألحى فهو ميت والعضو بهتة الصفة لان الميان منه حي حقيقة لقيام الحيات فيه - (الجوهرة النيرة ج ۲ ص ۲۴۲ كتاب الصيد) لـ

دریاؤں میں موجود مچھلیوں کو بیچنا جائز نہیں | سوال :- بعض دریاؤں میں سے مچھلیوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے حکومت ان دریاؤں کو بطور ذریعہ آمدنی استعمال کرتی ہے اور ایسی جگہوں پر ان لوگوں کو مچھلی کا شکار کرنے کی اجازت دیتی ہے جو حکومت کو ایک خاص رقم ادا کرتے ہیں، عرف میں اس اجازت کو ٹھیکہ کہا جاتا ہے، کیا شرعاً اس طرح معاملہ طے کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- ملکیت کے لیے جہاں فروخت و بیع بطور سبب استعمال ہوتا ہے اس میں یہ ضروری ہے کہ جو چیز فروخت کرنی مقصود ہو اس کی تسلیم بالبع و فروخت کرتے والے کے دائرہ اختیار میں ہو اور جہاں کہیں فروخت کی ہوئی چیز سے بالبع

لما قال العلامة أكمل الدين محمد بن محمود الباقري: قال روان رمي صيداً اذا قطع بالرمي عضواً من الصيد لما بيناه ان الرمي مع الجرح مبيع وقد وجد ولا يؤكل العضو ان امكن حياته بعد الا بانه وان لم يمكن أكلا - (الغاية شرح الهداية على هامش فتح القدير ج ۹ ص ۳۱۱ كتاب الصيد)

ومثله في الدر المختار مع رد المحتار ج ۶ ص ۲۴۳ كتاب الصيد -

مشتری کے حوالے کرنے سے قاصر ہو تو وہاں پر بائع کا یہ معاملہ ناجائز ہو کر اس کے لیے یہ رقم لینا ناجائز ہے، اس لیے صورتِ مسئلہ میں حکومت کا یہ ٹھیکیداری معاملہ ایک بنیاد معاملہ ہے، تاہم اگر ٹھیکیدار محنت کرے اور مچھلی کا شکار کر کے فروخت کرے تو شکار کرنے سے اس کی ملکیت ثابت ہو کر اس کی آمدنی اس کے لیے حلال ہوگی۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ولا يجوز بيع السمك قبل ان يصطاد لانه باع ما لا يملكه ولا في خطيرة اذا كان لا يؤخذ الا بصيد لانه غير مقدور التسليم۔ (الهداية ج ۳ ص ۵۵ کتاب الصيد) لہ

شکاری کتے کے شکار کا حکم | سوال :- ہمارے گاؤں میں لوگ شکار کے لیے کتے پالتے ہیں اور ان کو شکار کی تعلیم دیتے ہیں اور پھر ان سے شکار کھلتے ہیں۔ تو اگر وہ کتا شکار کو پکڑے اور خود نہ کھائے بلکہ مالک کے پاس لے آئے لیکن وہ شکار راستے ہی میں اُس کے منہ میں مر جائے تو کیا اس شکار کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام نے شکار کی غرض سے کتا پالنے اور اس کے ذریعے شکار کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اُس کو شکار کرنے کی تعلیم دی گئی ہو اور وہ شکار پکڑ کر مالک کے پاس لے آئے لیکن خود اس سے نہ کھائے تو ایسے کتے کا شکار کیا ہو اچانور حلال ہے اگرچہ وہ جانور کتے کے منہ میں ہی ختم ہو جائے لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مالک نے شکار پکڑنے کے لئے کتا پھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہو، بدون اس کے شکار حلال نہیں۔

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْخُورِاجِ مُكَلِّبِينَ يُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا اِسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ۔ (سورة المائدة آیت ۴)

لہ قال العلامة ابن نجيم: رَقُولُهُ وَالسَّمَكُ قَبْلَ الصَّيْدِ اَي لِحَيْزِ بَيْعِهِ لَكُونَهُ بَاعَ مَا لَا يَمْلِكُهُ فَيَكُونُ بَاطِلًا اَطْلَقَهُ قَتْلًا مَا اِذَا كَانَ فِي خَطِيرَةٍ اِذَا كَانَ لَا يُؤْخَذُ اِلَّا بِصَيْدٍ لَكُونَهُ غَيْرَ مَقْدُورٍ عَلَى التَّسْلِيمِ۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۳۷ کتاب الصيد) وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۶ ص ۴۹ کتاب الصيد۔

پھیتے اور شیر کے ذریعے شکار کرنا | سوال :- جناب مفتی صاحب کیا چیتے اور شیر کے ذریعے شکار کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ فقہ حنفی کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرمائیں ؟

الجواب :- چونکہ یہ دونوں جانور اپنی درندگی اور خونخواری کی وجہ سے تعلیم کے قابل نہیں ہوتے اس لیے فقہاء نے ان کے ذریعے شکار کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ تاہم اگر یہ دونوں جانور تعلیم یافتہ ہو کر شکار کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ علت کی بناء پر ان کے شکار کو ناجائز قرار دیا گیا تھا وہ منقود ہو چکا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: فلا يجوز الصيد بذب واسب عدم قابليتهما للتعليم فانهما لا يعملان للغير الاسد لعلو همته والذب لخصاسته۔ (الرد المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۲۶۳ کتاب الصيد)

قال العلامة ابن عابدین: وحاصله البحث في استثناء الخنزير والاسد والذب وفي التعليل لان الشرط في ظاهر الرواية قبول التعليم فيحل بكل معلم ولو خنزير۔ (رد المختار ج ۶ ص ۲۶۲ کتاب الصيد) لہ

مشوقیا طور پر شکار کھیلنے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں کچھ لوگ بعض موذی جانوروں مثلاً گیدڑ وغیرہ کا شکار شوقیا طور پر کرتے ہیں، اس سے ان لوگوں کا مقصود صرف کھیل تماشا ہوتا ہے، کیا شرعاً ایسا شکار جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- کسی بھی جانور کا شکار اس غرض سے کرنا چاہیے کہ اس سے کچھ نفع حاصل ہو، صرف کھیل تماشا کے طور پر شکار کرنا جائز نہیں خصوصاً حرام جانور کا شکار جس سے کوئی ظاہر فائدہ نہ پہنچتا ہو مگر وہ جانور کھیت وغیرہ کو نقصان پہنچاتا ہو تو پھر اسے مارنا جائز اور مباح ہے۔

لما قال العلامة وهبة الزحيلي: ويكر الصيد لهما لانه عبث لقوله عليه السلام

لہ قال العلامة وهبة الزحيلي: واستثنى ابو يوسف من ذلك الاسد والذب لانهما لا يعملان لغيرهما الاسد لعلو همته والذب لخصاسته والحق بعضهم الحدأة لخصاستها والخنزير مستثنى۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۳ ص ۴۲ الفصل الثاني في الصيد)

لا تتخذوا شيئاً فيه الروح غرضاً اي هدفاً من قتل عصفوراً عبثاً عج الى الله يوم القيامة يقول يا رب ان فلاناً قتلني عبثاً ولم يقتلني منفعة -

(الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۳ ص ۶۹۹ الفصل الثاني في الصيد) له

سوال :- جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیرہ! ہم چند ساتھی اجتماعی طور پر دریائے سندھ میں مچھلی کا

شکار کرتے ہیں اور پھر اسے فروخت کر دیتے ہیں، ایک صاحب کا کہنا ہے کہ شکار صرف کھانے کی حد تک جائز ہے تجارت کے لیے شکار جائز نہیں۔ آنجناب سے گزارش ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ تجارت کی غرض سے شکار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ بعض علماء کے ہاں شکار کو بطور پیشہ اختیار کرنا مکروہ ہے مگر رائج قول یہ ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لہذا صورت مسئلہ کے مطابق تجارت کے لیے شکار کرنا مباح ہے اس میں حرمت کا کوئی شائبہ نہیں۔

لما قال العلامة المصنف: هو مباح الا لمحرّم في غير المحرم اول للتلهي كما هو ظاهر او حرفة على ما في الاشباه قال المصنف وانما زدت تبعاله والا فالتحقيق عندى ابا حنة اتخاذه حرفة لانه نوع من الاكتساب وكل انواع الكسب في الاباحه سواء على المذهب الصحيح -

(رد المحتار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۶۲ کتاب الصيد) له

له لما قال العلامة المصنف: هو مباح بخمسة عشر شرطاً..... الا المحرم في غير المحرم اول للتلهي كما هو ظاهر - قال العلامة ابن عابدین في مجمع الفتاوى: ويكره للتلهي - (رد المحتار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۶۲، ۶۳ کتاب الصيد)

له قال العلامة ابن عابدین: وفي التاتارخانية قال ابو يوسف اذا طلب الصيد لمهواً ولعباً فلا خير فيه واكرهه وان طلب منه ما يحتاج اليه من بيع او ادام او حاجة اخرى فلا بأس -

(رد المحتار ج ۶ ص ۶۲ کتاب الصيد)

۲۶۲



کتاب الفقیر نفیس السید غفر اللہ ذریعہ وستر عید
 مولود، پاکستان
 ۱۴۰۵ھ
 تصحیف
 کتاب الفقیر نفیس السید غفر اللہ ذریعہ وستر عید
 مولود، پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

کتاب الاضحية

(قربانی کے احکام و مسائل)

نصاب قربانی کا معیار | سوال :- قربانی کے وجوب کے لیے شریعتِ مطہرہ میں نصاب کے معیار کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- اگر کوئی شخص اپنے حوائجِ اصلیہ اور قرض کے علاوہ ۲/۲ تو لے سونا یا ۲/۲ تو لے چاندی یا اس مقدار سے زائد نقد مالیت کا مالک ہو تو ایسے شخص پر شرعاً قربانی کرنا لازم ہے ۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری : قال ابو حنیفۃ الموسر الذی لہ ما یتاد رہم اولیساوی ما یتی درہم سونی المسکن والخادم والثیاب التي یلبس ومتاع البیت الذی یمتاج الیہ وهذا اذا بقی لہ الى ان ید بح الاضحیۃ ۔

(خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۳۰۹ کتاب الاضحیۃ) لہ

قربانی کے ایام کا حکم | سوال :- قربانی کتنے دنوں تک کرنا جائز ہے ؟ نیز اس میں جلدی کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قرآن و سنت کی روشنی میں ایام النحر (قربانی کے دن) تین ہیں، یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ متعین دن ہیں، تاہم پہلے دن (۱۰ ذی الحجہ) قربانی کرنا افضل ہے ۔

لما ذکر العلامة محمود آلوسی فی تفسیرہ : وعدتها ثلاثة ايام یوم العید ویوم

لہما ذکر فی الہندیۃ : (اما شرائط الوجوب) منها الیسار وهو ما یتعلق بہ وجوب صدقۃ الفطر دون ما یتعلق بہ وجوب الزکوۃ والموسر وظاہر الروایۃ من لہ ما یتاد رہم او عشر و دیناراً او شئ یمثل ذلک سوی سکنہ ومتاع سکنہ ومروکہ وخادمہ فی حاجتہ التي لا یتغنی عنہا ۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۲۹۲ کتاب الاضحیۃ - الباب الاول فی تفسیرہا)

ومثلہ فی رد المحتار ج ۶ ص ۳۱۲ کتاب الاضحیۃ ۔

سوال :- گائے بھینس وغیرہ کی قربانی میں کتنے اشخاص شریک
شرکاء قربانی کی تعداد ہو سکتے ہیں؟

الجواب :- گائے بھینس کی قربانی میں شرعاً سات حصوں کی حد مقرر ہے اس سے زائد
حصوں کی گنجائش نہیں تاہم سات سے کم حصوں میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی: ولا يجوز بغير واحد
ولا بقرة واحدة عن أكثر من سبعة ويجوز ذلك عن سبعة أو أقل من
ذلك۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۵۷ کتاب الاضحية) ۱۷

سوال :- اگر قربانی کے شرکاء کی نیت قربت کی حیثیت
مختلف ہو، مثلاً بعض نے وجوب اور بعض نے نفل کی نیت

کی ہو تو کیا اس سے قربانی متاثر ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مقدسہ نے قربانی کے جانور (گائے بھینس وغیرہ) میں شراکت کو
جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ سب کی نیت حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہو، اگرچہ مختلف انواع
کی قربات ہوں، لہذا متغفلین و واجبین کی قربانی صحیح ہے۔

لما قال العلامة ابوبکر بن مسعود الکاسانی: ولو ارادوا القرية الاضحية او غيرها
من اجزاءهم سوا كانت القرية واجبة او تطوعاً او وجبت على البعض دون
البعض وسواء انتفقت جهات القرية او اختلفت ربايع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵
کتاب الاضحية) ۱۸

۱۷ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: والتقدير بالسبع يمنع الزيادة كما لا يمنع النقصان حتى
لو كانت الشراكة في البقرة ثمانية لم يحزهم ولو كانوا اقل من ثمانية الا ان نصيب واحد
منهم اقل من السبع لا يجوز ايضاً۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب الاضحية)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۰۴ الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا۔
۱۸ قال العلامة محمد الشهير بالطوري: تجوز عن سبعة بشرط قصد لكل
القرية واختلاف الجهات فيما لا يضر كالقرآن والمتعة والاضحية لا اتحاد المقصود وهو
القربة۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷۷ کتاب الاضحية)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۰۴ الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا۔

شرکت اضطراری میں قربانی کا وجوب | سوال :- اگر والد کی وفات کے بعد چند

بیٹے اس کے وارث ہوں، جائداد متروکہ کو بحال خود رکھ کر جملہ برادران اس سے استفادہ کرتے رہیں لیکن تقسیم کرنے کی نوبت نہ آئی ہو، ہر بھائی کا حصہ نصاب کی مقدار سے زائد ہو، کیا اس صورت میں جملہ برادران ایک قربانی کریں گے یا ہر ایک پر قربانی مستقل طور پر واجب ہوگی؟

الجواب :- ایسی حالت میں جبکہ ہر ایک بھائی کا حصہ نصاب کو پہنچتا ہو تو سبب کے متحقق ہونے پر ہر ایک کی ملکیت کا استقلالاً اعتبار ہوگا، ملکیت متحقق ہونے پر شرکت مانع نہیں اس لیے ہر ایک پر الگ الگ قربانی واجب ہوگی، مشترکہ طور پر ایک قربانی کرنے سے کسی ایک کا بھی ذمہ فارغ نہیں ہوگا

لما قال الامام ابو الحسن احمد بن محمد البغدادی القدوری: الاضحية واجبة على كل حر مسلم موسر في يوم الاضحية يذبح عن نفسه۔ انتہی

(مختصر القدوری ص ۲۷ کتاب الاضحية) لہ

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد کسی کو شریک کرنا | سوال :- قربانی کے لیے جانور خریدنے

کے بعد کسی کو اس میں شریک کیا جائے تو کیا اس طرح کرنے سے قربانی پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- قربانی کا جانور خریدنے سے قبل سات افراد تک کی شرکت کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ ایک دفعہ چند افراد مل کر قربانی کا جانور خریدیں اور ان میں سے کسی ایک شخص کی قربانی فعلی ہو تو ایسی حالت میں کسی کو بعد ازاں شریک کرنا جائز نہیں البتہ اگر تمام حصہ داروں کی قربانی واجب ہو تو پھر کسی کو شریک کرنے میں کوئی حرج نہیں تاہم بہتر یہ ہے کہ قربانی میں شرکت کا دائرہ قربانی کا جانور خریدنے سے قبل تک محدود رکھا گیا ہو۔

لہ قال العلامة ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد النسفی: يجب على حر مسلم مقيم

موسر عن نفسه۔ انتہی (کنز الدقائق ص ۲۲ کتاب الاضحية)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۲ ص ۲۲۱ کتاب الاضحية۔

لما قال العلامة برهان الدين المرعيتي: ولو اشترى بقرّة يردان يضي
بها عن نفسه ثم اشرك فيها ستة معه جاز استعسا نذ..... والاحسن ان يفعل
ذلك قبل الشراء ليكون البعد عن الخلاف - (الهداية ج ۴ ص ۳۳۳ کتاب الاضحية) ^۱
سوال: کیا صاحب نصاب نابالغ پر قربانی واجب ہے
نابالغ کی قربانی کا حکم | یا نہیں؟ اور وجوب کی ادائیگی باپ یا ولی اپنے مال سے
کرے گا یا نابالغ کے مال سے کی جائے گی؟

الجواب: صاحب نصاب نابالغ پر شرعاً قربانی واجب ہے اور ادائیگی وجوب
اس کے مال سے کی جائے گی۔

لما قال العلامة ابو بكر الكاساني: وأما البلوغ والعقل فليس من شرائط الوجوب
في قول ابني حنيفة وابن يوسف... حتى تجب الاضحية في مال القبي والمجنون
اذا كان موسرين - (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۶۵ کتاب الاضحية) ^۲
سوال: کیا میت کی حصہ داری سے دیگر شرکا
میت کے لیے قربانی کا حکم | کی قربانی پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی میں میت کی یا حصہ داری کے بعد مرنے والے کی شراکت شرعاً
نقصان دہ نہیں جملہ شرکا کی قربانی درست اور صحیح ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: (وان مات احد السبعة) المشتركين في البدنة

لما قال العلامة الحصكفي: (روى اشتراك سنة في بدنة شريت كاضحية) أي ان توى
وقت الشراء الاشتراك صح استعساناً والا كلاً (استعساناً وذا) أي اكلاً اشتراك (قبل
الشراء) - (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۱۳ کتاب الاضحية)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۰۴ الباب الثامن فيما يتعلق به الشركة في الضحايا -
لما قال العلامة ابن عايد بن: (وقوله يضي عن ولده الصغير من ماله) أي مال
الصغير ومثله المجنون - قال في البدائع ما البلوغ والعقل فليس من شرائط
الوجوب في قولهما - (رد المحتار ج ۶ ص ۳۱۶ کتاب الاضحية)

عہ البتہ اگر عہد نے نابالغ اور مجنون کے مال پر قربانی کے عدم وجود کو راجح قرار دیا ہے (مرتب)

(وقال الورثة اذ يحو اعنه وعنكم صم) عن الكل استحسننا لقصد القرية من الكل - (الدرا المختار على صدر مرد المختار ج ۶ ص ۳۲۶ کتاب الاضحية) ۱۰

بلا عذر شرعی و قربانی چھوڑ دینا | سوال :- قربانی واجب ہونے کے باوجود ایام گزر جائیں تو پیشانی کے احساس کے طور پر کیا کرنا چاہیئے ؟

الجواب :- قربانی واجب شرعی ہے بلا عذر ترک کرنا موجب گناہ ہے، تاہم قربانی کے دن گزرنے کے بعد اس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے قبول کرے، اور اگر کوئی قربانی کو اپنے اوپر خود واجب کر لے یا فقیر قربانی کے لیے جانور خریدے تو اس صورت میں زندہ جانور کو صدقہ کر دینا ضروری ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ولولم یضمر حتی مضت ایام النحر ان کان واجب علی نفسه او کان فقیراً وقد اشترى الاضحية تصدق به حية و ان کان غنیاً تصدق بقیمته شاة اشترى او لم یشتري لانها واجبة علی الغنی و تجب علی الفقیر بالشراء بقیمته - (الهدایة ج ۴ ص ۴۴۲ کتاب الاضحية) ۱۰

قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا | سوال :- ایک شخص نے قربانی کے لیے جانور خریدا، بعد ازاں محض اس لالچ کی وجہ سے فروخت کرنا کہ دوسرا کم قیمت والا جانور مل جائے تو کچھ رقم کا فائدہ ہوگا، تو کیا اس صورت میں اس

۱۰ لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی: اذا اشرك سبعة فی بدنة فبات احد هم قبل الذبح قرضی و رثته ان یدمج عن المیت جازاً استحسننا۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۵۱۵ کتاب الاضحية)

وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۴ ص ۳۱۵ کتاب الاضحية۔

۱۱ قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلي: فان مضت ولم یدمج فان كان فقیراً وقد اشترى تصدق به حية وان كان غنیاً تصدق بثمنها اشتراها او لا۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج ۵ ص ۱۹ کتاب الاضحية)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرَالِ الْمُخْتَارِ عَلَى صَدْرِ رَدِّ الْمُخْتَارِ ج ۶ ص ۳۲ کتاب الاضحية۔

خریدے ہوئے جانور کو فروخت کر کے دوسرا جانور خریدنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- اگر قربانی کرنے والا غنی ہو اور اس پر قربانی واجب ہو تو ایسی حالت میں خریدنے سے جانور متعین نہیں ہوتا اس لیے اس حال میں تبدیلی مرخص ہے لیکن اگر قربانی نفلی ہو جو کہ خریدنے سے واجب ہو جاتی ہے پھر اس میں تبدیلی مرخص نہیں یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ایسی صورت میں زائد رقم بچے تو اس کا تصدق کیا جائے گا، بلکہ فقہاء نے صورت اولیٰ میں بھی زائد رقم کے تصدق کو اولیٰ قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: وفي الاصل اشترى اضحية ثم باعها جازفي ظاهر الرواية ولو اشترى مثلها وضحى بها ان كانت الثانية مثل الاولى او خيرا منها جاز لا يلزمه شيء اخر وان كان دون الاولى تصدق بفضل القيمةين۔ (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۱۹ کتاب الاضحية) ۱۔

قربانی کے جانور سے انتفاع کا حکم | سوال: کیا قربانی کے جانور سے دودھ لینا یا سواری پانی سے خشک کیا جائے گا تاہم اگر دودھ یا بال وغیرہ اجزاء سے انتفاع لیا جائے تو بعینہ اس اجزاء کو یا اس کی قیمت کو فقراء میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وقوله يكره الانتفاع بلبنهام فان كانت التضحية قريبة ينضح ضرعها بالماء البارد الاحل به وتصديق به۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۹ کتاب الاضحية) ۲۔
 ۱۔ وذكر في الهندية: رجل اشترى شاة للاضحية ووجيها بلسانه ثم اشترى اخرى جازله بيع الاولى في قول ابى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى وان كانت الثانية شرأ من الاولى وذبح الثانية فانه يتصدق بفضل ما بين القيمةين۔ (فتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۹۲ کتاب الاضحية بالند)
 ۲۔ قال العلامة ابن الزواجر الكردمي: ويكره حلبها وجزصوفها قبل الذبح وينتفع به فان فعله تصدق به..... وان في ضرعها لبن يناف عليه تضخم ضرعها بالماء البارد او فرجها بالمد البارد اذ قربت ايام النحر وان بعدت يحلبها ويتصدق باللبن وما اصاب من اللبن تصدق بمثلها اوقيمته وكذا الصوف۔ (الفتاوى البوزانية على هامش الهندية ج ۶ ص ۲۹۲ کتاب الاضحية السادس شفع) في الا
 ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۲۱ کتاب الاضحية۔

قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ | سوال :- شریعت مقدسہ میں قربانی کے گوشت کیا ہے؟

الجواب :- شریعت مقدسہ نے قربانی کے جانور میں حصہ داروں کو جائز رکھا ہے لہذا گوشت کو شکر کاہنوں میں ایسے طریقے سے تقسیم کریں جس میں کسی کی حق تلفی کا امکان نہ ہو تاہم فقراء پر صدقہ کے لیے وزن کم ضروری نہیں۔

لما قال العلامة فخر الدین حسن بن الفرغانی: سبعة ضعوا بقرة واقتسموا لحمها وزناً جاز كان بيع اللحم باللحم وزناً ^{مثلاً} جاز فكذا لك القسمة فان اقتسموا جزاً فلا يجوز اعتباراً بالبيع - (الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۳۵ فصل فیما يجوز فی الضحایا... الخ) لہ

قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا | سوال :- کیا قربانی کا سارا گوشت خود رکھا جاسکتا ہے یا تین حصوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے؟ اس کی تقسیم کے صحیح طریقہ کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب :- قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرنا مندوب ہے۔ ایک حصہ فقراء پر تقسیم کیا جائے، دوسرا حصہ عزیز و اقرباء کو کھلایا جائے اور تیسرا حصہ اپنے لیے رکھ لیا جائے تاہم اگر سارا گوشت صدقہ کر دیا جائے یا اپنے لیے ذخیرہ کر لیا جائے تو بھی مرنس ہے۔

لما قال العلامة ابوبکر الکاسانی: والافضل ان يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضیافة لاقاربه واصدقائه ویدخر الثلث... ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس کل لنفسه جاز - (رد المحتار فی تریبہ الشریعہ ص ۸۱)

لما قال العلامة شمس الدین محمد بن عبد اللہ الترمذی: ویقسم اللحم وزناً لا جزاءً - (تنویر الابصار علی صدر الدر المختار ج ۶ ص ۳۱ کتاب الاضحیۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْبَزَازِيَّةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَّةِ ج ۶ ص ۳۹ ابنا الرابع فیما يجوز من الاضحیۃ -

لما قال العلامة ابن عابدین: والافضل ان يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضیافة لاقاربه واصدقائه ویدخر الثلث ویستحب ان یأکل منها ولو حبس کل لنفسه جاز لأن القربۃ فی اللزاقۃ والتصدق باللحم تطوع - (رد المحتار ج ۶ ص ۳۲ کتاب الاضحیۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۱ ابنا السادس فیما یستحب من الاضحیۃ -

میت کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کا حکم | سوال :- کیا میت کی طرف سے کی گئی قربانی کا گوشت خود

کھایا جاسکتا ہے یا صدقہ کرنا لازمی ہے ؟

الجواب :- اموات کی طرف سے ذبح شدہ قربانی کے جانور کا گوشت خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا جائز ہے بشرطیکہ قربانی میت کی وصیت سے نہ کی گئی ہو ورنہ وصیت کی صورت میں صدقہ کرنا لازمی ہے ۔

لما قال العلامة قاضی خان : ولو ضمی عن میت من مال نفسه بغير امر المیت جاز وله أن يتناول منه ولا يلزمه ان يتصدق به لانها لم تصر ملكاً للمیت وان ضمی عن میت من مال المیت يلزمه التصديق بلحمه ولا يتناول منه لان الاضحية عن المیت - (الفتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیۃ ج ۳۳ فصل فیما یجوز فی الاضحية مالا یجوز له

نذر کی ہوئی قربانی کے گوشت کا حکم | سوال :- نذر کی ہوئی قربانی کے گوشت کا کیا حکم ہے ؟ کیا قربانی کرنے والا اس میں سے

خود کھا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- نذر کی ہوئی قربانی بھی قربت الی اللہ کا ذریعہ ہے لیکن نذر اپنی قربانی کا گوشت نذر کی وجہ سے خود نہیں کھا سکتا بلکہ تمام گوشت فقراء میں تقسیم کرنا لازمی ہوگا ۔

لما قال العلامة الحصکفی : ولو فقیراً ولو ذبحها تصدق بلحمها ولو نقصها تصدق بقيمة النقصان ایضاً ولا یأکل الناذر منها فان أكل تصدق بقيمة ما اكل - وفي حاشیة رد المحتار : اوفقیراً شراها وان ذبح لا یأکل منها - (رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۱ کتاب الاضحية) ۲

۱۔ قال العلامة ابن عابدین : من ضمی عن المیت یصنع كما یصنع فی اضحية نفسه من التصديق والاکل والأجر للمیت والملک للذابح - قال الصدوق : كان المختار انه ان کتاب الاضحية بامر المیت لا یأکل منها ولا یأکل -

(رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۶ کتاب الاضحية) - وَمِثْلُهُ فِي خُلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۳۲۲ کتاب الاضحية -

۲۔ قال العلامة فخر الدین الزیلعی : ان وجبت بالنذر فلیس لصاحبها ان یأکل منها شیئاً ولا ان یطعم غیره من الاغنیاء سواها كان الناذر غنیاً او فقیراً لان سبیلها التصديق وليس للمتصدق ان یأکل صدقته ولا ان یطعم الاغنیاء - (تبیین الحقائق ج ۶ ص ۸ کتاب الاضحية) وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَةِ ج ۵ ص ۵ الباب الخامس فی محل اقامة الواجب -

جرم قربانی کا رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنا | سوال :- جرم قربانی یا اسکی قیمت مسجد مدرسہ یا رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جرم قربانی از قبیل تطوعات ہے اس لیے بعینہ کھال کو مسجد مدرسہ یا رفاہ عامہ کے کاموں یا اغنیاء کو تملیک دینا اور استعمال کرنا شرعاً مباح ہے البتہ کھال کی قیمت کا مصرف صرف فقراء و مساکین ہیں اس کے علاوہ دیگر امور میں استعمال کرنا ناجائز عمل ہے تاہم اگر بعینہ کھال کسی غنی کو تملیک بغیر توکیل و حیلہ کے حوالے کی جائے تو غنی کا اپنی طرف سے کھال کی قیمت مسجد یا مدرسہ اور رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کرنے سے کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: ویتصدق بجلدها ویعمل منه نحو غربال وجراد وقریبة وسفرة ودلو (وایبدلہ بما ینتفع بہ باقیاً) کما مر (لا یمتہلک کحل لم غیریہ کدراہم (فان بیع اللحم والجلد بہ) یمتہلک (وایدراہم یتصدق بثمانہ)۔ (الدر المختار علی صدرہ المختار ج ۶ ص ۳۲۲ کتاب الاضعیۃ) لہ

صاحب نصاب کو جرم قربانی دینا جائز ہے | سوال: کیا صاحب نصاب جرم قربانی دینا یا خود استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- راجح اور مفتی بہ قول کی رو سے جرم قربانی صدقاتِ نافلہ کے زمرے میں ہے اس لیے بعینہ جرم قربانی کو خود استعمال کرنا اور اپنی اولاد یا دیگر

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: ویجوز ان یتفاد بجلد الاضعیۃ والهدی والمتعة والتطوع بان یتخذہ فروا أو بساطاً أو جراباً أو غربالاً ولہ ان یشترى به متاع البیت کالغربال والجواب والخف ولا یشترى به الخل والمری واللحم ولا یأس ببیعہ بالدر اہم یتصدقہا ولیس لہ ان یدفعہ بالدر اہم لیتفقہا علی نفسہ ولو فعل ذلک یتصدق بثمانہ۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۳۲۱، ص ۳۲۲ کتاب الاضعیۃ) ومثله فی الفتاوی البرازیة علی هامش الہندیۃ ج ۲ - السادس فی الانتفاع بکتاب الاضعیۃ۔

اغنیاء کو دینا شرعاً درست ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: (و یتصدق بجلدها و یعمل منه نحو غربال و جراب و قریة سفرة و دلو و او یبدل بما ینتفع به باقیاً۔

الدرا المختار علی صدره المختار ج ۶ ص ۳۲۸ کتاب الاضحیۃ) لہ

قربانی کا گوشت اُبرت میں دینا جائز نہیں | سوال :- اگر قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اور صاف کرتے وقت کسی شخص سے مدد لی جائے اور پھر اس کو گوشت یا بجز اضحیہ حق الخدمت کے طور پر دیا جائے تو اس سے قربانی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

الجواب :- قربانی کی حقیقت محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے (اراقۃ الدم) خون بہانے تک محدود ہے، تاہم ایسے مقدس فعل میں کسی قول یا خود غرضی کا شائبہ ہونا اس کے فلسفہ سے متضاد ہے، اس لیے قربانی کے کسی جز کو ذاتی مقاصد کے لیے فروخت کرنا یا کسی کو حق الخدمت میں دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لما قال العلامة شمس الدین محمد بن عبد اللہ التمری شنی: (ولا یعطى اجر الجزار منها) لانه کبیع۔ (تنویر الابصار علی صدرہ المختار ج ۶ ص ۳۲۸ کتاب الاضحیۃ) لہ

داغدار جانور کی قربانی کا حکم | سوال :- داغدار جانور کی قربانی کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- داغ، دھبہ ایسے عیوب نہیں جو قربانی کرنے سے مانع ہوں، لہذا داغدار

لہ لما قال اکامام شیخ الاسلام ابوبکر الحداد الیمنی: (قوله و یتصدق بجلدها) لانہما جزئ منها (قوله و یعمل منه) لانه تستعمل فی البیت) کا نطع و الجراب و الغربال و لا بأس ان یتخذ فرواً لنفسه۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج ۲ ص ۲۸۵ کتاب الاضحیۃ)

و مثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷۸ کتاب الاضحیۃ۔

لہ قال العلامة علاؤ الدین ابوبکر الکاسانی: (ولا ان یعطى اجر الجزار و الذابح منها)۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۸ کتاب الاضحیۃ)

و مثله فی الاختیار لتعلیل المختار ج ۵ ص ۱۹ کتاب الاضحیۃ۔

جانور کی قربانی صحیح اور درست ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: والتي بها كُتِّ والتي لا ينزلها
لبن من غير غلة والتي لها ولد يجوز۔ (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۲۱ کتاب الضحية) لہ
نکیل والے جانور کی قربانی کا حکم | سوال :- کسی جانور کی ناک میں نکیل ڈالنے
سے قربانی پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- قربانی کے جانور میں کسی عضو کا ثلث سے زیادہ عیب دار ہونا قربانی
پر اثر انداز ہوتا ہے، ثلث یا ثلث سے کم قربانی سے مانع نہیں، چونکہ نکیل ڈالنے سے
جانور کی ناک میں معمولی سا سوراخ ہو جاتا ہے جس کا قربانی پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔

لما قال الامام المجتهد ابو عبد الله محمد بن الحسن الشيباني: وان قطع من الذنب
اول الاذن والالية الثلث او اقل اجزاء وان كان اكثر لم يجز۔ (الجامع الصغير کتاب الضحية) لہ

سینگ کا ٹوٹ جانا مانع قربانی نہیں | سوال :- اگر کسی جانور کے سینگ نہ
ہوں یا ٹوٹ جائیں تو اس کی قربانی کا
کیا حکم ہے؟

الجواب :- شریعت مقدسہ نے قربانی کے جانور میں اس عیب کو معیوب قرار دیا
ہے جو جانور کے منافع اور خوبصورتی میں رکاوٹ بنتا ہو، چنانچہ سینگ جانور کا ایسا
جزء نہیں جس کے نہ ہونے کی وجہ سے جانور کے منافع یا خوبصورتی میں فرق آتا ہو، لہذا
اس قسم کے جانور کی قربانی میں شرعاً کوئی حرج نہیں بشرطیکہ سینگ دماغ کی ہڈی

لہ قال العلامة ابن عابدین: تجوز الضحية بالمحبوب..... والتي لها كُتِّ والتي
لالسان لها في الغنم۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۵ کتاب الضحية)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۲۹۷ الباب الخامس في محل اقامة الواجب۔
لہ قال العلامة برهان الدين المرغيناني: وان قطع من الذنب اول الاذن والاعين
اول الالية الثلث او اقل اجزاء وان كان اكثر لم يجز لان الثلث تنفذ فيه الوصية من
غير رضا الورثة فاعتبر قليلاً۔ (الهداية ج ۲ ص ۳۲۵ کتاب الضحية)
وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۲ کتاب الضحية۔

تک نہ ٹوٹا ہو۔

لما قال العلامة ابن عابدین: (قوله ویضی بالجفاء) ہی التي لا قرن لها خلفاء وكن العظام التي ذهب قرنهما بالكسراء الى المخ لم یجز۔

رد المحتار ج ۶ ص ۳۳۳ کتاب الاضحية ۱۰

حاملہ جانور کی قربانی کا حکم | سوال :- اگر قربانی کے لیے خریدا گیا جانور دگائے، بکری وغیرہ) حاملہ نکل آئے تو کیا اس کی قربانی جائز ہے یا اس کو تبدیل کیا جائے گا؟

الجواب :- شریعت مطہرہ میں عیب دار جانور کی قربانی صحیح نہیں لیکن حمل کوئی ایسا عیب نہیں جو قربانی سے مانع بنے، تاہم چونکہ اس میں بلا ضرورت ایک دوسری جان کا ضیاع ہے اس لیے حاملہ کی قربانی کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة جلال الدین الخوارزمی: رجل له شاة حامل فارد ذبحها

تقارب الولادة یکرہ ذبحها لان فیہ تضييعاً لما فی بطنها من غیر فائدة۔

الکفاية شرح الهدایة فی ذیل فتح القدیر ج ۸ ص ۸۱ کتاب الاضحية ۲

خُنْثی مشکل جانور کی قربانی کا مسئلہ | سوال :- جناب مفتی صاحب! خُنْثی مشکل جانور کی قربانی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جس جانور کے نریا مادہ ہونے کی تمیز مشکل ہو اور دونوں کی علامات موجود ہوں تو چونکہ ایسے جانور کے گوشت کے اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے اس

لما قال العلامة ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ :- وتجزی الجفاء وهي التي لا قرن لها خلقة

وكن امكسورة القرن فان یلغ الكسر المشاش لا تجزیه المشاش

رؤس العظام۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۵۱ کتاب الاضحية)

ومثله فی الهدایة ج ۲ ص ۲۲۶ کتاب الاضحية۔

لما قال العلامة المحقق محمد الشہید بالطوری: ويكره ذبح الشاة اذا تقارب

ولادتها لانه یضیع ما فی بطنها۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۸۱ کتاب الاضحية)

ومثله فی رد المحتار ج ۶ ص ۳۰۲ کتاب الذبائح۔

ایسے جانور کی قربانی درست نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین المحصی: ولا بالخنثی لان لحمها لا ينضم.

والدر المختار علی صدرہ المختار ج ۶ ص ۳۲۵ کتاب الاضحية (۱) لہ

خفی جانور کی قربانی کا حکم | سوال :- شریعت مقدسہ میں خفی جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جانور کے انحصار سے اس کے گوشت پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اس لیے خفی جانور کی قربانی نہ صرف جائز ہے بلکہ فقہاء نے مستحب کہا ہے۔

لما قال العلامة ابوبکر بن علی الحداد البیہقی: قوله: يجوز ان يضحي... والخفی لانه اطیب لحمًا من غیر الخفی۔ قال ابو حنیفہ: ما زاد فی لحمه النقع مما ذهب من خصیته۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج ۲ ص ۲۸۵ کتاب الاضحية) لہ

قربانی کیلئے جانور خرید کر موٹا کرنا | سوال :- اگر کوئی شخص دس ذی الحجہ سے دو تین ماہ قبل قربانی کے لیے جانور خریدے اور

پھر اس کو خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کرے تو کیا اس شخص کو اس عمل کا ثواب ملے گا نہیں؟
الجواب :- قربانی کے لیے پہلے سے جانور خریدنا اور پھر اس کو خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کرنا مستحب اور باعث اجر و ثواب عمل ہے۔

لما قال العلامة ظہیر احمد العثماني: (الجواب) قربانی کا جانور پہلے سے خریدنا اور اس کو موٹا تازہ کرنا مستحب ہے۔ الخ (امداد الاحکام جلد ۴ ص ۱۹، کتاب الصيد والذبايح والاضحية)

لہ لما ذکر فی الہندیۃ: لا تجوز التضحیۃ بالشاة الخنثی لان لحمها لا ينضم۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۹۹ الباب الخامس فی محل اقامۃ الواجب)

۲ لہ لاورد فی الحدیث: عن جابر بن عبد اللہ قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح

بکشین اقرنین املحین موجوئین۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۸۲ کتاب الاضحية)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ فِي تَرْتِيبِ الْمَشْرَاطِ ج ۵ ص ۸ کتاب الاضحية۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قربانی کرنا | سوال :- اگر کوئی شخص پیارے پیغمبر
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عید الاضحیٰ

کے دن قربانی کرے تو یہ قربانی ہو جائے گی یا نہیں اور اس میں ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟
الجواب :- درست ہے اور اس میں ثواب بھی ہوتا ہے اور اس کے گوشت کا
حکم اپنی قربانی کے گوشت جیسا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۸۹ کتاب قربانی اور عقیقہ کے مسائل)

قربانی کے جانور کے دانت دیکھنا | سوال :- ہمارے علاقے کے اکثر لوگ قربانی
کا جانور خریدتے وقت اس کے دانت

ضرور دیکھتے ہیں اگر کسی جانور کے سامنے والے دو دانت نہ نکلے ہوں تو اس کو قربانی
کے لیے نہیں خریدتے چاہے اس جانور کی عمر پوری ہی کیوں نہ ہو۔ تو کیا قربانی کرنے
کے لیے جانور کے سامنے کے دو دانتوں کا نکل آنا ضروری ہے یا نہیں؟ وضاحت سے
اس مسئلے کو بیان فرمایا جائے۔

الجواب :- علماء احناف کے نزدیک قربانی کے لیے جو جانور متعین کیا جائے اس
کی عمر خیال رکھنا ضروری ہے دانتوں کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے اگر کسی جانور کی عمر پوری
ہو تو اس کی قربانی بلا شک و شبہ جائز ہے چاہے اس کے دانت نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں،
چونکہ اس عمر میں عموماً جانوروں کے دانت نکل آتے ہیں اس لیے بطور علامت دیکھے جاتے
ہیں۔ ویسے آجکل دھوکہ دہی کا عام رواج ہے، لوگ چند پیسوں کی خاطر کذب بیانی سے
کام لیتے ہوئے کم عمر جانور کی عمر پوری بتاتے ہیں اس لیے دانتوں کا دیکھنا مناسب ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمہ اللہ: وصح الجذع ذو سنة اشهر من
الضأن ان كان بحيث لو خلط بالثنايا لا يمكن التميز من بعد وصح
الثني فصاعداً من الثلاثة والثني هو ابن خمس من الابل وحولين
من البقر والجاموس وحول من الشاة۔ (الدر المختار علی صدر
رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۱، ۳۲۲ کتاب الاضحية) لے

لے لما قال الشيخ المفتي عبد الرحيم: عمر پوری ہوتی ضروری ہے، دانت کی علامت
ہو یا نہ ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۳ ص ۸۷ کتاب الاضحية)

عورت کے حق مہر پر قربانی کا حکم | سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو حق مہر میں اتلہ سونا بشکل زیورات دیا ہے، اس کے علاوہ عورت کے پاس کوئی نقدی وغیرہ نہیں، تو کیا یہ عورت قربانی کرے گی یا نہیں؟ جبکہ اس کا شوہر اب اتنا مالدار نہیں رہا کہ وہ خود قربانی کر سکے؟

الجواب :- جب کسی کے پاس اتلہ سونا موجود ہو چاہے وہ زیور کی شکل میں ہو یا اینٹ کی شکل میں اور اس پر کوئی قرضہ وغیرہ نہ ہو تو یہ شخص صاحب نصاب ہے اس کے ذمے قربانی کرنا لازم ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں عورت کے ذمے قربانی کرنا واجب ہے وہ ہر صورت میں قربانی کرے گی، موصوفہ کی ذمہ داری اس کے شوہر پر لاگو نہ ہوگی۔

لما قال العلامة الحصكفي: وشرائطها: الاسلام والاقامة واليساد الذي يتعلق به وجوب صدقة الفطر كما مر۔ (الدر المختار على مدار المحتار ج ۶ ص ۳۱۲ کتاب الاضيحة) لے

گزشتہ سالوں کی قربانی کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص سے گزشتہ کئی سالوں کی قربانی رہ گئی ہو اور وہ اس کی قضاء کرنا چاہے تو شرعاً اس کا کیا طریقہ ہوگا کہ اس کا ذمہ قارغ ہو جائے؟

الجواب :- گزشتہ سالوں کی رہ جانے والی قربانی کی قضاء کا طریقہ یہ ہے کہ جتنے سالوں کی قربانی رہ گئی ہو تو ہر سال کی قربانی کے بدلے اس کی قیمت فقراء و مساکین میں صدقہ کر دے اور اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی مغفرت بھی مانگے۔

لما قال العلامة الحصكفي: وتصدق بقيمتها غني شراها اولاً لتعلقها بدمته بشرائها اولاً فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزى فيها۔ (الدر المختار على مدار المحتار ج ۶ ص ۳۲۱ کتاب الاضيحة) لے

لما قال العلامة مفتي عبد الرحيم: جب عورتیں صاحب نصاب ہیں تو ان پر قربانی کرنا واجب ہے کہ اپنے پیسے سے قربانی کریں خود کے پاس رقم نہ ہو تو شوہر کے پاس لے کر قربانی کریں یا شوہر عورتوں سے اجازت لیکر ان کی طرف سے قربانی کریں تو واجب قربانی ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ رحیمہ ج ۳ ص ۱۸ کتاب الاضيحة)

لما قال العلامة وهبة الزحيلي: ولو تركت التضحية حتى مضى وقتها..... واما التي اذا لم يشتر الاضحية فيتصدق بقيمة شاة على الصحيح۔ (الفقه الاسلامي وادلته، ج ۶ ص ۶ کتاب الاضيحة۔ المبحث الثالث، وقت التضحية)

قربانی کی بجائے قیمت

ہمسایہ ملک اور بعض اسلامی ممالک میں دین کی روح سے نابلد ایسے روشن خیال اور تہجد و زودہ افراد کی کمی نہیں جو آئے دن اپنی تحقیق و اجتہاد کی پھری اسلامی شعائر اور قطعی و متواتر احکام و عبادات پر چلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی عید الاضحیٰ کے موقع پر ایسے شوشے شوشے چھوڑ دیئے جاتے ہیں کہ قربانی کو زاجانوروں کی ضیاع ہے۔ اس سے قوی سرمایہ ضائع ہوتا ہے۔ اور بجائے قربانی کے اس کی قیمت کو رفاہی کاموں میں لگانا چاہیے۔ علماء اسلام نے تفصیل سے ایسے شبہات اور دوسرا انداز یوں کے معقول جوابات دیئے ہیں۔ اس دفعہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے اجلاس ۱۳۹۶ھ کے نوٹس میں الجزائری اخبار الشعب مجریہ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ میں شائع شدہ ایک الجزائری فتویٰ لایا گیا ہے جس میں حج کے موقع پر قربانی کی بجائے اس کی نقد قیمت تقسیم کرنے کا کہا گیا تھا۔ رابطہ کی مجلس تاسیسی نے تفصیلی دلائل کے ساتھ ایک فتویٰ میں اس نظریہ کو غیر اسلامی قرار دیا کہ قرآن و سنت کے واضح نصوص نبی کریم علیہ السلام کے عمل، قول و فعل ہدایات اور عہد نبوت سے لے کر اب تک صحابہ کرامؓ اور امت مسلمہ کے تعامل سے ثابت شدہ مسائل و عبادات میں کسی رائے زنی کی گنجائش نہیں، تقرب الی اللہ خود ساقط طریقوں سے لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کرنے سے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنے میں ہے کسی کام کے اقتصادی اور معاشی مصلح کے پہلو تب تلاش کئے جاسکتے ہیں جہاں امت کے اجماعی فیصلوں اور نصوص قطعی پر زور نہ پڑے اس لئے استبدال و بامع بالائمن جیسے لایعنی مباحث کا دروازہ کھولنا ابتداء اور مداخلت فی الدین کے سوا کچھ بھی نہیں۔

مذکورہ ہر سہ قراردادوں میں اسلامی نقطہ نظر اور جمہور المسلمین کے عقائد کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے اس لئے ایسی قراردادیں عالم اسلام کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کے اطمینان قلب و زیادت ایمان کا باعث ہیں۔ دوسری طرف مغرب سے متاثر خام اذہان کو بھی تنبیہ ہو جاتی ہے۔ کہ ایسے مسائل میں عالم اسلام کی اکثریت کسی بھی طعنانہ خیالات کی روادار نہیں۔

عقیدہ کی مشروعیت کا فلسفہ | سوال :- جناب مفتی صاحب! عقیدہ کی مشروعیت کا کیا فلسفہ ہے، اسلام نے اس کا کیوں حکم دیا ہے؟
تفصیلاً وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- احکام شرعیہ کی مشروعیت میں بعض حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔ عقیدہ کی مشروعیت اور ساتویں دن کی رعایت کی بعض حکمتیں علماء نے بیان کی ہیں، نفس مشروعیت کی حکمتوں اور فلسفوں کی طرف فیلسوف اسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ:-
وكان فيهما مصالح كثيرة راجعة الى المصلحة الملية والمدنية والنفسية قابها النبي وعمل بها ورغب الناس فيها۔ (حجة الله البالغة ج ۲ ص ۲۱۲)

(ترجمہ) ”عقیدہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کا تعلق مصالح نفسیہ مذنیہ اور ملیہ سے تھا، ان مصالح کی وجہ رسول اللہ نے اس کو باقی رکھا، خود بھی اس پر عمل کیا اور لوگوں کو بھی اس کی رغبت دلائی،“
عقیدہ کے فوائد سے متعلق حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(۱)۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ معاشرہ میں بچے کا اپنے سے نسب کا متعارف کرانا ایک ضروری امر ہے تاکہ معاشرہ والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ بچہ فلاں شخص کا بیٹا ہے اور کوئی شخص اس کے متعلق ناپسندیدہ بات نہ کہہ سکے، اس کے تعارف کے لیے ایک صورت یہ بھی تھی کہ یہ شخص خود گلی کو چوں میں پکارتا پھرتا کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات ناگوار تھی، اس لیے جب لوگوں کو عقیدہ پر بلا یا جائے یا ان کے پاس گوشت بھیجا جائے تو اس کے وجہ سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص کے ہاں بچہ یا بچی پیدا ہوئی ہے۔

(۲)۔ عقیدہ کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان میں سخاوت کا مادہ پیدا ہوتا ہے، بخل اور کنجوسی جیسی مذموم صفت سے بچنے کی ایک تدبیر ہے جو انسان کی خوبی شمار ہوتی ہے۔

عقیدہ کے مذہبی اور ملکی فائدہ | عقیدہ کے مذہبی اور ملی فوائد میں سے ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس میں ملت ابراہیمی سے تعلق کا مظاہرہ ہوتا ہے، کیونکہ عیسائیوں کے ہاں بچہ پیدا ہونے پر زرد رنگ کے پانی میں اس کو رنگ دیا جاتا ہے جس کو یہ لوگ ”معمودیہ“ (میتسمہ) کہتے ہیں اور اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنَ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَلِيمُونَ (سورة البقرة آیت ۱۱۰)
ترجمہ ”ہم نے اللہ کا رنگ قبول کیا ہے اور اللہ کے رنگ سے کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا ہے اور ہم تو اسی اللہ کے پرستار ہیں“

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی نسبت ملتِ ابراہیمی سے واضح کریں، مسلمانوں کے عام معاشرتی افعال میں ایسے طریقے ہونے چاہئیں جس سے ملتِ ابراہیمی کا تعلق معلوم ہوتا ہو، ملتِ ابراہیمی میں یہ متعارف تھا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی جگہ ایک ذنبہ ذبح کیا تھا۔

علاوہ ازیں مشہور افعال میں سے حج بھی ہے جس میں ذبح کرنا اور بالِ منڈ وانا بھی ہے۔ تو عقیقہ کرنے سے ملتِ ابراہیمی کے ان متعارف افعال اور امور سے نسبت پیدا ہوتی ہے اس لیے مذہبی تعلق کے مظاہرہ کے لیے ایک عظیم صورت ہے۔ ایک اور اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اس میں تابعداری اور انقیاد کا ایک نمونہ ہے، کیونکہ بچے کی پیدائش پر اس عقیقہ سے ایسا ہی ہوا جیسا کہ اس نے اپنا یہ بیٹا ہی اس کے دربار میں پیش کیا جو اتباع اور فرمانبرداری کی معراج ہے۔ (حجۃ اللہ بالقرن ۲ ج ۲ ص ۱۳۲)

عقیقہ کرنے میں ایک نکتہ اور راز یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنا بچہ بڑا پیارا ہوتا ہے، بچے کی پیدائش پر والدین کو بہت ہی خوشی ہوتی ہے اور مستقبل کی امیدوں کی سوچ و فکر سے گھر کا ہر فرد خوشی کی وجہ سے اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا، ہر ایک کا دل فرحت و سرور سے لبریز ہوتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ بطور شکر کچھ تصدق ہو اور تصدق کی بہترین صورت یہ قربانی یعنی عقیقہ ہے۔

والذی یأثم فی الشریعة الاسلامیة ص ۲۸۳ البحت الثالث مشکلة اللوم۔ الخ

عقیقہ کے فوائد میں سے اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ عقیقہ کا گوشت فقراء اور مساکین، دوستوں اور رشتہ داروں کو پیٹ بھر کر کھلانے سے طبعی طور پر ان کے دلوں سے دعائیں نکلیں گی جس سے بچہ کا مستقبل روشن ہوگا، عقیقہ فقراء اور مساکین، دوست و احباب کی دعاؤں کے حصول کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

تبییح کے رعایت کا فلسفہ | یہ بات ثابت ہے کہ عقیقہ میں بہتر یہ ہے کہ یہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں: ”اگر بچہ کی پیدائش کے وقت یہ ضروری قرار دیا جائے تو ممکن ہے کہ اس سے بچے کے والدین کو تکلیف ہو، کیونکہ اس وقت ایک تو گھر کے لوگ بچہ اور اس کی ماں کی خبر گیری میں مصروف اور مشغول ہوتے ہیں، ایسے وقت میں ان کو عقیقہ کا حکم کرنا ان کے لیے کہیں تکلیف کا باعث نہ بنے، علاوہ ازیں ایسے اوقات میں کبھی کبھار جانور ملنے میں بھی دشواری ہوتی ہے فوراً لوم کی صورت میں پورا گھرانہ ان تمام مشکلات سے دوچار ہوگا، اس لیے مسنون یہ رہا کہ عقیقہ ساتویں دن ہو جس کے لیے ایک ہفتہ قابلِ اعتماد مدت ہے۔ (حجۃ اللہ بالقرن ۲ ج ۲ ص ۱۳۲)

عقیقہ کے لیے جانور متعین کرنے کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص عقیقہ کے لیے کوٹھ

لاچ یا کسی اور قائدہ کی غرض سے وہ شخص اسے فروخت کر کے کوئی دوسرا جانور ذبح کر دے تو کیا اس سے عقیقہ کی سنت ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- عقیقہ چونکہ شرعاً واجب نہیں اس لیے اگر کسی شخص نے عقیقہ کیلئے کوئی جانور متعین کیا لیکن بعد میں اس نے کسی وجہ سے دوسرا جانور ذبح کیا تو اس سے عقیقہ کی سنت ادا ہو گئی، متعین کردہ جانور ذبح کرنا ضروری نہیں۔

مردہ بچے کے عقیقہ کا حکم | سوال :- اگر کوئی بچہ پیدا ہونے کے فوراً بعد فوت ہو جائے تو کیا اس بچے کا عقیقہ کرنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب :- بچے کی پیدائش پر عقیقہ کرنا مستحب ہے لیکن یہ استحباب صرف زندہ بچے تک محدود ہے مردہ بچے کے عقیقہ کا استحباب ثابت نہیں۔

لما قال الشيخ المفتي عبد الرحيم: مرحوم بچہ کے عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں۔ (فتاویٰ رحیمہ جلد ۲ ص ۹۴ کتاب اللہ الضحیم)

بچے کا عقیقہ کس پر ہے | سوال :- بچے کا عقیقہ کرنا والدین میں سے کس کے ذمے لازم ہے؟

الجواب :- بچے کا نان و نفقہ والدین میں سے جس کے ذمے واجب ہو تو استطاعت ہونے کی صورت میں بچے کا عقیقہ کرنا بھی اُسی پر لازم ہے، استطاعت نہ ہونے کی صورت میں کسی کے ذمے لازم نہیں۔

لما قال الشيخ المفتي عبد الرحيم: جس کے ذمے بچہ کا نفقہ واجب ہے اسی کے ذمہ عقیقہ بھی ہے، باپ کی حیثیت نہ ہو تو ماں عقیقہ کرے۔

(فتاویٰ رحیمہ جلد ۲ ص ۹۴ کتاب الاضحیم)

قربانی اور مسائل عید قربان

دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء سے ماہنامہ الحق میں افادہ عام کے لیے قربانی اور مسائل عید قربان کے عنوان سے یہ مضمون شائع ہوا تھا۔ فتاویٰ اور مسائل کے مناسبت سے یہاں درج کیا جاتا ہے۔ ————— مرتب —————

قربانی اور قرآن | قربانی اسلام کی مہم پائسانِ عبادت ہے اس کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ قرآن مجید میں کئی مرتبہ (آٹھ سورتوں میں) خداوند کریم نے قربانی اور تعلقاتِ قربانی اس کی اہمیت اور حکمت و فلسفہ مختلف اُمتوں میں اس کی شکل و صورت پر روشنی ڈالی ہے، اور امتِ مسلمہ ملتِ ابراہیمی کے لیے اسے اپنی شعار اور امتیازی نشان قرار دیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:-
وَبِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا ذَرَّاهُمْ مِنْ بَهِيمَةٍ ۚ وَاللَّعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورۃ الحج ۳۲)
ترجمہ: ”اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی تاکہ وہ اللہ کے دیئے گئے مونیوں پر اس کا نام بلند کریں۔“
جیسا کہ خود آیتِ کریمہ سے واضح ہے، یہاں منسک سے مراد ذبح کرنا قربانی دینا ہے۔ محققین اور تمام اکابر مفسرین نے اس کی تصریح کی ہے۔ (قریبی مراح للنووی - فتح القدر للشوکانی وغیرہ)
قربانی کی حکمت اور فوائد کے بارہ میں ارشادِ باری ہے:-

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآءُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۚ سُوْرَةُ الْحَجِّ آیت ۳۷،
ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کا گوشت پوست اور خون نہیں پہنچتا مگر اس کے ہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔“
سورۃ الکوتر میں واضح اور قطعی حکم ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ - (سورۃ الکوتر ۲)۔ ترجمہ: ”پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔“

قربانی اور حدیث | (۱) عن ابن عمرؓ قال اقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة عششين بيضيتين - (جامع الترمذی ج ۱ ص ۱۷۷ ابواب الاضاحی)

ترجمہ: ”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس برس تک مدینہ منورہ میں رہے اور برابر قربانی کرتے رہے۔“

(۲) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ عید قربان کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں اونٹ یا کسی دوسرے جانور کی قربانی کرتے۔ (مسند احمد و نسائی) ۱۷

(۳) حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں گندم گول رنگ کے دو بینڈھے قربان کیے۔ (بخاری نیز کتاب اختلاف الحدیث للشافعی علی الاتم ص ۲۸) ۱۸

(۴) بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ ۱۹

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صاحب وسعت پر سال بھر میں ایک قربانی واجب ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۳۳) ۲۰

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے استطاعت کے باوجود قربانی نہ دی وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔ ۲۱

(۷) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ (مشکوٰۃ) ۲۲

(۸) اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ عید قربان کے دن ابن آدمؑ کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں، قیامت کے دن قربانی کے جانور کے سینک، بال، کسم تک اعمالِ حسنہ کو بھاری کر دیں گے، اس کے خون کے قطرے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتے ہیں۔ تو طیب نفس و دل کی خوشی سے قربانی کرتے رہو۔ (ترمذی ابن ماجہ) ۲۳

(۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ہر بال کے بدلے تمہارے لیے نیکی ہے۔ (سنن ابن ماجہ) ۲۴

سبحان اللہ! کیا ٹھکانہ ہے رحمتِ خداوندی کا کہ اتنی بڑی دولت میسر ہو اور بھر بھی مسلمان کو تباہی کرے، مومن کی شان تو یہ ہے کہ قربانی اگر اس پر واجب نہ بھی ہو تب بھی ثواب اور نیکیوں کا یہ خزانہ ہاتھ سے نہ جائے دے۔

شرائط و وجوب قربانی | قربانی واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں:-

(۱) اسلام (غیر مسلم پر واجب نہیں) (۲) اقامت (مسافر پر واجب نہیں)

(۳) حریت یعنی آزاد ہونا۔ (غلام پر واجب نہیں) اس کے لیے مرد ہونا شرط نہیں عورتوں پر بھی واجب

ہے، نابالغ پر نہ خود واجب ہے نہ اس کی طرف سے اس کے ولی پر واجب ہے۔ کافی ظاہر

الروایۃ وبہ الفتویٰ^۹ (۴) تو نکرے یعنی جو مسلمان اتنا مال دار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو اس پر عید کے دن صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے چاہے وہ مال تجارت ہو یا نہ ہو اور چاہے اس پر پورا سال گذر چکا ہو یا نہ گذرا ہو۔ (بہشتی زیور ہلے)

قربانی کے جانور اونٹ، گائے، بکری کی تمام انواع (نر، مادہ، نھی، غیر نھی) کی قربانی ہو سکتی ہے بھینس گائے میں شمار ہے اور بھیڑ یا دنبہ بکری میں۔ گائے، بھینس، اونٹ ان سب میں سات آدمی بھی شریک کر سکتے ہیں جبکہ کسی کا ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔ اگر کسی گائے یا اونٹ میں سات یا اس سے کم آدمی شریک ہوئے تو سب کی قربانی درست ہے اور اگر آٹھ یا زیادہ ہوئے تو سب کی قربانی نہ ہوگی۔^{۱۰}

جانور کی عمر اونٹ پانچ سال کا، گائے بھینس دو سال کی، بکری ایک سال کی، اس سے کم عمر کی قربانی جائز نہیں، ہاں اگر دنبہ یا بھیڑ اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو چھ مہینے کی عمر والے کی بھی قربانی درست ہے۔^{۱۱}

کانے اور اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اگر ایک کان تھائی یا تھائی سے زیادہ کٹ گیا یا دم تھائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی یہ پیدائشی نہ ہوں تو قربانی درست نہیں۔ اتنا لاغر جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو یا ایسا لنگڑا ہو تین پاؤں سے چل سکتا ہے، چوتھا پاؤں رکھ نہیں سکتا یا اس سے چل نہیں سکتا اس کی قربانی درست نہیں۔ جس کے سارے یا آدھے سے زیادہ دانت نہ ہوں اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔ جس جانور کے پیدائشی سینک نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں مگر جڑیں سالم نہ ہوں یا نحقی ہو اس کی قربانی درست ہے۔^{۱۲}

خنثی جانور جس میں نر و مادہ دونوں کی علامتیں ہوں اور جلا لہ جو صرف غلیظ چیزیں کھاتا ہو یا جس کی ٹانگ کٹی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ اور اگر جانور خریدنے کے بعد ایسا کوئی عجیب پیدا ہو تو اس کے بدلے میں دوسرا جانور خریدے۔ ہاں اگر غریب آدمی ہو جس پر قربانی واجب نہ ہو تو اس کے واسطے درست ہے کہ وہی قربانی کر دے۔^{۱۳}

قربانی کے اوقات (۱) قربانی کا وقت بقر عید یعنی دس ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے۔ پہلا دن دس ذی الحجہ سب افضل ہے، پھر گیارہ ذی الحجہ پھر بارہ ذی الحجہ کا درجہ ہے۔^{۱۴}

(۲) بقر عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں، ہاں دیہات یا قصبوں والے جہاں

نماز عید نہ ہوتی ہو نماز فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔

- (۳) رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں، شاید اندھیرے میں کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی درست نہ ہو۔^{۱۷}
- (۴) اگر بارہویں کے غروب آفتاب سے پہلے تقسیم ہوا یا تو نگر ہوا تو قربانی کرنا واجب ہے۔^{۱۸}
- (۵) قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا اولیٰ ہے ورنہ کسی اور سے بھی کرانا جائز ہے۔^{۱۹}
- (۶) قربانی کے جانور کو قبلہ رخ کرنا پہلے یہ دعا پڑھے: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْئًا ۚ اِنَّیْ اَصْلُوْتِیْ وَنُسْکِیْ وَحِیَاۤیَ وَحَمَاقِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ یُجْبِرُ بِکُمُ اللّٰہُ اَلْکُفُوْکَہُ کَزَدِیْجَ کَرَّے اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ قَبْلَہٗ مَتٰی کَمَا تَقْبَلُتْ مِنْ جِیْبِکَ عَمَدٍ وَخَلِیْلَکَ اَبُوْا هِیْمَ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ۔

(۷) زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں، دل کا ارادہ بھی کافی ہے۔

- (۸) اگر قربانی واجب ہو اور قربانی کے دن بغیر قربانی کیے گزر جائیں تو بعد میں بھیڑ یا بکری کی قیمت دیدی جائے اور اگر جانور خرید لیا گیا ہو تو بعینہ وہی خیرات کر دیا جائے۔

گوشت اور کھال کا حکم (۱) قربانی دینے والا قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے خولش و اقارب، غنی و فقراء سب کو دے سکتا ہے، بہتر یہ ہے کہ کم از کم تہائی حصہ خیرات کر دے، اس سے کمی نہ کرے۔

- (۲) اگر سات آدمی قربانی میں شریک ہوں تو گوشت انداز سے نہ باٹیں بلکہ صحیح تول کر تقسیم کریں ورنہ گناہ ہوگا۔

(۳) قربانی کی کھال یا اس کی قیمت خیرات کر دیں اور ان لوگوں کو دیں جو زکوٰۃ و صدقہ فطر کے مستحق ہیں۔ قیمت میں جو پیسے ملیں وہی خیرات کر دیں، اگر تبدیل کر کے دیئے تو بُری بات ہے مگر ادا ہو جائیں گے۔

(۴) کھال کو اپنے کام میں بھیج کر دے مثلاً اس سے رسی بنوائی یا پھلتی یا ڈول یا جلے نماں بتوائی۔ رہبشتی رہی۔

- (۵) گوشت یا چربی یا چمڑا قصائی یا کسی اور کو تنخواہ یا مزدوری میں دینے کا حکم نہیں۔
- (۶) قربانی کی رسی بھول وغیرہ بھی خیرات کرنی چاہیے۔

(۷) اگر اپنی خوشی سے کسی مردہ کو ثواب پہنچانے کے لیے قربانی کی جلے تو اس قربانی کے گوشت

۲۹
 میں سے کھانا یا کھلانا اور بانٹنا سب درست ہے جس طرح اپنی قربانی کا حکم ہے۔ (مہبشتی زیور)
تکبیرات تشریق | نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک شہری مقیم کو ہر نماز پنجگانہ کے بعد جو جماعت مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی ہو ایک بار بلند آواز سے تکبیر کہنا واجب ہے اگر زیادہ بار کہے تو افضل ہے اسے تکبیر تشریق کہتے ہیں جو یہ ہے: **اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ**

عید کی سنتیں | جماعت بنوانا، غسل کرنا، اچھے سے اچھا لباس پہننا (جو میسر ہو) سرمہ لگانا، میسر عید کی سنتیں | ہو تو خوشبو لگانا۔ اس عید میں نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھانا چاہیئے بلکہ افضل یہ ہے کہ واپس آکر قربانی کرے اور اس کا گوشت کھائے، اس عید میں عید گاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے یہ تکبیر پڑھے: **اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ**۔ عید گاہ میں وقت سے پہلے جانا اور شروع صفوں میں بیٹھنے کی کوشش کرنا، واپسی پر عید گاہ سے جس راستے سے گیا تھا اس کی بجائے دوسرے راستے سے آنا بھی سنت ہے۔

نماز عید کی نیت | دو رکعت نماز عید الاضحیٰ مع چھ تکبیرات واجب کے، بندگی اللہ تعالیٰ کی، منہ طرف قبلہ شریف کے، پیچھے اس امام کے،

پہلی رکعت میں ثناء کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھنے سے پہلے امام صاحب تین بار اللہ اکبر کہیں، مقتدی بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھائیں، پہلی دو بار تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں اور حسب معمول امام صاحب کے ساتھ رکعت پوری کریں۔ دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے تین بار تکبیرات کہیں گے، مقتدی حسب سابق اللہ اکبر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور چھوڑ دیں، چوتھی بار اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلے جائیں۔

خطبہ | نماز عید کے بعد خطبہ ہوتا ہے جس کا سننا واجب ہے، کچھ لوگ خطبہ ختم ہونے سے پہلے عید گاہ سے چلے جاتے ہیں، خواہ خطیب کی آواز سنائی دے یا نہ دے خطبہ ختم ہوئے تک اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔

۱۔ عن عبد الله بن عمر بن ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يذبح او ينحر بالمصلى۔ (سنن النسائي ج ۲ ص ۲۸۱ باب ذبح الامام اضميته بالمصلى)
 ۲۔ عن انس بن مالك قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يكبش املعين اقرنين ذبحهما

بيده وليسمى وكبر ووضع رجله على صفاحهما. (صحيح بخاري ج ٢ ص ٨٣٥،
باب التكييرات عند الذبح — سنن النسائي ج ٢ ص ٢٠٣ باب الكبش كتاب الاضحية)
٣هـ عن عائشة رضي الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم دخل عليها وحاضت بسرق
قبل ان تدخل مكة وهي تنكي فقال مالك انك انتي قالت نعم قال ان هذا امر
كتبه الله على بنات ادم فاقضي ما يقضي الحاج غير ان لا تطوفي بالبيت
فلما كنا بمنى اتيت بلحم بقرة فقلت ما هذا قالوا صلى رسول الله صلى الله
عليه وسلم عن ازواجه بالبقرة. (صحيح بخاري ج ٢ ص ٨٣٢ باب الاضحية للمسافر والنساء)
٤هـ عن مخنف بن سليم قال كنا وقوفاً عند النبي صلى الله عليه وسلم بعرفة
فقال يا أيها الناس ان على اهل بيت في كل عام اضيحة وعتيرة أتدرون
ما العتيرة هي التي يسميها الناس الرجبية -

(ابن ماجه ص ٢٢٦ باب الاضاحي واجبة أم لا)

٥هـ عن ابي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان له سعة ولم
يضم فلا يقرب مصلاتا - (ابن ماجه ص ٢٢٦ باب الاضاحي واجبة أم لا)
٦هـ عن زيد بن ارقم قال قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله
ما هذه الاضاحي قال سنة ابيكم ابراهيم عليه السلام -

(مشكوة ج ١ ص ١٢٩ باب في الاضحية - الفصل الثالث)

٧هـ عن عائشة رضي الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما عمل ابن ادم يوم النحر عملاً
احب الى الله عز وجل من هراقة دم وانه لياقي يوم القيمة يقر وثها
واطلافها وشعارها وان الدم ليقع من الله عز وجل بمكان قبل ان يقع الارض
فطيبوا بها نفسا - (ابن ماجه ص ٢٢٦ باب ثواب الاضحية)

٨هـ عن زيد بن ارقم قال قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله
ما هذه الاضاحي قال سنة ابيكم ابراهيم قالوا فما لنا فيها يا رسول الله قال
بكل شعرة حسنة قالوا فالصوف يا رسول الله قال شعرة من الصوف حسنة -
(ابن ماجه ص ٢٢٦)

٩هـ قال العلامة الكاساني: بشروط وجوب قرباني، الاسلام، الاقامة، حرية

ولا تجب رعى الصبي في ظاهر الرواية ولكن الافضل ان يفعل ذلك -

(بدائع الصنائع ج ٥ ص ٤٤ كتاب الاضحية)

له بهشتي زيور ص ٢٥ حصه تيسرا -

له قال العلامة الزيلعي: (والاضحية من الابل والبقر والغنم) لان جواز التضحية بهذه الاشياء عرف شرعاً بالنص على خلاف القياس فيقتصر عليها -

(تبيين الحقائق ج ٦ ص ٤ كتاب الاضحية)

قال العلامة الكاساني: ويدخل في كل جنس نوعه والذكر والانثى

منه الى قوله والمعز نوع من الغنم والجاموس نوع من البقر بدليل انه يضم ذلك الى الغنم والبقر في باب الزكوة - (بدائع الصنائع ج ٥ ص ٦٩ كتاب الاضحية)

قال العلامة الكاساني: ولا يجوز بيع واحد ولا بقرة واحدة عن اكثر من

سبعة ويجوز ذلك عن سبعة - (بدائع الصنائع ج ٥ ص ٤ كتاب الاضحية)

له لما في الهندية: فلا يجوز شيء مما ذكرنا من الابل والبقر والغنم عن الاضحية الا المثنى من كل جنس والا الجذع من الضأن خاصة اذا كان عظيماً الى قوله قالوا الجذع من الغنم ابن ستة اشهر والمثنى ابن سنة والجذع من البقر ابن سنة والمثنى منه ابن سنتين والجذع من الابل ابن اربع سنين والمثنى ابن خمس - (الفتاوى الهندية ج ٥ ص ٢٩٤ الباب الخامس)

له لما في الهندية: ولا تجوز العمياء والعوراء البين عورها الى قوله ولو ذهب بعض هذه الاعضاء دون بعض من الاذن والالية والذنب والعين -

(الفتاوى الهندية ج ٥ ص ٢٩٨ الباب الخامس)

وفي جامع ابن اذ كان ذهب الثلث او اقل جاز وان اكثر من الثلث

لا يجوز - وروى ابو يوسف رحمه الله انه ان كان ذهب الثلث لا يجوز وان كان اقل من ذلك جاز - وقال ابو يوسف رحمه الله ذكرت لابي حنيفة رحمه الله

فقال قولي مثل ذلك - (الفتاوى الهندية ج ٥ ص ٢٩٨ الباب الخامس كتاب الاضحية)

قال العلامة التمرتاشي: فلو مهزولة لم يجز الى قوله المهزولة التي لا تمخ

في عظامها - (شرح تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ٥ ص ٢٢٢ كتاب الاضحية)

١٢ قال العلامة التمرناشي: ولا بالحنث لان لحمها لا ينضج (شرح تنوير الابصار على إمامي رد المختار ج ٥ ص ٢٢٨ كتاب الاضيحة)

قال العلامة ابن عابدین: والعرجاء التي تمشي بثلاثة قوائم وتجا في الرابع عن الارض لا تجوز الاضيحة بها (البحر الرائق ج ٨ ص ٤٤ كتاب الاضيحة)

قال المرغيناني: واما الهتماء وهي التي لا اسنان لها فعن ابي يوسف انه يعتبر في الاثنان الكثرة والقلة وعنه ان بقي ما يمكن الاعتلاف به اجزاً - ويجوز ان يضحى بالجماء وهي التي لا قرن لها لان القرن لا يتعلق به مقصود وكذا مكسورة القرن لما قلنا والخصي لان لحمها طيب (الهداية ج ٢ ص ٢٢٨ كتاب الاضيحة)

قال الحصكفي: واشترها سليمة يعتب بعيب مانع من التضحية كان عليه ان يتيم غيرها مقامها ان كان غنياً وان كان فقيراً يجرئه ذلك لان الوجوب على الغني بالشرع ابتداءً لا بالشراء -

٢٢٩ (رد المختار على إمامي رد المختار ج ٥ ص ٢٢٩ كتاب الاضيحة)

١٥ قال العلامة الكاساني: فلا يجوز لاحد ان يضحى قبل طلوع الفجر الثاني من اليوم الاول من ايام النحر - (بدائع الصنائع ج ٥ ص ٥٤ كتاب الاضيحة)

١٦ وايام النحر ثلاثة يوم الاضحى وهو يوم العاشر من ذي الحجة الخ - (بدائع الصنائع ج ٥ ص ٥٤ كتاب الاضيحة)

١٧ والمستحب ذبحها بالنهار دون الليل لانه أمكن لاستفاد العروق كذا في الجوهرة النيرة - (الفتاوى الهندية ج ٥ ص ٢٩٢ كتاب الاضيحة)

١٨ لما في الهندية: لو كان سافر في اول الوقت ثم أقام في اخره تجب عليه - (الفتاوى الهندية ج ٥ ص ٢٩٢ كتاب الاضيحة - باب شرائط وجوب)

قال العلامة طاهر عبد الرشيد البخاري: ولو جاء يوم الاضحى ولا مال له ثم استفاد مائتي درهم ولا دين عليه وجبت الاضيحة -

(خلاصة الفتاوى ج ٢ ص ٣٠٩ كتاب الاضيحة)

لما في الهندية: وهكذا لو كان فقيراً في اول الوقت ثم أيسر في اخره تجب عليه - (الفتاوى الهندية ج ٥ ص ٢٩٢ كتاب الاضيحة - باب حكم الوجوب)

١٩ له لما في الهندية : والافضل ان يذبح اضحيته بيده ان كان يحسن الذبح لان الاولى في القربات ان يتولى بنفسه وان كان لا يحسن الذبح فالافضل ان يستعين بغيره ولكن ينبغي ان يشهد بها بنفسه .

(الفتاوى الهندية ج ٥ من كتاب الاضحية ابوابا خامس)

٢٠ له عن جابر قال ذبح النبي صلى الله عليه وسلم يوم الذبح كبشين باقرين للمحسين موجوبين فلما وجههما قال افي وجهتي وجهي الخ (مشكوة ٢٨ كتاب الضحية الفصل الثاني) له قال العلامة ابن عابدين : ولا يشترط ان يقول بلسانه ما نوى بقلبه كما في الصلوة . (رد المحتار ج ٥ ص ٢١٩ كتاب الاضحية)

٢١ له اذا اوجب شاة بعينها واشتراها ليضحي بها فمضت ايام النحر قبل ان يذبحها تصدق بها حية ولا يأكل من لحمها لانه انتقل الواجب من اراقة الدم الى التصديق وان لم يوجب ولم يشتر وهو موسر وقد مضت ايامها تصدق بقيمة شاة تجزى للاضحية .

(رد المحتار ج ٥ ص ٢٢٤ كتاب الاضحية)

٢٢ له قال العلامة الحصكفي : ويأكل من لحم الاضحية ويؤكل غنياً ويدخر وندب ان لا ينقص التصديق عن الثلث . (رد المحتار على رد المحتار ج ٥ ص ٢٢٤ كتاب الاضحية)

٢٣ له قال العلامة طاهر بن عبد الله بن شاذي : سبعة ضحوا وارادوا ان يقسموا اللحم بينهم ان اقتسموها وقرناها قراناً ان تقسموها جزأناً ان جعلوا مع اللحم شيئاً من السقط كالرأس والاكرع يجوز فان امر بجعلوا لا يجوز .

(خلاصة الفتاوى ج ٢ ص ٢١٥ كتاب الاضحية)

٢٤ له ولا بأس بالدراهم ليتصدقها وليس له ان يبيعه بالدراهم لينفقها على نفسه ولو فعل ذلك يتصدق بثمنه . (خلاصة الفتاوى ج ٢ ص ٣٢٢ كتاب الاضحية)

٢٥ له ويجوز الانتفاع بمجلد الاضحية والهدي والمتعة والتطوع بان يتخذة فرواً او بساطاً او جراباً او غراباً لا الخ

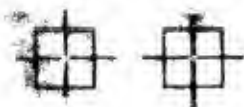
(خلاصة الفتاوى ج ٢ ص ٣٢٢ كتاب الاضحية)

٢٦ له لما في الهندية : ولا يحل بيع شحمها وأطرافها ورأسها وصوفها

ووبرها وشعرها ولبنها الذي يحلبه منها بعثبها بشئ لا يمكن الانتفاع به إلا
 باستهلاك عينه من الدراهم والدنانير والماكولات والمشروبات ولا ان يعطى
 آجوا لجزار والذابح منها - (الفتاوى الهندية ج ٥ من ٣ كتاب الاضحية)
 ٢٨ لما في الهندية : واذا ذبحها تصدق بجلالها وقلائد ها كذا في السراجية
 (الفتاوى الهندية ج ٥ من ٣ كتاب الاضحية - ابا بالاس)
 ٢٩ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري : سئل نصير عن رجل
 ضحى عن الميت قال الاجر له والملك لهذا وفي الفتاوى ان كان بامر الميت
 المختار انه لا يتناول - وقال في باب الباء ان ضحى بغير امره المختار انه يتناول -
 (خلاصة الفتاوى ج ٢ من ٣٢٢ كتاب الاضحية)

٣٠ لما في الهندية : اما صفة فانه واجب وأما عدة وما هية فهو ان يقول
 مرة واحدة الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر والله الحمد -
 وأما شروطه فاقامة ومصر ومكوبة وجماعة مستحبة وأما وقته فاوله
 عقيب صلاة الفجر من يوم عرفة وآخره في قول ابي يوسف ومحمد
 رحمهما الله تعالى عقيب صلاة العصر من آخر ايام التشريق والفتوى على
 قولهما - (الفتاوى الهندية ج ١ من ١٥٣ الباب السابع)

وليستحب يوم الفطر للرجل الاغتسال والسواك ولبس احسن ثيابه
 وليستحب التغمم والتطيب واستحب في عيد الفطرات يأكل قبل الخروج الى
 المصلى الاكل قبل صلاة يوم الاضحية لا يكره لكن يستحب له ان لا يفعل وليستحب ان يكون
 اول تناولهم من لحوم الاضاحي ويكبر في الطريق في الاضحية جهرًا -
 وكيفية صلواتها : ان يتوى صلاة العيد بقلبه ويقول بلسانه اُصلى
 صلاة العيد لله تعالى الخ (الفتاوى الهندية ج ١ من ١٢٩ باب صلاة العيدين)
 ثم يكبر للتحية... ثم يكبر الامام والقوم تكبيرات الزوائد ثلاثاً يرفعه يديه
 للامام والقوم في كل منها ثم يكبر الامام والقوم تكبيرات الزوائد ثلاثاً ويرفع
 يديه فيها كما في الركعة الاولى - (طحاوى - ٢٩١ باب العيدين)





ان الله تعالى تصدق عليكم

بنظرت اموالكم زیادة فی

اعمالكم فضعوها حیث شتم

کتاب الوصیۃ (وصیت کے احکام و مسائل)

وارث کے لیے وصیت کرنا باطل ہے | سوال :- ایک شخص نے اپنے کل مال کی وصیت پوتے کے لیے کر دی جبکہ اس کی پوتیاں اور بہنیں بھی موجود ہیں، تو کیا یہ وصیت شرعاً درست اور نافذ ہوگی یا نہیں؟
تفصیلاً جواب مطلوب ہے؟

الجواب :- وراثۃ کے حقوق قانون وراثت کے مطابق متعین ہیں اور مورث وراثۃ کو وصیت کر کے اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کا حق نہیں رکھتا، جس وراثت کے لیے وصیت کی جائے اس کی تنفیذ دوسرے وراثۃ کی اجازت پر موقوف ہوگی اور اگر دیگر وراثۃ اجازت نہ دیں تو وصیت کا عدم رہے گی تاہم بصورت اجازت وصیت پر عمل کر کے اس میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة المرغینانی: ولا تجوز لوارثه لقوله عليه الصلوة والسلام: ان الله تعالى اعطى كل ذي حق حقه الا وصية لوارث ولانه يتأذى البعض بايثام البعض ففي تجويزه قطعية الترحم ولانه حيف بالحديث الذي رويناہ -
(الهدایۃ ج ۴ ص ۲۵ کتاب الوصایا) لہ

نابالغ اولاد کی شادیاں کرانے کیلئے وصیت کا حکم | سوال :- زید نے اپنی بالغ نابالغ اولاد کی شادیاں کرانے کیلئے وصیت کا حکم اولاد کی شادیاں کر دی ہیں، کیا وہ اپنی نابالغ اولاد کی شادی کے لیے اپنی جائیداد میں سے شرعاً کسی حصہ کی وصیت

لہ عن عمرو بن خارجه خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان الله قد اعطى كل ذي حق حقه الا وصية لوارث۔

(سنن النسائی ج ۲ ص ۳۱ کتاب الوصایا، باب ابطال الوصیۃ للوارث)

کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اولاد کی شادیاں کرنا والد کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ احسان کا معاملہ ہے زندگی میں تو باپ کو اپنی جائیداد میں تصرف کا مکمل اختیار حاصل ہے، لیکن مرنے کے بعد اولاد کے لیے ایسے اضافی اخراجات کی وصیت کا عدم رہے گی۔

كما قال عليه الصلوة والسلام: اِنَّ اللّٰهَ اَعْطٰ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ اِلَّا لَوَصِيَّتَهُ لَوَارِثُ

رسنن النسائی ج ۲ ص ۳۱ کتاب الوصایا باب ابطال الوصیۃ للوارث (م)

وصیت مملوکہ جائیداد میں نافذ ہے | سوال :- زید نے بکر کے لیے اپنی جائیداد میں پانچویں حصے کی وصیت کی، پھر اپنے

بیٹے خالد کو بعض جائیداد متفرق جگہوں میں دے دی، تاہم وفات کے وقت اس کی ملکیت میں کچھ جائیداد ضرور تھی، کیا ایسی حالت میں وصیت تمام جائیداد میں نافذ ہو گی جس میں بیٹے کو دی ہوئی جائیداد بھی شامل ہے یا صرف موت کے وقت مملوکہ جائیداد میں وصیت نافذ ہوگی؟

الجواب :- وصیت درحقیقت مرتے وقت نافذ ہوتی ہے، اس لیے موت کے وقت جو جائیداد باقی ہو اس میں وصیت معتبر ہوگی، چونکہ موت سے قبل وصیت کرنے والا اپنی جملہ جائیداد میں ماسکاتہ تصرفات کا حق محفوظ رکھتا ہے اس لیے اسے وصیت سے قولاً یا عملاً رجوع کا حق بھی حاصل ہے، لہذا بیٹے کو جو جائیداد زندگی میں دی ہو وہ اس کی ملکیت ہوگی البتہ باقیماندہ جائیداد سے پانچواں حصہ موصیٰ لے کر دیا جائے گا۔

قال العلامة السجاوندی: ثم تنفذ وصایا من ثلث ما بقى بعد الدين۔

رمقّد مہ السراجی ص ۳۱

لہ لما قال العلامة المرعینائی رحمہ اللہ :- ولا تجوز لوارثه لقوله عليه السلام: ان الله اعطى كل ذي حق حقه الا لوصيته لوارث۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۶۲۵ کتاب الوصایا)

لہ وفي الہندیۃ: ثم تنفذ وصایا من ثلث ما بقى بعد الكفن والدين۔
(افتاویٰ الہندیۃ ج ۶ کتاب الفرائض) و مثله فی البزازیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۶ کتاب الفرائض۔

کل مال کے ثلث سے زائد میں وصیت معتبر نہیں | سوال :- ایک عورت نے رائج الوقت ملکی قانون کے تحت بذریعہ حبسری محلہ کی مسجد کے لیے اس شرط کے ساتھ وقف کی کہ میری وفات تک یہ جائیداد میری رہے گی، میرے مرنے کے بعد کل اثاثہ یعنی سوئی سلائی تک مسجد کی ملکیت ہوگی، اور اس بات کے گواہ بھی موجود ہیں۔ جبکہ مرحومہ کے ورثاء میں ماموں زاد بھائی کی بیٹی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے جس کے بارے میں مرحومہ نے بتایا تھا کہ میں نے اس رط کی کو جو کچھ دینا تھا وہ اپنے ہاتھوں سے دے دیا ہے اب اسے اور کچھ نہ دوں گی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مرحومہ کی موت کے بعد اس کے شہ داروں کو کچھ ملے گا یا نہیں؟ یا اس کا جملہ اثاثہ مسجد کے لیے ہی وقف ہوگا؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں مرحومہ کا یہ وقف وصیت سے متعلق ہے اور وصیت کل مال کے ثلث سے زائد میں معتبر نہیں یعنی کل جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کا صرف ۳/۴ حصہ مسجد کے لیے وقف ہوگا اور ۱/۴ حصہ میں ارث جاری ہوگی، کیونکہ وصیت کے ذریعے کوئی اپنے ورثاء کو میراث سے محروم نہیں کر سکتا۔

قال العلامة محمد علاؤ الدین افندیؒ: الارث جبوی لا یسقط بالاستقاط۔
تکملة رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۹ مطلب واقعة الفتویٰ۔ کتاب الدعویٰ
قال العلامة السجاوندیؒ: وتنفذ وصایا من ثلث ما بقى بعد الدين۔
مقدمة السراجی ص ۳۱ لہ

میت کی زبانی وصیت سے مسجد پر خرچ کرنا | سوال :- زید نے وفات سے دو ماہ قبل مسجد کے لیے دس ہزار روپے دینے کا کہا تھا جن میں سے اس نے دس سو پچاس روپے مسجد پر خرچ بھی کر دیئے لیکن بقیہ رقم وفات تک وہ کسی وجہ سے خرچ نہ کر سکا، تو کیا مرحوم کے ترکہ سے یہ رقم مسجد پر خرچ

لہ وفي الهندية: ثم تنفذ وصایا من ثلث ما بقى بعد الكفن والدين.....
ثم یقسم الباقي بین الورثة علی سهام الميراث۔
الفتاویٰ الہندیة ج ۶ ص ۲۲۷ کتاب الفرائض

کی جائے گی یا نہیں، جبکہ مرحوم کی وصیت پر گواہ بھی موجود ہیں؟
 الجواب: اگر مرحوم کی وصیت کے بارے میں اس کے ورثہ اقرار کرتے ہوں یا
 اس پر گواہ موجود ہوں اور جائیداد متروکہ کئے ثلث سے اس کی ادائیگی ممکن ہو تو اس
 کی ادائیگی ضروری ہے۔

قال العلامة السجاوندی رحمہ اللہ: وتنفيذ وصاياك من ثلث ما بقى
 بعد الدين۔ (مقدمة السراجی ص ۳) ۱

وصیت کی وجہ سے وارث حق میراث سے محروم نہیں ہوتا | سوال: ایک عورت

وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری زرعی جائیداد اور مکان میرے دونوں دیوروں برابر
 دیدی جائے کیونکہ ان دونوں نے میری بیماری پر کافی مال خرچ کیا ہے اور آئندہ بھی میری
 تہیز و تکفین پر خرچ کریں گے، اس لیے میرے کسی دوسرے اقارب کو میری جائیداد میں
 کوئی حق حاصل نہیں، جبکہ اس کی وفات کے بعد اس کے دو چچا زاد بھائی زندہ ہیں، تو کیا
 شرعاً ان دونوں کو مرحومہ کی میراث میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب: شریعت کے مطابق کفن و دفن پر جو خرچ ہو گا وہ ترکہ سے لیا جائے
 گا اور باقی جائیداد کے ثلث سے وصیت پوری کی جائے گی اس لیے کہ ثلث سے زیادہ
 وصیت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اور بقیہ مال ورثہ پر تقسیم ہوگا۔ لہذا صورت مسئلہ میں
 مرحومہ کے دونوں دیوروں کو ثلث مال ملنے کے بعد باقی مال اس کے دونوں چچا زاد
 بھائیوں کا ہوگا۔

قال العلامة السجاوندی: تتعلق بتركة الميت حقوق اربعة مرتبة الاول يبدأ بتكفينه وتجهيزه
 من غير تبذير ولا تقطير.... ثم تنفيذ وصاياك من ثلث ما بقى بعد الدين ثم يقسم الباقي بين ورثته
 بالكتاب والسنة والاجماع الأمة۔ (مقدمة السراجی ص ۳) ۲

لہ قال العلامة ابن البرزنجی: وتبرعات المريض كالهبة والصدقة..... من الثلث۔
 (البرزنجی علی هامش الہندیۃ ج ۶ ص ۲۳۲ کتاب الوصایا)

۳ قال العلامة المرغینانی: قال ولا تجوز بما زاد على الثلث لقول النبي عليه السلام في حديث سعد
 ابن وقاص رضي الله عنه الثلث والثلث كثير۔ (الہدایۃ ص ۶۵ کتاب الوصایا۔ باب صفة الوصیۃ)

وصیت صرف ثلث مال میں نافذ ہے | سوال :- اگر کوئی شخص زندگی میں ہی اپنے مال کی وصیت کرے تو اس کی

وصیت کتنے مال میں نافذ ہوگی یا کہ اس کا جملہ مال وصیت کے مطابق خرچ کیا جائے گا ؟
الجواب :- وصیت میت کے کل مال کے صرف ثلث میں جاری ہوگی یعنی میت کی وصیت کو اس کے ثلث مال سے پورا کیا جائے گا اور باقی ترکہ وراثہ میں تقسیم ہوگا۔
 قال الشيخ سراج الدين محمد بن عبد الرشيد : ثم تقضى ديونته من جميع ما بقى من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدّين الخ

(السراجی ص ۳۰۰)

وصیت سے رجوع صحیح ہے | سوال :- اگر کوئی شخص کسی کے لیے اپنے مال میں مخصوص حصہ کی وصیت کرے اور اسے اسٹامپ

پر تحریر بھی کر دے لیکن چند دن بعد وصیت کرنے والا کچھ ذاتی ناراضگی کی وجہ سے وصیت سے رجوع کر لیتا ہے، تو کیا اس شخص کا وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب :- وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے لہذا صورت مسئولہ میں جب وصیت کنندہ نے اپنے وصیت نامہ سے رجوع کر لیا تو بعد الموت وصی کو کچھ نہیں ملے گا۔

قال العلامة المرغینانی : ويجوز للموصي الرجوع عن الوصية واذا صرح بالرجوع او فعل ما يدل على الرجوع كان رجوعاً - (المهداية ج ۲ ص ۶۲۲ کتاب الوصایا، باب فی صفة الوصیة ما يجوز من ذلك الخ) ۲

۱۔ وفي المهدية : ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الكفن والدّين الآات
 تجيز الورثة أكثر من الثلث الخ - (الفتاویٰ الہندیہ ج ۶ ص ۲۲۴ کتاب القرائض
 الباب الاول فی تعریفها وفيما يتعلق بالتركة)

ومثله في المهداية ج ۲ ص ۶۵۱ کتاب الوصایا، باب فی صفة الوصیة ما يجوز من ذلك الخ
 ۲۔ وفي الہندیہ : ویصح للموصی الرجوع عن الوصیة ثم الرجوع قد یثبت صریحاً
 وقد یثبت دلالة الخ - (الفتاویٰ الہندیہ ج ۶ ص ۹۲ کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرها وتطبیقها وحکمها)
 ومثله في فتاویٰ قاضیخان ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب الوصایا - فصل فیما یكون رجوعاً عن الوصیة الخ

غیر مسلم کو وصیت کرنے کا حکم | سوال :- ایک مسلمان کا اپنے مال میں کسی غیر مسلم کے لئے وصیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو یہ وصیت کتنے مال میں جاری ہوگی؟

الجواب :- اسلام میں وصیت کا دائرہ وسیع ہے، مسلمان کے علاوہ غیر مسلم کے لئے بھی وصیت کرنا درست ہے اور اس کا اجر صرف ثلث مال میں ہوگا۔

قال العلامة الكاساني: اما كونه مسلماً فليس بشرط حتى لو كان ذمياً فاصح له مسلم او ذمی جاز۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۴۱ کتاب الوصایا) لہ

اثبات وصیت کے لئے شہادت ضروری ہے | سوال :- ایک آدمی نے یہ دعویٰ کیا کہ فلاں شخص نے میرے لئے اتنے مال کی وصیت کی ہے جبکہ مرحوم کے ورثاء اس وصیت کے منکر ہیں مگر مدعی کے پاس گواہ موجود ہیں، تو کیا شرعاً ورثاء کا انکار مرحوم کی وصیت کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جس طرح دیگر معاملات اور عقود کے اثبات کیلئے گواہوں کی گواہی موجب اثبات ہے بالکل اسی طرح وصیت بھی گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے گی اور اس سے ورثاء کے انکار کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔

لما قال العلامة الدكتور وهبة الزحيلي: وثبت الوصية بطرق الاثبات الشرعية كالشهادة والكتابة۔

{ الفقه الاسلامي وادلته ج ۸ ص ۱۲۶ }
{ المبحث السابع اثبات الوصية }

لہ قال العلامة الموهباني: ويجوز ان يوصي المسلم للكافر والكافر للمسلم فالاول لقوله تعالى: لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين۔
(الهداية ج ۴ ص ۶۴۱ کتاب الوصایا)

موصی لہ کا موصی سے پہلے وفات پا جانے پر وصیت کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب نے

اپنی زندگی میں ہی اپنے ایک دوست کے لیے ایک قطعہ اراضی کا وصیت نامہ لکھا تھا کہ میرے مرنے کے بعد یہ زمین تمہاری ہے، لیکن والد صاحب کا یہ دوست ان کی زندگی میں ہی انتقال کر گیا، اب میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد ان کے دوست کے بیٹے اس قطعہ اراضی کا مطالبہ کرتے ہیں، کیا شرعاً ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- وصیت کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ موصی لہ وصیت کرنے والے کی وفات تک زندہ ہو تب وہ وصیت کا اہل ہوگا ورنہ بصورت دیگر اگر موصی لہ وصیت کرنے والے کی زندگی میں ہی فوت ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، اس لیے صورت مسئلہ میں وصیت کا مال وصیت کرنے والے کا حق ہے موصی لہ کی اولاد کا دعویٰ استحقاق درست نہیں۔

قال العلامة الكاساني رحمه الله : وتبطل بموت الموصي له قبل موت الموصي لان العقد وقع له لا لغيره فلا يمكن البقاء على غيره۔

وبدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۹۴ کتاب الوصایا، فصل تبطل الوصیۃ ہا۔

وصی کو معزول کرنا جائز ہے | سوال :- اگر کوئی شخص کسی کو وصی مقرر کرے اور پھر چند دنوں کے بعد اس کو معزول کر کے کسی اور کو وصی مقرر کرے تو کیا شرعاً اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ایک دفعہ کسی کو وصی مقرر کرنے کے بعد پھر اس کو معزول کر سکے؟

الجواب :- موصی کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی کو وصی مقرر کرنے کے بعد

لہ قال العلامة وهبه الزحيلي : موت الموصي له المعين قبل موت الموصي تبطل به الوصية باتفاق المذاهب الاربعة لان الوصية عطية وقد صادقت المعطى ميتاً فلا تصح كالهبة للميت۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۸ ص ۱۱۶ المبحث الرابع مبطلات الوصیۃ)

ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۴۵۳ کتاب الوصایا۔

پھر اس کو معزول کر دے لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وصی کو اس کی معزولی کی اطلاع ہو جائے۔

قال العلامة الكاساني: فالوصية تبطل بالنص على الابطال.... اما النص فتحو ان يقول ابطلت الوصية التي اوصيتها لفلان او فسحتها او نقضتها الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۹۲ کتاب الوصايا، فصل بيان ما تبطل به الوصية) ۱۔

وصیت کی ملکیت کے لیے قبول کرنا ضروری ہے | سوال :- اگر کوئی شخص کسی

ایک مخصوص مال کی وصیت کر جائے تو کیا اس شخص کی صرف وصیت سے موصی اس مخصوص مال کا مالک بن جائے گا یا اس کا قبول کرنا اس کے لیے ضروری ہے؟

الجواب :- وصیت ایک عقد ہے اور حنفیہ کا اصول ہے کہ ہر عقد کی تکمیل کے لیے قبول کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لیے صورت مسئلہ میں بھی موصی لے گا وصیت کو قبول کرنا لازمی امر ہے بدون اس کے وہ اس چیز کا مالک نہیں بن سکتا، لیکن قبول کرنے میں واضح الفاظ کا کہنا ضروری نہیں نفس قبضہ میں لینا بھی کافی ہے۔

قال العلامة وهبة الزحيلي: حكم الوصية بمعنى الاتر لم ترتب على الشيء هوانتقال ملكية الموصى به الى الموصى له ملكاً جديداً بقبول الموصى له بعد وفاة الموصى وبه تلزم الوصية بالاتفاق۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۸ ص ۲۲ کتاب الوصايا، وقت ثبوت ملكية الموصى به) ۲۔

۱۔ قال العلامة وهبة الزحيلي، والرجوع اما ان يكون صريحاً او دلالة فالرجوع الصريح، ما كان بلفظ هونص في الرجوع مثل قول الموصي رجعت عن وصيتي لفلان او تركتها او ابطلتها او نقضتها او ما اوصيت به لفلان هو لورثتي ونحوه۔

(الفقه الاسلامي وادلته ج ۸ ص ۱۱۲ المبحث الرابع، مبطلات الوصية) ۲۔ قال العلامة الكاساني: وملك بدون القبول او بدون عدم الرد وقوع اليأس عنه ولم يوجد لقبول منه ولا وقع اليأس عن الرد مادام حياً فلا يعتق۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۳۲ کتاب الوصايا، فصل ركن الوصية)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۶ ص ۹ کتاب الوصايا، الباب الاول۔

مہم وصیت کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص ان الفاظ سے وصیت کرے کہ میرے مال سے کچھ حصہ فلاں شخص کو دیدیا جائے مگر اس نے اس مال کی تعیین نہ کی ہو تو کیا وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد موصیٰ لہ کو وہ مہم مال دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- شرعاً تو ایسی وصیت صحیح ہے البتہ ابہام کی وجہ سے وصیت کرنے والے کے انتقال کے بعد اس کا تعیین و رثاء کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ موصیٰ لہ کو جتنا چاہیں دے سکتے ہیں، تاہم اگر وصیت کرنے والے نے اپنی زندگی میں ہی اس مال کو متعین کر دیا ہو تو بعد الموت وہی مال دیتا پڑے گا بشرطیکہ وہ مال میت کے کل ترکہ کے ثلث سے زیادہ نہ ہو۔

قال العلامة الكاساني رحمه الله : منها ما اذا أوصى لرجل بمجزء ماله أو بنصيب من ماله أو بطائفة من ماله أو ببعض أو بشقص من ماله فان بين في حياته شيئاً والا اعطاه الورثة بعد موته ماشاء والآن هذا الالفاظ تحمل القليل والكثير فيصير البيان فيه ما دام حيا ومن ورثته اذا مات لانهم قائموت مقامه۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۵۶ کتاب الوصایا، فضل شرائط الوصیۃ)
مجنون ربا گل) اور نابالغ کی وصیت کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! اگر کوئی مجنون یا نابالغ کسی کے لیے وصیت کر جائے تو کیا اس کے مرنے کے بعد موصیٰ لہ اس مال کا مالک متصور ہو گا یا نہیں؟

الجواب :- نابالغ اور مجنون چونکہ تصرفات کا حق نہیں رکھتے اس لیے شرعاً ان کی وصیت کا بھی کوئی اعتبار نہیں، لہذا مجنون کی وصیت سے موصیٰ لہ اس مال کا مالک متصور نہ ہوگا۔

قال العلامة الكاساني رحمه الله : ومنها ان يكون من اهل التبوع في الوصیۃ بالمال وما يتعلق به لان الوصیۃ بذلك تبوع بايجابه بعد موته فلا بد من اهلیۃ التبوع فلا تصح من القبی والمجنون لانهما ليسا من

اهل التبوع لكونه من التصرّفات

(البدائع والسنائع جلد ۳۳۲ کتاب الوصایا، فصل فی الشرائط ۱۰)

پوتے کے لیے وصیت کا حکم | سوال :- اگر دادا پوتے کے لیے اپنے بیٹوں کے برابر حصہ میراث کی وصیت کرے تو کیا اس کی وصیت

پوتے کو چھوں کے برابر حصہ میراث ملے گا یا نہیں؟

الجواب :- بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کے لیے وصیت کرنا اگرچہ صحیح ہے مگر یہ وصیت میت کے ثلث مال میں جاری ہوگی، ثلث مال سے زیادہ پوتے کو نہیں ملے گا۔ تاہم اگر ثلث مال اتنا ہو کہ بیٹوں کے حصص کے برابر بنتا ہو تو وصیت کے مطابق برابر حصہ ملے گا، مثلاً مرحوم کے دو بیٹے اور ایک پوتا ہو تو مال کے تین حصے کر کے ایک ایک حصہ ہر ایک کو ملے گا۔

کما فی الہندیۃ، یعتبر کونہ وارثا او غیر وارث وقت الموت
لا وقت الوصیۃ حتی لو وصی لانیہ وهو وارث ثم ولد له ابن صحت
الوصیۃ للاخ ولو وصی لانیہ وله ابن ثم مات الابن قبل
موت الموصی بطلت الوصیۃ للاخ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲
کتاب الوصایا - الباب الاول)۔

وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے | سوال :- اگر ایک شخص اپنے کسی دوست کے لیے کچھ مال کی وصیت کرے

لیکن مرنے سے پہلے اس کو منسوخ کر دے، تو کیا اس شخص کا اپنی وصیت سے رجوع کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- وصیت چونکہ امر استجبائی ہے اس لیے اگر موصی وصیت کرنے کے بعد اس سے رجوع کر لے اور اپنی ماقبل وصیت کو باطل کر دے تو یہ اس کا شرعاً حق بنتا ہے اور اس رجوع سے وہ وصیت باطل ہو جائے گی، چاہے رجوع

لہ وفق الہندیۃ، ولا تصح الوصیۃ الا ممن یصح تبوعہ فلا تصح من المجنون والمکاتب
والمادون الخ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۹۲ کتاب الوصایا، الباب الاول)

قولاً ہو یا عملاً یا تحریراً۔

قال العلامة السكاكيني: الموصي حتى يملك الرجوع عند تادم حيا لان
الموجود قبل موته مجرد ايجاب وانه يحتمل الرجوع في مقدار المعاوضة
فهي بالتدريج أولى۔ (ر بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۷۸ كتاب الوصايا، فصل صفة هذا العقد)۔
موصی بہ پر صرف قبضہ کرنا بھی کافی ہے | سوال: جناب مفتی صاحب! وصیت
کے الفاظ کہنا ضروری ہے یا کہ صرف موصی بہ قبضہ کر لینے سے موصی لہ کی قبولیت
پوری ہو جائے گی؟

الجواب: "قبول کرتا ہوں" کے الفاظ کہنے سے جس طرح قبول کرنا پورا
ہوتا ہے تو اسی طرح دلالت و فعلاً جو قبول کرنے کو واضح کرتے ہوں سے بھی پورا ہوتا
ہے الفاظ سے قبول کرنا ضروری نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی رحمہ اللہ: وفي البدائع ركنها الايجاب
والقبول وقال زفر الايجاب فقط قلت والمواد بالايجاب ما يعم الصريح
والدلالة بأن يموت الموصي له بعد موت الموصي بلا قبول۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۶۵ كتاب الوصايا ۲)

وصی کا موصی کے انتقال کے بعد وصیت کو رد کرنا | سوال: ایک صاحب نے
کسی کو اپنا وصی بنایا اور اُس نے

قال العلامة وهبة الزحيلي: تبطل الوصية باسباب اما من الموصي كوجوه
عن الوصية او زوال اهليته او رده۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۸ ص ۱۱۲)
المبحث الرابع، مبطلات الوصية

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۶ ص ۹۳ كتاب الوصايا، الباب الاول۔
لے وفي الهندية: ويشترط في الوصية القبول صريحاً ودلالة وذلك بان يموت
الموصي له قبل الرد والقبول فيكون موته قبولا فترثها ورثته۔
(الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۹۹ كتاب الوصايا، الباب الاول في تفسيرها)

قبول بھی کر لیا اور اس بات پر وصیت کرنے والے کی وفات تک قائم رہا، اب وہ موصی کی وفات کے بعد اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے، تو کیا وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب ایک آدمی کسی شخص کو وصی مقرر کرے اور وہ وصیت کو قبول کر کے اس پر وصیت کرنے والے کی وفات تک قائم رہے تو وصیت کرنے والے کے انتقال کے بعد وصی ہونے کی ذمہ داری کو پورا کرنا اس پر لازم ہوگا اور وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

قال العلامة محمد الطوری رحمہ اللہ: واذا اوصی الیہ فقبل قبل موته او بعده ثم رد لم یخرج لان الموصی ما اوصی الا الی من یعتمد علیہ من الاصدقاء والامناء الخ۔ (المحرمات ج ۸ ص ۲۵۷ کتاب الوصایا) لے

بیٹے کی موجودگی میں بھائی کے لیے وصیت کرنا | سوال :- ایک بھائی غریب اور نادار ہے جبکہ دوسرا بھائی

امیر و مالدار ہے، دونوں بھائیوں کی اولاد بھی موجود ہے۔ اب اگر مالدار بھائی اپنے غریب بھائی کے لیے اپنے مال میں سے کچھ مخصوص رقم کی وصیت کرے تو کیا اپنی اولاد کے موجودگی میں بھائی کے حق میں وصیت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- بھائی اگرچہ وارث ہے مگر اپنی اولاد یعنی بیٹوں کی موجودگی میں وہ بمنزلہ اجنبی کے ہے جبکہ شریعت مطہرہ میں اجنبی کے لیے ایک تہائی مال تک کی وصیت جائز ہے، لہذا بیٹوں کی موجودگی میں غریب بھائی کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے، البتہ اگر مخصوص مال کل مال کے ایک تہائی سے متجاوز ہو تو وہ ورثاء کے اختیار میں ہوگا۔

وفی الہندیۃ: یتبرکونہ وارثا و غیر وارث وقت الموت لا وقت الوصیۃ حتی لو اوصی لایہ و هو وارث ثم ولد له ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لایہ وله ابن ثم مات اکابر قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۲۷ کتاب الوصایا۔ الباب الاول)

شیخ احمد کی طرف منسوب وصیت نامہ کی شرعی حیثیت | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان

شرع متین اس مسئلہ میں کہ گذشتہ کافی عرصہ سے پاک و ہند میں بار بار ایک وصیت نامہ شائع ہو رہا ہے جس کی نسبت شیخ احمد خا دم روضہ رسول مقبول علیہ السلام کے نام سے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔ یہ وصیت نامہ بصورت اشتہار مختلف عنوانات سے بار بار مختلف مضامین کے ساتھ شائع ہوتا رہا اور سادہ لوح مسلمانوں کو ترغیب و ترہیب دے دے کر اس کی تشہیر و اشاعت کی تلقین کی گئی ہے۔ کیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اسکی نسبت صحیح ہے؟ اور کیا ایک ایسے غیر یقینی طریقے سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اس کا منسوب کرنا جائز ہے؟ اس اشتہار (وصیت نامہ) کی شرعی حیثیت اور شرعاً اس کی اشاعت پر روشنی ڈالیں؟

الجواب:- مذکورہ وصیت نامہ شکل اعلان و اشتہار نصف صدی سے مختلف امداد و بلا دیں بار بار چھپ رہا ہے اور اس کے مندرجات کے غیر شرعی ہونے کی وجہ سے علماء کرام نے بار بار اس کی تردید کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اس قسم کے وصیت نامے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، کیونکہ اس کے مندرجات بالکل بیہودہ، غلط اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ چنانچہ آج سے کافی عرصہ قبل حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ نے اس من گھڑت کہانی کی سختی سے تردید کی۔ چنانچہ اس بارہ میں ان کا مفصل فتویٰ امداد الفتاویٰ جلد ۵۷-۵۸ پر موجود ہے۔ مگر یہ مسلمانوں کی بد قسمتی اور جہالت کا نتیجہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یقینی ثابت شدہ اور قطعی ارشادات و تعلیمات (جو کہ بشکل قرآن و سنت مدون و منضبط موجود ہیں) کی تردید و اشاعت کی طرف تو توجہ نہیں مگر دوسری طرف علماء کرام کے بار بار اعلانات اور وضاحتوں کے باوجود ایک بے سرو پایا اور بے ثبوت افسانے کی تردید و اشاعت میں ایک دوسرے سے سبقت لے کر دانستہ و نادانستہ وعیدات نبوی کے مصداق بن رہے ہیں ارشاد نبوی ہے:-

من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار۔ (الحديث)

(ترجمہ) جس نے جان بوجھ کر میرے اوپر جھوٹ باندھا پس وہ اپنے لیے

جہنم میں ٹھکانا بنائے۔

یہ اور اس کے علاوہ بیشتر نصوص و احادیث ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ اور مذہب کے نام منسوب ربط و یالیں پر بلا سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے عمل نہیں کرنا چاہیئے، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات و ارشادات کو دروغ گوئی اور جعل سازوں کی دیسہ کاریوں اور من گھڑت باتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مسلمانوں کے اسلاف نے فن حدیث، فن اصول حدیث، فن اسماء الرجال کے ناموں سے عظیم الشان علوم و فنون مدون کئے اور محدثین نے ایک ایک روایت کو شریعت و عقل، فہم و درایت، ادراک و بصیرت کی کسوٹی پر پرکھ کر صحیح و ضعیف کو ایک دوسرے جدا کر کے رکھ دیا اور معمولی قرآن کی وجہ سے بھی جو روایت کے خلاف شرع ہونے پر دال تھے احادیث کو موضوع کہہ دیا۔ ایک طرف اتنی حزم و احتیاط، اتنا تقویٰ اور دینی بصیرت کی یہ کیفیت ہے اور دوسری طرف یہ ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی اپنی کم علمی و کم فہمی کی وجہ سے ایک موضوع، ایسے اصل اور من گھڑت وصیت نامہ کی اشاعت میں دن رات مصروف ہیں، حالانکہ معمولی توجہ اور عقل و دانش سے کام لیا جائے تو اس کا خلاف اصل اور بے سند و دلیل ہونا واضح ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس بات کا نہ کوئی سند ہے نہ دلیل ہے محض ایک فرضی نام سے منسوب کردہ ایسے مضامین کی کیا حیثیت ہے جو از روئے شرع قرآن و سنت کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ مثلاً ان مختلف النوع وصیت ناموں سے بعض منتخب باتیں یہاں بیان کی جاتی ہیں:-

(۱) اس وصیت نامہ کی نسبت شیخ احمد خادم روضۃ نبوی کی طرف کی جاتی ہے، اور یہ ہمیشہ اسی نام اور لقب سے شائع ہوتا ہے، حالانکہ آج تک شیخ احمد کے نام سے روضۃ اقدس کا کوئی خادم نہیں گذرا۔ (ب) اور پھر تعجب ہے کہ یہ ایک ہی شخص اتنی بڑی عمر پاوے (ج) پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ ایک شخص کے علاوہ کسی اور خادم روضۃ نبوی یا عالم اسلام کے دیگر اکابر اولیاء، بزرگان دین اور عباد و مقربین کو خواب میں اس قسم کی وعیدات و تہدیدات اور وصیت بکوں نہیں کی گئی؟ (د) اور اگر بالفرض یہ قصہ صحیح بھی ہوتا تو خوارجین الشریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) میں اس کی شہرت زیادہ ہونی چاہیئے تھی؟ حالانکہ پوری دنیا سے مسلمانوں کی آمد و رفت اور رسل و رسائل کے باوجود وہاں اس وصیت نامے کا نام و نشان بھی نہیں، اور اگر اس قصہ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر وہ کون لوگ تھے جنہیں خواب دیکھنے والے نے یہ قصہ سنایا اور پھر کن راویوں نے کن وسائل سے یہ واقعہ

ہندوستان تک پہنچا اور یہاں کس ثقہ اور معتمد شخص نے اسے سنا اور پھر کس نے اس کے اردو تراجم کر کے لوگوں میں اس کی اشاعت کی؟ ظاہر ہے کہ ایک ایسی روایت جس کا نہ راوی معلوم ہے نہ سند اور نہ دربیانی وسائل، اور نہ اس کی کوئی تاریخی حیثیت ہے، محض ایک من گھڑت اور تراشیدہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جعلی یا موضوع ہدایت کی اشاعت و روایت نقصاً اور اجماً حرام ہے بلکہ بعض محدثین کے نزدیک تو کفر ہے۔

(۲) اس میں لکھا ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ساٹھ ہزار آدمی مرے جن میں سے کوئی بھی ایماندار نہ تھا۔ اور بعض وصیت ناموں کے مطابق سترہ لاکھ مسلمان کلمہ گو مرے اور ان میں صرف سترہ آدمی صحیح مسلمان تھے۔

یہ مضمون بھی اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمومی ارشادات کے خلاف ہے ارشادِ خداوندی ہے :-

وسعت رحمتی علی غضبی۔ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔
نیز ہمارا مشاہدہ ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی اکثر مسلمان توبہ کر کے اور کلمہ پڑھتے ہوئے مرتے ہیں جو خاتمہ بالخیر ہونے کی علامت ہے۔

(۳) اسی طرح اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ تارک الصلوٰۃ کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں۔ یہ حکم صاف طور پر حدیث کے خلاف ہے، ارشادِ نبوی ہے: صلوا علی کل بر وفاجر۔ یعنی ہر نیک اور بدکار مسلمان پر نماز جنازہ پڑھو۔

(۴) اس میں علاماتِ قیامت اور قربِ قیامت کے ضمن میں بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کا روایات و احادیث میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا، مثلاً :-

(الف) ایک ستارہ آسمان پر طلوع ہوگا (ب) قرآن مجید کے حروف اڑ جائیں گے۔
(۵) اس میں بعض ایسی چیزوں کی ترغیب و تعلیم ہے جن کا حرام اور بدعتِ قطعی ہونا بدلائل شرعیہ ثابت ہو چکا ہے، مثلاً :-

(الف) تخصیص شربت کی شہداء و کربلا کے واسطے (ب) اور کھیر حضرت خاتونِ جنتؑ کے واسطے (ج) اور پلاؤ حضرت غوث الاعظمؒ کے واسطے۔

(۶) اسی طرح آجکل کے مروجہ مولود شریف اور قوالیاں جو کہ تمام شرع و عقل کے خلاف ہیں جیسا کہ اس وصیت نامہ کے بارے میں حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے امداد الفتاویٰ جہم ص ۵۵

میں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

(۷) اس میں بعض ایسی چیزیں ذکر ہیں جن سے (العیاذ باللہ) حاکم ہدیٰ حضور فخر کائنات سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تحقیر کا پہلو نکلتا ہے اور حضور کی شان شفاعت کبریٰ و رحمة للعالمین اور محبوبیت و مقبولیت بارگاہِ خداوندی پر زور دیتی ہے، مثلاً:۔
”جس نے اس وصیت نامہ کی تشہیر کی اس کی اور اس کے پورے خاندان کی شفاعت کی جائے گی اور انہیں جنت میں جگہ دلوائی جائے گی اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا“ گویا محض ایک فرضی خواب کی وجہ سے مسلمانوں کی نجات و شفاعت کے لیے ایک ایسی شرط لازمی کر دی گئی ہے جس کا نہ قرآن میں ذکر ہے نہ احادیث میں۔

اگر واقعی ایمان کی مقبولیت اور انسان کی مغفرت و شفاعت کے لیے اس وصیت نامہ کی تشہیر ضروری قرار دی جائے تو ظاہر ہے کہ وہ کروڑوں مسلمان، علماء و صلحاء، اہل اللہ اور بزرگانِ دین سب کے سب محروم الشفاعت اور مستحقِ جہنم ٹھہریں گے جنہوں نے اس وصیت نامہ کی تشہیر نہیں کی اور نہ اب کر رہے ہیں! اس من گھڑت اور بے سرو پا داستان کی زد کہاں پہنچ رہی ہے۔ ایک اور وصیت نامہ جو کہ ملتان سے مشتہر کیا گیا ہے اس میں حسبِ ذیل عبارتیں موجود ہیں۔
(الف) اے شیخ احمد! میں خدا کے عز و جل سے بہت شرمندہ ہوں۔

(ب) اس وجہ سے میں خداوند کریم اور فرشتوں کو منہ نہیں دکھا سکتا۔

(ج) اے شیخ احمد میری امت کو کہہ دے کہ تمہاری بدولت خداوند کریم سے بہت شرمندہ ہوں۔

(د) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر اپنے خدا سے معافی چاہتا ہوں، اے شیخ احمد تو بھی یہ وصیت نامہ لوگوں پہنچا دے تاکہ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکوں۔ (ملاحظہ ہو مختلف طبقوں کے

علماء کا فتویٰ مطبوعہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ص ۱۲۵، جنوری ۱۹۶۳ء)

اس قسم کے جملوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس، شانِ شفاعت اور وجاہت و عظمت کو گھٹانے کی کوشش کی گئی ہے جو اسلام دشمن آریوں اور عیسائیوں کی سازش معلوم ہوتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فریضہ رسالت اور تبلیغ کی ذمہ داریوں کو بالکل و احسن اور انتہائی تمام کمال سے ادا کر کے سبکدوش ہو گئے اور بارگاہِ خداوندی سے راضیہٴ مَرْضِیَّۃ اور قَاذِی خَلِی فی عِبَادِی وَاذْخَلِی جَنَّتِی۔ نِزْوَدَفْعًا لِّكَ ذِکْرُکَ اور لِّیَعْفِرَ لَّکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ اور دیگر بے شمار بشارات و انعامات پاکر شفیع المذنبین اور

رحمۃ للعالمین کے مقام پر فائز ہوئے۔ اب امت کی بدکرداری اور گنہگار ہونے کا کوئی عذر اور بوجھ اور باز پرس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہیں اور نہ ہماری بد اعمالیوں کا وبال آپ پر ہے جس کی وجہ سے معاذ اللہ آپ کو شرمندہ ہوتا پڑے، وہ اپنے فریضہ سے بھی ہزار ہا درجہ زیادہ پیغام رشد و ہدایت خداوندی انسانیت تک پہنچا کر اپنے فریضہ تبلیغ سے باحسن وجوہ سرخرو ہو چکے ہیں۔ اس وصیت نامہ کی اشاعت کی طرف توجہ دیتے ہوئے لوگوں کو لا کھول کر وڑوں روپے کے لالچ اور خوف و عذاب، تباہی و بربادی سے ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے۔ اور پھر ”سنا ہے“ کہہ کر کامیابی اور بربادی کے بعض فرضی افسانے لکھے ہوئے ہیں، جبکہ نہ تو سنانے والا معلوم اور نہ ہی سننے والا معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہرگز اس کے تمام مندرجات اور مضامین کو صحیح نہ سمجھنا چاہیے، البتہ جو باتیں قرآن و حدیث اور دین کی کتابوں میں لکھی ہیں ان کے موافق نیک راہ پر چلنے اور نبی کریم کی سنت کو مضبوطی سے تھام کر بری راہ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، جھوٹی اور بے اصل باتوں کی نسبت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتا بہت بڑا بھاری گناہ ہے۔ اسلئے از روئے شرع ایسے مضمون کی اشاعت کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ اگر کسی کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات، مبشرات و منذرات کے پڑھنے، سیکھنے اور انہیں شائع کرنے کا شوق ہو تو یہ تمام تعلیمات احادیث شریف کی مستند کتابوں میں موجود ہیں، ان کے پڑھنے، سیکھنے، عمل کرنے اور شائع کرنے سے ایمانی جذبہ اور عشق نبوی کا ثبوت دیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

وصیت نامہ کی تحریر و ارث کے حق میں ناقد نہیں | سوال :- جناب مفتی صاحب!

کاحال ہی میں انتقال ہوا ہے، وفات سے تقریباً آٹھ سال قبل یعنی ۹۱/۱/۲۳ کو ایک اقرار نامہ تحریر کیا جس میں انہوں نے اپنا ملکیتی دس مرلہ زمین کا پلاٹ اپنی بیٹی میری سگی بہن مسما شاہجہان کے نام کیا تھا، بعد میں ۴۲/۲/۹۲ کو انہوں نے ایک دوسرا اقرار نامہ تحریر کیا جس میں مذکور بالا دس مرلہ کا پلاٹ اپنی دوسری بیوی (میری سوتیلی والدہ) اور اس کے بیٹے (میر سوتیلے بھائی) کے نام کیا۔ بعد ازاں ۲۱/۸/۹۶ کو میرے والد صاحب نے ایک وصیت نامہ تحریر کیا جس میں یہی مذکورہ زمین اپنی دوسری بیوی کے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں (میرے سوتیلے

بھائی بہنیں) کے نام کر دی، بعد ازاں اپنی وفات سے چند روز قبل یعنی ۱۲۳/۱۹ کو ایک اور وصیت نامہ تحریر کیا جس میں مجھے مذکورہ بالا زمین کا مختار خاص بنا کر ہدایت کی گئی ہے کہ اس زمین کو بیچ کر میری دوسری بیوی کے بچوں (میر سوتیلے بھائی بہنیں) کی پرورش اور تربیت پر صرف کرنا۔

جناب عالی! مندرجہ بالا صورت حال کے پیش نظر آپ سے التماس ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں ہماری راہنمائی کریں کہ مذکورہ بالا چار دستاویزات میں سے کس پر عمل کیا جائے عین نوازش ہوگی۔

الجواب:- صورت مسئلہ دو مسئلوں پر محیط ہے:-

(۱) **ہبہ**: جو کہ موصوفے اپنی دسٹ مرلہ زمین کو ہبہ کیا ہے اور شریعت اسلامی میں ہبہ نافذ العمل ہے مگر اس کی تکمیل قبض پر موقوف ہے۔ اگر موصوہ چیز پر قبضہ نہ کیا جائے تو صرف زبان سے کہنے یا تحریری اقرار نامہ سے ہبہ تامہ نہیں ہوتا، اور جب کسی رشتہ دار کو کوئی چیز ہبہ کر دی جائے اور وہ اس کے قبضہ میں دے دی جائے تو پھر اس سے رجوع کرنا شرعاً صحیح نہیں اور نہ واجب کورجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ لہذا اگر موصوف نے مذکورہ زمین اپنی دختر مسماۃ شاہجہان کے قبضہ میں دے دی تھی تو اب موصوفہ کو مالکۃ حقوق حاصل ہیں، والد کا ہبہ سے رجوع یا تفسیحی کا اسٹامپ کارآمد نہیں، اور اگر قبضہ میں نہیں دیا ہو تو والد کا کسی وقت بھی اپنے ہبہ سے رجوع کرنا صحیح ہے اور ہبہ کا اقرار نامہ بحق مسماۃ شاہجہان بی بی ناکارہ اور منسوخ متصور ہوگا۔

ما قال المرغینانی، الہیۃ عقد مشروع تصح بالایجاب والقبول والقبض
اما الایجاب والقبول فلانہ عقد والعقد ینعقد بالایجاب والقبول والقبض لا بد منه
لثبوت الملك ام (الہدایۃ ج ۳ ص ۲۸ کتاب الہیۃ)

ما قال المرغینانی، وان وهب ہبۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیہا لقولہ علیہ السلام
اذا كانت الہیۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیہا لان المقصود صلوۃ الرحم وقد حصل۔
(الہدایۃ ج ۳ ص ۲۸ کتاب الہیۃ باب ما یصح رجوعہ)

(۲) **وصیت**: باقی اسٹامپ کا تعلق وصیت کے ساتھ ہے، شرعاً وصیت کے نفاذ کیلئے چند شرائط ہیں:-

دعا وصیت کا نفاذ مال کے صرف ایک تہائی یعنی ۳/۱ میں ہوتا ہے ۔
 دعا دوسرے یہ کہ موصی لہ یعنی جس شخص کے لیے وصیت کی گئی ہو وہ اس کے مال کا وارث
 نہ ہو اس لیے کہ وارث کے لیے وصیت کرنا شرعاً جائز نہیں ۔
 لہذا اسی بناء پر باقی تین اسٹامپ اپنے ورثاء یعنی اولاد کے لیے وصیت کے زمرے
 میں آتے ہیں اس لیے نافذ العمل نہیں بلکہ اس میں جملہ ورثاء کا حق وراثت ہے، شرعاً ان
 رتین اقرارناموں پر عمل کرنا جائز نہیں ۔ تاہم وصیت کے مطابق مسمیٰ منظر داد اپنے سوتیلے
 بھائی بہنوں کا ان کے حصہ شرعی میں کفیل ہوگا، اقرارنامہ کی کفالت مال متعین کی ہے جو ناکارہ
 اقد غیر صحیح ہے ۔

لما فی الہدایۃ: ولا تجوز، ما زاد علی الثلث لقولہ علیہ السلام وحديث
 سعد بن ابی وقاص الثلث والثلث کثیر۔ اہ ایضاً ولا تجوز لو ارثہ لقولہ
 علیہ السلام ان اللہ تعالیٰ اعطی کل ذی حق حقہ لا وصیۃ للوارث الخ ۔

الہدایۃ ج ۴ ص ۶۵۱، ۶۵۲ کتاب الوصایا

واللہ اعلم و علمہ تام

01A



تعلموا الفرائض
وعلموها الناس

کتاب الفرائض (میراث کے احکام و مسائل)

قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا | سوال :- ایک شخص نے اپنے بھائی کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے قتل کر دیا اور محروم کے عصبہ میں سے اس قاتل بھائی کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں، تو کیا قاتل کو مقتول بھائی کی میراث میں حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- قصداً عمدًا یا خطاً ہر حالت میں قتل بسبب حرمانِ ارث ہے، اس لیے صورتِ مذکورہ میں مقتول کی جائیداد اس کے دوسرے ورثاء کو دی جائے گی قاتل بھائی کے وجود کا اعتبار نہیں بلکہ بوجہ مانع یہ کالعدم رہے گا۔

قال العلامة السجاوندی: المانع من الارث اذیعة..... والقتل الذی

یتعلق به وجوب القصاص والکفارة۔ (السراجی مک فی الموائع)۔

دادا کی موجودگی میں چچا کی میراث سے محرومی کا حکم | سوال :- ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں دادا اور چچا کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں، تو مرنے والے کی میراث شرعاً کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب :- بشرط صدق وثبوت انورثاء کی تعداد درست ہو تو بعد از دادائے حقوق متقدمہ علی اللات تمام جائیداد دادا کو بطور عصبوبت دی جائے گی، اور چچا چونکہ عصبہ بعید ہے اسلئے وہ دادا کی موجودگی میں میراث سے محروم رہے گا۔ نقشہ ملاحظہ ہو۔

دادا
۱/ (کل ترکہ کا حقدار)
چچا
محبوب

لہ وفق الہندیۃ: القاتل بغیر حق لا یرث من المقتول شیئاً عندنا سواء قتلہ عمدًا او خطاً وکذا لکل قاتل هو فی معنی الخاطی۔۔۔ و قتل الصبی والمجنون والمعتوۃ والمبرم والموسوس یوجب حرمان المیراث لان الحرمان یتثبت جزاء قتل فحظور الخ

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۲۵۴ الباب الخامس فی الموائع)

قال العلامة السجاوندی: أما الأب فله احوال ثلث والتعصيب المحض وذلك عند عدم الولد وولد الابن وان سفل.... والجد الصحيح كالاب عند عدم الاب.

(السراجی ص ۶۱ باب معرفة الفروض) ۱۷

اختلاف دین مانع ارث ہے | سوال :- اگر کوئی مسلمان عیسائی عورت سے نکاح کرے تو موت کی صورت میں میاں بیوی ایک دوسرے

کے وارث بن سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- عیسائی عورت سے اگرچہ نکاح جائز ہے لیکن یہ میاں بیوی عقائد میں اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی میراث سے محروم رہیں گے کیونکہ اختلاف دین مانع ارث ہے۔

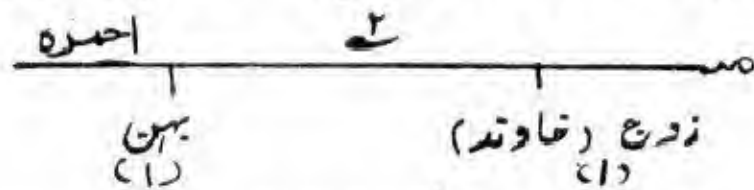
قال العلامة السجاوندی: المانع من الارث اربعة..... واختلاف الدين

ای اسلامًا وكفرًا۔ (السراجی ص ۵۸ فصل في الموانع) ۱۸

خاوند اور بہن میں جائیداد کی تقسیم کا حکم | سوال :- ایک عورت نے مرنے کے بعد خاوند اور ایک بہن وارث چھوڑے ہیں

جبکہ عصبیات کوئی نہیں، مہربانی کر کے شریعت کی روشنی میں دونوں کا حصہ متعین فرمادیں؟

الجواب :- اگر مرحومہ کے ورثہ میں خاوند اور ایک اعیانی بہن کے علاوہ اور کوئی زندہ نہ ہو تو کل جائیداد کا نصف خاوند کو اور باقی نصف بہن کو دیا جائے گا، نقشہ ملاحظہ ہو:-



قال العلامة السجاوندی رحمہ اللہ: وأما للنزوج فحالتان النصف عند عدم الولد

۱۹ وفي الهندية: فالأقرب العصبات..... ثم الأب ثم الجد اب الأب وهم ای العصبية

كل من ليس له سهم مقدم..... وإذا انفرد أخذ جميع المال۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ۶ ص ۵۸۱ الباب الثالث فی العصبیات)

۲۰ وفي الهندية: واختلاف الدين أيضاً يمتنع الامراث والمراد به الاختلاف بين الاسلام

والكفر۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۶ ص ۵۸۱ باب الموانع)

وولد الابن وان سفل - (السراجی ص ۱۰۰ باب معرفة القروض ومستحقها)
وقال ایضاً: واما لالاخوات لاب وام فاحوال خمس النصف للواحدة -

(السراجی ص ۱۰۱ فصل فی النساء) ۱۰

بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث سے محرومی | سوال :- ایک شخص کی وفات کے بعد اس کا ایک بیٹا زندہ ہے لیکن دوسرا بیٹا جو کہ اس کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا تھا اب اس کے بیٹے زندہ ہیں، تو کیا دادا کی میراث میں سے مرحوم کے ایک بیٹے کی موجودگی میں فوت شدہ بیٹے کی اولاد کا کچھ حق بنتا ہے یا نہیں؟
الجواب :- چونکہ بیٹا قریبی عصبہ ہے اور پوتا اس سے بعید ہے، قریبی وارث کی موجودگی میں بعید کے ورثاء حق وراثت سے محروم رہتے ہیں، اس لیے تمام جائیداد بیٹے کا حق ہے پوتے کو کچھ نہیں ملے گا، تاہم اگر بیٹا دل کی خوشی سے اسے کچھ دے دے تو کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة السجاوندی: اولهم بالميراث جزء الميراث ای البنون ثم بنوهم۔

(السراجی ص ۱۰۱ باب العصبات) ۱۱

حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاقائی بھائی میراث سے محروم رہے گا | سوال :- ایک شخص کی وفات کے بعد اس کے ورثاء میں دو حقیقی بھائی، ایک بہن اور ایک علاقائی بھائی رہ گئے ہیں، شریعت مطہرہ کی

۱۰ قال الله تبارك وتعالى: (۱) وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ۔
(سورة النساء ۱۱) (۲) إِنْ أُمْرَأٌ أَهْلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ۔ (سورة النساء ۱۲)

۱۱ قال العلامة السرخسي: واولاد الابن يقومون مقام اولاد الصلب عند عدم اولاد الصلب في جميع ما ذكرنا لقوله تعالى: يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ۔ واسم الاولاد يتناول اولاد الابن مجازاً۔۔۔۔۔ فان اجتمع اولاد الصلب واولاد الابن فان كان في اولاد الصلب ذكر فلا شئ لاولاد الابن ذكوراً واناثاً او مختلطين لان المذكور اولاد الصلب مستحق لجميع المال باعتبار حقيقة الاسم۔ (المبسوط للسرخسي ج ۲ ص ۱۲۱ كتاب النكاح)

روشنی میں مرحوم کی جائیداد ان ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب :- بشرط صحت سوال اگر مرحوم کے ورثاء میں دو حقیقی بھائی، ایک بہن اور ایک علاقائی بھائی ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی دوسرا قریبی عصبہ یا ذوی الفروض نہ ہو تو بعد از اداۓ حقوق مقدمہ علی الارث مرحوم کی تمام جائیداد کے پانچ حصے کر کے ہر ایک حقیقی بھائی کو دو حصے (۲/۵، ۲/۵) اور ایک حصہ (۱/۵) حقیقی بہن کو دیا جائے گا اور اعیانی بھائیوں کی موجودگی میں علاقائی بھائی حق وراثت سے محروم رہیں گے۔

قال العلامة السجاوندی: واقبالاخوان لاب وام..... ومع الاخ لاب وام
للمذكر مثل حظ الانثیین یصرن به عصیة لاستوائهم فی القرابة الی المیت۔
(السراجی ص ۱ فصل فی النساء)

والیضاً: لقوله علیه السلام ان اعیان بنی الام یتواسثون دون بنی العلات کالاخ لاب وام فانه مقدم علی الاخ لاب اجماعاً۔ (السراجی ص ۱ باب العصبات) لہ
بیٹے، بیٹی میں میراث کی تقسیم اور نواسی کا اس سے محروم ہونا | سوال :- ایک عورت بیٹا، ایک بیٹی اور ایک نواسی وارث چھوڑے ہیں شریعت مطہرہ کی روشنی میں ان ورثاء میں مرحومہ کی میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب :- حسب بیان سائل صورت مسئلہ میں مرحومہ کا ترکہ بعد از اداۓ حقوق مقدمہ علی الارث تین حصے کر کے ایک حصہ بیٹی کو اور دو حصے بیٹے کو ملیں گے اور نواسی چونکہ ذوی الارحام میں سے ہے لہذا عصبات کی موجودگی میں یہ میراث سے محروم رہے گی،
نقشہ ملاحظہ ہو :-

مرحومہ	بیٹا	بیٹی	نواسی
	۲	۱	محروم

لہ فی الہندیۃ: اختان لابوین واتحت لاب فالمال للاختین فرضا وردا ولاشیء للاخت
لاب فان کان منہما اخوها عصیمہا فلہما الباقی وهو الثلث للمذكر مثل حظ الانثیین۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۲۵۲ الباب الرابع فی الحب)

قال العلامة السجاوندی: اما البنات الصلب فاحوال ثلث ومع الابن
للذکر مثل حظ الانثیین وهو بعصبهن - (السراجی ص ۸ فصل فی النساء) لہ
سوال :- اگر ایک آدمی کے
سرف والد ہی کلیٹے کی تمام جائیداد کا وارث ہونا مرنے کے بعد اس کے ورثاء
میں صرف اس کا والد باقی ہو تو از روئے شریعت مقدسہ مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا
جائے گا؟

الجواب :- بشرط صحت سوال مرحوم کا تمام ترکہ بعد از ادائے ما وجب تقدیمہ
علی الارث اس کے والد کو بطور عصبیت ملے گا۔

قال العلامة السجاوندی: اما الابن فله احوال ثلث والتعصیب المحض
وذلك عند عدم الولد وولد الابن وان سفل - (السراجی ص ۶ باب معرفة الفروض)
وايضاً: والعصبة كل من يأخذ ما ابتقته اصحاب الفرائض وعند الانفراد يحوز
جميع المال - (مقدمة السراجی ص ۲) لہ

سوال :- ایک
ایمانی بھائی کی موجودگی میں علاقائی بہن کی میراث سے محرومی عورت نے مرنے
کے بعد ایک ایمانی بھائی اور ایک علاقائی بہن وارث چھوڑے جبکہ ان کے علاوہ ذوی الفروض
اور عصبہ میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے، تو مرحومہ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق اگر واقعی مرحومہ کے ورثاء میں
ایک ایمانی بھائی اور ایک علاقائی بہن کے علاوہ کوئی دوسرا قریبی عصبہ یا ذوی الفروض
زندہ نہ ہو تو بعد از اداء حقوق مقدمہ علی الارث مرحوم کی تمام جائیداد کا مستحق اس کا ایمانی بھائی

لہ قال اللہ تبارک وتعالیٰ: - یُوصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْ اَوْکُلٰدِکُمْ لِلذَّکْرِ مِثْلُ
حَظِّ الْاُنْثٰی (سورۃ النساء آیت ۷)
لہ فی الہندیۃ: فاقرب العصبات ثمر الاب ، وہم ای العصبۃ کل من
لیس لہ سہام مقدّمہ ویأخذ ما یبقی من سہام ذوی القروض واذا انفرد أخذ
جميع المال - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۱۵۱ الباب الثالث العصبات)

ہے اور اعیان کی موجودگی میں علاقہ بہن کو کچھ نہیں ملتا۔

قال العلامة السجاوندی: ثم جزء ابیہ ای الاخوة۔ (السراج ص ۱۱۱ باب العصباء)
وایضاً، ویسقط بنو العلات ایضا بالادخ لا یت وائم۔ (السراج ص ۱۱۱ باب معرفة الفروض لم

نافرمان بیٹے کا باپ کی میراث میں استحقاق | سوال :- ایک شخص اپنے باپ

کا نافرمان ہونے کے ساتھ اُسے گالی گلوچ بھی دیتا ہے تو کیا یہ شخص باپ کے مرنے کے بعد میراث کا حقدار بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے، لیکن یہ میراث سے محرومی کا سبب نہیں بن سکتا، کیونکہ ارث اضطراراً وراثۃ کی طرف منتقل ہوتی ہے، اس لیے نافرمان بیٹا فرمانبردار بیٹے کی طرح میراث لے سکتا ہے۔

قال العلامة محمد علاؤ الدین افندی: الارث جبرئ لا یسقط بالاستقاط۔

(تکملة رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۹ مطلب واقعة الفتویٰ کتاب الدعویٰ)

وراثت کے لیے محض رشتہ دار ہونا کافی نہیں | سوال :- ہمارے علاقے میں

ایک عورت فوت ہو گئی ہے جس کے ورثاء میں کوئی بھی عصبہ ذوی الفروض یا ذوی الارحام موجود نہیں صرف خاوند کے بھتیجے ہیں، تو کیا مرحومہ کی میراث میں سے اس کے خاوند کے بھتیجوں کو حصہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی بھی عورت کے خاوند کے بھتیجے خاوند کے تو عصبہ ہیں لیکن اس کی بیوی سے اس کا کوئی خاص رشتہ نہیں جو سبب ارث بن جائے صرف خاوند کی قرابت کی وجہ سے بیوی کی میراث میں ان کو حق نہیں دیا جاسکتا اور نہ یہ کسی حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں بلکہ ایسی حالت میں تو ان کے درمیان اجنبیت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کا آپس میں نکاح بھی جائز ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں اس عورت کے شرعی ورثاء

قال اللہ تعالیٰ: وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَّكَ كَرِشٍ حِطَّ الْأَتَّيِّبِينَ (سورة النساء ۱۷۶)

لما فی الحدیث: ان اعیان بنی الام یتوارثون ذوات بنی العلات۔

(السراج ص ۱۱۱ باب العصباء)

موت کے وقت زندہ تھے۔

قال العلامة السجاوندی: أمّا الزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعداً عند عدم الولد وولد الابن وان سفل۔ (السراجی مک فصل فی اصحاب الفروض)

مجرم کا پھانسی گھاٹ میں ہونا مرض الموت کے حکم میں نہیں | سوال: اگر کوئی شخص قتل

کے الزام میں قید خانہ میں محبوس ہو تو کیا اس کا اقرار اور جائیداد وغیرہ میں تصرفات مرض الموت کے حکم میں شمار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب: جس شخص کو قتل کے الزام میں عدالت کی طرف سے سزائے موت دی جائے گی، اس کے تمام معاملات مثل صحت کے جاری و نافذ ہوں گے البتہ جس وقت قید سے نکال کر قتل (پھانسی دینے کی جگہ) کی طرف روانہ کر دیا جائے تو قید خانہ سے نکلنے کے بعد پھانسی ہونے تک جتنی دیر لگے گی وہ مرض الموت کے مانند ہوگی، اس حالت میں اگر اس نے کوئی تصرف مثلاً اقرار وغیرہ کیا ہو تو وہ مرض الموت کے تصرفات کی طرح ناقابل قبول ہے۔ اور اگر اس روز پھانسی کی سزا کسی وجہ سے ملتوی ہو جائے یا اس کا حکم بالکل منسوخ ہو جائے تو قید خانہ سے نکل کر پھانسی گھاٹ تک آنے کی حالت مرض الموت کے مانند نہ رہے گی یعنی مثل صحت کے سمجھی جائے گی اور اس حالت میں جو تصرفات کئے تھے وہ جاری اور درست سمجھے جائیں گے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: ولو كان محصوراً او محبوساً في حد أو قصاص او واقفاً في صف القتال فهو حكم الصحيح۔ وقد ذكر محمد في الاصل مسائل تدل على أن الشرط هو الهلاك على طريق الغلبة لا كونه صاحب قواش فائز قال: إذا أخرج الرجل للقصاص او الرجم فهو في حكم المريض۔ (الفتاوی التاتاریخانیة ج ۳ ص ۵۸ کتاب الطلاق، باب طلاق المريض)

له لقوله تعالى: وَلَهُنَّ الرِّجْعُ مِمَّا تَرَكُنَّ مِنْكُمْ وَلَدٌ۔ (سورة النساء ۲۱) ثم وفي الهندية: ونوع من المخرج للقتل الى الحبس او رجوع المبارز بعد المبارزة الى الصف صار في حكم الصحيح كالمرضى اذا برا من مرضه۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۶۳ الباب الخامس في طلاق المريض)

طویل بیماری مرض الموت شمار ہوگی | سوال :- از روئے شرع مرض الموت کے تصرفات محدود ہیں جس میں بسا اوقات میت کے تصرفات موقوف سمجھے جاتے ہیں لیکن بعض بیماریاں سالوں تک ممتد رہتی ہیں کیا ایسی ممتد بیماری کو مرض الموت کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- مرض الموت میں یہ ضروری نہیں کہ یہ چند دنوں تک محدود ہو بلکہ کبھی مرض الموت کی مدت طویل بھی ہو سکتی ہے، تاہم جو بیماری عمومی حیثیت اختیار کر جائے جیسا کہ آجکل ثوران الدم ریلڈ پریشر (شوگر) یا امراض قلب میں مبتلا ہونے مرض الموت میں شمار کرتا مشکل ہے، کیونکہ یہ بیماریاں اگرچہ فوری طور پر موت کا سبب بن سکتی ہیں لیکن مدتوں تک محیط ہونے سے بھی خالی نہیں۔

قال العلامة ابن البزازی رحمہ اللہ: ولو طال المرض وصد بحال لا يخاف عليه الموت كالفالج او صارس مدنفاً او يابس الشق لا يصحون حكم المرض الا اذا تغير حاله عن ذلك ومات من ذلك التغير فما فعل في حال التغير فمن الثلث۔
(الفتاویٰ البزازیة علی هامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۳۲ کتاب الوصایا)

شرعی بیت المال نہ ہونے کی صورت میں میراث کا حکم | سوال :- اگر کسی میت کے اقسام ثلاثہ

(ذوی الفروض، عصبیات، ذوی الارحام) ورثاء میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہو اور شرعی بیت المال بھی نہ ہو تو اس کے ترکہ کا کیا کیا جائے گا، شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مطلوب ہے؟

الجواب :- جب شرعی بیت المال موجود نہ ہو تو مسئلہ صورت کے مطابق میراث

لہ قال العلامة ابن نجیم: والمقعد والمفلوج والامثل والسلول ان تطاول ذلك ولم يخف منه الموت فہبتہ من کل المال لانہ اذا تفادى العهد صار من طبعہ كالعمی والعرج وهذا لان المانع من التصرف مرض الموت ومرض الموت لا يكون سبباً للموت غالباً وانما يكون سبباً للموت اذا كان بحيث يزداد حالاً فحالاً ~~الموت لا يكون سبباً للموت~~ آخره الموت۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۸۸ قبل باب العتق فی المرض والوصیۃ بالعتق)

کو ایک امین (امانت دار شخص) کے ہاتھ میں دے دیا جائے تاکہ وہ ایسے فقراء جن کا کوئی سرپرست وغیرہ نہ ہو، پر اس طرح خرچ کرے کہ ان فقراء کا نفقہ، تداوی، کفن و دفن وغیرہ اس ترکہ سے پورا کرے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : واما الرابع رای الصوائع مثل مالا یكون له اناثا وراثونا، فیصبر فیہ المشہور، ہوا للقیط الفقیر والفقراء الذین لا اولیاء لهم فیعطی منہ نفقتہم وأدویتہم وکفنتہم وعقل جنایتہم۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۸ مطلب فی بیان بیوت المال ومصارفہا، قبل باب المصرف)

سوال :- ایک شخص کی ایک
حیث حیات میں جائیداد کی تقسیم کا شرعی طریقہ
بیوی، دو بیٹے، تین بیٹیاں،

ایک پوتی اور دو پوتے ہیں جن کا والد فوت ہو چکا ہے، اب یہ شخص زندگی میں ہی اپنی جائیداد ان میں تقسیم کرنا چاہتا ہے تو شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس کی صورت کس طرح ہوتی چاہیے؟ کیا پوتوں اور پوتیوں کو بیٹوں اور بیٹیوں کے برابر حصہ دیا جائے گا؟ اور اگر کوئی ان کو محروم رکھے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد کی تقسیم درحقیقت ہیبرہ ہے جس میں مالک کو کُلی اختیار ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق جس طرح چاہے تقسیم کرے اور اولاد کا اس پر باقاعدہ قبضہ کر لینے کے بعد وہی تقسیم نافذ رہے گی تاہم کسی وارث کو بلا وجہ میراث سے محروم کرنا سراسر زیادتی ہے۔ البتہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ زندگی میں ہی اولاد میں جائیداد تقسیم کرنے والے کو ایسا طریقہ اپنانا چاہیے کہ اگر اس کی موت کے بعد اس کی جائیداد ورثاء میں تقسیم کرنے کی نوبت آئے تو اسی طرح تقسیم ہوتی۔ لہذا مسئلہ صورت میں بھی اس شخص کو چاہیے کہ وہ کل جائیداد کے ۵۶ حصے کر کے ثمن کل جائیداد کا (۵۶/۱) بیوی کو اور ہر ایک بیٹے کو ۵۶/۱، ۵۶/۱ حصہ اور بیٹی کو ۵۶/۲ حصے کے حساب سے تقسیم کرے، اور جہاں تک پوتوں اور پوتیوں کا تعلق ہے تو بہتر یہ ہے کہ دادا اپنی زندگی میں ہی ان کو کچھ دے دے تاکہ اس کے مرنے کے بعد قانونی تنازعات پیدا نہ ہو جائیں لیکن اگر دادا پوتوں اور پوتیوں کو کچھ نہ دینا چاہے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة ابن البزاز رحمه الله: الا فضل في هبة الابن والبنت
التثليث كالميراث۔ الفتاوى البزازية على هامش الهندية
ج ۶ ص ۲۳۷ کتاب الهبة۔ الجنس الثالث)
نقشہ ملاحظہ ہو:-

۵۶

بیوہ بیٹا بیٹا بیٹی بیٹی بیٹی

بذریعہ اعلان عاق نامہ بیٹے کو میراث سے محروم کرنا | سوال:- اگر کوئی شخص اپنے
بیٹے سے ناراض ہو اور اسی
ناراضگی کی وجہ سے اخبار وغیرہ میں بذریعہ اشتہار اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے
اُسے عاق کرنے کا اعلان کر دے، تو کیا باپ کی وفات کے بعد عاق شدہ بیٹا میراث
کا حقدار بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- وراثت ایک اضطراری حق ہے کوئی شخص اپنی طرف سے اس حق کو
زائل یا ختم نہیں کر سکتا، اس لیے باپ کے مرنے کے بعد عاق شدہ بیٹا بھی میراث کا
حقدار ہے، تاہم اگر یہ شخص اپنی زندگی ہی میں اپنی جملہ جائیداد اور منقولہ سرمایہ اپنے
ورثاء میں تقسیم کر دے اور ان کو باضابطہ مالک بنا دے تو اس صورت میں باپ کے
مرنے کے بعد عاق شدہ بیٹا حق ارث کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

قال العلامة محمد علاؤ الدین آفتدی: الامرث بحبری لا یسقط بالاستقاط۔
(تکملة رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۹ مطلب واقعة الفتوی۔ کتاب الدعوی) لہ

لہ و ذکر الامام محمد بن اسماعیل البخاری: عن ابراهيم عن الاسود عن
عائشة قالت اشتریت بریة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اشتریها
فان الولاء لمن اعتق۔ (الجامع الصحیح البخاری ج ۲ ص ۹۹۹ کتاب الفرائض
باب الولاء لمن اعتق الخ)

و مثله فی امداد الفتاوی ج ۲ ص ۳۶۴ کتاب الفرائض۔

کفار کے ہاں قیدی شخص کی میراث کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! میرا ایک بھائی کشمیر میں جہاد کے دوران انڈین فوج کے ہاتھوں قید ہو گیا ہے، اب دوسرے بھائی والد صاحب کے ترکہ کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو کیا قیدی بھائی کو میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ اس کی رہائی کا بظاہر کوئی امکان نہیں ہے۔

الجواب :- جب کوئی مسلمان کفار کے ہاتھوں قید ہو جائے تو وہ تا وقت موت یا ارتداد عام مسلمانوں کی طرح میراث کا حقدار ہے، لہذا آپ کا وہ بھائی جو دشمن کی قید میں ہے باپ کی میراث میں برابر کا حقدار ہے اس کی رہائی یا موت کی مصدقہ اطلاع تک اس کا حصہ محفوظ رکھا جائے۔

قال السيد شريف الجوزاني: حكم الاسير كحكم سائر المسلمين في الميراث ما لم يفارق دينه فيوث ويورث منه لان المسلم من اهل دار الاسلام اينما كان - (الشريفية ص ۱۲۲ فصل في الاسير) له

شیعہ سنی کے مابین میراث کا حکم | سوال :- کیا کوئی شیعہ کسی سنی کے مال میں شرعاً میراث کا حقدار بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- شیعہ (روافض) کے مختلف گروہ ہیں جو شیعہ کفریہ عقائد مثلاً الوہیت حضرت علیؑ اور قذف سیدہ حضرت عائشہؓ وغیرہ کے قائل ہوں تو اختلاف دین کی وجہ سے شیعہ سنی کا وارث نہیں ہو سکتا البتہ جو شیعہ غالی نہ ہوں تو صرف بدعت مانع ارث نہیں۔

قال العلامة السجاوندی رحمه الله: والماتع من الارث الاربعة.....

له وفي الهندية: وحكم الاسير كحكم سائر المسلمين في الميراث ما لم يفارق دينه فان فارق دينه فعلمه حكم المرتد فان لم يعلم مرتدته ولا حياته ولا موته فعلمه حكم المفقود - (الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۲۵۷)

لباب الثامن في المفقود والاسير الخ

ومثله في السراجي ص ۵۷ فصل في الاسير -

والقتل الذي يتعلق به وجوب القصاص او الكفارة..... واختلاف الدينين
ای اسلامًا وكفرًا۔ (السراجی ص ۵ فصل فی الموانع) ۱۰

سوال :- میرا بھائی امریکہ میں تعلیم حاصل
مُرتد کسی مسلمان کی میراث کا حقدار نہیں | کرنے کے لیے گیا وہاں وہ عیسائی بن گیا،
تو کیا والد صاحب کی وفات کے بعد اس کو میراث میں حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟ جبکہ وہ
اپنے حصہ میراث کا مطالبہ کرتا ہے۔

الجواب :- ارتداد مانع ارث ہے۔ اسی بناء پر مُرتد ہونے کی وجہ سے آپ کا بھائی
بھی باپ کے مال وراثت کا حقدار نہیں رہا۔

قال العلامة سيد شريف جرجاني: وأما المرتد فلا يرث من أحد لا من مسلم
ولا من مرتد مثله لأنه خائن بارتداد فلا يستحق الصلة الشرعية التي هي
الارث بل يحرم عقوبة ما لقاتل بغير حق۔ (الشریفة ص ۱۲۱ فصل فی المرتد) ۱۱

سوال :- ایک مسلمان عورت روس میں اعلیٰ تعلیم
مُرتدہ عورت کے ترکہ کا حکم | حاصل کرنے کے لیے گئی تو وہاں وہ اسلام کو چھوڑ کر
مُرتدہ ہو گئی، اور اب اس کا انتقال ہو گیا ہے تو شرعاً کون اس کے ترکہ کا حقدار ہے؟
الجواب :- ارتداد اگرچہ مانع ارث ہے مگر عورت اس سے مستثنیٰ ہے،
اس لیے صورتِ مسئلہ میں اس مُرتدہ عورت کی موت کے بعد اس کا ترکہ اُس کے وراثہ میں

۱۰ قال العلامة الحصكفي: اختلاف الملتين اسلامًا وكفرًا۔ قال السيد أحمد الخطاوي: أي من
جهة الاسلام والكفر اما اختلافهما من جهة اليهودية والنصرانية فلا يكون مانعاً وهذا
التقييد لا بد منه..... واما عدم تو ميراث الكافر من المسلم فبالاجماع۔

رطحاوی حاشیة الدر المختار ج ۴ ص ۳۷۸ کتاب الفرائض (

وَمِثْلُهُ فِي اَمْدَادِ الْفَتَاوَى ج ۴ ص ۳۵۵ کتاب الفرائض۔

۱۱ وَفِي الْهِنْدِيَّةِ: الْمُرْتَدُ لَا يَرِثُ مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا مِنْ مُرْتَدٍ مِثْلِهِ۔

دالفتاویٰ الہندیہ ج ۶ ص ۲۵۵ الباب السادس فی میراث اهل الکفر (

وَمِثْلُهُ فِي السَّرَاحِي ص ۲۷ فصل فی المرتد۔

بطریقہ شرعی تقسیم ہوگا۔

قال العلامة السيد شریف الجرجانی: وكسب المرتدة جميعاً اي سواء اكتسبته في اسلامها او في ردّها قبل اللّوق بدار الحرب لورثتها المسلمين بلا خلاف بين اصحابنا۔ (الشريفة ص ۱۲۱ فصل في المرتد) ۱۰

ہیجرے کی میراث کی حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک ہیجر جس کے داڑھی بھی ہے اگر اس کا باپ، ماں یا کوئی اور رشتہ دار مر جائے تو میراث میں اس کا کتنا حصہ ہوگا؟

الجواب :- اگر ہیجر پر مردوں کے آثار موجود ہوں تو اسے مردوں جتنا حصہ ملے گا اور اگر عورتوں کے آثار زیادہ ہوں تو عورتوں جتنے حصے کا حقدار ہوگا، چونکہ صورت مسئلہ میں اس ہیجر پر کی داڑھی آپھی ہے جو کہ مردوں کی علامت ہے اس لیے اس کا حصہ میراث مردوں جتنا ہوگا۔

قال العلامة السيد شریف الجرجانی: فلا بد أن يزول الاشكال بظهور العلامة لانه ان جامع بذكره او بنت له لحيته او احتمل كاحتلام الرجل فهو رجل۔ (الشريفة ص ۱۲۵ فصل في الخنثى) ۲

مرنے والے کا قرضہ نکل آنے پر تقسیم ترکہ کا عدم ہو جاتی ہے | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا بیٹا طاہر جمال تقریباً ۱۳ سال ملائیشیا میں رہا جب وہ گاؤں والیں آیا

۱۰ وفي الهندية: والمرتدة اذا ماتت قسم مالها بين ورثتها على فراض الله تعالى سواء كان كسب الاسلام او كسب الردة كلا لكسبين يصير ميراثاً عنها۔

(الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۲۵۵ الباب السادس في ميراث اهل الكفر) ومثله في السراجي ص ۷۰ فصل في المرتد۔

۲ وفي الهندية: فاذا بلغ الخنثى وخرجت لحيته او وصل الى التسار فهو رجل۔ (الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۲۵۷ الباب التاسع في ميراث الخنثى) ومثله في السراجي ص ۶۵ فصل في الخنثى۔

تو یہاں ہم نے قرضہ لے کر اس کی شادی کی، کچھ عرصہ بعد وہ سخت بیمار ہو گیا تو اس کا علاج بھی قرضہ لے کر کرایا اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا، بعد از وفات بینک میں اس کے ۱۴ لاکھ روپے موجود تھے جو کہ بذریعہ عدالت وراثت میں تقسیم کئے گئے، اس کے بعد اس کے ذمے کافی قرضہ نکل آیا۔ تو کیا اس قرضہ کی ادائیگی کے لیے وراثت سے رجوع کیا جاسکتا ہے یا نہیں یا اس قرضہ کو ادا کرنے کا میں ہی ذمہ دار ہوں؟

الجواب:- کسی کی وفات کے بعد اس کے جملہ مال سے اولاً چار حقوق منہا کئے جائیں گے اور پھر بقیہ مال وراثت میں تقسیم کیا جائے گا۔

وفي الهندية : التركة تتعلق بها حقوق أربعة جهاز الميت ودفنه والدين والوصية والميراث فيبدأ أولاً بجهازه وكفنه وما يحتاج إليه في دفنه بالمعروف - (الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۲۱۷ کتاب الفرائض)

قال الشيخ السيد شريف المجر جاني : ثم تقضى ديونه من جميع ما لقي من ماله اى يبدأ بقضاء دينه من جميع ماله الباقي بعد التجهيز والتكفين وهذا هو الثاني في الامر بعة - (الشرعية ص ۵ کتاب الفرائض)

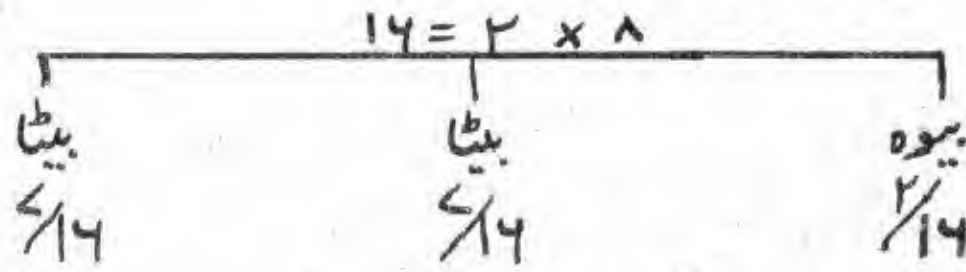
اور اگر لاعلمی یا دھوکہ دہی کی وجہ سے مرنے والے کا جملہ ترکہ اس کے وراثت میں تقسیم ہو جائے تو تقسیم صحیح نہیں بلکہ از سر نو قرضہ وغیرہ منہا کر کے بقیہ میراث کو وراثت میں تقسیم کیا جائے گا۔ کافی جملہ الاحکام : اذا ظهر دين على الميت بعد قسمة التركة تفسخ القسمة. قال العلامة سليم رستم باز : تحت مادة سوا مكان الدين محيطاً بالتركة اولاً اما الاول فظاهر لانه يمنع الملك فيمنع التصرف واما الثاني فتعلق حق الغرابة بالتركة شائعاً ولان القسمة مؤخره عن قضاء الدين لحق الميت -

(شرح المجلة ص ۶۲ الفصل السابع في قسمة القسمة وقاتلها)

لہذا بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں بھی مرحوم بیٹے کے ذمہ قرض کی ادائیگی اس کے باپ کے ذمے نہیں بلکہ تقسیم وراثت کا عدم متصور ہو کر جملہ ترکہ سے قرضہ منہا کیا جائے گا اور بقیہ مال وراثت میں تقسیم ہوگا، اس لیے مرحوم کے باپ کو شرعی حق حاصل ہے کہ وہ دیگر وراثت (قرض) کی ادائیگی کرے چاہے وراثت میں اس کی بیوہ ہو یا ماں باپ ہوں۔

سوال :- ایک آدمی کا انتقال ہو گیا ہے سوتیلے باپ میراث سے محروم ہے اس کے ورثاء میں ایک بیوہ دو بیٹے اور ایک سوتیلے باپ موجود ہیں، مرحوم کی میراث ان میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب :- حقوق مقدمہ کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال مرحوم کی بیوہ اور دو بیٹوں میں تقسیم ہوگا جبکہ سوتیلے باپ حق میراث سے محروم ہوگا اس لیے کہ دونوں کے درمیان موجب ارث کوئی رشتہ داری نہیں۔



قال العلامة السجاوندی: العصباء النسبية..... وهو أربعة أصناف جزء المیت واصله وجزء ابیه وجزء جدہ۔ (السراجی ص ۱۰۱ باب العصباء) **سوال :-** ایک شخص نے کسی بیوہ عورت سے شادی کی جبکہ سوتیلے بیٹے کی میراث کا حکم بوقت نکاح اس عورت کا مرحوم شوہر سے ایک بیٹا بھی تھا جس نے اس آدمی کے گھر میں پرورش پائی اور وہ بھی اس کو اپنا بیٹا سمجھتا رہا، اب یہ آدمی فوت ہو گیا ہے تو کیا یہ لڑکا اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ میراث میں شریک ہو گا یا نہیں، یاد رہے کہ اس لڑکے کے یہ بھائی اس کی ماں یعنی اس عورت کے دوسرے شوہر سے ہیں؟

الجواب :- چونکہ مرحوم اور اس کے سوتیلے بیٹے کے درمیان کوئی موجب میراث رشتہ نہیں اس لیے مرحوم کا ترکہ اس کے حقیقی بیٹوں کا ہے اور یہ لڑکا میراث سے محروم رہے گا۔

قال العلامة الموصلی: ویستحق الارث برحم ونکاح وولاد۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج ۵ ص ۸۶ کتاب الفرائض) **سوال :-**

قال العلامة الموصلی: ویستحق الارث برحم ونکاح وولاد..... ثم اصله وهو اب والجد ثم جزء ابیه ثم بتوهم الخ۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۵ ص ۸۶ کتاب الفرائض) ومثله فی الہندیۃ ج ۶ ص ۴۴ کتاب الفرائض، الباب الاول۔

فی الہندیۃ، ویستحق الارث باحدی خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة والسبب وهو الزوجیۃ والولاد۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۴۴ کتاب الفرائض، الباب الاول)

دو بیویوں کی اولاد میں میراث کی تقسیم کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب نے دو شادیاں کی تھیں،

پہلی بیوی سے میرے علاوہ میری دو بہنیں بھی ہیں اور دوسری بیوی سے تین بیٹے ہیں جبکہ میری والدہ کا والد صاحب سے پہلے انتقال ہو گیا ہے، تو کیا والد صاحب کا ترکہ ان کی سب اولاد میں برابر تقسیم ہو گا یا ہم حقیقی بہن بھائی کو کم اور دوسروں کو زیادہ ملے گا؟

الجواب :- میراث کی تقسیم میت کے ساتھ رشتے کی بناء پر ہوتی ہے، صورت مسئلہ میں چونکہ مرحوم کے ساتھ اس کی دونوں بیویوں کی اولاد کا حق برابر ہے اس لیے آپ سب میں حصہ شرعی کے مطابق میراث تقسیم ہوگی، یعنی ماں کے حصے کے علاوہ مال کے دو حصے ایک بھائی اور دو بہنوں کو ملیں گے اور تین حصے دوسرے تین بھائیوں کو ملیں گے۔

$$80 = 10 \times 8$$

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیوہ
$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$

قال العلامة السجاوندی: العصباء النسبية وهم أربعة اصناف جزء المیت واصله وجزء ابیه وجزء الاقرب فالاقرب یرححون یقرب الدرجة اولهم بالمیراث جزء المیت ای البنون۔ (السراجی ص ۱۹ باب العصباء) لہ

سوال :- ایک عورت کو شادی کے بعد کسی وجہ سے مہر میں شوہر کا حصہ ارث | اس کے انتقال تک اس کا حق مہر نہیں ملا جبکہ اس عورت کی کوئی اولاد بھی نہیں ہے صرف ایک باپ، دو بھائی اور شوہر زندہ ہیں، تو اب مہر کس کا حق ہے؟

الجواب :- حق مہر بھی مرحومہ کے ترکہ میں شامل ہے اس لیے مرحومہ کے دیگر اموال

لہ قال العلامة الموصلی رحمہ اللہ: غصبۃ بنفسه وهو کل ذکر لا یدخل فی نسبته الی المیت انتی واقربہم جزء المیت وهو بتوہ۔
(الاختیار تعلیل المختار ج ۵ ص ۹۲ فصل فی العصباء)
ومثله فی الہندیۃ ج ۶ ص ۲۵ الباب الثالث فی العصباء۔

کی طرح اس کے مہر کی رقم بھی شوہر اور باپ کے درمیان تقسیم ہوگی یعنی آدھا مہر شوہر کو اور آدھا باپ کو ملے گا بھائی محروم ہوں گے۔

قال العلامة السجاوندی: اما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد وولد الابن وان سفل والرابع مع الولد الخ۔ (السراجی ص ۹۱ باب معرفة القروض الخ) کسی وراثت کو محروم کرنا | سوال: کیا کسی وارث کو حق وراثت سے محروم کرنا جائز ہے، اگر نہیں تو محروم

کرنے والے کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کسی وارث کو حق وراثت سے محروم کرنا جائز نہیں، ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا تاہم جو فیصلہ وہ کر چکا ہے (یعنی اپنی زندگی میں اپنے جملہ اموال منقولہ و غیر منقولہ کو بیچ و رشاد میں تقسیم کر دے) نافذ ہوگا اور اس کی موت کے بعد محروم ہونے والا وارث حق میراث کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: ولو وهب جميع ماله لابنه جاز في القضاء وهو آثم نص محمد هكذا في العيون۔ (خلاصة الفتاویٰ ج ۳ کتاب الہیۃ قبل الفصل الثانی) ۲۷

بیٹیوں کو میراث سے محروم کرنا گناہ ہے | سوال: بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ باپ کے ترکہ میں بیٹیوں کو حصہ نہیں دیا جاتا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

۱۔ قال العلامة الموصلی: ثم تقضى ديونه۔۔۔ والرابع في فرضها وقرض الزوج والنصف في فرض الزوج۔ (الاختیار بتعلیل المختار ج ۵ ص ۸۵، ۹۲ کتاب الفرائض) ومثله في الهندية ج ۶ ص ۲۲۴ کتاب الفرائض، الباب الاول۔

۲۔ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون آثماً فيما صنع۔ (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندية ج ۳ ص ۲۷۹ فصل في الهیۃ الولد لولده)

ومثله في الهندية ج ۵ ص ۳۹ الباب السادس في الهیۃ للصغير۔

الجواب :- باپ کے مرتے کے بعد جس طرح بیٹے اس کی میراث میں ارث کے حقدار ہیں اسی طرح بیٹیاں بھی ترکہ میں شرعاً حقدار ہیں اور یہ حق ان کو اسلام نے دیا، اس لیے انہیں اس شرعی حق سے محروم کرنا ناجائز و حرام ہے۔

قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری : ولو وهب جميع ماله لابنہ جاز فی القضاء وهو انزل عن عهد هکذا فی العیون۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب الہیۃ قبل الفصل الاول) ۱۷

ولد الزنا اور ولد الملاعنة کی میراث کا حکم | سوال :- جس بچے کے نسب کی

اور پھر میاں بیوی کے مابین رشتہ ازدواج بھی ختم ہو جائے، اب سوال یہ ہے کہ جب بچہ مر جائے تو اس کی میراث باپ کو ملے گی یا ماں اور اس کے رشتہ داروں میں تقسیم ہوگی؟

الجواب :- جس بچے کا نسب بذریعہ بعان باپ سے منقطع ہو جائے تو وہ ولد الزنا کی طرح ہے، اب چونکہ اس کا رشتہ نسب صرف ماں سے ثابت ہے اس لیے اس کی میراث بھی ماں اور اس کے رشتہ دار ہیں گے اور باپ حق میراث سے محروم رہے گا۔
قال العلامة الموصلی : وعصبة ولد الزنا وولد الملاعنة موالی اہمالاتہ لاب والنبی صلی اللہ علیہ وسلم الحق ولد الملاعنة بامہ فصار کشتخص لا قرابة له من جهة الاب فیرثہ قرابة امہ ویرثہم۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۵ ص ۹۲ فصل فی العصباء) ۱۷

۱۷ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ : رجل وهب فی صحته کل المال للولد جائز فی القضاء ویکون آثماً فیما صنع۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۹۹ فصل فی ہیۃ الوالد لولدہ)

وَمَثَلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۹۱ الباب السادس فی الہیۃ الصغیر۔
قال العلامة الحسکفی : وعصبة ولد الزنا وولد الملاعنة موالی الام۔۔۔ وہی ان ولد الزنا یرث من امہ میراث اخ لام۔۔۔ وولد الملاعنة یرث من توأمہ میراث اخ لا بویں۔ (رد المختار علی ہامش رد المختار ج ۵ ص ۲۹۵ کتاب الفرائض) وَمَثَلُهُ فِي امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۲ کتاب الفرائض۔

دورشتہ والے کی میراث کا حکم | سوال :- ایک آدمی فوت ہو گیا ہے اور اس کے ورثہ میں ایک بیوہ مسماۃ گل ملنے، دوسرا وارث مسمیٰ جمعہ گل جو کہ باپ کے رشتے سے چچا زاد بھائی اور ماں کے رشتے سے سوتیلی بھائی ہے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مسمیٰ جمعہ گل کو مرحوم کی میراث میں کتنا حصہ ملے گا؟

الجواب :- مرحوم کے ترکہ میں مسمیٰ جمعہ گل کو دو حصے ملیں گے، ایک اختیاتی بھائی ہونے کے ناطے سے اور دوسرا عصوبت کی وجہ سے، اس لیے تقسیم میراث میں مرحوم کی بیوہ کو $\frac{1}{2}$ حصہ ملے گا اور باقی مال جمعہ گل کا ہوگا بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو۔

بیوہ	جمعہ گل
$\frac{1}{2}$	$\frac{2}{3}$

پنشن کی رقم میں میراث کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! یہاں ایک آدمی کا انتقال ہو گیا ہے جو کہ فوج میں ملازم تھا اس نے اپنی پنشن بیوی کے نام پر اس عنوان سے کی تھی کہ میری وفات کے بعد میری پنشن میری بیوہ کو دی جائے، اب اس کی وفات کے بعد اس کے دوسرے ورثہ پنشن میں وراثت کا دعویٰ کرتے ہیں، تو کیا مرحوم کی بیوہ کے علاوہ دیگر ورثہ کا بھی پنشن میں حصہ بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- پنشن کا وظیفہ مال مملوکہ نہیں بلکہ سرکار کی طرف سے ایک عطیہ ہوتا ہے بنا برائیں وجہ یہ وظیفہ تقسیم میراث سے مستثنیٰ ہوگا، سرکار جس کو چاہے اور جتنا چاہے دے سکتی ہے، صورت مسئولہ میں چونکہ مرحوم کے کاغذات اس کی بیوہ کے نام ہیں اور سرکار بھی اس پر راضی ہے اس لیے یہ پنشن صرف بیوہ کا حق ہے۔

لما قال الشيخ اشرف على التهانوى: چونکہ میراث مملوکہ اموال میں جاری ہوتی ہے اور یہ وظیفہ محض تبرع و احسان سرکار کا ہے بدون قبضہ کے مملوک نہیں ہوتا لہذا آئندہ جو وظیفہ ملے گا اس میں میراث جاری نہیں ہوگی، سرکار کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے تقسیم کر دے۔ الخ (امداد الفتاویٰ جلد ۴ ص ۳۲۲ کتاب الفرائض)

سوال :- جناب مفتی صاحب! میت کی جملہ مملوکہ اشیاء میں ارث جاری ہونے کا حکم کیا میراث صرف میت کی جائیداد

میں جاری ہوگی یا گھر اور اس کے ساز و سامان اور نقدی میں بھی جاری ہوگی؟

الجواب :- کسی کی ملکیت میں جو کچھ بھی ہو اس کے مرنے کے بعد وہ سب ترکہ شمار ہوگا، چاہے مرحوم کی جائیداد ہو یا نقدی، گھر ہو یا اس کا ساز و سامان، ان سب اشیاء میں ارث جاری ہوگی اور وراثہ میں تقسیم ہوگی۔

قال الشيخ سراج الدين محمد بن عبد الرشيد: قال علماء نازحهم الله تعالى بتركة الميت

حقوق اربعة -

قال المحشى تحت لفظ التركة: والمراد من التركة ما تركه الميت خالياً عن تعلق

حق الغير بعينه وان كان حق الغير متعلقاً بعينه كالرهن والعبد الجاني والمشتري

قبل القبض قال صاحبه يقدم على التجهيز كما في حال حياته الخ -

(الشريفة شرح السراجي ص ۲۲۹ كتاب الفرائض)

سوال :- اگر کوئی شخص کئی سالوں سے لاپتہ ہو اور

معلوم نہ ہو سکے تو اس کی جائیداد کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ اس کے وراثہ میں تقسیم کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مقدسہ میں منفقود الخیر ۹۰ سال تک زندہ اور اپنی جائیداد کا مالک

ہوتا ہے، اس لیے جب تک منفقود الخیر کی عمر ۹۰ سال نہ ہو جائے اور مسلمان حاکم اس کی

موت کا فیصلہ نہ کر دے اس وقت تک اس کی جائیداد کو تقسیم نہیں کیا جائے گا جب

مسلمان حاکم یا قاضی کی طرف سے اس کی موت کی تصدیق و فیصلہ ہو جائے تو اس وقت

موجود وراثہ میں اس کی جملہ جائیداد بطور میراث تقسیم ہوگی اور فوت شدہ وراثہ

القول العلامة الزيلعي: والمراد من التركة ما تركه الميت خالياً عن تعلق حق الغير

بعينه الخ - (تبیین الحقائق ج ۶ ص ۲۲۹ کتاب الفرائض)

ومثله في الهندية ج ۶ ص ۲۲۴ کتاب الفرائض -

محروم ہوں گے۔

قال الشيخ سراج الدين محمد بن عبد الرشيد: المفقود حيٌّ في ماله حتى لا يرث منه أحدٌ وميتٌ في مال غيره حتى لا ترث من أحد ويوقف ماله حتى يصح موته أو تمضي عليه مدة - واختلف الروايات في تلك المدة وبعد اسطر قال بعضهم تسعون سنة وعليه الفتاوى الخ - (السراجي ص ۵۶، ۵۷ فصل في المفقود) لہ
عصبہ کی موجودگی میں ترکہ میں نواسیوں کے حصہ کا حکم | سوال :- ایک عورت فوت ہو گئی ہے اس کے ورثہ میں دو نواسیاں (بیٹی کی بیٹیاں) دو بھائی اور شوہر زندہ ہیں، اب نواسیوں کو نانی کی میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ ان کی والدہ نانی سے قبل ہی فوت ہو گئی ہے؟

الجواب :- نواسیوں کا شمار ذوالارحام میں ہوتا ہے، عصبہ کی عدم موجودگی میں ان کو نانا یا نانی کی میراث میں حصہ ملے گا، صورت مسئلہ میں چونکہ مرحومہ کے دو بھائی ہیں جو اس کے عصبہ میں ہیں اس لیے اس کا جملہ ترکہ اس کے شوہر اور بھائیوں میں بقدر حصہ شرعی تقسیم ہوگا اور نواسیاں محروم ہوں گی۔

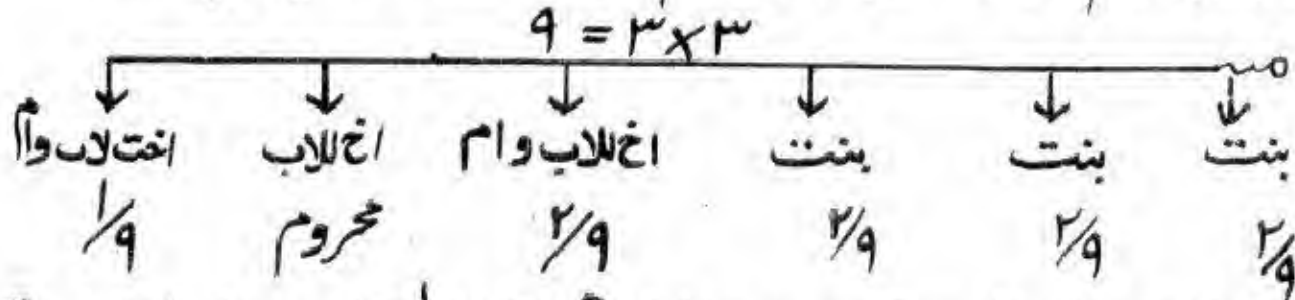
وفي الهندية: وانما يرث ذوی الارحام اذا لم يكن احد من اصحاب الفرائض ممن يرث عليه ولا يمكن عصبته الخ - (الفتاویٰ الهندیة ج ۲ ص ۲۵۹)
 الباب العاشر في ذوی الارحام (۲)

وفي الهندية: قال مشائخنا مدار مسألة المفقود على حرف واحد ان المفقود يعتبر حياً في ماله وميتاً في مال غيره حتى ينقضي من يعلم انه لا يعيش الى مثل تلك المدة لا تموت اقرأته وبعد ذلك يعتبر ميتاً في ماله -

(الفتاویٰ الهندیة ج ۲ ص ۲۵۶ الباب الثامن في المفقود والاسير)
 لہ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمہ اللہ: ولا شيء لذوی الارحام مع العصبته او مع صاحب الفرائض الخ - (خلاصة الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۱۹ اجنس)
 آخر في ذوی الارحام واما الصنف الرابع الخ)
 ومثله في السراجي باب ذوی الارحام ص ۳۵

اعیانی بھائی کی موجودگی میں علاقائی بھائی کا میراث سے محروم ہونا | سوال :- یہاں ہمارے فوت ہو گیا ہے جس کے ورثہ میں تین بیٹیاں، ایک اعیانی بہن اور بھائی، ایک علاقائی بھائی زندہ ہیں، تو کیا اعیانی بہن بھائی کی موجودگی میں سوتیلے یعنی باپ شریک بھائی کو میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب :- اعیانی بہن بھائی کی موجودگی میں علاقائی اور اعیانی بہن بھائی کی میراث سے محروم ہوں گے، لہذا صورت مسئلہ میں مرحوم کا ترکہ اس کی تین بیٹیوں اور اعیانی بہن بھائی میں تقسیم ہوگا اور سوتیلے بھائی محروم ہوگا، نقشہ درج ذیل ہے :-



قال الشيخ سراج الدين محمد بن عبد الرشيد: ان ذى القربتين اولى من ذى قرابة واحدة ذكرا كان او انثى لقوله عليه السلام ان اعيان بنى الاّم يتوارثون بنى العلات كالاخ لا ب ام اذا صارت عصبة مع البنت اولى من الاخ لا ب ام۔
(السراج ص ۱۲۱ باب العصبات)

میراث میں مطلقہ کے حق کے حکم | سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی عدت گزر جانے کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا اب اس کی مطلقہ بیوی حق میراث کا دعویٰ کرتی ہے، تو کیا اس کو سابقہ خاوند کے ترکہ سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب :- مطلقہ عورت عدت گزر جانے کے بعد خاوند کے لیے اجنبی بن جاتی ہے، اس لیے مطلقہ کو عدت گزر جانے کے بعد میراث میں حصہ نہیں ملے گا کیونکہ میت کے ورثہ کا حق ہے، لہذا صورت مسئلہ میں مطلقہ کا دعویٰ ارث صحیح نہیں ہے۔
وفى الهندية: ولو طلقها طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم مات وهى فى العدة فكذلك عندنا تورث ولو انقضت عدتها ثم مات

لم تترث الخ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۲۶۲ الباب الخامس فی طلاق المریض) لہ
بیوی کا کفن شوہر کے ذمہ ہے | سوال :- اگر کوئی عورت فوت ہو جائے اور اس
 کے ورثہ میں شوہر، بھائی اور باپ زندہ ہے، تو
 کیا اس عورت کا کفن اس کے مہر سے بنایا جائے گا یا اس کا جملہ خرچہ شوہر برداشت
 کرے گا؟

الجواب :- چونکہ کفن عورت کا لباس ہے اور لباس شرعاً شوہر کے ذمہ واجب
 ہوتا ہے، لہذا جب عورت فوت ہو جائے تو اس کے کفن کا خرچہ شوہر برداشت کرے
 گا اس کے حق مہر سے منہا نہیں کیا جائے گا۔

قال العلامة الحصکفی: واختلف فی الزوج والفتویٰ علی وجوب کفنها علیہ
 عند الثانی وان ترک مالاً خانیۃ ورجعہ فی البحر بانہ الظاہر لانه
 لکسوتها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۸۱ باب صلوة الجنائز) لہ

اپنا حق میراث کسی دوسرے حصہ دار پر فروخت کرتا | سوال :- جناب مفتی صاحب!
 ہمارے والد صاحب چند ماہ
 قبل انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے کافی جائیداد ترکہ میں چھوڑی ہے، میں ایک غریب آدمی ہوں
 کیا میں اپنا حق میراث اپنے بھائیوں میں سے کسی ایک بھائی پر فروخت کر سکتا ہوں یا نہیں؟
 جبکہ میرے علاوہ دوسرے ورثہ دار بھی جائیداد کو تقسیم نہیں کرنا چاہتے؟

الجواب :- آپ چونکہ اپنے والد صاحب کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے ترکہ میں

لہ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: وان ابانہا یغیر سوالہا ثمرات وہی فی
 العدۃ ورثتہ عندنا وان مات بعد انقضاء العدۃ لم تترث الخ۔

فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۲۴۲ کتاب الطلاق فصل فی المعتدۃ التی تترث

ومثلہ فی شرح الوقایۃ ج ۲ ص ۱۰۹ کتاب الطلاق، باب طلاق المریض۔

لہ فی الہندیۃ، ومن لم یکن لہ مال فاکفن علی من تجب علیہ النفقۃ الا الزوج فی قولہ محمد وعلی

ابی یوسف یجب الکفن علی الزوج وان ترک مالاً وعلیہ الفتویٰ ہکذا فی قاضی خان۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ الفصل الثالث فی التکفین)۔ ومثلہ فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۱۸۹ فصل غسل میت الخ

حصہ شرعی کے حقدار ہیں اور وہ حصہ آپ کی ملکیت ہے اس لیے آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے حصہ کی جائیداد تقسیم سے قبل یا بعد اپنے بھائیوں میں سے کسی ایک پر فروخت کر دیں۔
لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ویجوز بیع احدہما نصیبہ من شریکہ و جمیع الصور و من غیر شریکہ بغیر اذنیہ۔

والہدایۃ ج ۲ ص ۵۸۸ کتاب الشریکۃ

چار بیویوں کا خاوند کے ترکہ میں حصہ شرعی | سوال :- ایک شخص کی چار بیویاں ہیں اور اس کی وفات کے بعد چاروں زندہ ہیں، تو کیا ہر ایک کو خاوند کے ترکہ سے اٹھواں حصہ ملے گا یا سب کا حصہ شرعی اٹھواں ہے جو ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا؟

الجواب :- اسلام نے اولاد کی موجودگی میں بیوی کے لیے اٹھواں حصہ مقرر کیا ہے، چاہے کسی کی ایک بیوی ہو یا زیادہ، اور اگر اولاد نہ ہو تو ۱/۸ حصہ اس کیلئے مقرر ہے اس لیے صورت مسئلہ میں مرحوم کی کل جائیداد کا ۸/۸ حصہ اس کی چاروں بیواؤں میں برابر تقسیم کیا جائے گا اور باقی ترکہ مرحوم کی اولاد اور دوسرے ورثاء کو دیا جائے گا۔
قال العلامة السجاوندی: اما للزوجات فعالتان الربع للواحد فصاعد عند عدم الولد و ولد الابن وان سفل و الثمن مع الولد و ولد الابن وان سفل۔ (السراجی ص ۸۷ باب معرفة الفروض) لہ

لہ قال العلامة ابن الہمام رحمہ اللہ: ان الشریکۃ اذا كانت بینہما من الابدان بان اشتريا حنطة او ورثاها كانت کل حبة مشترکۃ بینہما فلیبع کل منہما نصیبہ شائعاً جائز من الشریک والاجنبی۔

(فتح القدیر ج ۶ ص ۱۵۲ کتاب الشریکۃ)

لہ وفي الہندیۃ: وللزوجة الربع عند عدمہما والثمن مع احدہما والزوجات والواحدة یتترکن فی الربع والثمن و علیہ الاجماع۔

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۲۵۴ الباب الثانی فی ذوی الفروض

لہ ومثله فی الاختیار لتعلیل المختار ج ۵ ص ۸۶ کتاب الفرائض۔

پہلے شوہر کا میراث میں حصہ نہیں ہے | سوال: کسی مطلقہ عورت نے ایک دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور چند سال اس کے ساتھ

زندگی گزارنے کے بعد فوت ہو گئی، اب اس کے ترکہ میں دونوں خاوندوں کا مال ہے، پہلا شوہر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے والے مہر میں مجھے ۴ حصہ مال ملنا چاہیے جبکہ اس عورت کے شوہر ثانی سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں بھی ہیں، کیا شرعاً پہلے خاوند کو عورت کے ترکہ میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب: طلاق دے کر عدت گزار جانے کے بعد میاں بیوی کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا اور دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو جاتے ہیں جبکہ میراث کے لیے رشتہ ارت ضروری ہے۔ صورتِ مسئلہ میں جہاں تک عورت کے پہلے شوہر کے حقِ مہر کا تعلق ہے تو وہ عورت کی ملکیت ہے اس میں سابقہ شوہر کا کوئی تعلق نہیں اسیلئے عورت کا جملہ ترکہ اس کے شوہر ثانی، تین بیٹیوں اور دو بیٹیوں میں تقسیم ہوگا۔

مرحومہ ۴ × ۸ = ۳۲

شوہر اول	شوہر ثانی	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
۶/۳۲	۶/۳۲	۶/۳۲	۶/۳۲	۶/۳۲	۳/۳۲	۳/۳۲

وفي الهندية: لو طلقها طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثمرات وهي في العدة فكذا عندنا ترث ولو انقضت عدتها ثمرات لم ترث وهذا اذا طلقها من غير سؤالها فاما اذا طلقها بسؤالها فلا ميراث لها۔

الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۴۶۲ الباب الخامس في طلاق المريض

بھتیجیوں کی موجودگی میں بھتیجیاں میراث سے محروم ہوں گی | سوال: ایک شخص کے

اس کے ورثہ میں صرف چھ بھتیجے اور چار بھتیجیاں زندہ ہیں، اب بھتیجیاں چچا کے ترکہ میں میراث کا مطالبہ کرتی ہیں، تو کیا ان کو شرعاً چچا کے ترکہ میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئلہ میں مرحوم کے جملہ ترکہ میں صرف اس کے بھتیجے ہتھار ہیں اور بھتیجیوں کو چچا کے ترکہ سے کچھ بھی نہیں ملے گا وہ شرعاً محروم ہوں گی، مرحوم کا جملہ ترکہ چھ بھتیجیوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔

قال العلامة السجاوندی: العصبات النسبية... ثم جزأ به ای الاخوة
ثم بنوهم وان سفلوا ثم جزأ جده - (السراجی مکرک باب العصبات) ۱۷

نکاح ثانی کرنے سے عورت کا حصہ میراث ختم نہیں ہوتا | سوال: جناب

والد صاحب ۹۸۶ء میں فوت ہو گئے ہیں اور انہوں نے نقد رقم کے علاوہ کچھ جائیداد
بھی ترکہ میں چھوڑی ہے، والد صاحب کی وفات کے چھ ماہ بعد ہی والدہ نے دوسرا
نکاح کر لیا، اب وہ والد صاحب کے جملہ ترکہ میں اپنے حصہ کا مطالبہ کر رہی ہیں، تو کیا
شرعاً والدہ کا اس ترکہ میں حصہ بنتا ہے یا نہیں جبکہ انہوں نے نکاح ثانی بھی کر لیا ہے؟
الجواب:۔ میاں بیوی کا رشتہ موجب ارث رشتہ ہے، خاوند کی وفات کے
بعد وہ ترکہ میں حصہ شرعی کی مقدار ہے، عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کرنے سے میراث
میں حصہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لیے آپ کی والدہ کا اپنے مرحوم خاوند کے ترکہ میں حصہ
شرعی کا دعویٰ صحیح ہے جو کہ اس کو دینا چاہیے۔

لقوله تعالى: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ
كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ
ذِينَ (سورة النساء آیت مکرک) ۱۷

۱۷ وفي الهندية: و باقى العصبات ينفرد بالميراث ذكورهم دون
اخواتهم وهم اربعة ايضاً العم وابن العم وابن الاخ وابن المعتق الخ
الفتاوى الهندية ج ۶ مکرک

الباب الثالث فى العصبات

۱۷ قال العلامة السجاوندی رحمه الله: اما للزوجات فحالتان
الرابع للواحدة فصاعداً عند عدم الولد وولد الابن وان
سفل والثلث مع الولد وولد الابن وان سفل۔

(السراجی مکرک ۸ باب معرفة الفروض ومستحقها)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۶ مکرک الباب الثاني فى ذوى الفروض۔

اولاد کی موجودگی میں والدین کا حصہ شرعی متاثر نہیں ہوتا | سوال: کیا اولاد کو میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ والدین کا معقول ذریعہ آمدنی بھی ہے اور اولاد کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں؟

الجواب :- ولایت کا رشتہ موجب ارث ہے اولاد کا وجود اس کے لیے مانع نہیں اور نہ والدین کے ذرائع آمدنی سے ان کا حصہ میراث متاثر ہوتا ہے، اس لیے اولاد کی موجودگی میں بھی والدین کو ۱/۴ حصہ میراث ملے گا۔

لَقَوْلِهِ تَعَالَى: وَلَا يَوْرِيهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُّ وَمَا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ - (سورة النساء آیت ۷) لہ

حکومت کی طرف سے ملنے والی امدادی رقم میں میراث کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب!

میرا شوہر سیلاب میں ڈوب کر فوت ہو گیا ہے، حکومت نے سیلاب میں مرتے والوں کی بیواؤں کو ۵۰/۵۰ ہزار روپے امداد کے طور پر دیئے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور میرے چار معصوم بچے ہیں اور اس امدادی رقم کے علاوہ میری گذران کا اور کوئی ذریعہ بھی نہیں، اب میرا سسر اس ۵۰ ہزار روپے میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کرتا ہے، تو کیا شرعاً حکومت کی طرف سے ملنے والی اس امدادی رقم میں میرے سسر کا کوئی حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق جو مال حکومت نے مرحوم کی بیوہ کو دیا ہے وہ حکومتی امداد ہے جو مرحوم کی بیوہ کے ساتھ مخصوص ہے اس میں میراث کے احکام جاری نہیں ہوں گے اس لیے کہ یہ مال مرحوم کا ترکہ نہیں ہے جبکہ میراث

لے قال العلامة السجاوندی، اما الاب..... وهو السدس وذلك مع الابن وابن الابن وان سفل..... اما الام فاحوال ثلث السدس مع الولد او ولد الابن وان اسفل (السراجی ص ۱۱۶ باب معرفة الفروض ومستحقہا)

ومثله فی الہندیۃ ج ۶ ص ۲۲۸ کتاب الفرائض الباب الثانی فی ذوی الفروض۔

ترکہ میں جاری ہوتی ہے۔

قال العلامة محمد الطوریؒ: تحت قوله (یبدأ من تركة المیت) المراد من التركة ما تركه المیت خالیاً عن تعلق حق الغیر بعینہ۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۲۸۹ کتاب الفرائض) ۱۰

باپ کی زندگی میں میراث کا دعویٰ کرنا | سوال :- ایک شخص اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کو فروخت کرنا چاہتا ہے مگر اس کا ایک بیٹا اسے جائیداد فروخت کرنے سے روک رہا ہے اور اپنے حصہ کا مطالبہ کرتا ہے، تو کیا بیٹا باپ کی زندگی میں اس سے اپنے حصہ میراث کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- باپ اپنی مملوکہ جائیداد میں خود مختار ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، کوئی بیٹا اس کو شرعاً منع نہیں کر سکتا، اور نہ ہی باپ کی زندگی میں اس کی جائیداد میں اپنے حصہ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: ولو وهب جميع ماله لابنہ جائز فی القضاء وهو آثر نص عن محمد۔ (خلاصة الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۲۹ کتاب الہیۃ، قبل الفصل الثانی) ۱۱

۱۲ قال العلامة الدكتور: وهبة الزحيلي: الموروث هو التركة ويسمى أيضاً ميراثاً وارثاً وهو ما يتركه المورث من المال أو الحقوق التي يمكن إرثها عنه كحق القصاص وحس البیع لاستيفاء الثمن وحس المرهون لاستيفاء الدين۔ (الفقه الاسلامي وادلته جلد ۸ ص ۲۲۹)

الباب السادس الميراث

۱۳ قال العلامة قاضي خان: رجل وهب في صحته كل المال للولد جائز في القضاء ويكون آثماً فيما صنع۔ (فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۴۹)

فصل في الهبة الولد لولده

ومثله في الهديۃ ج ۵ ص ۳۹ الباب السادس في الهبة الصغير۔

سوال :- منافع بھی ترکہ میں شامل ہے | کسی کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے جس میں والد صاحب کے چار لاکھ روپے تھے، مشترکہ کاروبار بڑے اچھے طریقے سے چل رہا تھا کہ چانک والد صاحب کا انتقال ہو گیا، اب دس سال بعد ہم اس سرمایہ کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں جبکہ اس چار لاکھ روپے کے ساتھ ۲ لاکھ منافع بھی ہو چکا ہے، تو کیا اب ہم تقسیم چار لاکھ کی کریں گے یا منافع کی رقم بھی شامل کرنی ہوگی ؟

الجواب :- منافع چونکہ شرعاً اصل زر کا تابع ہوتا ہے، اس لیے منافع اور اصل رقم کو ملا کر تقسیم کیا جائے گا، یعنی آپ لوگ کل ۶ لاکھ روپے آپس تقسیم کریں گے۔
قال العلامة محمد الطوري: تحت قوله (يبدأ من تركة الميت الخ) المراد من التركة ما تركه الميت خالياً من تعلق حق الغير بعينه الخ
(البحر الرائق ج ۸ ص ۲۸۹ کتاب الفرائض) لہ

سوال :- اکثر شہری قبر کے لیے جگہ کی قیمت میت کے ترکہ سے دی جائے گی | علاقوں میں قبر کے لیے جگہ قیمتاً ملتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ قبر کی قیمت کس مال سے ادا کی جائے گی یعنی میت کے ترکہ سے واجب الا داء ہوگی یا ورثاء اپنے مال سے دیں گے ؟
الجواب :- میت کے کفن دفن یعنی تجہیز و تکفین پر آنے والے اخراجات میت کے جملہ ترکہ سے ادا کیے جائیں گے۔ لہذا جہاں کہیں قبر کی جگہ قیمتاً ملتی ہو تو اس کی قیمت میت کے ترکہ سے ادا کی جائے گی۔

وفى الهندية: التركة تتعلق بها حقوق اربعة جهازا لميت ودفنه والدين والوصية والميراث فيبدأ اولا بجهانزة وكفنه وما

لہ قال العلامة وهبة الزحيلي: الموروث هو التركة وليسمى ايضاً ميراثاً وهو يتركه المورث من المال او الحقوق التي يمكن ارتها عنه كحق القصاص وحبس المبيع لاستيفاء الثمن وحبس المرهون لاستيفاء الرهن۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۸ ص ۲۲۹)
الباب السادس الميراث

یحتاج الیہ فی دفنہ بالمعروف۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۲۴۴ ابنا الاول،
کتاب الفرائض) لہ

قبر کھودنے والوں کی مزدوری کا حکم | سوال :- بعض علاقوں میں قبر کھودنے کی
مزدوری لی جاتی ہے، تو کیا قبر کھودنے والوں
کی مزدوری میت کے ترکہ سے ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- میت کی تجہیز و تکفین پر جتنا بھی خرچہ آئے وہ اس کے ترکہ سے ہی
ادا کیا جائے گا، تاہم اگر ورثہ اپنی طرف سے دینا چاہیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة السجاوندی: قال علماءنا رحمہم اللہ تعالیٰ تتعلق بتركة الميت
حقوق اربعة مرتبة الاول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير الخ
(السراجی ص ۳۱۲ کتاب الفرائض) لہ

شوہر بیوی کے مال میں حصہ میراث سے محروم نہیں ہوتا | سوال :- جناب
مفتی صاحب! ہماری

بہن کو اسکے شوہر نے شادی کے ایک سال بعد اپنے گھر سے نکال دیا لیکن طلاق نہیں
دی، چار پانچ سال کے بعد وہ ہمارے ہاں ہی فوت ہو گئی، اب اس کا شوہر ہماری
بہن کے مال میں حصہ میراث کا مطالبہ کر رہا ہے، تو کیا شرعاً مرحومہ کے مال میں اس کا

لہ قال العلامة السجاوندی: قال علماءنا رحمہم اللہ تعالیٰ تتعلق بتركة الميت حقوق
اربعة مرتبة الاول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير ثم تقضى ديونه
من جميع ما بقى من ماله الخ۔ (السراجی ص ۳۱۲)

وَمِثْلُهُ فِي الْبِزَارِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۶ ص ۲۵۳ کتاب الفرائض الاول
فی اصحاب الفرائض۔

لہ وفي الہندیۃ: التركة تتعلق بها حقوق اربعة جهاز الميت ودفنہ والدين والوصية
والميراث فيبدأ اولاً بجهازه وكفنه وما يحتاج اليه في دفنہ بالمعروف۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۲۴۴ کتاب الفرائض، الباب الاول)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۲۸۹ کتاب الفرائض۔

حصہ بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- میراث کے حصص اضطراری ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں اور بدولت موانع شرعی کے راقط نہیں ہوتے۔ لہذا صورت مسئلہ کے مطابق جب شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دی ہے تو شوہر ہونے کے ناطے سے وہ بیوی کے ترکہ میں نصف یا ربع کا شرعاً حقدار ہے۔

لَقَوْلِهِ تَعَالَى : وَكُلُّكُمْ لِنُصْفٍ مَّا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهِنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ - (سورة النساء ۱۲) لہ

سوال:- محترم جناب مفتی صاحب! ہمارے بہن کے مال میں بہن اور بھائیوں کا حصہ

بہن کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی کوئی اولاد نہیں صرف شوہر، ماں، ہم چھ بھائی اور ایک بہن زندہ ہیں، کیا مرحومہ کے ترکہ میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب:- جب کوئی عورت فوت ہو جائے اور اس کی نہ کوئی اولاد ہو اور نہ باپ، تو اس کے مال میں بہن و بھائی سب حصہ شرعی کے حقدار ہیں، لہذا صورت مسئلہ میں مرحومہ کا ترکہ اس کی ماں، شوہر، بہن اور بھائیوں میں مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا،

مرحومہ ۶ × ۱۳ = ۷۸

ماں	شوہر	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن
$\frac{13}{78}$	$\frac{39}{78}$	$\frac{2}{78}$	$\frac{2}{78}$	$\frac{2}{78}$	$\frac{2}{78}$	$\frac{2}{78}$	$\frac{2}{78}$	$\frac{2}{78}$

وفي الهندية: فالنسبية ثلاثة انواع عصبة بنفسة وهو كل ذكر لا يدخل

لہ قال العلامة السجاوندی رحمہ اللہ: اما للزوج فعالتان النصف عند عدم الولد وولد الابن وان سفل والربع مع الولد وولد الابن وان سفل۔

السراج ص ۶۷ باب معرفة الفروض ومستحقها

وَمِثْلُهُ فِي الْبَزَارِيَّةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَّةِ ص ۶۷ كِتَابُ الْفَرَائِضِ، الْأَوْقِيَّ اصْحَابُ الْفَرَائِضِ۔

فی نسبتہ الی المیت انثیٰ وہم اربعة اصناف جزء المیت واصلہ وجزء ابیہ وجزء جدہ - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۱۵۸ کتاب القرائض، الباب الثالث فی العصبات) لہ

ظالم باپ کا بیٹے کے ترکہ میں حصہ میراث کا حکم | سوال :- ایک شخص بہت بڑا بیٹے پر بہت ظلم کئے ہیں، اب اس کا بیٹا فوت ہو گیا ہے، تو کیا ایسے ظالم باپ کو بھی بیٹے کی میراث میں حصہ ملے گا؟

الجواب :- میراث کے حصص شرعاً مقرر شدہ ہیں ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کرنا جائز نہیں اور نہ بدون موانع شرعی کے یہ حصص ساقط ہو سکتے ہیں، اس لئے صورت مسئلہ کے مطابق باپ اپنے بیٹے کے مال میں حصہ شرعی کا حقدار ہے، ظلم کی وجہ سے اس کا حق ساقط نہیں ہو سکتا۔

لِقَوْلِهِ تَعَالَى : وَلَا يُوْثِقُ رِجْلٌ وَاحِدٌ مِنْهُمَا السُّدُسَ .

(سورة النساء پک آیت ۱) لہ

لہ قال العلامة السجاوندی، اما العصبۃ بنفسہ فکل ذکر لاتدخل فی نسبہ الی المیت انثیٰ وھو اربعة اصناف جزء المیت واصلہ وجزء ابیہ وجزء جدہ - (السراج ص ۱۴۱ باب العصبات)

لہ لما فی الہندیۃ : اما الرجال فالاول الاب فله ثلثۃ احوال القرض المحض وھو السدس مع الابن وابن الابن وان سفل والتعصیب المحض وذلك لا یخلف غیرہ فله جمیع المال بالعصویۃ وكذا اذا اجتمع مع ذی فرض یس بولد ولا ولد الابن كزوج و أم وجدة فیأخذ والفرض فرضہ فالباقی للاب بالعصویۃ الخ - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۲۴۸ کتاب القرائض، الباب الاول)

وَمِثْلُهُ فِي الْبِرَازِيَّةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَّةِ ج ۶ ص ۲۵۴ کتاب القرائض، الاول فی اصحاب القرائض۔

نافرمان بیوی کا شوہر کی میراث میں حصہ کا حکم | سوال :- ایک شخص کی بیوی نافرمان
بھگڑاتی رہتی ہے، اور اگر اسی حالت میں اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو کیا اس عورت کو
شوہر کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب :- میراث میں حصص کا تعین منجانب اللہ مقرر ہے جو کہ بدون موانع شرعی
کے کسی بھی صورت میں ساقط نہیں ہوتا، چاہے وارث فرمانبردار ہو یا نافرمان، اس لیے
مذکورہ صورت میں بھی نافرمان بیوی کو شوہر کے مال میں جو تھا یا آٹھواں حصہ ملے گا۔
لَقَوْلِهِ تَعَالَى : وَلَهُنَّ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ
وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ (سورة النساء آیت ۷)۔

حربی ذمی کا وارث نہیں ہو سکتا | سوال :- اگر کوئی غیر مسلم پاکستان میں وفات پا جائے اور
وہ یہاں کا شہری ہو اور اس کا باپ ہندوستان میں رہتا ہو
تو کیا یہ باپ اپنے بیٹے کی میراث میں حصہ شرعی کا حقدار ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- اختلاف دارین (دارالحرب اور دارالاسلام) بھی مانع ارث ہے، اس لیے
صورت مسئلہ کے مطابق باپ اپنے بیٹے کی میراث میں حصے کا حقدار نہیں ہوگا اور مرنے والے
کا جملہ مال دارالاسلام (پاکستان) میں رہنے والے اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔
قال العلامة محمد الطومانی : لا خلاف بين اصحابنا ان الكافر الحربي لا يرث الذمي
سواء كان الحربي مستامنا في دارنا او في الحرب اهل الذمة يرث بعضهم
بعضاً۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۵ کتاب الفرائض)

۱۔ لما قال العلامة ابن البزازی الكردي رحمه الله : وتصيب الزوجة الربع
مع كل الورثة الا مع الولد او ولد الابن قلها معهم الثمن بكل حال واحدة
او اكثر يشتركن في ذلك۔ (البزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص ۲۵۳)
کتاب الفرائض، اکاول فی اصحاب الفرائض
ومثله فی الهندیة ج ۶ ص ۲۵ کتاب الفرائض، الباب الاول۔

سوال :- کیا بہن اپنے بھائی کے ترکہ میں سے میراث کی مقدار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کن حالات میں؟ اور کیا اپنے باپ کے ترکہ میں میراث کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟
الجواب :- عورت اپنے باپ کے ترکہ میں میراث کی مقدار موقوف ہے مگر اپنے بھائی کے ذاتی مال و جائیداد میں مقدار نہیں ہوتی خصوصاً جب بھائی زندہ ہو اور وفات کی صورت میں شرعی ضابطہ کے مطابق کبھی مقدار ہوگی اور کبھی نہیں۔

وفي الهندية : الخامسة الاخوات لآب وَاُمٍّ للواحدة النصف وللثنتين فصاعداً الثلثان ومع الاخ لآب وَاُمٍّ للتدكر مثل حظ الانثيين ولهن الباقي مع البنات او بنات الابن - السادسة الاخوات لآب وهن كالاخوات لابوين عند عدمهن — ولهن السدس مع الاخت لآب وَاُمٍّ تكملة الثلثين ولا يرثن مع الاختين لآب وَاُمٍّ الا ان يكون معهن اخ فيعصيهن — السابعة للاخوات لام للواحدة السدس والثنتين فصاعداً الثلث — ويسقط الاخوة والاخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبآب بالاتفاق وبالجد عند ابني حنيفة رحمه الله -
 (الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۵۳۸ كتاب القرائن البتاني في ذوى الفروض)

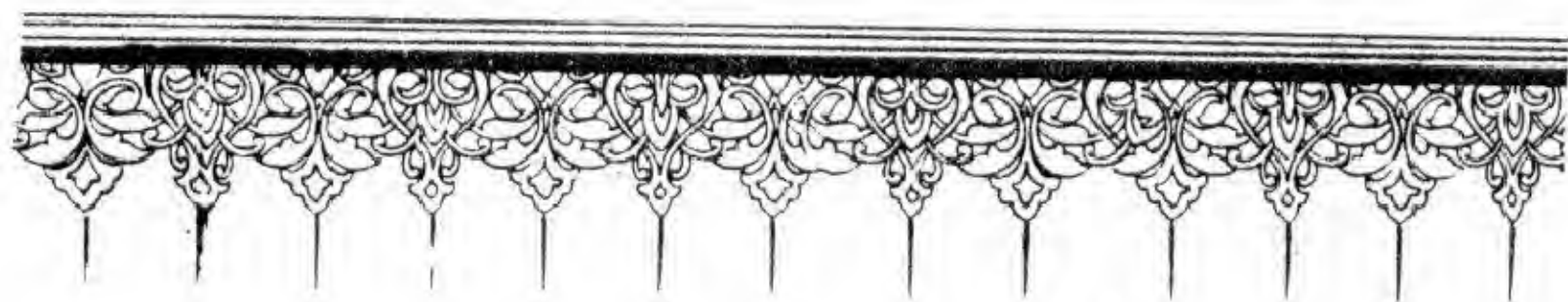
له قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله : فيبدأ بذوى الفروض وهم اثنا عشر من النسب ثلاثة من الرجال وهم الاب والجد والاخ لام وسبعة من النساء هن البنت وبنت الابن والاخت الشقيقة والاخت لآب والاخت لام والجددة واثنان من النسب وهما الزوجان الخ

{ الدر المختار مع رد المحتار }
 { ج ۵ ص ۵۳۸ كتاب القرائن }

وَمِثْلُهُ فِي الْبَوَازِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۶ ص ۵۳۸ كتاب القرائن،
 الفصل الاول في اصحاب القرائن -

قادیانیت اور ملتِ اسلامیہ کا موقف

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران قومی اسمبلی پاکستان میں
ملتِ اسلامیہ کا وہ بیان آتھنا جس پر قومی اسمبلی نے
بالاتفاق دستور میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا



پیشکش

مؤتمرا المصنّفين

دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خشک، ضلع پشاور

مطبوعات مؤتمر المصنفين (۴)

الحق في

عكس

مشيختك لا يطعن

رسمات من

شيخ الحديث مولانا محمد زكريا صاحب
شيخ الحديث مولانا عبد الرحمن كاپور
مولانا عبد اللطيف، مولانا مفتي سعيد، مولانا الشاذلي

توزيع وتأليف

قاري سعيد الرحمن

مهتم جامعة اسلامية راولپنڈی صدر

مؤتمر المصنفين

دار العلوم حقانية الكوثره نك (پشاور)

پاکستان

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

ترتیب
مولانا عبد القیوم حقانی

رفیق "مؤتمرات المصنفین" و استاذ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک

جناب "مدیر الحق" مولانا سمیع الحق کے سوالنامہ کے جواب میں
مشائخ، مشاہیر علم، ممتاز سکالرز، دانشوروں اور قومی و ملی زعماء کے
علمی و مطالعاتی تاثرات اور مشاہدات پر مبنی واقع مضامین کا مجموعہ،

مؤتمرات المصنفین

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک، نوشہرہ، سرحد (پاکستان)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
شیخ الحدیث مولانا عبد الحق
مولانا سید محمد یوسف بنوری
مولانا مفتی محمد شفیع رحمان
مولانا شمس الحق افغانی
شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید
مولانا غفر احمد عثمانی
مولانا الطیر علی بک بدیشی
قاضی زین العابدین میرٹھی
مولانا محمد ابراہیم خان بٹہ
مولانا سمیع الحق مدظلہ
مولانا قاضی محمد زامہ کھٹنی
مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی
پروفیسر محمد اشرف شاہ
مولانا الطافت الرحمن
مولانا محمد اسحاق ندوی
مولانا عبدالقدوس ناشی
علامہ مولانا مارتونگ
ڈاکٹر محمد صفیر حسن
ڈاکٹر جمیل الدین پیر
ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مطبوعات مؤتمراً المصنفين ۲۱

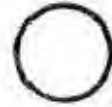


دارالعلوم حقانیہ جامعۃ الازہر تک

پیش لفظ — حضرت مولانا سمیع الحق مدیر الحق

تالیف — مولانا مفتی غلام الرحمن

- مصر جامعۃ الازہر اور حرمین شریفین کا تازہ اور دلچسپ سفر نامہ، مصر کی قدیم و جدید تاریخ، ثقافت و معاشرت، مادیت و مغربی تہذیب کی بلیغ، اور نقد و تبصرہ۔
- جامعۃ الازہر کی اہمیت، تعلیمی احوال، عروت و ارتقاء، مشائخ الازہر اور اکابر علماء کے حالات۔
- اہم تاریخی اور مذہبی یادگاروں کا تذکرہ، سبق آموز واقعات اور دیار حبیب میں عاشقانہ حاضری کی محبت جبرئیل روئداد، سہل و سلیس اور دلچسپ انداز بیان۔



مؤتمراً المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

پشاور : پاکستان